صحافت

پاکستان و ہند میں

تالیف

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

٭

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ کلب روڈ لاہور

صحافت

پاکستان و ہند میں

تالیف

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

★

مجلسِ ترقیٔ ادب ۲۔ کلب روڈ
لاہور

طبع اول : جون ۱۹۶۳ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس ، لاہور

مہتمم : ایس - ایم - شفیق

قیمت : پندرہ روپے

انتساب

★ ★

والد مرحوم

مولانا عبدالمجید سالک

کے

نام

پیش لفظ

'صحافت ، پاکستان و ھند میں' میری دس سالہ محنت کا نتیجہ ھے - میں اسے اھل نظر کی خدمت میں پورے عجز و انکسار سے پیش کرتا ھوں ، کہ مجھے اپنی کوتاھیوں کا مکمل احساس ھے - علمی تحقیق کے میدان میں کسی مطالعے کو بھی حرف آخر کی حیثیت حاصل نہیں ھوتی ، کیونکہ علم کے دروازے سدا کھلے رھتے ھیں اور محققین کی محنت سے مسلسل نئے حقائق نمودار ھوتے چلے جاتے ھیں - 'صحافت ، پاکستان و ھند میں' کے بارے میں جامعیت کا دعویٰ نہ ھے، نہ ھو سکتا ھے - لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ صحافت کی ایک مکمل تاریخ لکھی گئی ھے ، ورنہ اس سے پہلے جتنی تالیفات منظر عام پر آئی ھیں وہ خاص ادوار سے تعلق رکھتی ھیں -

امداد صابری نے 'تاریخ صحافت اردو' لکھی ، لیکن صرف ۱۸۵۷ء تک - محمد عتیق صدیقی نے 'ھندوستانی اخبار نویسی ، کمپنی کے عہد میں' پیش کی جو علمی تحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ھے ، لیکن یہ بھی ۱۸۵۷ء تک کی داستان بیان کرتی ھے - بدر شکیب نے 'اردو صحافت' لکھی ، لیکن زیادہ تر ابواب فن صحافت پر ھیں اور جو تاریخ قلم بند کی ھے وہ انیسویں صدی تک محدود ھے - انگریزی زبان میں صحافت کی تاریخ پر دو کتابیں نمایاں ھیں : اول ، مس مارگریٹا بارنس کی مرتبہ کتاب 'دی انڈین پریس' ، جو ۱۹۴۰ء میں چھپی - دوم ، جے - نٹ راجن کی کتاب 'ھسٹری آف جرنلزم ان انڈیا' جو ۱۹۵۶ء میں شائع ھوئی - اول الذکر کتاب تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ھے، لیکن مولفہ نے اردو اور فارسی صحافت کا ذکر یوں کیا ھے جیسے اس کی کوئی اھمیت ھی نہیں تھی - انھوں نے

سارا زور انگریزی صحافت پر صرف کیا ہے - یہی حال نٹ راجن کی کتاب کا ہے - اس میں آردو صحافت کا ذکر کچھ زیادہ ہے ، لیکن پھر بھی بہت کم ہے -

ان سب کتابوں کا بنیادی نقص یہ ہے کہ ان میں پنجاب کی آردو صحافت کا ذکر بہت دود پیمانے پر ہوا ہے - اس موضوع پر دو تھیسس لکھے جا چکے ہیں - ایک ڈاکٹر بول چند نے ۱۹۳۳ء میں لکھا ، لیکن یہ نہایت مختصر تھا - دوسرا میرے دوست اور شاگرد انوار قریشی نے ایم - اے (تاریخ) کے سلسلے میں قلم بند کیا ، لیکن اس میں ۱۸۸۴ء تک پنجاب کی آردو صحافت کی کہانی بیان کی گئی ہے - مسٹر ایس - فیروز کی کتاب 'پریس ان پاکستان' میں صحافت کی تاریخ کا جائزہ شروع سے اب تک کے اخباروں پر حاوی ہے ، لیکن صرف آن اخباروں پر ، جو پاکستان کے موجودہ علاقوں سے جاری ہوئے - مسٹر مجید نظامی کا کتابچہ 'پریس ان پاکستان' بھی قابل تعریف ہے ، لیکن اس میں قیام پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک کی صرف پاکستانی صحافت کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس سے پہلے کی تاریخ چند صفحوں میں محدود رکھی ہے - بر سبیل تذکرہ ، یہ سب کتابیں انگریزی میں ہیں -

آردو صحافت کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی ، مولانا عبد المجید سالک ، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ، ملک امام خاں نوشہروی اور دوسرے بزرگوں نے وقتاً فوقتاً مقالے قلم بند کئے ؛ جو اپنی اپنی جگہ پر قابل قدر اور قابل تحسین ہیں ، لیکن تاریخ صحافت کے فنی پہلوؤں سے دیکھیے تو ان میں تشنگی نظر آتی ہے -

میں نے جتنی کتابوں اور مقالوں کا ذکر کیا ہے آن میں کوئی یسی مثال نہیں جس میں آردو صحافت کی مکمل تاریخ لکھنے کا دعویٰ کیا گیا ہو - ضرورت اس امر کی تھی کہ بر عظیم میں آردو صحافت کے نشو و ارتقاء کی ایک مسلسل اور مکمل کہانی کتابی صورت میں سامنے آ جائے - اس ضرورت کو پورا کرنے کی میں نے سعی کی ہے -

دنیا بھر میں تاریخ صحافت کے محققین دو گروھوں میں بٹے ہوئے ھیں : ایک گروہ کا خیال ھے کہ تاریخ صحافت میں محض فن صحافت کے ارتقاء کی داستان قلم بند کرنی چاھیے - دوسرے گروہ کا زاویۂ نگاہ یہ ھے کہ صحافت رائے عامہ کا ایک مؤثر ادارہ ھے ، اس لیے جب تاریخ صحافت لکھی جائے تو رائے عامہ کی تاریخ مرتب کی جائے - مثلاً یہ بتایا جائے کہ صحافت نے سیاسی اور معاشی اور عمرانی آراء کو کیسے بدلا اور آزادیٔ رائے کو کس طرح فروغ دیا - میرا زاویۂ نگاہ کئی اور محققین کی طرح ان دونوں متصادم آراء کے بین بین ھے - میں سمجھتا ھوں تاریخ صحافت میں فن صحافت اور رائے عامہ دونوں کا ارتقاء ایک دوسرے کے دوش بدوش پیش کیا جاسکتا ھے اور یہ کتاب اسی زاویۂ نگاہ سے لکھی گئی ھے - میں نے فن صحافت کا ارتقاء بھی پیش کیا ھے ، سیاسی تبدیلیوں اور تحریکوں کا بھی ذکر کیا ھے ، قوانین صحافت کا خلاصہ بھی بیان کیا ھے اور یہ بھی بتانے کی کوشش کی ھے کہ اخبارات دار و گیر کی آزمائشوں پر کیسے پورے اترے -

میں نے اس داستان کا آغاز وقائع نگاری سے کیا ھے - پہلے باب کے سولہ صفحے میری اس تحقیق کا نچوڑ ھیں جس کے لیے مجھے یونیورسٹی آف ایمسٹرڈم نے پی ایچ - ڈی کی ڈگری عطا کی - یہ کتاب انگریزی زبان میں 'نیوزلیٹرز ان دی اوریئنٹ' کے نام سے ھالینڈ میں ۱۹۵۶ء میں شائع ھوئی - چونکہ ماخذ کی ایک طویل فہرست اس کتاب کے آخر میں درج ھے ، اس لیے میں نے موجودہ کتاب میں وہ فہرست چھاپنا مناسب نہیں سمجھا - پھر طباعت اور انگریزی صحافت کی ابتداء بیان کی ھے - اس کے بعد فارسی صحافت کے آغاز اور ترقی پر روشنی ڈالی ھے - علاقائی زبانوں کی صحافت شروع ھونے کی داستان بھی بیان کی ھے اور پھر اردو صحافت کا سلسلہ شروع کر دیا ھے - میں نے کتاب لکھنے کے دوران یہ بھی خیال رکھا ھے کہ قارئین کو انگریزی صحافت کے بارے میں اھم معلومات حاصل ھو جائیں ، قوانین صحافت کے ارتقاء سے آگاھی ھو جائے اور معلوم ھو جائے کہ خبر رساں ادارے کیسے شروع ھوئے اور برعظیم میں انھوں

نے کیسے ترقی کی - آخر میں تقسیم کے بعد پاکستان میں صحافت کی ترقی کا جائزہ لیا ہے -

'مجلس ترقیٔ ادب' کی ہدایت تھی کہ میں جو کچھ لکھنا چاہوں وہ پانسو صفحات میں سما جائے، اس لیے بعض مواقع پر اختصار سے کام لیا - میں نے کوشش کی ہے کہ کوئی اہم بات نہ رہ جائے، لیکن جہاں تنگ دامانی کا یہ عالم ہو اور موضوع کا دائرہ بہت وسیع ہو وہاں کچھ عجب نہیں کہ بعض امور کا ذکر رہ گیا ہو - مجھے یقین ہے کہ میری کوتاہیوں کے بارے میں قارئین مجھے مطلع کریں گے، تاکہ نئے ایڈیشن میں تلافی کر دی جائے -

مجھے کتاب کے ماخذ کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے - ۱۷۸۰ء سے اب تک کے جن انگریزی اور اردو اخباروں کے فائلوں تک مجھے دسترس حاصل ہوئی، میں نے ان کا مطالعہ کیا ہے، لیکن ماخذ کی فہرست میں صرف ان فائلوں کا ذکر کیا ہے جن سے میں نے اس کتاب کے لکھنے میں مدد حاصل کی - اسی طرح میں نے بے شمار کتابوں کی ورق گردانی کی - بہت سی کتابیں ایسی تھیں کہ ان میں مطلب کی کوئی چیز نہیں ملی، اس لیے میں نے انھیں ماخذ کی فہرست سے حذف کر دیا، کیونکہ مقصد یہ نہیں کہ ماخذ کی فہرست کو طویل اور 'مرعوب کن' بنایا جائے بلکہ محض یہ ہے کہ جو لوگ مزید مطالعہ کرنا چاہیں ان کی رہنمائی ہو جائے - تخلیقی کتابوں میں 'حواشی' دینے کا بھی رواج ہے اور ہر صفحے پر حوالوں کی بعض اوقات طویل قطار نظر آتی ہے - اتنی طویل کہ اصل متن غائب ہو جاتا ہے - آج کے زمانے میں دنیا بھر کے علمی مرکزوں میں حواشی اور حوالوں کی بھرمار کو مناسب نہیں سمجھا جاتا اور جہاں حوالے کی ضرورت سچ مچ ہوتی ہے وہاں وہ حوالہ متن کے ساتھ ہی دے دیا جاتا ہے تاکہ قاری کو بار بار حوالہ دیکھنے کے لیے مختلف جگہ پر نظر ڈالنے سے جو الجھن ہوتی ہے وہ دور ہو جائے - میں نے اس کتاب کی تحریر میں یہی نیا انداز اختیار کیا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ حوالوں کے متلاشی محققین کو بھی کوئی خاص شکایت پیدا نہیں ہو گی -

تاریخ صحافت کی تحقیق کے فنی پہلوؤں پر جن اساتذۂ کرام سے فیض حاصل کیا ، ان کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ ان کے اسماء یہ ہیں :-

Prof. Dr. Kurt Baschwitz, University of Amsterdam.
Prof. Dr. F.W. Wertheim, University of Amsterdam.
Prof. Dr. Jacques Leaute, University of Strasbourg.
Prof. Dr. Jacques Kaiser, University of Paris.
Prof. Robert Desmond, University of California (U.S.A).
Prof. Raymond B. Nixon, University of Minnesota (U.S.A.).
Prof. M. Kafel, University of Warsaw.

مجھے ان مصنفین اور مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی کاوشوں سے میں نے استفادہ کیا ۔ استاذیٔ مکرم پروفیسر حمید احمد خاں اور مولانا غلام رسول مہر کی خدمت میں ھدیۂ تشکر پیش کرنا ہے ، جن کی حوصلہ افزائی میرے آڑے آئی ۔ احباب میں سے سجاد حیدر ، عبداللہ ملک ، اور احراز نقوی کا ممنون ہوں ۔ مسٹر عبدالرحیم لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور مسٹر ضیاءالحق اسسٹنٹ لائبریرین پنجاب پبلک لائبریری کا سپاس گزار ہوں ، کہ انھوں نے میرے کام میں آسانیاں پیدا کیں اور اپنے نہایت ھی شفیق بزرگ سید امتیاز علی تاج کا ممنون ہوں جو اس کتاب کی تالیف میں میری بے جا تاخیر پر کبھی زیادہ ناراض نہیں ہوئے ۔

عبدالسلام خورشید

۱۰ ۔ سالک روڈ ، مسلم ٹاؤن
بر لب نہر ، لاھور — ۱۲
۹ جون ۔ ۱۹۶۳ء

فہرس

پہلا باب

اخبار نویسی کا آغاز

انسان جب سے پیدا ہوا ہے تجسس اور تلاش اس کی فطرت ثانیہ بنی ہوئی ہے - پتھر کے زمانے سے لے کر آج تک انسان کا یہ جذبہ نہیں دبا کہ وہ اپنے ہم جنسوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرے - تجارتی قافلوں کے سفر نے تجسس کا جذبہ تیز کیا اور جب زمان و مکان کی قیود ٹوٹنے لگیں تو جدید اخبار نویسی نے جنم لیا اور س کی کوکھ سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پیدا ہوئے، جو چشم زدن میں دنیا کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے تک پہنچا دیتے ہیں -

مطبوعہ صحافت سے پہلے خبروں کی فراہمی اور اشاعت کیسے ہوتی تھی، اس سے ایک دل چسپ داستان وابستہ ہے - ہزار ہا سال پہلے کا ذکر ہے، عہد فراعنہ کے مصریوں نے حالات حاضرہ کو عوام تک پہنچانے کی ضرورت محسوس کی - ہم ایک 'پے پی رس' مسودے پر تصویری رسم الخط میں یہ عبارت دیکھتے ہیں: ''بادشاہ 'نفرکے رے' حکم دیتا ہے کہ ان دستاویزات کی ایک نقل پتھر پر کندہ کرکے 'کوپ توس' کے معبد میں دروازے کے باہر نصب کر دی جائے، تاکہ سب لوگ اسے پڑھ سکیں -'' اخبار نویسی کے لیے معبد کی دیواروں کو اس لیے ذریعہ بنایا گیا کہ وہاں نہ صرف مقامی باشندے باقاعدگی سے حاضر ہوتے تھے بلکہ اہم عبادات پر دور دراز کے لوگ بھی پہنچتے تھے اور جب وہ اپنے شہروں اور بستیوں کو لوٹتے تو اپنے متجسس ہم وطنوں اور ہم نشینوں کو ان تمام خبروں سے آگاہ کر دیتے تھے جو انھوں نے معبد کی دیواروں پر کندہ عبارات سے اخذ کی تھیں - فراعنہ کے علاوہ مصر کے ٹالمی اور رومی حکم رانوں نے بھی خبروں کی اشاعت پر زور دیا اور

ایسے یونانی کتبے دریافت ہوئے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حکم ران اور رعایا کن قوانین کے پابند ہیں، محاصل کی تشخیص اور وصولی کے ضوابط کیا ہیں، قانون توڑنے والوں اور بالخصوص رشوت لینے والوں کے لیے کون کون سی سزائیں مقرر ہیں اور دیوانی مقدمات کا نظام کار کیا ہے۔

قدیم عراق کے قوانین حمورابی اور قدیم ہند میں اشوک کے کتبات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان خطوں میں عوام سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے خاص طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ بہر حال قدیم ہند میں خبروں کی اشاعت کا آغاز جاسوسی اور خبروں کی خفیہ فراہمی سے ہوا، جس کے نظام کار کی تفصیل منوسمرتی اور کوٹلیہ کے ارتھ شاستر سے ملتی ہے۔ کوٹلیہ چالاک سیاست دان اور چندر گپت موریا کا وزیر اعظم تھا۔ اس نے خبروں کی فراہمی کے بارے میں اپنے تصورات کو عملی جامہ پہنایا۔ وہ تین مختلف اور آزاد ذرائع سے خبریں حاصل کرتا تھا۔ اگر ان میں واقعاتی مطابقت نظر آتی تو فبہا، ورنہ وہ معاملے کی تہ تک پہنچتا تھا اور جس جاسوس یا نامہ نگار کے بیان میں غلطی دیکھتا، اسے شدید سزا دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چندر گپت موریا کے عہد میں بالکل صحیح خبریں حکومت تک پہنچتی تھیں اور اس کی تصدیق صرف 'ارتھ شاستر' ہی سے نہیں، ہم عصر سیاحوں، میگستھنیز اور ایریان کے سفرناموں سے بھی ہوتی ہے۔ اشوک کے زمانے میں نامہ نگاروں کو 'پلسانی' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ خبروں کے حصول میں فاحشہ عورتوں کی مدد بھی لیتے تھے اور انھیں روپے دے کر وہ تمام معلومات حاصل کر لیتے تھے جو یہ عورتیں عشوہ طرازی سے کام لے کر اپنے عشاق کے منہ سے اگلوا لیتی تھیں۔ پلسانی ایک خفیہ رسم الخط میں خبریں لکھتے اور خاص طور پر تربیت یافتہ کبوتروں کے ذریعے سے انھیں منزل مقصود تک پہنچا دیتے تھے۔ یہیں سے خبر ناموں کی ابتدا ہوتی ہے، جنھیں

مشرقی ممالک میں عام طور پر 'اخبار' کا نام دیا جاتا تھا اور یہی اخبار عصر حاضر کے چھپے ہوئے اخباروں کا پیش خیمہ تھے۔

یورپ میں قلمی اخبار آج سے دو ہزار سال پہلے رومی سلطنت کے عہد میں شروع ہوئے۔ دارالحکومت میں ہر روز ایک بڑے سے بورڈ پر سرکاری خبریں اور جنگی اطلاعات درج کر دی جاتی تھیں۔ حکومت کی طرف سے خاص کاتب مقرر تھے۔ وہ ساری معلومات کی نقلیں تیار کرتے تھے اور یہ اخبار مختلف صوبائی افسروں کو بھیج دیے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ بعض امراء نے نجی کاتب بھی مقرر کرنے شروع کر دیے اور اس طرح اس اخبار کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اس اخبار کا نام 'Acta Diurna' تھا، جس کا مطلب ہے 'روزانہ کاروائی'۔ بہر حال قلمی اخبار کا آغاز مشرق میں ہوا۔

اسلام سے پہلے ایرانی سلطنت میں خبر ناموں کی ترتیب اور ترسیل کا وہ نظام موجود تھا جسے بعد میں اُمویوں اور عباسیوں نے بہتر بنیادوں پر قائم کیا۔ ایک ایرانی صحافی کا بیان ہے: ''ایران میں 'روز نامہ' کا لفظ قبل از اسلام دور سے تعلق رکھتا ہے۔ پادشاھوں، وزیروں اور امیروں نے ایسے لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ملک کے حالات قلم بند کرتے تھے۔ بیرونی نامہ نگاروں کی خبریں ترتیب دیتے تھے اور اُن کی صحت کی جانچ پڑتال کے بعد ساری خبروں کو باقاعدگی سے یک جا کرتے تھے، تاکہ مورخ اور سرکاری افسر ان سے ضروری معلومات اخذ کر سکیں۔ ایسی خبروں کو مرتب کرنے والے 'اخبار نویس' کہلاتے تھے۔''

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں خبریں حاصل کرنے کے لیے کوئی منظم ادارہ موجود نہیں تھا۔ حضرت عمر کے عہد میں اس طرف قدم بڑھایا گیا۔ لیکن عرب مورخ، فخری کے قول کے

مطابق امیر معاویہ نے 'البرید' (ڈاک) کا آغاز کیا - برید دو لفظوں سے نکلا ہے - ایک فارسی کا ہے ، ایک عربی کا - فارسی لفظ بردن ہے ، یعنی تیز رفتار گھوڑا اور عربی لفظ برضان ہے ، یعنی بوجھ اُٹھانے والا گھوڑا - خلیفہ عبدالملک کے عہد میں 'البرید' زیادہ منتظم ہوئی - دمشق سے صوبائی صدر مقاموں کو جانے والی تمام سڑکوں پر ہر چند میل کے فاصلے پر برید کے گھوڑے موجود ہوتے تھے - ہر چوکی پر جونہی ڈاک پہنچتی تھی ، خاص طور پر مقرر شدہ ہرکارے گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ڈاک اگلی چوکی پر پہنچا دیتے - اس طرح ایک چوکی سے دوسری چوکی اور دوسری سے تیسری چوکی تک پہنچتے پہنچتے ڈاک منزل مقصود پر آ جاتی تھی - برید کے دو مقصد تھے : (اول) سرکاری خط و کتابت کی ترسیل - (دوم) خبروں کی فراہمی - پوسٹ ماسٹر کو 'صاحب البرید' کہتے تھے - علاوہ دوسرے فرائض کے اس کا یہ فرض بھی تھا کہ وہ اپنے علاقے کے تمام واقعات سے خلیفہ کو باخبر رکھے -

دور عباسیہ میں حکومت اور خلافت نے ساسانی رنگ اختیا کر لیا - آہستہ آہستہ ایرانی تصورات غالب آ گئے - اس لیے خبروں کی فراہمی کے کام میں بھی قبل از اسلام ایران کی تقلید کی گئی - خلیفہ ہارون الرشید کے ایرانی وزیر یحییٰ نے برید کا نظام نئے سرے سے قائم کیا - اس سے حسن کارکردگی میں بھی اضافہ ہوا اور تیزی میں بھی - دارالخلافہ بغداد کو سلطنت کے تمام مراکز سے ملانے کے لیے نئی شاہ راہیں تعمیر ہوئیں - 'فلپ - کے - ہٹی' عرب مؤرخ مسعودی کے حوالے سے لکھتا ہے : ''کبوتروں کو تربیت دی جاتی تھی اور اُن سے نامہ بر کا کام لیا جاتا تھا - اس کی پہلی مثال یہ ہے کہ ۸۱۶ء میں خلیفہ 'المعتصم' کو خرمی فرقے کے رہنما 'بابک' کی گرفتاری کی اطلاع نامہ بر کبوتر کے ذریعے سے پہنچائی گئی -'' اس کے بعد 'ہٹی' لکھتا ہے : ''صاحب البرید کا ایک کام تو یہ تھا کہ وہ شاہی ڈاک اور ڈاک کے

مختلف محکموں کی نگرانی کرے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک اور بڑا فرض یہ تھا کہ جاسوسی نظام کے افسر اعلیٰ کا کام کرے۔ اور سارا محکمۂ برید اس نظام کا تابع تھا۔ اس رعایت سے اس عہدے کا پورا نام 'صاحب البرید و الاخبار' تھا۔ صوبوں کے اصحاب برید اول تو مرکزی صاحب البرید والاخبار کی وساطت سے، ورنہ براہ راست خلیفہ کو صوبوں کے مختلف حکام کی سرگرمیوں اور حرکات و سکنات سے مطلع رکھتے تھے، حتیٰ کہ صوبائی والی بھی اس لحاظ سے صاحب برید کے ماتحت تھا۔ ایک بعد کے ذریعے سے ایسی اطلاعات کا ثبوت ملتا ہے۔ المتوکل کو بغداد کے والی کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ وہ مکہ سے حج کے بعد ایک خوب صورت لڑکی لایا ہے۔ دوپہر سے رات تک اس کی صحبت سے لذت اندوز ہوتا ہے اور امور سلطنت سے غافل ہے۔"

برعظیم پاک و ہند میں برید کا نظام غزنوی خاندان کے حکم رانوں نے جاری کیا۔ لیکن سلاطین دہلی کے عہد میں اس کی نوک پلک سنواری گئی۔ ان میں بلبن نمایاں ہے۔ اُس نے تمام جاگیروں، بڑے شہروں اور دور دراز کے قصبوں میں وقایع نگار یا برید مقرر کیے اور یہ خیال رکھا کہ کسی برید کو خبریں حاصل کرنے کے لیے اتنا بڑا علاقہ نہ دیا جائے کہ وہ پوری معلومات حاصل کرنے سے عاجز ہو۔ اُس کے نظام برید کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے: "ان لوگوں (وقایع نگاروں) کی معرفت اُسے جو خبریں ملتیں وہ ان پر فوراً توجہ دیتا اور اُس کے دل میں اُن لوگوں کے لیے کوئی قدر نہیں تھی جو انصاف کا منشاء پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اُمراء اور حکام برید سے بہت ڈرتے تھے، اس لیے اُنھیں یا اُن کے فرزندوں یا حواریوں کو کبھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ کسی معصوم شخص کو ضرر پہنچائیں۔"

علاء الدین خلجی کے عہد میں نظام برید سے تجارتی نرخ

قائم رکھنے میں بھی مدد لی جاتی تھی۔ چنانچہ چندر گپت موریا کی طرح وہ بھی تین ذرائع سے خبریں حاصل کرکے اُن کا موازنہ کرتا تھا۔ 'تاریخ فیروز شاہی' میں لکھا ہے: "ضابطہ ہے۔ سلطان کو ہر روز بازار کے نرخوں اور تجارتی سودوں کی اطلاعات تین مختلف ذرائع سے حاصل ہوتی تھیں:

اول: شحنۂ منڈی، جو منڈی کے نرخوں اور سودوں کی اطلاع دیتا تھا۔

دوم: برید الگ اطلاع پہنچاتے تھے۔

سوم: منہی یا خفیہ پولیس کے کارندے اپنی اطلاع خفیہ طور پر پہنچاتے تھے۔

اگر ان تین مختلف ذرائع کی مہیا کردہ معلومات میں کچھ فرق نظر آتا تو شحنۂ منڈی کو سزا ملتی تھی۔ منڈی کے حکام جانتے تھے کہ منڈی کے تمام نشیب و فراز سے سلطان تین مختلف ذرائع کی مدد سے باخبر رہتا ہے۔ اس لیے اُن کے لیے کوئی ایسی گنجائش باقی نہیں تھی کہ وہ منڈی کے قواعد سے معمولی سے معمولی انحراف بھی کرتے۔"

محمد بن تغلق نے نظام خبر رسانی میں کمال پیدا کیا اور برعظیم پاک و ہند میں پہلی مرتبہ خبروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچانے میں تیز رفتاری کے عنصر کو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں بتاتا ہے کہ اُس کے عہد میں برید دو قسم کی ہوتی تھی۔ ایک گھوڑوں کے ذریعے، دوسری پیادوں کے ذریعے سے۔ اول الذکر کو 'اُتاق' کہتے تھے اور ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا تھا۔ پیادوں کے ذریعے سے برید کی داستان خود ابن بطوطہ کی زبانی ملاحظہ ہو:

"ہر گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لیے برجیاں بنی ہوتی ہیں۔ ہر ایک برجی میں ہرکارے کمر کسے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہر ایک ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دوگز لمبی ہوتی ہے، جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں۔ جب شہر سے ڈاک چلتی

ہے تو وہ ایک ہاتھ میں لفافہ رکھ لیتا ہے ، دوسرے ہاتھ میں چھڑی ہوتی ہے ۔ تمام طاقت خرچ کر کے وہ دوڑتا ہے ۔ دوسرا ہرکارہ اس گھنگرو کی آواز سن کر تیار ہو جاتا ہے اور لفافہ لے کر فوراً دوڑتا ہے اور جہاں خط پہنچانا ہوتا ہے پہنچا دیتا ہے ۔ یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی جلد جاتی ہے .... اخبار نویس ہر مسافر کا حال تفصیل وار لکھتے ہیں کہ اس کی صورت ایسی ہے ، لباس ایسا ہے ، نوکر ، ساتھی اور جانور اس کے ساتھ اتنے ہیں ، اس کے حرکات و سکنات اس قسم کے ہیں ۔ الغرض کوئی بات نہیں چھوڑتے ۔ ملتان سے دہلی جانے کا راستہ پچاس روز کا ہے ۔ میرے آنے کی خبر برید کے ذریعے سے پانچ روز میں پہنچ گئی تھی ۔''

گھنگروؤں کی رسم کہاں سے شروع ہوئی ؟ اس کا پتہ نہ عربوں کے نظام برید سے ملتا ہے نہ ایرانیوں کے نظام وقائع نگاری سے ۔ 'مارکوپولو' کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم چین کے حکم ران قبلائی خان کے عہد میں گھنگرو اسی طرح استعمال ہوتے تھے ۔ اس لیے یہ کہنا غالباً غیر صحیح نہیں ہوگا کہ محمد بن تغلق نے چین کی تقلید کی ۔ خبروں کے بھیجنے میں تیز رفتاری کے عنصر کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں ؛ مثلاً 'مارکوپولو' کے بیان کے مطابق قبلائی خان کے عہد میں اہم خبریں پہنچانے کے لیے ہرکارے دن رات میں ڈھائی سو میل کا فاصلہ طے کر لیتے تھے اور راستہ خراب ہوتا تو رات کے وقت آگے آگے مشعل بردار دوڑتے تھے ۔ شیر شاہ سوری کے دور حکومت میں بھی رفتار کا عنصر نمایاں تھا ۔ اس سلسلے میں 'واقعات مشتاقی' کا یہ اقتباس دل چسپی سے خالی نہیں : ''حسین خان طشت دار کو بنگال سے ایک ضروری کام پر بھیجا گیا ۔ اس نے دن رات سفر جاری رکھا ۔ جب نیند آتی ، وہ چارپائی پر لیٹ جاتا اور دیہاتی اس چارپائی کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر چلتے ۔ جب نیند کھلتی تو وہ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑتا ۔ اس طرح وہ 'چتوڑ' سے 'گور' تک تین روز میں پہنچا ۔ تصور کیجئے یہ کتنا بڑا فاصلہ ہے ۔'' ان دو شہروں کے درمیان آٹھ سو میل کا فاصلہ ہے اور راستے میں بڑے بڑے دشوار گزار مقام آتے تھے ۔

آج کے زمانے میں خبر کے بنیادی مقتضیات میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ ہر لحاظ سے صحیح ہو ۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی یہی صورت تھی ، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب سے برید کا نظام شروع ہوا ہے ، صحت خبری ایک بنیادی عنصر رہی ہے ۔ آج کے دور میں اگر کوئی اخبار کوئی غلط یا غیر صحیح خبر شائع کر دے تو ہم زیادہ تر رائے عامہ کی قوت پر انحصار کرتے ہیں کہ وہ اخبار اس حرکت کا اعادہ نہ کرے ، لیکن سلاطین دہلی کے عہد میں اگر کوئی وقائع نگار جھوٹی خبر دیتا تھا تو اس کی سزا موت تھی ۔ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ بدایوں کا حاکم 'ملک بق بق' بہت بڑا جاگیردار اور بلبن کا خاص مصاحب تھا ۔ ایک دفعہ وہ شراب کے نشے میں مخمور تھا ۔ اسی حالت میں اپنے ایک مصاحب پر ناراض ہوا اور اسے تازیانوں سے ہلاک کر دیا ۔ کچھ عرصے بعد بلبن بدایوں پہنچا تو اس مصاحب کی بیوہ نے سلطان سے فریاد کی ۔ بلبن نے فوراً حکم دیا کہ ملک بق بق کو بیوہ کے سامنے تازیانوں سے ہلاک کر دیا جائے اور محکمہ برید کے جو افسر بدایوں کی جاگیر کے حالات بھیجنے پر مامور تھے اور جنھوں نے اس خبر کو بلیک آؤٹ کر دیا تھا ، آنھیں شہر کے دروازے کے آوپر پھانسی پر لٹکا دیا گیا ۔

عہد مغلیہ میں یوں تو بابر اور ہمایوں نے بھی نظام خبر رسانی سے فائدہ اٹھایا ، لیکن اکبر پہلا حکم ران تھا جس نے ایک نہایت جامع نظام قائم کیا ۔ اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ابوالفضل 'آئین اکبری' میں لکھتا ہے : ''شہنشاہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر کام نہایت مناسب طریقے سے ہو ۔ کسی محکمے میں نہ کوئی غیرضروری اضافہ ہو نہ تخفیف ۔ بد دیانت افراد بر طرف کردیے جائیں ، قابل اعتماد افراد کا احترام کیا جائے ۔ سر گرم ملازمین نڈر ہو کر اپنے فرائض ادا کریں اور خود فراموش اشخاص کی روک تھام ہو ۔'' یہ نظام اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں اپنے عروج کو پہنچا ، لیکن عالم گیر کی وفات سے جہاں عہد مغلیہ کا زوال شروع ہوا وہاں نظام خبر رسانی کا شیرازہ بھی بکھرنے لگا ۔

مغلوں کے زمانے میں ایک تو قلعہ معلیٰ کے وقائع نگار ہوتے تھے۔ اُن کا کام یہ تھا کہ دربار کی ساری روداد کا ایک روزنامچہ مرتب کریں۔ یہ لوگ دربار کا چھوٹا سے چھوٹا واقعہ قلم بند کرتے تھے۔ دوسرے دن یہ روزنامچہ دربار میں بہ آواز بلند پڑھا جاتا تھا۔ باج گزار ریاستوں اور دور دراز متعینہ اُمراء کے نمائندے فوراً تمام واقعات اخبار کی صورت میں مرتب کر کے اپنے آقاؤں کو بھیج دیتے تھے اور روزنامچہ کی نقل ریکارڈ کے لیے رکھ لی جاتی تھی۔ خبروں کی فراہمی کے لیے ایک الگ محکمہ شہنشاہ کی زیرنگرانی قائم تھا۔ اس کا اعلیٰ ترین افسر داروغہ ڈاک چوکی کہلاتا تھا، لیکن وہ اخباری تنظیم کا اعلیٰ افسر نہیں تھا۔ اُس کا کام صرف خبریں پہنچانا تھا۔ شہنشاہ صوبائی اور اضلاعی اخبار نویس خود مقرر کرتا تھا اور اُن کی برطرفی اور تبدیلی بھی براہ راست شہنشاہ کی طرف سے ہوتی تھی۔ بعض اخبارات سر بہ مہر لفافوں میں آتے تھے۔ انھیں داروغہ ڈاک چوکی کھولے بغیر بجنسہ شہنشاہ کے حضور میں پیش کر دیتا تھا۔ باقی اخبارات روزمرہ امور کی خبروں پر مشتمل ہوتے تھے۔ انھیں داروغہ ڈاک چوکی کھولنے کا مجاز تھا۔ وہ ان سب کا خلاصہ بنا کر شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ لیکن اصل اخبارات بھی خلاصے کے ساتھ منسلک ہوتے تھے، تاکہ شہنشاہ چاہے تو کسی معاملے کی تفاصیل کے لیے اصل اخبار دیکھ لے۔ ان تمام معلومات کی بنا پر شہنشاہ احکام اور فرامین جاری کرتا تھا اور سب درباری روزنامچے میں شامل ہو کر دوسرے دن شاہی ریکارڈ میں داخل ہو جاتے تھے۔

ان اخبارات میں شاہی فوجی مہمات کی اطلاعات کے علاوہ سیاسی، معاشرتی، معاشی، تجارتی اور زرعی خبریں درج ہوتی تھیں۔ اخبارات عوام کے لیے اس لحاظ سے بے حد مفید رہتے تھے کہ سلطنت کے طول و عرض میں ناانصافی، بد نظمی، رشوت ستانی اور حاکموں اور امیروں اور سرداروں کی ظالمانہ حرکتوں کی ساری اطلاعات بادشاہ کے گوش گزار ہو جاتیں اور وہ فوراً ان کی روک تھام میں مصروف ہو جاتا۔ اس طرح اخباری تنظیم عوامی شکایات کے دور کرانے میں مدد

دیتی تھی ، جو آج بھی مطبوعہ صحافت کا ایک اہم فریضہ ہے ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقائع نگاروں اور اخبار نویسوں کی حیثیت معاشری اور معاشی لحاظ سے کیسی تھی ؟ وہ خبروں کی بہم رسانی اور ترسیل میں کس حد تک آزاد تھے اور اُن کی مہیا کی ہوئی اطلاعات کس حد تک قابل اعتماد ہوتی تھیں ؟ اگر ہم اُن کے مشاہروں کی رقوم معلوم کرنا چاہیں تو غالباً اس میں کامیابی نہیں ہوگی ۔ البتہ بعض شواہد ایسے ہیں جن سے ہمیں اُس عہد کے اخبار نویسوں کی معاشری اور معاشی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے ، مثلاً بعض اخبار نویس اعلیٰ پائے کے ادیب اور انشاء پرداز تھے ۔ اکثر بخشی اور وقائع نگار کے عہدے ایک ہی شخص میں مرتکز ہوتے تھے ۔ کئی وقائع نگار بہت اونچے عہدوں پر پہنچے ۔ بہت سے اخبار نویس بے پناہ سیاسی قوت کے مالک بن گئے ۔ بعض کو بادشاہ کی طرف سے تحائف اور خلعتیں عطا ہوتی تھیں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقائع نگاروں اور اخبار نویسوں کو سلطنت کے معاشری اور معاشی نظام میں نمایاں مقام حاصل تھا ۔ چونکہ صرف بادشاہ ہی اُن کے تقرر اور برطرفی کا اختیار رکھتا تھا ، اس لیے اخبار نویس صوبائی حاکموں اور بڑے بڑے اُمراء کے اثر اور اختیار سے بھی آزاد تھے ۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ صوبائی حاکم نہ صرف اُن پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے بلکہ اُن سے ڈرتے بھی تھے ۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض صوبائی حاکموں نے وقائع نگاروں پر سیاسی دباؤ ڈال کر یہ چاہا کہ وہ اصل خبریں بادشاہ تک نہ پہنچنے دیں ۔ لیکن وہ اس میں ناکام ہوئے ، بلکہ بعض اوقات اُنھیں اس کے بد نتائج بھی بھگتنے پڑے ۔

اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ وقائع نگاروں کی دی ہوئی خبریں کس حد تک قابل اعتماد ہوتی تھیں ۔ اول تو اُن کی اعلیٰ معاشری حیثیت اور صوبائی حاکموں سے کامل آزادی واقعات کی صحت کی ضامن تھی ۔ دوسرے جو اطلاعات مہیا کی جاتی تھیں اُن کا موازنہ خفیہ نویسوں اور جاسوسوں کی دی ہوئی اطلاعات سے کیا جاتا تھا ۔ اس لیے شاید ہی کسی اخبار نویس کو جرأت ہوتی کہ وہ غلط خبریں

مہیا کرتا ۔ اگر موازنے سے اطلاعات میں فرق نظر آتا تو تحقیقات کی جاتی تھی کہ کس شخص نے جھوٹ لکھا ہے اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں نے غیر صحیح یا جھوٹ موٹ کے واقعات قلم بند کیے ، انھیں شدید سزائیں دی گئیں اور بعض اخبار نویسوں کو تو تختۂ دار پر بھی لٹکا دیا گیا ۔

منوچی اور جان فرائیر جیسے مغربی سیاحوں نے عہد مغلیہ کی اخباری تنظیم پر شدید نکتہ چینی کی ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ اکثر وقائع نگار رشوت لے کر خبروں کو توڑ مروڑ لیتے تھے ۔ لیکن یہ الزام غلط معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ اولِ تو ہم عصر مورخین کے بیانات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ، دوسرے ان سیاحوں کو نہ فارسی زبان آتی تھی ، نہ انہیں دربار میں رسائی حاصل تھی اور نہ سرکاری دستاویزات تک ان کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا ۔ یہ لوگ بازار کی گپ اور غیر مطمئن عناصر کی متعصبانہ گفتگو سے نتائج اخذ کر لیتے تھے اور ظاہر ہے یہ نتائ قابل اعتماد نہیں ہوسکتے ۔ ان دونوں سیاحوں نے خاص طور پر اورنگ زیب عالم گیر کی اخباری تنظیم کو نکتہ چینی کا ہدف بنایا ہے ، حالاں کہ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں اخباری تنظیم بہت اعلیٰ پیمانے پر قائم تھی اور 'عالم گیر' وقائع نگاروں کے تقرر ، ترقی ، تبدیلی اور برطرفی میں کسی شہ زادے کی سفارش بھی نہیں سنتا تھا ۔ ایک دفعہ شہ زادہ محمد معزالدین نے ایک وقائع نگار کی ترقی کے لیے سفارش کی ۔ بادشاہ نے اسے ترقی دے دی اور اس کے ساتھ ہی برطرفی کا حکم صادر کر دیا اور پھر شہ زادے کے نام ایک خط میں لکھا کہ ہم نے تمھاری سفارش کا پاس کر کے ترقی دے دی ، لیکن ساتھ ہی اسے برطرف بھی کردیا ہے ، کیوں کہ اس نے تمھاری سفارش کرائی ۔ آئندہ سے اخبار نویسوں کی سفارش جیسے جرم کا ارتکاب نہ کرنا ۔ بھلا ایسے بادشاہ کے عہد میں اخباری تنظیم کیسے ناقص ہوسکتی تھی؟

صحافت کے بعض محققین نے کہا ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں آزاد اور نجی قلمی اخبارات بھی موجود تھے اور عالم گیر

نے انھیں بہت آزادی دے رکھی تھی ۔ لہذا عالم‌گیر کے عہد میں آزادیٔ صحافت موجود تھی ۔ اگر آزادیٔ صحافت کا مطلب یہ ہے کہ اورنگ زیب عالم‌گیر نے وقائع نگاروں کو آزادی دے رکھی تھی کہ وہ ہر بےانصافی کا حال بلا کم و کاست لکھ ڈالیں تو یقیناً آزادیٔ صحافت موجود تھی اور صرف عالم‌گیر کے عہد ھی میں نہیں ، ہر اچھے اور قابل حکم ران کے عہد میں یہی صورت تھی ۔ لیکن اگر آزادیٔ صحافت سے اس کا جدید تصور مراد ہے تو یہ بیان سراسر غلط ہے ۔ اورنگ زیب کے عہد میں کوئی نجی اخبار موجود نہیں تھا ۔ مورخین کے بیانات میں جہاں 'اخبار' کا ذکر آیا اس سے سرکاری خبرنامہ مراد ہے ۔ 'ایسی ۔ سی ۔ سانیال' نے اس صدی کے آغاز میں صحافت کی تاریخ پر جو تحقیقی مقالے 'کلکتہ ریویو' میں لکھے ان میں یہ بیان 'خافی خـان' سے منسوب کردیا کہ عالم‌گیر کے عہد میں نجی اخبار موجود تھے ۔ 'منتخب‌اللباب' کا متعلقہ حصہ دیکھنے پر معلوم ھوا کـہ سانیال نے 'منہی' (ھرکارہ) کا غلط ترجمہ دیکھ کر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ نجی اخبار موجود تھے -

اب ھمیں یہ دیکھنا ہے کہ سلاطین دھلی اور مغل حکم رانوں کے دور میں خبروں کو عام لوگوں تک کیسے پہنچایا جاتا تھا ۔ اس سلسلے میں ھمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آج بھی برعظیم پاک و ھند میں اخبارات کی اشاعت فی ھزار آبادی صرف پانچ (۵) ہے ۔ گویا ھر ایک ھزار آبادی میں سے نو سو پچانوے لوگ اخبار دیکھتے ھی نہیں اور یہ کیفیت بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہے ، جب اخبار نویسی اپنی معراج پر ہے ۔ اب آج کے زمانے کا مقابلہ چند سو سال پہلے کے زمانے سے کیجیے ، تو معلوم ھوگا کہ اس وقت اس سے بہت کم لوگوں کو خبروں میں دل چسپی تھی - عوام کے لیے صرف بڑی بڑی فتوحات کی خبریں ایسی تھیں جن میں وہ دل چسپی لیتے - چنانچہ ان خبروں کے پھیلانے کا طریقہ یہ تھا کہ جونہی کسی عظیم الشان فتح کی خبر آئی ، نقارے کی چوٹ سے ھر شہر میں اس کا اعلان کردیا گیا ۔ بعض اوقات مساجد میں بھی اعلان کردیا جاتا تھا ۔

باقی خبروں میں دل چسپی کا سامان صرف امراء اور سرداروں کے لیے موجود تھا اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ مغلوں کے شاہی دربار میں ان لوگوں کے نمائندے موجود ہوتے تھے ، جو تمام خبریں اپنے آقاؤں کو بھجوا دیتے تھے ۔

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :

اول : اندرونی امن اور بیرونی حملے سے بچنے کے لیے اخباری تنظیم بہت مدد دیتی تھی ۔

دوم : اخباری تنظیم عوامی شکایات کے ازالے کے لیے بہترین ذریعہ تھی ۔

سوم : اخبار نویس کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور وہ خبروں کی فراہمی اور ترسیل میں کاملاً آزاد تھا ۔

چہارم : جو خبریں معاشرے کے جس طبقے تک پہنچانا ضروری تھا ، وہ پہنچا دی جاتی تھیں ۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد کچھ عرصہ اخباری تنظیم درست رہی اور ہم دیکھتے ہیں کہ سید عبد الجلیل بلگرامی ، میر سید محمد بلگرامی اور میر غلام علی آزاد بلگرامی جیسے عالی پایہ ادیب اخباری تنظیم سے وابستہ رہے ۔ لیکن آہستہ آہستہ مغلوں کو زوال آنا شروع ہوا اور اخباری تنظیم کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور اب اخبار نویس بے انصافیوں اور ظلم کی مثالوں کو حکام تک پہنچانے سے گریز کرنے لگے ۔ وہ رشوت بھی لینے لگے اور عوام کے استحصال کرنے والے گروہ کا پردہ چاک کرنے کی بجائے خود اس گروہ میں شامل ہوگئے ۔ جن مغربی طاقتوں نے بر عظیم میں پاؤں پھیلائے انھوں نے مغلوں کی اخباری تنظیم کی تقلید کرکے اپنی تنظیم کھڑی کرلی اور اس تنظیم نے دیسی ریاستوں کی جڑیں کھوکھلی کردیں ۔ مرہٹوں کی اخباری تنظیم الگ تھی ۔ ان کی حکومت کے آٹھ وزراء میں ایک وزیر اطلاعات بھی شامل تھا ، جیسے 'واک نیس' (واقعہ نویس) کہتے تھے ۔ حیدر علی اور سلطان ٹیپو شہید کی اخباری تنظیم بھی موجود تھی ۔

لیکن اس میں انگریزی جاسوسوں نے نفوذ کر لیا ۔ حیدر آباد دکن کی اخباری تنظیم ۱۸۵۷ء تک قائم رہی ۔ اودھ کی اخباری تنظیم رشوت ستانی کا سب سے بڑا مظہر تھی ۔ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں خبروں کی بہم رسانی کا نظام غالباً برعظیم کا بہترین نظام تھا ۔ غیر ملکی اور دیسی ، ہر قسم کی خبروں کی فراہمی کا اعلیٰ بندوبست موجود تھا اور خبرناموں کے باقاعدہ نام رکھے ہوئے تھے ۔ مثلاً پنجاب اخبار ، لاہور اخبار ، پشاور اخبار ، ملتان اخبار ، ہندوستان اخبار ، کابل اخبار ۔ سکھوں سے انگریزوں کی دوستی تھی ۔ اس لیے سکھوں کے سرکاری خبر نامے انگریزوں کو مل جاتے تھے اور وہ انگریزی مطبوعہ اخبارات کی زینت بنا کرتے تھے ۔ چونکہ مغل بھی آخری پچاس سال انگریزوں کے سایۂ عاطفت میں رہے ، اس لیے اخبار دربار معلیٰ بھی انگریزی اخبارات کے لیے خبروں کا ذریعہ تھا ۔

انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں نجی قلمی اخبارات کا دور دورہ رہا ۔ لیکن اس کا ذکر کسی آئندہ باب میں آئے گا ۔

دوسرا باب

طباعت

جب سے انسانی معاشرہ کسی قدر منظم ہوا ہے اخبار نویسی کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہی ہے - لیکن جدید صحافت اپنی تخلیق ، نشو و ارتقا اور دور حاضر میں اپنی حیرت انگیز ترقی کے لیے طباعت کی شرمندۂ احسان ہے - یہی وجہ ہے کہ صحافت کی تاریخ کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے طباعت کی تاریخ پر ایک مختصر سی نظر ڈال لی جائے -

طباعت کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے اور اس کی ابتداء ٹھپے کی چھپائی سے ہوئی - پچاس ساٹھ سال آدھر کی بات ہے کہ چین کے صوبہ 'کانسو' میں دنیا کی قدیم ترین مطبوعہ کتاب ملی - اس پر لکھا تھا : ''اس کتاب کو 'وانگ چی ایہہ' نے ۱۱ مئی ۸۶۸ء کو مفت تقسیم کرنے کے لیے چھاپا ، تا کہ اُس کے والدین کی یاد کو دوام حاصل ہو -'' حروف کی چھپائی بھی چین میں شروع ہوئی - اس کے لیے ایک شخص 'پی شنگ' ذمہ دار تھا ، جس نے ۱۰۴۱ء سے ۱۰۴۹ء تک ٹائیپ میں چھپائی کا کام جاری رکھا - چونکہ چینی حروف تہجی کی تعداد بہت زیادہ ہے ، اس لیے اس زمانے میں حروف کی چھپائی کو ترقی نہ دی جا سکی -

یورپ میں ٹھپے کی چھپائی عرصے سے شروع تھی - لیکن اس کی جو مثالیں دست یاب ہوئی ہیں ، وہ پندرھویں صدی کے آغاز کی ہیں ، اور وہ بھی صرف تصاویر کی چھپائی کی مثالیں ہیں - مثلاً انگلستان کے شہر مانچسٹر میں جان رائی لینڈز لائبریری میں سینٹ کرسٹوفر کی ایک

ٹھپے سے چھپی ہوئی تصویر موجود ہے، جو ۱۴۲۳ء میں بنائی گئی - یورپ میں ٹائپ کی چھپائی کب شروع ہوئی ؟ اس کا موجد کون تھا ؟ اس کا آغاز کس شہر میں ہوا ؟ ان سوالات کا کوئی حتمی جواب نہیں دیا جاسکتا - جرمن ، ہالینڈ ، فرانس اور اٹلی ، چاروں کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ چھپائی کا آغاز ان میں ہوا - لیکن قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا - بہر حال عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ۱۴۵۴ء میں 'مینز' (Mainz) کے مقام پر ایک چھاپہ خانہ موجود تھا ، جس کا مالک جوہان گوٹن برگ (Gutenberg Johann) تھا - اس چھاپہ خانے میں سانچے میں ٹائیپ کے حروف ڈھالے گئے اور کچھ دستاویزات چھاپی گئیں - دو سال بعد بائبل چھپی اور اس سے اگلے سال رنگ دار چھپائی کا تجربہ بھی کیا گیا -

'مینز' سے چھپائی کا فن سارے یورپ میں پھیل گیا - پہلے دو جرمن اٹلی گیے اور انھوں نے روم کے قریب ۱۴۶۴ء میں ایک چھاپہ خانہ قائم کر دیا - لیکن طباعت کا اصل مرکز وینس بنا ، جہاں مختلف ماہرین نے ٹائیپ کی نوک پلک درست کی اور اس میں نفاست پیدا کی - ۱۴۷۰ء میں دو جرمنوں نے فرانس کو طباعت سے متعارف کرایا اور ساربون کے مقام پر چھاپہ خانہ قائم کیا - ۱۴۶۸ء میں طباعت سوئٹزر لینڈ میں پہنچی اور تین سال بعد ہالینڈ کے شہر 'یوتریخت' میں چھاپہ خانہ کھلا - ۱۴۶۴ء میں سپین طباعت سے آشنا ہوا اور آخر میں انگلستان اس میدان میں داخل ہوا -

انگلستان میں ولیم کیکسٹن نے طباعت کی بنیاد رکھی - یہ شخص 'کینٹ' کا رہنے والا تھا - تین سال ہالینڈ اور بلجیم میں بسر کیے جرمنی کے شہر 'کولون' میں چھپائی کا فن سیکھا اور ۱۴۷۶ء میں انگلستان میں چھاپہ خانہ قائم کیا - اس نے ۱۳ دسمبر ۱۴۷۶ء کو ایک مذہبی دستاویز چھاپی اور اگلے پندرہ برس کے اندر اندر ایک سو کتابیں چھاپ ڈالیں - یہ شخص نہایت قابل تھا - اس لیے زیادہ تر مطبوعات کا مترجم یا مصنف بھی تھا - ۱۴۹۱ء میں اس نے انتقال کیا ، تو اس کا مطبع نائب مہتمم کی نگرانی میں چلنے لگا - انگلستان میں طباعت کے آغاز سے

کچھ نئی باتیں وابستہ تھیں - یورپ کے جس ملک میں طباعت آئی جرمنوں کے ذریعے سے آئی - انگلستان واحد ملک تھا جہاں اُس کے اپنے باشندے نے طباعت کی بنیاد رکھی - دوسرے یورپی ممالک میں ہر جگہ لاطینی زبان سے چھپائی کا آغاز ہوا - انگلستان واحد ملک تھا جہاں قومی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں طبع ہوئیں - پھر کیکسٹن کے بنائے ہوئے ٹائیپ کے حروف منفرد حیثیت کے مالک تھے - ان کا انداز نہ گاتھک تھا نہ رومن -

بر عظیم پاک و ہند میں طباعت کی ابتداء پرتگیزیوں سے ہوئی - ۱۵۵۰ء کا ذکر ہے کہ ایک پرتگیزی جہاز سے چھاپے خانے کا سامان اُتارا گیا - سات سال بعد چھاپہ خانہ 'گوا' میں قائم ہوا - پرتگیزی مشنریوں کو مسیحیت کی تبلیغ کے لیے کتابوں کی ضرورت تھی؛ چنانچہ اُنھوں نے 'اصول مسیحیت' کے نام سے تامل زبان میں پہلی کتاب چھاپی - دو سال بعد اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا - ۱۵۷۷ء میں 'تریچور' کے قریب 'امبال کاڈو' کے مقام پر ملیالم زبان میں ایک اور کتاب چھاپی گئی- اس سلسلے میں ایک ہسپانوی 'جان گان سلیوز' (John Gonslaves) نے ملیالم اور تامل رسم الخط کے ٹائیپ تیار کیے - لیکن یہ ڈھلائی کے ٹائیپ نہیں تھے ، بلکہ لکڑی پر کھدے ہوئے تھے - ڈھلائی کا ٹائیپ اس سے اگلے سال پونی کایل (تناویلی) کے مقام پر تیار ہوا اور اس میں چھپی ہوئی کتابیں عام طور پر پسند کی گئیں -

حیرت کا مقام ہے کہ مغل حکمرانِ حسن ذوق کی بدولت جہاں ہر نئی چیز کی آؤ بھگت کرتے تھے ، وہاں اُنھوں نے طباعت میں کوئی دل چسپی نہ لی - بیان کیا جاتا ہے کہ اکبر کے دربار میں جو یورپی مسیحی علماء موجود تھے اُنھوں نے چھپائی کے کچھ نمونے بادشاہ کے حضور میں پیش کیے ، لیکن اکبر تو اعلیٰ درجے کے خطاطوں کی دیدہ زیب کتابت کا عادی تھا - وہ ٹائیپ کیسے پسند کرتا - چنانچہ اُس نے طباعت کی حوصلہ افزائی نہ کی - اس کی ایک اور وجہ غالباً یہ تھی کہ ادبی اور علمی شہ پاروں کی مانگ محدود تھی اور انھیں نقل کرنے کے لیے مشاق خطاط موجود تھے - اگر کتابوں کی مانگ زیادہ ہوتی تو

طباعت کا جواز پیدا ہو سکتا تھا ۔ ریورینڈ جے ۔ اوونگٹن نے ۱۶۸۹ء میں اس رائے کا اظہار کیا کہ فن طباعت میں مغلوں کی عدم دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اُن خطاطوں پر روزگار کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہتے تھے جو کتابیں اور فرامین نقل کرتے تھے ۔

سترھویں صدی کے وسط میں ایک پارسی 'بھیم جی پارکھ' نے انگلستان سے ٹائپ ڈھالنے والے دو آدمی منگوائے اور ان کے زیر تربیت دیسی کاری گروں نے گجراتی رسم الخط کے ٹائپ کا مکمل سیٹ تیار کیا ۔ یہ چھاپہ خانہ غالباً سورت میں قائم ہوا اور اس کی طباعت کے بارے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے مرکزی دفتر (لندن) کے نام ایک مکتوب میں تعریفی جملے لکھے ۔

انگریزوں نے اپنا پہلا چھاپہ خانہ ۱۶۷۴ء میں بمبئی کے مقام پر نصب کیا اور کاغذ اور ٹائپ بہت بڑی مقدار میں مہیا کیا ۔ ۱۷۷۲ء میں مدراس میں چھاپہ خانہ قائم کیا گیا اور ۱۷۷۹ء میں ایک سرکاری چھاپہ خانہ کلکتہ میں کھولا گیا ۔ اسی سال 'جمیز آگسٹس ہکی' نے کلکتہ میں اپنا چھاپہ خانہ لگایا اور کچھ سرکاری کاغذات بھی چھاپے ۔ بنگالی زبان کا ٹائپ ۱۷۷۸ء میں ھگلی کے مقام پر سرچارلس ولکنز (Sir Charles Wilkins) کی نگرانی میں تیار ہوا اور اس سے اگلے سال بنگالی زبان کی گرامر چھپی ۔ سر چارلس نے فارسی رسم الخط کا ٹائپ بھی ایجاد کیا ۔ ٹائپ کے کام میں ایک بنگالی لوہار 'پنچنن' نے انھیں مدد دی ۔

فارسی ٹائپ کا اولین نمونہ اس وقت منظر عام پر آیا جب ۴ مارچ ۱۷۸۴ء کے کلکتہ گزٹ کے صفحہ اول پر ایک کالم میں 'خلاصۂ اخبار دربار معلیٰ بہ دارالخلافہ شاہ جہان آباد' فارسی ٹائپ میں چھپا اور یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا ۔ اس زمانے میں فارسی اور عربی ، دونوں قسم کے رسم الخط کے ٹائپ موجود تھے ۔ 'کلکتہ کرانیکل' کا ۱۷۹۰ء کا ایک فائیل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کے ۱۸ مارچ کے شمارے میں اعلان کیا گیا ہے کہ ہمارے پاس فارسی

اور عربی کے اعلیٰ درجے کے نہایت عمدہ اور متنوع ٹائیپ کے حروف موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ اعلان کیا گیا کہ ہم عن قریب نستعلیق ٹائیپ میں دیوان حافظ کا ایک صحیح اور قابل اعتماد ایڈیشن چھاپیں گے ۔ نستعلیق چھپائی کا نمونہ ۸ جولائی ۱۷۹۰ء کے 'کلکتہ کرانیکل' میں صفحہ ۳ پر دیکھا جا سکتا ہے ، جہاں ایک اشتہار انگریزی ، فارسی اور بنگالی میں درج ہے ۔ اسی فائل میں نستعلیق چھپائی کے اور نمونے بھی دیکھے جا سکتے ہیں ، کیوں کہ جہاں کسی فارسی کہانی کا انگریزی ترجمہ دیا جاتا تھا وہاں ایک آدھ شعر یا قول فارسی میں بھی درج کر دیا جاتا تھا ۔

دیسی حکم رانوں میں بھی چھپائی کا ذوق پیدا ہوا ۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی کمان میں برطانوی فوج نے آگرہ کے قلعۂ شاہی پر قبضہ کیا تو مال غنیمت میں ایک چھاپہ خانہ بھی ہاتھ آیا ، جس میں کسی مشرق تخلیق کے لیے ٹائیپ سیٹ ہو کر تیار تھا اور ٹائیپ نہایت اعلیٰ درجے کا تھا ۔

۱۸۰۱ء میں کلکتہ کے چار انگریزی چھاپہ خانوں میں فارسی ٹائیپ میں چھپائی کا بندوبست موجود تھا ۔ یہ چھاپہ خانے ہرکارہ پریس ، کلکتہ گزٹ پریس، مرر پریس اور ٹیلی گراف پریس تھے ، جن میں اسی سال بالترتیب چہار درویش ، میر حسن ،گلستان اور طوطا کہانی طبع ہوئیں ۔ غالباً ۱۸۰۳ء میں کلکتہ میں ہندوستانی پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ خاص فارسی رسم الخط میں چھپائی کے لیے قائم ہوا ۔ اگلے سال یہاں سے 'اخلاق ہندی' طبع ہوئی ۔

۱۸۳۶ء میں لیتھو کی طباعت شروع ہوئی ۔ چونکہ یہ ٹائیپ کی طباعت کے مقابلے پر ارزاں تھی ، اس لیے بہت جلد مقبول ہو گئی اور آج تک بر عظیم میں اُردو زبان کی کتابوں اور اخباروں کی چھپائی کے لیے لیتھو طباعت ہی عام ہے ۔

تیسرا باب

انگریزی صحافت کی ابتداء

طباعت کا آغاز چین سے ہوا لیکن اس کی ترقی کا سہرا یورپ کے سر ہے ۔ اسی طرح مطبوعہ صحافت کی ابتدا چین سے ہوئی لیکن جدید صحافت اپنی ترقی کے لیے یورپ کی شرمندۂ احسان ہے اور آج ہندوستان، پاکستان اور ایشیا کے دوسرے ممالک میں جو اخبار موجود ہیں، اُن کی ابتدا اُن یورپی باشندوں نے کی جو سامراجی اور تجارتی مقاصد کے لیے ان ممالک میں آئے تھے ۔ اس لیے ایشیائی صحافت یورپی صحافت کی عکاس ہے ۔

ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا، چین میں تانگ خاندان کی حکومت تھی ۔ اس کے ماتحت ایک گزٹ جاری ہوا، جسے دنیا کا پہلا اخبار کہا جاتا ہے ۔ سنگ خاندان (۹۶۰ء—۱۲۷۹) کے عہد حکومت میں یہی اخبار باقاعدگی سے نکلنا شروع ہوا ۔ اس کا نام تی ۔ پاؤ (محل کی خبریں) تھا اور یہ چینی فضلاء اور علماء میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا ۔ یہی وہ اخبار تھا جو چنگ خاندان کے دور میں ۱۹۱۱ء تک 'پیکن گزٹ' کے نام سے چھپتا رہا ۔ لیکن اس دور میں چینی اخبار خواص تک محدود تھا اور جب چینی صحافت نے یورپی اثر قبول کیا تو صحافت کو عوامی رنگ حاصل ہوا ۔

یورپ کا پہلا باقاعدہ اخبار جرمنی کے شہر 'آگس برگ' سے ۱۶۰۹ء میں جاری ہوا ۔ اس کا نام 'Avisa Relation oder Zeitung' تھا ۔ اسی سال 'سٹراس بورگ'(جو اب فرانس میں شامل ہے) سے 'Strasbourg Relation' کے نام سے ایک جرمن اخبار شائع ہوا ۔ ان دونوں کے

پرچے محفوظ ھیں - ان دونوں اخباروں میں سارے یورپ کی خبریں چھپا کرتی تھیں اور ۴ ستمبر کے شمارے میں 'سٹراس بورگ' کا اخبار یہ خبر دیتا ھے ، کہ ریاضیات کے پروفیسر 'گلیلیو' نے دوربین ایجاد کی ھے - فرانس کا پہلا اخبار 'گزٹ' تھا ، جو بعد میں 'گزٹ دی فرانس' کے نام سے مشہور ھوا - اسے ۱۶۳۱ء میں 'کارڈینل ریشلو' کی سرپرستی میں جاری کیا گیا - اٹلی کا پہلا اخبار 'Sincero' تھا ، جو ۱۶۴۶ء میں جنوآ کے شہر سے نکلا - بلجیم کا پہلا اخبار اینٹورپ کے شہر سے ۱۶۰۵ء میں جاری ھوا ، لیکن ۱۶۲۱ء سے پہلے کے پرچے دست یاب نہیں ھوئے - ھالینڈ میں ۱۶۲۰ء سے قبل 'امسٹرڈم' کے مقام پر کچھ اخبار جاری تھے - اس زمانے میں آسٹریا کے شہر 'وی آنا' میں بھی تین ھفت روزہ جرائد موجود تھے - سوئزر لینڈ کا پہلا اخبار ۱۶۱۰ء میں 'باسل' کے شہر سے نکلا - اس کا نام 'Ordinari Wochenzeitung' تھا -

انگلستان میں صحافت کی ابتداء کا دلچسپ پہلو یہ ھے کہ انگریزی زبان کے اولین اخباروں کا اصل گہوارہ ھالینڈ کا شہر امسٹرڈم تھا - اس زمانے میں Corantos کا رواج تھا ، جنھیں ھم ضمیمہ کہ سکتے ھیں ، یعنی اخبار صرف ایک ورق پر مشتمل ھوتا تھا ، جس کی دونوں جانب خبریں چھپی ھوتی تھیں - ھالینڈ میں امسٹرڈم ، دی ھیگ ، الکمار اور دوسرے شہروں کے ناشر بعض اوقات ڈچ زبان کے اخباروں کو انگریزی میں ترجمہ کرکے چھاپ لیتے تھے اور فروخت کے لیے انگلستان بھیج دیتے تھے - اور کبھی مختلف ڈچ اخباروں سے انگریزوں کی دل چسپی کی خبریں منتخب کرکے انگریزی میں شائع کردیتے تھے - ان ضمیموں کا ایک اور غیر معمولی پہلو یہ تھا کہ ان میں سارے یورپ کی خبریں درج ھوتی تھیں - لیکن انگلستان کی ایک بھی خبر نہیں ھوتی تھی ، کیوں کہ انگلستان کا حکم ران طبقہ یہی چاھتا تھا - ۱۶۲۲ء میں ایک ایسا ھی ضمیمہ انگلستان کے اندر بھی چھپنے لگا اور اس کی دیکھا دیکھی اور ضمیمے بھی معرض وجود میں آگیے - اتنے میں ھسپانیہ کے سفیر نے حکومت سے احتجاج کیا ، کہ آپ کے اخباروں میں آسٹریا کے شاھی خاندان کے خلاف خبریں چھپتی ھیں - اس پر

حکومت نے سارے اخبار بند کردیے۔ یہ حکم 'سٹار چیمبر' نے دیا تھا۔ اس کے بعد سٹار چیمبر ہی نے دو انگریزوں کو اکیس سال کے لیے ایک ضمیمہ نکالنے کا ٹھیکہ دیا۔ لیکن یہ شرط رکھی، کہ اس میں انگلستان کی خبریں نہیں ہوں گی ۱۶۴۱ء میں سٹار چیمبر کی تنسیخ ہوئی تو برطانیہ میں اخبار نکالنے کی آزادی ملی۔ کئی ہفت روزہ اور سہ روزہ جرائد جاری ہوئے اور ملکی خبریں دھڑا دھڑ چھپنے لگیں۔ سترھویں صدی کے آغاز میں ڈینیئل ڈی فو، رچرڈ سٹیل اور جوزف ایڈیسن جیسے ادیب میدان صحافت میں داخل ہوئے۔

۱۷۱۱ء میں ہفت روزہ جرائد کی اوسط اشاعت چوالیس ہزار تھی۔ اس سے حکومت بہت خائف ہوئی ور اس نے سٹیمپ ٹیکس لگادیا، تاکہ اخبارات کی قیمتیں بڑھ جائیں اور ان کی اشاعت گھٹ جائے۔ اس سے اخباروں کو نقصان تو ہوا، لیکن لوگوں میں اخبار بینی کا شوق بڑھتا چلا گیا اور اشاعتیں بھی بڑھ گئیں۔ ۱۷۶۳ء میں برطانیہ کے اخبارات کی کل سالانہ اشاعت چوہتر لاکھ تھی۔ ۱۷۶۰ء میں چورانوے لاکھ ہوگئی اور ۱۷۶۷ء میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ سے متجاوز ہوگئی۔ حکومت نے اخبار پر ٹیکس لگائے، کاغذ پر ٹیکس لگائے، اشتہارات کو بھی ٹیکس سے مستثنیٰ نہ رکھا۔ لیکن اخبارات تھے کہ برابر ترقی کرتے چلے جارہے تھے۔ اس زمانے میں برعظیم پاک و ہند میں انگریزی صحافت کا آغاز ہوا اور اس کا لہجہ ابتداء میں اتنا ہی ترش تھا جتنا انگلستان سے نکلنے والے بعض اخبارات کا تھا۔

ہندوستان میں آباد انگریز انگلستان سے اخبار منگوایا کرتے تھے۔ یہ اخبار سمندری جہاز کے ذریعے سے عام طور پر نو مہینے اور بعض صورتوں میں ایک سال بعد پہنچا کرتے تھے۔ چونکہ انگریزوں کی تعداد تھوڑی تھی اس لیے انھیں ابتداء میں مقامی اخبار جاری کرنے کا خیال نہ آیا۔ ایک اور وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں انگریز باشندوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں تھا اور سب اتفاق سے رہتے تھے۔ جب کمپنی کے ملازمین کی نجی تجارت نے کھلی لوٹ مار کی

صورت اختیار کرلی تو جن لوگوں کو لوٹ کا موقعہ نہ ملا وہ مخالف ہوگیے ۔ جب باہمی چپقلشیں بڑھیں تو انگریزی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے فریقین کو اخباروں کی ضرورت محسوس ہوئی ۔

۱۷۶۶ء کا ذکر ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم 'ولیم بولٹس' کو نجی تجارت کے سلسلے میں ارباب بست و کشاد کی مذمت کا شکار ہونا پڑا ۔ اُس نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کچھ عرصہ بعد کلکتہ کے بعض مقامات پر ایک اشتہار چسپاں کیا ، جس کا مضمون یہ تھا کہ کلکتہ میں چھاپہ خانہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو بے حد تکلیف ہے ۔ انگریزی رعایا کے لیے یہ بڑی اہمیت کی بات ہے ، کہ وہ ایک دوسرے کا حال جان سکیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ چھاپہ خانہ قائم ہوجائے ۔ جو لوگ اس تجویز کے سلسلے میں عملی قدم اُٹھا سکیں میں ان کی ہر مدد کو تیار ہوں ۔ اس کے علاوہ میں عام لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرے پاس بہت سا ایسا مواد مسودوں کی صورت میں موجود ہے جو عام لوگوں تک پہنچنا چاہیے ۔ جو لوگ ان مسودات کا مطالعہ کرنا چاہیں یا ان کے اقتباسات نقل کرنا چاہیں وہ صبح دس بجے سے بارہ بجے کے درمیان کسی وقت میرے گھر تشریف لا سکتے ہیں ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب سمجھ گیے کہ ولیم بولٹس اخبار نکالنے کی تیاری کررہا ہے ۔ وہ ہمیں بدنام کرنے کے لیے مسودات عام لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہے ؛ چنانچہ کمپنی نے ۱۸ اپریل ۱۷۶۸ء کو ایک حکم جاری کیا ، جس میں لکھا تھا ، کہ ولیم بولٹس عرصے سے کمپنی کے خلاف نفرت اور شہر میں بد امنی پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہے ۔ اس لیے اب وہ اس قابل نہیں رہا کہ کمپنی اُس کے تحفظ کی ضامن ہو ۔ چنانچہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً بنگال کی حدود سے باہر نکل جائے اور ستمبر کے مہینے یورپ چلا جائے ۔

ولیم بولٹس کو ہندوستان چھوڑنا پڑا ۔ لیکن جب وہ انگلستان پہنچا تو اُس نے پانچ سو صفحے کی ایک کتاب لکھی ، جس میں ایسٹ

انڈیا کمپنی کی لوٹ مار اور استحصال کا پردہ چاک کردیا ۔ اس نے کہا : ''ملک کی اندرونی تجارت پر کمپنی کو انتہائی ظالمانہ اور برباد کن طرز کی اجارہ داری حاصل ہے ، جو حد درجہ بے ایمانی پر مبنی اور جملہ عیوب کا منبع ہے اور جس کے ہاتھوں ملک کی اندرونی تجارت تباہی کی آخری منزل تک پہنچ چکی ہے ۔ عدل کا نام نشان مٹ رہا ہے ۔ لاکھوں آدمی چند ایسے افراد کے رحم و کرم پر ہیں جو عوام کو لوٹ کر مال غنیمت آپس میں بانٹ لیتے ہیں ۔ فوجی تشدد کی مدد سے اندرونی ملک میں مطلق العنانی کا دور دورہ ہے ، جہاں نہ تو انگلستان ہی کے قانون رائج ہیں اور نہ اس ملک ہی کے رسم و رواج اور قوانین کے اجراء کی اجازت ہے۔ ان حالات کے تحت جفاکش ملکی عوام اس بری طرح پس رہے ہیں کہ اس کا تصور بھی مشکل سے کیا جا سکتا ہے ۔ آبادی گھٹ رہی ہے ۔ صنعتیں تباہ ہو رہی ہیں اور مالیانہ گر رہا ہے ۔ وہی بنگال جو ابھی چند برس پہلے لاکھوں روپیہ بطور نذرانہ دلی بھیجا کرتا تھا اب وہاں روپے کی کمی کا یہ حال ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ کمپنی کو بنگال میں اپنی فوجوں کو تنخواہ بانٹنے کے لیے بھی روپے کی کمی ہوجائے ۔'' اس انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر ولیم بولٹس کو اخبار نکالنے کی اجازت مل جاتی تو وہ کس شدت کے ساتھ کمپنی کے نظام پر نکتہ چینی کرتا ۔

بارہ سال خاموشی رہی ۔ کمپنی کی لوٹ مار برابر جاری رہی ۔ اتنے میں ایک رند صحافت نمودار ہوا ، جس نے کلکتہ کی یورپی زندگی میں ہل چل پیدا کردی اور ولیم بولٹس سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا ۔ اس کا نام جیمز آگسٹس ہکی (James Augustus Hicky) تھا ۔ طباعت اس کا پیشہ تھا ۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے طباعت کا کام کرتا رہا ۔ پھر سٹے بازی اور تجارت کا شوق ہوا ، جو اسے لے ڈوبا ۔ پہلے دیوالہ نکلا ۔ پھر جیل جانا پڑا ۔ جیل میں پہنچ کر اسے خیال آیا کہ اخبار نکالنا چاہیے ۔ چنانچہ باہر آتے ہی دو ہزار روپے کی لاگت سے چھاپہ خانہ قائم کیا اور 'بنگال گزٹ' یا 'کلکتہ جنرل ایڈورٹائیزر' (Bengal Gazette or Calcutta

(General Advertiser) کے نام سے برعظیم کا پہلا مطبوعہ اخبار جاری کردیا ۔ اس اخبار کو عام طور پر 'ھکی گزٹ' (Hicky's Gazette) کے نام سے یاد کیا جاتا ھے ۔ ھکی پڑھا لکھا نہیں تھا ۔ لیکن ذھین اور طباع ضرور تھا ۔ اُس کا مزاج بگڑا رھتا تھا ۔ مخالفوں کو کبھی معاف نہیں کرتا تھا اور مخالفوں نے بھی اُسے ختم کر کے دم لیا ۔ جب وہ میدان صحافت میں داخل ھوا تو اُس نے لکھا : ''مجھے اخبار چھاپنے کا کوئی خاص شوق نہیں ، نہ مجھے اس سے کوئی لگاؤ ھے ۔ میں شدید محنت کی غلامانہ زندگی کا عادی نہیں ھوں ۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے جسم کو بڑی خوشی سے غلام بنا رھا ھوں ، تاکہ اس کے عوض دماغ اور روح کی آزادی خرید لوں ۔'' اُس نے بتایا : ''یہ ایک سیاسی اور تجارتی ھفت روزہ ھے جس کے کالم ھر پارٹی کے لیے کھلے ھیں ۔ لیکن جو کسی پارٹی کے زیر اثر نہیں ۔ اُس کا یہ بیان صحیح نہیں تھا ، کیوں کہ اُسے صحافت میں داخل ھونے کی جرأت ھی اس لیے ھوئی تھی کہ اُس کی پشت پر ھندوستان کے گورنر جنرل وارن ھیسٹنگز کے کے سب سے بڑے مخالف سر فلپ فرانسس کی اخلاق مدد تھی۔ ھکی نے سب پر نکتہ چینی کی ، سبھی کو گالیاں دیں اور اگر اس کے سب و شتم سے کوئی بچا ، تو وہ سر فلپ فرانسس کی ذات گرامی تھی ۔

'ھکی' کا اخبار ۸×۱۲ انچ سائز کے چار صفحات پر مشتمل ھوتا تھا ۔ اس میں زیادہ تر اشتہار ھوتے تھے ۔ مضامین زیادہ تر ایسے ھوتے تھے جن میں کمپنی کے ارباب بست و کشاد کے خلاف زھریلے اشارات کیے جاتے تھے ۔ لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ خیالی ڈرامے میں مضحکہ خیز کردار مخالفوں کو دیے جاتے تھے ۔ اُن کے اصل نام تو درج نہیں ھو سکتے تھے ۔ لیکن فرضی نام اس طرح رکھے جاتے تھے کہ قارئین صاف پہچان جاتے کہ کس کی طرف اشارہ ھے ۔ اُس نے کمپنی کے عام ملازمین سے لے کر گورنر جنرل وارن ھیسٹنگز تک کو تیر و نشتر کا نشانہ بنایا اور اُن کی نجی زندگی کے تاریک پہلو بے نقاب کیے ، یہاں تک کہ مسز ھیسٹنگز کے خلاف بھی فحش اشارے کیے ۔

نتیجه یہ ہوا کہ کمپنی نے اس اخبار کو بذریعہ ڈاک بھیجنے کی مراعات واپس لے لیں اور ہکی کو پرچے کی تقسیم کے لیے بیس ہرکارے مقرر کرنے پڑے ۔ اس پر بھی ہکی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا ۔ کلکتہ میں انگریزی چرچ کے پہلے مشنری ، جان ذکریا کرنینڈر کے خلاف ہکی کو یہ شکایت تھی کہ اُس نے ہکی کے حریف اخبار 'انڈیا گزٹ' کے ہاتھ چھاپہ خانہ کے ٹائیپ فروخت کیے ہیں ۔ اُس نے انتقام کے لیے کرنینڈر پر الزام لگایا کہ وہ کلکتہ کا مین چرچ بیچ ڈالنے کو ہے ۔ کرنینڈر نے گورنر جنرل سے اس الزام کی بریت کا مکتوب حاصل کرکے ہکی کے خلاف اہانت مجرمانہ کا مقدمہ دائر کر دیا ۔ اس پر ہکی کو چار ماہ قید اور پانچ سو روپے جرمانے کی سزا ہوئی اور عدالت نے حکم دیا کہ جب تک جرمانہ ادا نہ ہو ، ہکی کو رہا نہ کیا جائے ۔ اس کے باوجود ہکی نے اپنا خطرناک شغل جاری رکھا ۔ بلکہ گورنر جنرل اور چیف جسٹس ، دونوں کے خلاف اپنی مہم اور بھی تیز کر دی ۔ جون ۱۷۸۱ء کا ذکر ہے کہ چیف جسٹس کے حکم سے چار سو یورپی فوجیوں ، دیسی سپاہیوں اور چپراسیوں کے ایک دستے نے ہکی کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اُسے گرفتار کرنا چاہا ۔ ہکی نے بھی اپنے آدمی جمع کر لیے اور صاف کہہ دیا کہ جب تک مجھے گرفتاری کے وارنٹ نہیں دکھائے جائیں گے میں اپنے آپ کو گرفتار نہیں ہونے دوں گا ۔ فریقین میں تصادم ہوا اور سرکاری دستے کو فرار ہونا پڑا ۔ اس کے فوراً بعد ہکی سپریم کورٹ میں پیش ہوگیا ۔ چونکہ اس وقت عدالت برخاست ہو چکی تھی ، اس لیے اُسے فوراً پکڑ لیا گیا اور چونکہ وہ اسی ہزار روپے کی ضمانت پیش کرنے سے قاصر تھا ، اس لیے نظر بند رہا ۔ نظر بندی کے دوران میں وہ اپنا اخبار برابر مرتب کرتا رہا اور اُس کے لہجے میں قطعی طور پر کوئی فرق نہ آیا ۔ سپریم کورٹ نے ایک الزام میں اُسے ایک سال قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا دی اور دوسرے الزام میں اُسے حکم دیا کہ وارن ہیسٹنگز کو

پانچ ہزار روپے بطور جرمانہ دے ۔ بہر حال ہیسٹنگز نے یہ جرمانہ لینے سے انکار کر دیا اور سزا کا یہ حصہ معاف ہوگیا ۔ ہکی پھر بھی سرکش رہا اور اپنے مخالفوں پر اسی شدت اور تلخی سے حملے کرتا رہا ۔ اس دوران میں اس کی مالی حالت بے حد پست ہوگئی ۔ ادھر کمپنی نے پنتیس ہزار روپے کے چھپائی کے ایک کام کا معاوضہ صرف چھ ہزار سات سو گیارہ روپے دیا اور وہ بھی اس شرط پر کہ وہ اسے مکمل معاوضہ تسلیم کرے ۔ مسلسل معاشی بد حالی سے ہکی اخبار بند کرنے پر مجبور ہوگیا ۔ اس کی زندگی کے آخری لمحات بے حد غریبی میں کٹے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں اس کی حالت اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ اس نے وران ہیسٹنگز کو ایک لجاجت آمیز خط میں درخواست کی کہ وہ اسے کوئی چھوٹی سی نوکری دلانے میں مدد دے ۔

جس سال ہکی کا اخبار جاری ہوا اسی سال نومبر کے مہینے کلکتہ سے 'انڈیا گزٹ' جاری ہوا ۔ اس کے مالک دو تاجر تھے ۔ ایک کا نام بی ۔ میسنک (B. Messink) تھا اور دوسرے کا پیٹر ریڈ (Peter Reed) ۔ ان دونوں نے گورنر جنرل کی اجازت سے اخبار نکالا اور حکومت کو یقین دلایا کہ وہ سرکار دولت مدار کی مرضی کے مطابق چلیں گے ۔ یہ اخبار بڑے سائز کے چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ ہر صفحے پر تین کالم ہوتے تھے ۔ کاغذ اور چھپائی اعلیٰ ہوتی تھی ۔ اس کا ایک فائیل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ۔ 'انڈیا گزٹ' اکثر ہکی کے خلاف لکھا کرتا تھا ۔ ۱۰ فروری ۱۷۸۱ء کے شمارے میں اس نے لکھا : ''ہم اس وقت پانچ چھ مختلف طاقتوں سے برسر پیکار ہیں ۔ ان میں ہر طاقت ہمارے مقبوضہ علاقے سے کئی گنا بڑے علاقوں پر حاوی ہے اور ہمارے مقابلے پر کہیں زیادہ ہر دل عزیز ہے ۔ بربادی کا جو طوفان ہمارے سروں پر ہے اسے ہم صرف باہمی اتحاد اور یک جہتی سے روک سکتے ہیں ۔''

۹ جون کے شمارے میں ایک نامہ نگار نے ھکی کے اخبار پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا : ''بھلا لوگوں کی نجی زندگی سے عوام کیا دل چسپی لے سکتے ھیں ۔ انھیں اس بات سے کیا تعلق کہ مس — نے فلاں عاشق سے رشتہ توڑ لیا اور اب فلاں سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے ؟'' اس کے باوجود 'انڈیا گزٹ' بھی ایسے مواد سے خالی نہ تھا اور اکثر فحش نظمیں بھی چھاپتا تھا ، جن میں بعض عورتوں کی طرف واضح اشارے ہوتے تھے ۔ 'انڈیا گزٹ' کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اسے 'اخبار دربار معلیٰ' برابر حاصل ھوتا تھا اور دھلی کے مغل دربار کی تمام خبریں اس میں چھپا کرتی تھیں ۔ حیدر علی سے جنگ کی تفاصیل بھی چھپتی تھیں اور ۳۱ مارچ کے شمارے میں یہ خبر بھی درج تھی کہ حیدر علی کو انگریزی کیمپ کی ایک ایک خبر مل رھی ھے ۔ اُسے معلوم ھے کہ کرنل فلیچر کس وقت بیلی کی مدد کو آئے گا ۔ اُس فوج میں کتنے سپاھی ھیں اور یہ کہ اُس کے پاس ایک بھی توپ نہیں ھے ۔ ۱۰ فروری کے شمارے میں حیدر علی کے فرزند 'ٹپی صاحب' (ٹیپو سلطان) کی شہادت کی غلط خبر درج ھوئی ۔ بعد میں اس کی تردید کر دی تھی ۔

۴ مارچ ۱۷۸۴ء کو حکومت کی براہ راست سرپرستی میں 'کلکتہ گزٹ' کا اجراء ھوا ۔ اس کی ادارت کے فرائض 'فرانسس گلیڈون' کے سپرد ہوئے، جو اُس زمانے کا مشہور اور ممتاز ادیب اور مترجم تھا ۔ اُس نے فارسی کی بے شمار کتابیں انگریزی میں منتقل کیں ؛ مثلاً آئین اکبری ، پند نامہ سعدی ، وقائع خواجہ عبدالکریم ، تاریخ بنگالہ مصنفہ سلیم اللہ ، طوطی نامہ ، الفاظ الادویہ مصنفہ حکیم محمد عبد اللہ معالج شاہ جہان ۔ اس کے علاوہ اُس نے میڈیکل ڈکشنری کے نام سے ایک طبی لغت مرتب کی ، ایک فارسی انگریزی لغت لکھی ، ایک کتاب فارسی ادبیات پر تحریر کی اور 'فارسی منشی' کے نام سے ایک ایسی کتاب تالیف کی جو انگریزوں کو فارسی پڑھانے کے کام آتی تھی ۔ اُس کی دوسری معلوم

تصانیف یہ تھیں :

Reign of Jahangir
Narratives of Transactions in Bengal
Dictionary of Mohammedan Law
Systems of Revenue Accounts

'کلکتہ گزٹ' کے فائیل پاکستان میں موجود نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود 'کلکتہ گزٹ' کے مواد کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ 'کلکتہ گزٹ' کے تمام شماروں کے جملہ مواد کا ایک نمائندہ انتخاب ریکارڈ کمیشن نے 'Selections from Calcutta Gazettes' کے نام سے کئی جلدوں میں مرتب کر رکھا ہے ۔ اس اخبار میں فارسی ادب کے کئی شہ پارے انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپے گیے۔ اس زمانے کی یورپی آبادی کی ثقافتی سرگرمیوں کا حال باقاعدہ چھپتا تھا ۔ دیسی حکومتوں کی سیاست پر روشنی ڈالی جاتی تھی اور برطانوی پارلیمنٹ کی روداد مفصل شائع کی جاتی تھی ۔ اس اخبار کے فائیلوں کے مطالعے سے ابتدائی دور کی یورپین آبادی کی سیاسی ، ادبی اور معاشرتی زندگی کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ اس زمانے میں کلکتہ کی انگریز دوشیزاؤں کے نام کھلے بندوں عاشقانہ گیت اس اخبار کی زینت بنتے تھے ۔ ان میں جن پست جذبات کا اظہار کیا جاتا تھا وہ اس عہد کے معاشرے کی خرابیوں کا انکشاف کرتے ہیں ۔ انھی صفحات میں تہذیب کے کمال و زوال کی داستانیں پڑھی جا سکتی ہیں ۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو بازار میں دھکا دیا اور اس کے بعد اس کے ضمیر نے اسے ملامت کی ، تو اس نے اخبار میں اشتہار دے کر معافی مانگی اور ایسے انگریزوں کا حال بھی موجود ہے جو دیسی باشندوں کو غلام بنا کر رکھتے تھے اور جب غلام آقا کے تشدد سے تنگ آ کر بھاگ جاتا تھا تو آقا اس کی تلاش کے لیے اخبار میں اشتہار دیتا تھا ۔ 'Duel' بھی لڑے جاتے تھے اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک انگریز نے ایسے 'Duel' میں اپنے مقابل کو گولی سے اڑا دیا ۔ 'کلکتہ گزٹ' کے فائیل اس عہد کے واقعات قلم بند کرنے کے لیے مورخ کا بہت بڑا سرمایہ ہیں ۔

دو سال بعد 'کلکتہ کرانیکل' جلوہ افروز ہوا ۔ 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کے پرانے سائز کے چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ کاغذ موٹا ، چھپائی اعلیٰ ، نہایت صاف ستھرا اخبار تھا ۔ اس کا ۱۷۹۰ء کا ایک فائیل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کا مالک ایک شخص 'جوزف کوپر' تھا ۔ اس نے مشرق علوم پر معلومات بہم پہنچانے کے لیے 'نیو ایشیاٹک مسے لینی' (New Asiatic Miscellany) کے نام سے ایک سہ ماہی مجلہ بھی جاری کر رکھا تھا اور اس کے مطبع میں عبرانی ، یونانی ، فارسی ، عربی ، ناگری ، بنگالی اور انگریزی زبان میں چھپائی کا بندوبست موجود تھا ۔ ایشیائی ، بالخصوص فارسی ادب کے تراجم پیش کرنا اس اخبار کا طرۂ امتیاز تھا ۔ ہر پرچے میں کسی نہ کسی فارسی کہانی کا ترجمہ دیا جاتا تھا ۔ حافظ کی غزلیات بھی پیش کی جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ انگریز آبادی کی ہر خبر چھاپی جاتی تھی ۔ ہر پیدائش ، ہر شادی ، ہر موت ، ہر جہاز کی آمد ، موسیقی کی ہر محفل ، تھیٹر کا ہر شو ، فوجی مہمات کی داستانیں ـــــ یہ تھیں وہ چیزیں جو 'کلکتہ کرانیکل' باقاعدگی سے اپنے قارئین تک پہنچاتا تھا اور جب کوئی اہم خبر آتی تھی تو فوراً ضمیمہ نکال دیا جاتا تھا ۔

اس دور میں 'ہکی' کے بعد اگر کسی نے حکام سے مؤثر جنگ لڑی تو وہ 'ولیم ڈوآن' (William Duane) کی ذات تھی ۔ یہ شخص 'بنگال جرنل' کا مدیر تھا ۔ اس نے اپنے اخبار میں ایک غلط خبر چھاپی کہ لارڈ کارنوالس مرہٹوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا ہے اور اس خبر کو 'ایک معزز فرانسیسی' سے منسوب کر دیا ۔ اس فرانسیسی نے احتجاج کیا اور حکومت 'ولیم ڈوآن' کی جلا وطنی کا حکم جاری ہی کرنے والی تھی کہ وہ فرانسیسی مر گیا اور اس کے جانشین نے 'ڈوآن' کے خلاف کاروائی رکوا دی ۔ بہرحال ڈوآن کو 'بنگال جرنل' کی ادارت سے مستعفی ہونا پڑا اور اس نے 'انڈین ورلڈ' (Indian World) کے نام سے ایک نیا اخبار جاری کر لیا ۔ چونکہ بے باک صحافی تھا ، اس لیے اخبار کی اشاعت بڑھنے لگی ۔ حکومت نے اسے تنگ کرنا شروع کیا ۔ ایک دفعہ سپریم کورٹ نے اس کے مکان کی تلاشی کرا دی ۔ اس نے

وجہ دریافت کی تو وہاں سے جواب آیا کہ حکومت کی خواہش یہ ہے کہ آپ فوراً اس ملک سے انگلستان کو روانہ ہو جائیں ۔ ڈوآن نے لکھا کہ مجھے اس الزام کی پاداش میں سزا دی جا رہی ہے کہ میں نے انصاف سستا کرنے کا مطالبہ کیا تھا ۔ ڈوآن نے گورنر جنرل 'سرجان شور' سے ملاقات کی درخواست کی ۔ وہاں سے اطلاع آئی کہ کل صبح تشریف لائیے ۔ ڈوآن نے سمجھا شاید 'سرجان شور' نے ناشتے پر مدعو کیا ہے ۔ لیکن وہ جونہی گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچا ، اُسے گرفتار کر لیا گیا اور ایک جہاز میں سوار کر کے انگلستان بھیج دیا گیا اور طرہ یہ کہ اُس کی تیس ہزار روپے کی مالیت کی جائداد کا کوئی معاوضہ نہ دیا گیا ۔ بہرحال یہ شخص کوئی معمولی آدمی نہیں تھا ۔ وہ انگلستان سے امریکہ پہنچا اور وہاں صحافت میں بڑا نام پیدا کیا ۔

۱۷۹۱ء سے ۱۷۹۸ء کے درمیانی عرصے میں حکومت نے کلکتہ کے کئی اخباروں کے خلاف کاروائی کی ، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکومت فوجی خبروں کی اشاعت ایک خاص ڈھنگ سے چاہتی تھی اور اخبارات اس کے قائل نہیں تھے ۔ ۱۷۹۸ء میں ڈاکٹر چارلس میک کنیز سے حکومت کی مڈ بھیڑ ہوئی اور اس میں ڈاکٹر موصوف کو جلا وطن ہونا پڑا ۔ وہ 'بنگال ہرکارو' کے بانی تھے ۔

مدراس

مدراس میں صحافت کا آغاز 'مدراس کوریئر' (Madras Courier) سے ہوا ، جو سرکاری پرنٹر 'رچرڈ جانسن' نے ۱۷۸۵ء میں جاری کیا ۔ اسے شروع سے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی ۔ چھ سال بعد اس کے ایڈیٹر بائیڈ (Boyd) نے استعفیٰ دے کر 'ہرکارو' کے نام سے نیا اخبار جاری کر لیا ۔ لیکن ابھی ایک برس گزرا تھا کہ بائیڈ کا انتقال ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی 'ہرکارو' بھی بند ہو گیا ۔ ۱۷۹۵ء میں ایک شخص آر ۔ ولیمز (R. Williams) نے 'مدراس گزٹ' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا ۔ یہ اخبار کمپنی کے حکام کو پسند نہ تھا ۔ چنانچہ اس پر سنسرشپ عائد کر دیا گیا ۔ نیز حکومت نے دونوں

اخباروں سے ڈاک کی سہولتیں چھین لیں اور جب دونوں نے احتجاج کیا تو حکومت نے سہولت تو دے دی ، لیکن یہ فیصلہ کیا کہ ڈاک کا خرچ خریدار اخبار پہنچنے پر ادا کیا کرے گا ۔ غالباً ۱۷۹۵ء ھی میں ایک شخص ھمفریز (Humphreys) نے حکومت سے اجازت لیے بغیر 'انڈیا هیرلڈ' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا ۔ اُسے فوراً گرفتار کر کے اُس جہاز میں سوار کرا دیا گیا جو انگلستان جا رہا تھا ۔ لیکن یہ شخص جہاز سے غائب ہو گیا اور پھر اس کا سراغ نہ ملا ۔

بمبئی

مسٹر جے ۔ نٹ راجن اپنی کتاب 'هسٹری آف انڈین جرنلزم' میں بیان کرتے هیں کہ بمبئی کا پہلا اخبار 'بمبی هیرلڈ' تھا ، جو ۱۷۸۹ء میں جاری هوا اور دوسرا اخبار 'دی کوریئر' (The Courier) تھا جو ایک سال بعد جاری هوا ۔ اور 'بمبئی گزٹ' ۱۷۹۱ء میں شروع هوا ، یہ بیان غلط هے ۔ بمبئی کا پہلا اخبار 'بمبئی گزٹ' تھا اور دوسرا 'بمبئی هیرلڈ' ۔ 'بمبئی گزٹ' ۲۵ جون ۱۷۹۰ء کو جاری هوا ۔ اس کا ناشر ڈبلیو ۔ ایس ۔ کوپر تھا ۔ 'بمبئی هیرلڈ' ۱۳ جولائی ۱۷۹۰ء کو جاری هوا ۔ یہ بمبئی کا دوسرا اخبار تھا ۔ ان بیانات کی تصدیق 'کلکتہ کرانیکل' کے ۲۹ جولائی اور ۱۲ اگست کے پرچوں سے هو سکتی هے ۔ (فائیل یونیورسٹی لائبریری میں موجود هے) ۔ 'بمبئی گزٹ' کے اجرا کی اجازت اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ حکومت کے هر حکم کی تعمیل کرے گا ۔ ایک دفعہ اس میں پولیس پر نکتہ چینی کی گئی ۔ اس پر حکومت ناراض هو گئی ۔ بہر حال ایڈیٹر عافیت کوش آدمی تھا ۔ اُس نے فوراً رضا کارانہ طور پر سنسرشپ قبول کر لیا ۔ اس کے بعد اُس نے حکومت کے نام ایک عرض داشت میں امداد طلب کی اور کہا کہ حکومت کے تابع هونے کی وجہ سے همیں بہت بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑا هے ۔ اس لیے حکومت کا فرض هے کہ هماری مدد کرے ۔ مجموعی طور پر بمبئی کے اخباروں کا رویہ بہت نرم رہا اور حکومت سے کوئی چپقلش نہ هوئی ۔

بر عظیم پاک و ہند میں انگریزی صحافت کے پہلے بیس سال کے اس دور کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں :

۱- اولین اخبارات کمپنی سے برطرف شدہ غیر مطمئن عناصر نے جاری کیے اور کمپنی کے بعض ملازمین نے ذاتی رقابتوں کے پیش نظر۔ اُن کی امداد کی ۔ کچھ مدیران جرائد نے حکومت پر نکتہ چینی کر کے نقصان اٹھایا ۔ لیکن کئی ایسے اخبار بھی تھے جنھیں سرکاری تائید و حمایت اور مالی امداد حاصل تھی ۔

۲- اس دور میں کوئی صحافتی قانون موجود نہیں تھا ۔ اگر حکومت کو معلوم ہوتا کہ فلاں شخص ہمارا مخالف ہے اور اخبار نکالنے والا ہے تو وہ اُسے جلا وطن کر دیتی ۔ اگر کوئی اخبار نویس حکومت کو تنگ کرتا تو حکومت پہلے ڈاک کی سہولتیں چھین لیتی تھی ۔ اگر نکتہ چینی جاری رہتی تو سنسرشپ عائد کرتی ۔ اگر اس کے باوجود اخبار کے طرز عمل میں فرق نہ آتا ، تو ایڈیٹر کو جلا وطن کر دیتی تھی ۔

۳- انگریزی اخبارات کا مواد صرف انگریز آبادی کی دل چسپی کا حامل ہوتا تھا اور اُسی کی سرگرمیوں کی اطلاعات چھپتی تھیں ۔ ان اخبارات کی اشاعت سو دو سو سے زیادہ نہیں تھی ، یہاں تک کہ بنگال کے اخبار مدراس یا بمبئی تک بھی نہیں پہنچتے تھے ۔ حکومت اخبارات سے اس لیے خائف نہیں تھی کہ وہ مقامی یورپی آبادی کو متاثر کر لیں گے ۔ اُسے یہ خدشہ تھا کہ یہ اخبار انگلستان میں پہنچیں گے تو کمپنی بدنام ہو گی ۔

۴- ان اخبارات کے ذرائع معلومات میں دیسی ریاستوں کے سرکاری قلمی اخبارات نمایاں تھے ۔ انھی سے ان ریاستوں کی خبریں حاصل ہوتی تھیں ۔ فوجی مہمات کی خبریں عموماً

فوجی افسر مکاتیب کی شکل میں بھیج دیتے تھے ۔ اُدھر برطانیہ کے اخبارات تاریخ اشاعت سے نو ماہ بعد پہنچتے اور اُن سے پارلیمنٹ کی کاروائی ، اہم برطانوی خبریں اور یورپی شہروں کی اطلاعات اخذ کر لی جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ ہر اخبار اپنے مقامی اور بیرونی ہم عصر اخبارات سے بھی اپنی دل چسپی کی خبریں نقل کر لیتا تھا ۔

چوتھا باب

اُردو کا پہلا اخبار ــ 'جام جہاں نما'

آردو کا پہلا اخبار کون سا تھا اور وہ کب جاری ہوا ؟ اس مسئلے پر بے شمار مضامین لکھے جا چکے ہیں ۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۲۲ء میں 'جام جہاں نما' کلکتے سے جاری ہوا ، جو فارسی کا پہلا اخبار تھا اور اگلے سال اس اخبار نے آردو ضمیمہ جاری کیا ، جو پانچ سال تک جاری رہا اور آرود کا سب سے پہلا مکمل اخبار 'دہلی آردو اخبار' تھا ، جو شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر، نے ۱۸۳۶ء میں دہلی سے جاری کیا ۔ اب ہم عصر ماخذوں کی چھان بین کے بعد اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ 'جام جہاں نما' فارسی کا نہیں ، آردو کا پہلا اخبار تھا اور چند ہفتے کے بعد جب ناشرین نے محسوس کیا کہ آردو اخبار کی مانگ بہت کم ہے ، تو آنھوں نے اسے فارسی زبان میں شائع کرنا شروع کر دیا ۔ چوں کہ یہ بیان آردو صحافت کے محققین کے بیانات سے مختلف ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حق میں ہم عصر ماخذوں سے جو مواد ملتا ہے آسے منظر عام پر لایا جائے ۔

'کلکتہ منتھلی جرنل' 'کلکتہ جرنل' نامی ایک اخبار کا مہینے بھر کا مواد یک جا کر کے ہر مہینے پیش کیا کرتا تھا ۔ اس کے فائیل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں ۔ ۱۸۲۲ء کے فائیل کی جلد اول کے صفحہ ۳۹۵ سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو : " جہاں گیس ہمارے بازاروں اور چھاپہ خانوں کو روشن کرتی ہے وہاں ہمارے ہاں دیسی فلسفی بھی موجود ہیں ، جو ہمارے دماغوں کو منور کرتے

ہیں - ایک 'سنگ باد کومدی' کے آسانی نام سے مشہور ہے اور دوسرا اپنے آپ کو 'ساچار چندریکا' کے نام سے یاد کرتا ہے - اور ہمارے علم کے مطابق یہ بھی آسانی نام ہے - اب پچھلے دنوں ایک تیسرا فلسفی نمودار ہوا ہے، جس کا نام 'جام جہاں نما' ہے - ہمارا ہم عصر اخبار 'جان بل' گزشتہ جمعہ کے شمارہ میں ان تینوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

اس وقت کلکتہ سے دیسی عالموں کی نگرانی میں دو بنگالی اخبار جاری ہیں - ہمارے علم کے مطابق ایک پکا 'وھگ' ہے اور دوسرا 'ٹوریوں' سے زیادہ قدامت پسند اور آج صبح ایک نیا اخبار 'ہندوستانی زبان' میں جاری ہوا ہے - لیکن اس کا رشتہ کس سے ہے؟ اسے کس نے جاری کیا؟ اس بارے میں ہمیں کوئی بھی کچھ بتا نہیں سکتا - نہ اس کا کوئی پراسپکٹس ہے، نہ اس پر چھاپنے والے کا نام درج ہے - یہ اخبار کوارٹر سائیز کے تین ورق پر مشتمل ہے اور اس کا نام 'جام جہاں نما' ہے - پہلا شمارہ بدھ کے دن ۲۷ مارچ کو شائع ہوا - اس میں مواد کے عنوان یہ ہیں: کابل کی خبریں، دسمبر ۱۸۲۱ء تک، کونسل کے رکن کی حیثیت سے مسٹر بیرنگٹن کی تقرری - کسٹم ھاؤس، کماؤں سے خبریں، رنجیت سنگھ، ۲۲ جنوری تک - یہ سب مضامین پہلے ورق پر درج ہیں - باقی دو ورق اس مقدمے کی سپریم کورٹ میں سماعت کی کاروائی پر مشتمل ہیں جو مسٹر ریڈ اور رام نرائن وغیرہ نے دائر کیا تھا اور جو کاروائی کچھ عرصہ پہلے کلکتہ جرنل میں چھپ چکی ہے -"

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ 'جام جہاں نما' ہندوستانی یعنی اردو زبان میں جاری ہوا تھا اور تاریخ اجراء ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء تھی - چونکہ 'کلکتہ جرنل' 'جام جہاں نما' کا ہم عصر تھا، اس لیے 'جام جہاں نما' کی زبان اور تاریخ اجراء کے سلسلے میں اس کا بیان قطعی طور پر درست تسلیم کرنا پڑے گا - بہر حال اور شواہد بھی

موجود ہیں ، جن سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے ، مثلاً راجہ رام موہن رائے نے جب 'مرآۃالاخبار' کے نام سے ایک فارسی اخبار جاری کیا تو اس سے پہلے 'کلکتہ جرنل' میں اس مضمون کا اشتہار شائع کرایا : ''ایڈیٹر لوگوں کو مطلع کرتا ہے کہ اس ملک میں بہت سے اخبار چھپتے ہیں ۔ لیکن فارسی کا کوئی اخبار ابھی تک نہیں نکلا ، جس سے ان لوگوں کو عموماً ، جو انگریزی سے ناواقف ہیں اور شمالی ہند کے رہنے والوں کو خصوصاً خبریں معلوم ہو سکیں ۔ چنانچہ وہ ایک فارسی اخبار جاری کرنے کا کام شروع کر رہا ہے'' ['کلکتہ جرنل' جلد دوم ۔ نمبر ۹۸ ۔ ۲۳ اپریل ۱۸۲۲ء صفحہ ۵۸۳] ۔ اس سے ایک ماہ پیشتر 'جام جہاں نما' جاری ہو چکا تھا ۔ اگر اس کی زبان فارسی ہوتی تو 'مرآۃ الاخبار' کے اشتہار میں ہر گز یہ نہیں لکھا جا سکتا تھا کہ فارسی کا کوئی اخبا ابھی تک نہیں نکلا ۔

بہر حال 'جام جہاں نما' کا اردو زبان کا دور بے حد مختصر تھا ۔ ۸ مئی ۱۸۲۲ء کے 'کلکتہ جرنل' میں بتایا گیا کہ جس ہندوستانی اخبار کے اب تک چھ شمارے چھپ چکے ہیں اس کی زبان میں عن قریب اہم تبدیلی ہونے والی ہے اور 'کلکتہ منتھلی جرنل' (۱۸۲۲ء) ، جلد اول کے صفحہ ۶۶۱ پر ایڈیٹر کے نام ایک مکتوب میں کسی نے فارسی اخبار 'جام جہاں نما' کے گیارھویں شمارے کا حوالہ دیا ۔ گویا یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ جون ۱۸۲۲ء کے اواخر تک 'جام جہاں نما' کی زبان فارسی ہو چکی تھی ۔

ایک سال بعد 'جام جہاں نما' نے پھر اردو کی طرف رجوع کیا ۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دیسی باشندوں میں اردو کی مانگ تھی ۔ مقصد یہ تھا کہ جو یورپی باشندے اردو کا ذوق رکھتے تھے ان کے لیے پڑھنے کا مواد فراہم کیا جائے ۔ چنانچہ فارسی اخبار کو برقرار رکھتے ہوئے 'جام جہاں نما' کا اردو ضمیمہ شائع ہونے لگا ۔ اس کا اعلان ہر پرچے میں صفحہ اول پر انگریزی میں چھاپا جاتا تھا ۔ اعلان کا ترجمہ یہ ہے : ''مدیر 'جام جہاں نما' نہایت ادب کے ساتھ یہ امر عوام کے گوش گزار کرتا ہے کہ اخبار کے حلقۂ معاونین کے

یورپی طبقے کے لیے اخبار کو زیادہ دل چسپ ، پرلطف اور مفید بنانے کی غرض سے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ آئندہ اس اخبار کا ایک ضمیمہ خالص ہندوستانی یا اردو زبان میں شائع کیا کرے ۔ اگر اسے فارسی اخبار کے ساتھ خریدا جائے تو اس کا چندہ چار آنے فی پرچہ یا ایک روپیہ ماہانہ ہوگا ۔ لیکن اگر صرف اردو ضمیمہ خریدا جائے تو چندہ دو روپے ماہانہ ہوگا ۔'' چونکہ اردو ضمیمہ الگ بھی خریدا جا سکتا تھا اور اس کا مواد عام طور پر فارسی اخبار کے مواد سے مختلف ہوتا تھا ، اس لیے یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ اردو کا 'جام جہاں نما' بذات خود ایک الگ اخبار تھا ۔

اردو 'جام جہاں نما' کے ابتدائی دور میں زیادہ تر جگہ خبروں کو دی جاتی تھی اور کبھی کبھی ایک آدھی غزل چھاپ دی جاتی تھی ۔ خبروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دیسی ریاستوں کے قلمی خبر ناموں سے اخذ کی جاتی تھیں اور زیادہ تر مقامی انگریزی اخبارات سے ترجمہ اور تلخیص کر لی جاتی تھیں ۔ چونکہ یورپی قارئین اس اخبار کو زبان اردو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے تھے اور خبروں کے مطالعہ کے لیے انگریزی جرائد کو ترجیح دیتے تھے ، اس لیے یکم مارچ ۱۸۲٦ء سے اردو اخبار میں خبروں کی اشاعت تقریباً بند ہو گئی اور چار مہینے تک بالاقساط تاریخ انگلستان درج کی گئی ۔ پھر تقریباً ایک برس محاربات نپولین کی داستان درج ہوتی رہی ۔ ۱۷ جون ۱۸۲۷ء سے ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء تک تاریخ عالم گیری کا ترجمہ چھپتا رہا اور اس کے بعد اردو حصہ بند کر دیا گیا ۔ اس کی وجہ ادارے کی زبانی ملاحظہ ہو : ''اس لحاظ سے کہ بہتیرے قدر شناس ، جنھوں کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق اور شہرت پائی ، اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہل ہند ، جنھوں کی زبان ہی فارسی ہے ، وہ فارسی کی تحریر چاہتے ہیں ، خاکسار نے مناسب سمجھا کہ آئندہ ہفتہ سے ہندی فرماں کے عوض ایک فرماں اور بھی فارسی میں لکھا جائے...... آج تک آٹھ صفحہ فارسی اور اردو کے چار چھپتے ہیں ۔ آئندہ سے بارہ صفحے فارسی چھاپے جائیں گے اور تین روپے ماہواری بہ دستور بحال

رهیں گے ۔''

اس اخبار کے مطالعہ سے اُس دور کی دیسی ریاستوں کے حکم رانوں کی بوالعجبیوں اور عیش پرستیوں کا حال معلوم ہوتا ہے اور اُس دور کے معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ، اُن کا بھی انکشاف ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

ا۔لکھنؤ کی خبر

اخبار کے کاغذ سے دریافت ہوا کہ ربیع الثانی مہینے کی پہلی تاریخ منگل کے دن اس روز موافق معمول کے صاحب ریذیڈنٹ بہادر کے واسطے حاضری کی تیاری تھی ۔ حضرت بادشاہ کو کرایل کی طرف سے سیر کر کے قصر بادشاہی میں رونق افروز ہوئے ۔ پانچ گھڑی دن چڑھے تک منتظر بیٹھے تھے کہ صاحب ریذیڈنٹ بہادر آئے ۔ آٹھ انگریز عالی قدر ساتھ لائے ۔ جہاں پناہ نے سب صاحبوں کے ساتھ حاضری تناول فرمائی اور اس کے بعد اختلاط کی باتیں ہوا کیں ۔ آخر بڑے صاحب رخصت کے وقت عطر پان ، جو کچھ کہ رسم ہے ، لے کر کوٹھی کو سوار ہو گئے ۔ تس پیچھے جب حضرت کے کھانے کا وقت آیا اور سب قسم کا کھانا دستر خوان پر چنا گیا ، حضرت نے خشکے کے چاولوں کو بادشاہی طعام کے لائق نہ دیکھا ۔ غلام حسین خان داروغہ کو ارشاد ہوا کہ للو مودی اور چمن لال مشرف باورچی خانے کا مقید ہو ۔ آخر دونوں نے اپنی غفلت پر نادم ہو کر پانچ ہزار روپے احمقانے کے گذرانے ۔ بادشاہ خطا بخش نے قصور معاف فرمایا اور جس وقت حضرت والا دست‌گاہ کو خاصہ کھانے سے فراغت ہوئی، نواب معتمدالدولہ بہادر مطالب سالی و ملکی عرض کر کے اپنے گھر کو گئے ۔

[۲۹ دسمبر ، ۱۸۲۴ء]

لکھنؤ کے دربار کی مزید خبریں ملاحظہ ہوں :

''ایک دن مسیتا بیگ کوتوال نے حکم دیا کہ جتنی لونڈیاں شہر

میں بکیں انھیں حضور کی ڈیوڑھی پر حاضر کیا کرو۔" [۲۳ مارچ ۱۸۲۵ء] -

"مرزا محمد تقی خان آغا نصیر کے بھائی، جو ناراض ہو کر 'کان پور' کی طرف روانہ ہوئے، الٰہی جان آن کی طوائف چالیس رنڈیوں کے ساتھ گیروے کپڑے پہنے اور علم ہاتھ میں اٹھا کر حضرت عباس کی درگاہ کو گئی۔" [۲۳ مارچ ۱۸۲۵ء] -

"ایک عرضی پہنچی کہ احسان علی بردہ فروش چار کنیزیں لایا ہے اور اس نے آٹھ کنیزیں مرزا مسیتا بیگ کوتوال کو بھیجی تھیں وہ بھی در دولت پر حاضر ہے۔ ارشاد ہوا کہ انھیں احسان علی کے پاس روانہ کر دو۔ جو کنیزیں کوتوال کے پاس آئی تھیں ان میں سے تین بہت چھوٹی عمر کی تھیں۔ ان کو مسترد کر دیا گیا"۔ [۵ اکتوبر ۱۸۲۶ء] -

اب بہادر شاہ ظفر کے والد اکبر شاہ ثانی کے مشاغل ملاحظہ ہوں:

شاہ جہاں آباد کی خبر

"پھول والوں کے میلے کی تقریب سے جب حضرت جہاں پناہ قطب صاحب درگاہ میں رونق افروز ہوئے تھے، اکثر سواری جھولنے پر جاتی تھی۔ حضرت راگ سنتے اور زنانے بندوبست میں نہانے کا تماشہ دیکھتے، خواصیں کس کس خوبی سے آپس میں جھپٹتی لڑتیاں اور جھنڈ کے جھنڈ باہم لپٹ کر کنارے سے پانی میں گر پڑتیاں۔ کوئی مسکرا کے بالوں کو نچوڑتی، کوئی شرما کر انگیا مروڑتی، ایک ایک کی کرتی چاک کرتی۔ دوسری شرم سے انگلی دانتوں میں پکڑتی۔ کوئی پکارتی، بوا بہاؤ میں نہ جاؤ، وہاں بڑا زور ہے۔ کوئی للکارتی، دوگانہ چڑھاؤ، پڑاؤ دیکھو ... غرض ان پری پیکروں کی چھیڑ چھاڑ اور آپس میں اختلاط کی مار دھاڑ، جنھوں نے دیکھی وہی جانتے ہیں۔ لکھنے سے کیا فائدہ! سننے والے کب سچ جانیں گے۔" [یکم اکتوبر ۱۸۲۵ء]

اس دور میں ستی کی رسم عام تھی۔ اس سلسلے میں دو تین خبریں درج کی جاتی ہیں :

''ستی کی خبر : نیپال کے کاغذ سے سمجھا گیا کہ بھیم سین ، جو اس راج کا مختار تھا ، اس کا بھتیجا وزیر سین ، پالیا کی طرف گیا تھا ، وہ مر گیا ۔ دونوں جوروواں اس کی لاش کے ساتھ جل گئیں اور اچنبھے کی بات ہے کہ تین لونڈیوں نے ان کے ساتھ اپنے جسم کو جلا دیا ۔ ایک انوکھی خبر یہ بھی لکھی ہے کہ نیپال میں ایک شخص کی جورو نے اپنے کل کی لاج چھوڑ کر کسی غیر کے ساتھ بیل میل کیا تھا ۔ جب اس کے شوہر نے جانا کہ عورت بد چلن ہو گئی ہے ، اس کے یار کو مار ڈالا ۔ وہ عورت ، کہ برسوں سے اپنے یار کی محبت کی آگ سے جل بھن رہی تھی ، اس کی لاش سے لپٹ کر ایسے بے دھڑک آگ میں گھسی کہ راکھ کے سوا اس کے بدن سے کچھ نشان نہ رہا ۔'' [۲فروری ۱۸۲۵] ۔

''اخبار کے کاغذ میں دیکھا گیا کہ برہان پور کے ملک میں دکن کے علاقہ میں ایک برہمن رہتا تھا ۔ اتفاقات سے وہ ایک دن کسی کام کے واسطے ایک جنگل میں جا نکلا ۔ اس کو اکیلا دیکھ کر ایک باگھ ، کئی دن کا بھوکا ، جو اپنی تھل میں پڑا ہوا تھا ، یک بارگی بجلی کی طرح تڑپ کر اس دکھیا برہمن پر گرا ۔ حقیقت میں چنڈال غریب برہمن کے خون کا پیاسا تھا ۔ اپنا کام کر گیا ۔ یہ خبر برہمن کے گھر پہنچی ۔ لوگ لاش کو جنگل سے اٹھا لائے ۔ اس کی بڈھی جورو نے بہتر برس کی عمر میں ، کہ ھاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت نہیں ، کیا ھی مردانہ کام کیا کہ اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر راکھ ھوگئی ۔ جس وقت وہ ستی ہونے چلی ، خلق اللہ کا ھجوم تھا ۔ اس نے پکار کر یہ کہا ، کہ اس برس مہنگی پڑے گی اور بیماری بہت بڑھے گی ۔'' [۹مارچ ۱۸۲۵ء] ۔

'جام جہاں نما' میں خبروں کی زبان اور انداز تحریر کو سمجھنے

کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خبروں کے فیچر کا نمونہ بھی دیکھا جائے۔ اس سلسلے میں 'دھویں کا جہاز' پڑھنے کے قابل ہے:

''بہت دنوں سے یہ خبر مشہور تھی کہ انگلستان میں ایک جہاز تیار ہوتا ہے، کہ جس طرح ایک ناؤ پچھلے برس کلکتہ میں آئی کہ صرف دھوئیں کے زور سے چڑھاؤ اُتار پر بے تکلف دریا میں چلی جاتی ہے، وہ جہاز اس طرح بے کھٹکے بحر محیط میں آمد و شد کرے گا اور اس جہاز کے بنانے والے نے انگلینڈ سے کلکتے پہنچنے کی پچہتر دن کی مدت ٹھیرائی ہے۔ کس واسطے کہ وہ جہاز پال سے علاقہ نہیں رکھتا، جو ہوا کا محتاج ہو۔ اس کو آندھی، طوفان، موسم، غیر موسم، سب برابر ہے۔ بارے پچھلے ہفتے میں وہ جہاز ولایت سے آیا۔ جس دن وہ کلکتہ پہنچا، دریا کے کنارے ایک انبوہ جمع تھا۔ ہفت اقلیم کے سیاح اکٹھے ہوئے تھے۔ کس واسطے کہ اگلے زمانے میں کسو نے جہاز کا نام نہیں سنا ہے۔ چند ناؤ کے دیکھنے سے لوگوں نے سمجھا تھا کہ جہاز بھی بن سکتا ہے۔ ہر بڑے بڑے ریاضی دان، جنھوں کو اس علم میں دعویٰ ہے، یہ کہتے تھے کہ ایسا جہاز ولایت سے کلکتہ ہرگز نہ پہنچے گا۔ اس جہاز کی تیاری اور جلد رفتاری کو دیکھ کر سب خلقت دنگ ہوگئی اور ریاضی کے اہل کمال حیران ہو کر کہنے لگے، کہ سچ مچ جہاز ہے جو دھوئیں کے زور سے چلا آتا ہے یا کوئی طلسم ہے کہ دکھلائی دیتا ہے؟ اُس جہاز کے بنانے والے کو ہزار آفرین کہا چاہیے۔ بشر کا یہ کام نہیں۔ ایسی نادر صنعت کا ایجاد کرنا بہت مشکل ہے۔ اس سبب سے، کہ بنانے والا موجود، دیکھنے والوں نے بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، سب کو یقین ہوا۔ اگلے وقتوں میں کسی نے بنایا ہوتا تو بہت لوگ یہی کہتے کہ اُس کے بنانے والے کے فرشتے مددگار تھے۔ اُس نے دھوئیں کا جہاز نہیں بنایا، خلق کو اپنا معجزہ دکھلایا۔ غرض جس قدر ستائش لوگوں نے کی اگر لکھی جاوے،

ایک دفتر میں گنجائش نہ پاوے ۔ اب دیر رسی کا سبب گزارش کیا جاتا ہے کہ اس مرتبہ جہاز ۱۰۹ دن میں انگلستان سے کلکتہ پہنچا ۔ ۳۴ دن مقرری میعاد سے بڑھ گیے ۔ اس کا سبب یہ ہوا ، کہ کوئلا جہاز میں کم ہوگیا ۔ جتنا کوئلا درکار تھا اتنا راہ میں نہ ملا ۔ آخر جس قدر کوئلا میسر ہوا اسی کو جلاتے ہوئے جہاز کلکتے میں لائے ۔ وزن مطابق ، جو بنانے والے نے تجویز کیا ہے ، اگر کوئلا دن رات آتش خانے میں جلتا ، دھواں اس انداز پر نکلتا ، کہ اس کے زور سے جہاز پچھتر دن میں کلکتے پہنچتا ۔ اس کے سوا جہاز کی بناوٹ میں کچھ فتور نہیں ہے ۔ اب جہاز کے کپتان نے جگہ جگہ جزیروں میں کوئلے کا بندوبست کیا ہے ۔ آئندہ جہاں درکار ہوگا وہاں سے کوئلا ملے گا اور جہاز پچھتر دن میں بے شک انگلینڈ سے کلکتے اور کلکتے سے انگلینڈ آیا جایا کرے گا ۔ اور انگلینڈ کے بہت سے امیر ، جن کو ہندوستان دیکھنے کی آرزو ہے ، کم فرصتی کے سبب ایسا دراز سفر نہیں کر سکتے تھے کہ صرف آمد و رفت میں ایک برس گزر جاتا ۔ سیر کے دن ایک برس سے زیادہ ہوتے ۔ اب یقین ہے کہ اس جہاز کے وسیلے سے ہندوستان دیکھیں گے ۔ کس واسطے کہ آمد و رفت کی مدت پانچ مہینے سے زیادہ نہیں ۔''
[۲۸ دسمبر ، ۱۸۲۵ء] ۔

بر سبیل تذکرہ دھوئیں کے جہاز سے بر عظیم کی صحافت کو بھی بہت فائدہ ہوا ۔ یہاں کے انگریزی اخبارات غیر ملکی ، بالخصوص برطانوی خبروں کے لیے برطانیہ کے اخبارات پر انحصار کرتے تھے ۔ عام طور پر یہ اخبار چھ مہینے سے نو مہینے کے درمیان مدت میں برعظیم میں پہنچا کرتے تھے ۔ اس طرح یہاں کے اخبارات کو بہت پرانی خبریں چھاپنا پڑتی تھیں ۔ تیز رفتار جہاز کی ایجاد سے یہ فائدہ ہوا کہ غیر ملکی اخبارات تین مہینے کے اندر اندر آنے لگے اور اس طرح ہندوستان کے اخبارات میں غیر ممالک کی نسبتاً تازہ خبریں چھپنے لگیں ۔

کبھی کبھی دل‌چسپ خبریں کسی قدر مقفیٰ عبارت میں بھی پیش کی جاتی تھیں، مثلاً:

"فرانس کے ملک میں بونا پارٹ نے ایک نان بائی کو فوج کے ساتھ لڑائی پر بھیجا تھا۔ اس کی جورو نے سات برس تک اپنے شوہر کی کچھ خبر نہ پائی۔ تب اُس کی زندگی سے مایوس ہو کر گھبرائی۔ آخر اُس نے شہر کے حاکم سے اپنی پریشانی ظاہر کی۔ دوسرے سے نکاح کرنے کی اجازت پائی اور نئے شوہر کے ملنے سے اپنے کلیجے کی آگ بجھائی۔ نئے نکاح کے دو ہفتے بعد اس کا پہلا خصم بھلا چنگا وطن میں آیا اور اپنی جورو کو دیکھ کر خدا کا شکر بجا لایا۔ جورو اُسے دیکھ کر بہت شرمائی اور اپنے کیے سے بہت پچھتائی۔ تب اُس نے کہا کہ تو مت شرما۔ دعا کر کہ حاکم مجھے بھی دوسرے نکاح کی اجازت دے۔ آخر اُس نے حاکم کے حکم سے دوسری رنڈی سے نکاح کیا۔ چھ برس بعد نئی جورو مرگئی اور پہلی جورو کا نیا خصم بھی مرگیا۔ پھر وہ دونوں آپس میں نکاح کرکے خوشی سے گزران کرنے لگے۔"
[۳ جون ۱۸۲۸ء]۔

ان اقتباسات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ 'جام جہاں نما' کی زبان سادی تھی اور انداز بیان سلجھا ہوا تھا، اور اس اخبار کے مطالعہ سے ہمیں اس دور کے معاشرہ کا رنگ و ڈھنگ معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے، کہ قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے اور اخباری ذوق کے فقدان کی بناء پر اخبار کے قارئین کا حلقہ بے حد مختصر اور محدود تھا۔ اور ظاہر ہے کہ خبروں اور مضامین کے انتخاب میں اس حلقے کی ضروریات پیش نظر رکھی جاتی تھیں۔

اس باب کے آغاز میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ کلکتہ کے اخبار 'جان بل' نے 'جام جہاں نما' کی ملکیت کے بارے میں بے خبری کا اظہار کیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اُس وقت تک اخبار جاری کرنے کے سلسلے میں ضروری کاروائی پوری نہیں ہوئی

تھی - یہ حیرت کا مقام ہے ، کہ ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء کو پہلا شمارہ نکلا اور سرکاری دستاویزات کے مطابق ، جو نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں ، اخبار کے اجراء کی درخواست ۲۸ مارچ کو دی گئی - درخواست کے مسودے سے ظاہر ہوتا ہے ، کہ اس کو پیش کرنے والا ہری ہردت بنگو تھا - ایڈیٹر کا نام منشی سدا سکھ تھا اور چھاپنے کی ذمہ دار ولیم پیٹرس کاپ کنس اینڈ کمپنی تھی - اخبار کے اوپر ایک شخص تارا چند دت کا نام دیا گیا ہے ، جس سے خریداری وغیرہ کے بارے میں خط و کتابت کی جاسکتی تھی -

'جام جہاں نما' کے آردو ضمیمے کے صفحہ اول پر پیشانی کی دونوں جانب ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر ثبت ہے ، جو ظاہر کرتی ہے کہ اس اخبار کو حکومت کی باقاعدہ سرپرستی حاصل تھی - مزید تفصیلات کے لیے فارسی اخبارات کے باب کا مطالعہ کیجیے -

ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی یہ تھی کہ فارسی کو ختم کیا جائے - غالباً اس لیے کہ یہ زبان گزشتہ حکم ران طبقے کی زبان تھی - کمپنی کی خواہش تھی کہ آردو یا ہندوستانی کو رواج دیا جائے - یہی وجہ ہے کہ 'جام جہاں نما' کو پہلے آردو میں جاری کیا گیا - جب چند ہی پرچوں کے بعد یہ محسوس ہوا کہ لوگ فارسی کے ساتھ زیادہ مانوس ہیں ، تو فارسی کردیا گیا - اس کے بعد آردو ضمیمہ جاری کیا گیا ، تاکہ آہستہ آہستہ لوگوں کا ذوق بدلا جا سکے . لیکن یہ اقدام بھی ناکام رہا اور آردو ضمیمہ بند کرنا پڑا -

پانچواں باب

فارسی کا پہلا اخبار — 'مرأۃ الاخبار'

'جام جہاں نما' کی اشاعت کے تین ہفتے بعد سر زمین کلکتہ سے 'مرأۃالاخبار' جاری ہوا، جو برعظیم میں فارسی زبان کا پہلا مطبوعہ اخبار تھا ۔ مس مارگریٹا بارنس اور عبداللہ یوسف علی مرحوم کے قول کے مطابق اٹھارویں صدی کے اواخر میں کچھ فارسی اخبار جاری ہوئے، لیکن اُن کا سراغ نہیں ملتا ۔ یہ بیان درست نہیں ۔ وہ جن اخباروں کو مطبوعہ فارسی اخبار قرار دیتے ہیں، وہ حقیقت میں دیسی ریاستوں کے وہ سرکاری قلمی خبر نامے تھے جو شاہی وقائع نگار مرتب کرتے تھے ۔ ان خبرناموں کو 'اخبار' کا نام دیا جاتا تھا اور اٹھارویں صدی کے بعض انگریزی جرائد ان 'اخبارات' کے اقتباس چھاپا کرتے تھے ۔ اسی سے عبداللہ یوسف علی مرحوم، مس مارگریٹا بارنس اور بعض دوسرے محقیقن کو شبہ ہوا کہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں مطبوعہ فارسی اخبار موجود تھے ۔

'مرأۃ الاخبار' کے بانی راجہ رام موھن رائے تھے، جو ھندوؤں کے بہت بڑے مصلح، برھمو سماج کے بانی اور کلکتہ کی صحافت کے اہم ستون تھے ۔ آپ ۲۲ مئی ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوئے ۔ خاندانی روایات کے پیش نظر عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ پٹنے جا کر اسلامی علوم میں دسترس پائی ۔ اُن صوفیاء کی تصانیف کا مطالعہ کیا جن پر ویدانت کے فلسفے کا گہرا اثر تھا ۔ سر رجندر ناتھ سیل لکھتے ہیں: ''یہ اسلامی کلچر تھا، بغداد و بصرہ کا اسلامی کلچر، جو ایک اسلامی مدرسے سے

مقطر ہو کر رام موہن رائے کی رگوں تک پہنچا تھا اور جس نے پہلی بار اُن کے دماغ کو بیدار کیا تھا ۔،، سولہ برس کی عمر کے تھے کہ توحید کے قائل ہو گیے اور بت پرستی سے نفرت کرنے لگے ۔ اس عمر میں آپ نے 'تحفۃ الموحدین' کے نام سے فارسی زبان میں ایک کتابچہ تصنیف کیا اور اُس کا دیباچہ عربی میں لکھا ۔ یہ کتابچہ رام موہن رائے نے والد کی ناراضی کے پیش نظر اُن کی وفات کے بعد چھاپا ۔ اس کے دیباچے میں رام موہن رائے لکھتے ہیں : ''روئے زمین کے دور دراز کوہستان اور میدانوں کا میں نے سفر کیا ہے ۔ میں نے دیکھا کہ دنیا کے بسنے والے خدا پر، جو کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے ، ایمان رکھنے کے معاملے میں عموماً متفق ہیں اور اُن کے اختلافات خدا کو مختلف صفات سے متصف کرنے اور حرام و حلال کے مذہبی مسائل تک محدود ہیں ۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ذات ابدی کی طرف رجوع کرنا تمام افراد میں طبعاً مشترک ہے ۔

پہلے پہل رام موہن رائے کو انگریزی اقتدار سے نفرت تھی ۔ آہستہ آہستہ وہ اس رائے کی طرف آئے کہ انگریزی راج نے ہندوستان کے لیے اصلاح کا دروازہ کھول دیا ہے ۔ اس لیے یہ اقتدار آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ ہے ۔ اُنیسویں صدی کے آغاز میں اُنھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کر لی اور انگریزی زبان میں مہارت حاصل کر کے مغربی علوم کا بھی مطالعہ کیا ۔ پھر پنشن لی اور کلکتہ میں آگیے ۔ ویدانت کا انگریزی خلاصہ چھاپا اور ات می یا سبھا کے نام سے ایک انجمن بنائی ، جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ مذہبی مسائل پر آزادی کے ساتھ خیالات کا تبادلہ کریں ۔ اس سے آپ کو قدامت پسند ہندوؤں اور خود اپنے اعزہ اور اقارب کی دشمنی مول لینا پڑی ۔ رام موہن رائے کا عقیدہ تھا کہ ''آج کل ہندو مذہب کی جس شکل میں پیروی کی جا رہی ہے وہ ہندوؤں کے سیاسی مفاد کے لیے غیر مفید ہے ۔ ذات پات کی تفریق نے اُن میں ان گنت گروہ در گروہ پیدا کر دیے ہیں اور اس چیز نے اُن کو قوم پرورانہ جذبات سے عاری بنا دیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم اُن کی سیاسی فلاح اور

سماجی آسودگی کے لیے اُن کے مذہب میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرنا ضروری ہے۔" اُنھوں نے سب سے پہلے ستی کی رسم کے خلاف مہم جاری کی اور ۱۸۲۸ء میں لارڈ ولیم بنٹنک نے اس رسم کو قانوناً بند کر دیا۔ اسی سال برھمو سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم ھوئی، جو برھمو سماج کی اصلاحی تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ اس کے ساتھ ھی رام موھن رائے نے مغربی علوم کی تعلیم کے حق میں فضا پیدا کی۔ ایک سکول قائم کیا۔ ھندو کالج کے قیام میں نمایاں حصہ لیا اور ھندوؤں کو مغربی تعلیم سے متعارف کرا دیا۔ عمر کے آخری حصے میں دھلی کے مغل حکمران اکبر شاہ ثانی نے رام موھن رائے کو اپنا نمائندہ بنا کر انگلستان بھیجا، تاکہ وہ اُس کے نذرانہ میں اضافے اور دوسری شکایات کے ازالے کے لیے شہنشاہ انگلستان کی عدالت میں اپیل کرے۔ اس میں رام موھن رائے کو جزوی کامیابی نصیب ھوئی۔ لیکن وہ اپنے وطن کو لوٹ نہ سکے۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۳۳ء کو برسٹل کے مقام پر وفات پائی اور اس شہر کے قریب ھی دفن ھوئے۔

رام موھن رائے کو پورا احساس تھا کہ اُن کے خیالات کو ھم وطنوں تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ صحافت ہے۔ اس لیے وہ میدان صحافت میں داخل ھوئے۔ بنگالی صحافت کے دائرے میں اُنھوں نے جو کچھ کیا اُس کا ذکر کسی اور باب میں آئے گا۔ اس باب میں ھم 'مرأۃالاخبار' کا ذکر کریں گے۔ یہ اخبار ۲۰ اپریل ۱۸۲۲ء کو شروع ھوا اور پہلے شمارے میں اس کے اغراض و مقاصد ان الفاظ میں بیان کیے گیے:

"خدا[1] کا شکر ہے کہ انگریزوں کی سلطنت میں کلکتے کے رھنے والوں کو وہ آزادی اور تحفظ حاصل ہے جس کو معقولیت پسند اور مدنی الطبع انسان مذھبی اور مدنی اداروں کا مقصد وحید قرار دیتے ھیں۔ افراد اور اُن کی ملکیت کی حفاظت کے لیے قانون

۱۔ مرأۃالاخبار کے پرانے پرچے نہیں ملتے۔ مندرجہ بالا سطور اصل فارسی متن کے انگریزی ترجمے سے اُردو میں منتقل کی گئی ھیں۔

انگلستان کے مطابق اس شہر میں بھی ان گنت قوانین بنائے گیے ہیں، جن کے مطابق انصاف کیا جاتا ہے اور سزائیں دی جاتی ہیں - یہ اس کا نتیجہ ہے کہ معمولی حیثیت کا آدمی اپنے حقوق کے مطالبے میں نہ صرف اونچے درجے کے کسی بھی آدمی کے برابر سمجھا جاتا ہے بلکہ بڑے سے بڑے سرکاری افسر کے مقابلے میں بھی اس کو وہی برابری کی حیثیت حاصل رہتی ہے - ہر شخص کو اپنے جذبات ہی کے اظہار کی آزادی نہیں ہے بلکہ دوسروں کے افعال پر بھی نکتہ چینی کی جا سکتی ہے، اگر اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے -

''ان حالات کے ماتحت اس قوم (انگریز) کے کچھ افراد عوام کے فائدے کے لیے اس ملک کی اور دوسرے ملکوں کی خبریں چھاپتے ہیں - لیکن ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو انگریزی سے واقف ہیں - لیکن ہندوستان کے سب حصوں کے لوگ انگریزی نہیں جانتے - جو انگریزی سے نابلد ہیں وہ یا تو انگریزی دانوں سے اخبار پڑھوا کر سنتے ہیں یا خبروں سے بالکل بے خبر رہتے ہیں - اس خیال کے پیش نظر مجھ حقیر ترین انسان کو فارسی میں ایک ہفتے وار اخبار جاری کرنے کی خواہش ہوئی ہے - دیسی برادری کے سب باعزت افراد اس زبان سے واقف ہیں - یہ اخبار ان سب لوگوں تک پہنچے گا جو اس کے خواہش مند ہوں گے -

''اخبار جاری کرنے سے میری غرض نہ تو امیروں کی یا اپنے دوستوں کی مدح سرائی کرنا ہے اور نہ عز و جاہ اور لطف و عنایت کا حصول ہی میرے پیش نظر ہے -

''مختصراً یہ کہ اس اخبار کی ذمہ داری لینے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ عوام کے سامنے ایسی چیزیں پیش کی جائیں جن سے اُن کے تجربوں میں اضافہ اور اُن کی سماجی ترقی ہو سکے - ارباب حکومت کو بھی رعایا کا صحیح حال بتلایا جائے اور رعایا کو

ن کے حکم رانوں کے قانون اور رسم و رواج سے آگاہ کیا جائے، تا کہ حکم رانوں کو اپنی رعایا کی تکلیفیں دور کرنے کا موقعہ ملے اور رعایا کی داد رسی ہو سکے۔''

پہلے شمارے میں جو مضامین چھپے، اُن کی فہرست یہ ہے: مندرجہ بالا مضمون، کمپنی کے ملازمین کے لیے خرابی صحت کی بناء پر چھٹیوں کے ضوابط، پٹرا کے جج 'جان ہیز' کا مقدمہ، بادشاہ کی سال گرہ پر قیدیوں کی رہائی، جہازوں کی آمد و رفت کی اطلاعات، روس اور ترکیہ کے درمیان تنازعات، رنجیت سنگھ کے کارہائے نمایاں، فصلوں کی اطلاعات، افیون اور نیل کا نرخ، فروخت کے لیے ہاتھی کا جوڑا، شاہ جہان آباد میں انگریزی مدرسے کے قیام کی تجویز پر دیسی عوام کی عدم توجہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ 'مرأۃالاخبار' میں درج شدہ خبروں اور اطلاعات کے موضوعات میں خاصا تنوع تھا۔ ملکی اور غیر ملکی خبریں اور تجارتی و زرعی اطلاعات اُسی انداز میں دی جاتی تھیں جس میں انگریزی اخبار دیتے تھے۔

'مرأۃ الاخبار' عام طور پر پسند کیا گیا۔ 'کلکتہ جرنل' نے بھی اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اب تک جتنے دیسی اخبار نکلے ہیں اُن میں سب سے اچھا 'مراۃالاخبار' ہے۔ یاد رہے کہ اُس وقت تک اردو اور بنگالی اخبار جاری ہو چکے تھے۔ 'مراۃ الاخبار' کی برتری کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی پشت پر رام موہن رائے جیسے قابل شخص کی تائید و حمایت موجود تھی۔ رام موہن رائے انگریزی صحافت کے رنگ ڈھنگ سے آگاہ تھے۔ اس لیے اُن کی ادارت میں نکلنے والا اخبار قدرتی طور پر اعلیٰ معیار کا حامل ہونا تھا۔

'مراۃالاخبار' کی زندگی بہت مختصر رہی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ پرچہ لوگوں کو پسند نہیں تھا، اسے رام موہن رائے نے خود بند کیا۔ لیکن یہ ایک الگ داستان ہے، جس کا ذکر کسی آئندہ باب میں آئے گا۔

چھٹا باب

علاقائی زبانوں کی صحافت

بنگالی زبان کے اخبار

برعظیم کی علاقائی زبانوں میں بنگالی کو فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسی زبان میں اخبار اور رسالے جاری ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزی صحافت کا آغاز بنگال سے ہوا اور یہیں اُس نے نشو و نما پائی۔ دوسرے، بنگال کو مسیحی مشنریوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور اُنھیں اخباروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ اس سر زمین سے رام موھن رائے کی اصلاحی تحریک اٹھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مذہب کو نئے تقاضوں کی روشنی میں ایک نئی صورت دی جائے۔ قدامت پسند ہندوؤں نے اس کی شدید مخالفت کی اور اس تنازعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے اخبار جاری کیے۔ گویا بنگالی زبان میں صحافت کے آغاز میں تین عناصر کار فرما تھے: مسیحی مشنری، رام موہن رائے اور اُن کے مخالف۔ ان میں مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کا مرکز 'سی رام پور' تھا اور باقی عناصر کا مرکز کلکتہ تھا۔ اُنیسویں صدی کے آغاز میں سی رام پور کے بیپ ٹسٹ (Baptist) مشن نے چھاپہ خانہ قائم کیا۔ دیسی زبانوں کے ٹائپ ڈھالے اور طرہ یہ کہ کاغذ سازی کا کارخانہ بھی کھولا۔ گویا نشر و اشاعت کے سارے سامان مہیا کر لیے۔ اُدھر کلکتہ تو بہر حال صحافت اور طباعت کا مرکز تھا۔

اس طرح ان دو شہروں سے بنگالی اخبارات کے اجراء کے لیے زمین ہموار ہوگئی۔

۱۸۱۸ء کا ذکر ہے کہ سی رام پور سے 'ڈگ درشن' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری ہوا، جس کی ادارت بیپ ٹسٹ مشن کے ممتاز فرد 'ڈاکٹر مارش مین' کے سپرد تھی۔ یہ بہ یک وقت بنگالی اور انگریزی زبان میں نکلتا تھا۔ ایک صفحے پر انگریزی متن ہوتا تھا اور مقابل کے صفحے پر اس کا بنگالی ترجمہ دے دیا جاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بنگالیوں کو نئی سائنسی معلومات سے آگاہ کیا جائے اور انھیں عیسائی مذہب کی طرف مائل کیا جائے۔ پہلے پرچے میں پانچ مضمون درج تھے۔ ایک میں امریکہ کی دریافت کا حال بیان کیا گیا تھا۔ دوسرے میں ہندوستان کے جغرافیائی حدود پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ تیسرے مضمون میں روئی اور نیل کی تجارت کا حال لکھا تھا۔ چوتھے مضمون میں ایک تخیلی ہوائی سفر کی داستان درج تھی اور آخر میں راجہ کرشن چندر کے دربار کے حالات بیان کیے گئے تھے۔

ایک مہینے بعد مئی ۱۸۱۸ء میں اس مشن نے سی رام پور سے 'ساچار درپن' جاری کیا، جو ہفت روزہ اخبار تھا۔ اس اخبار میں نہ صرف عیسائی مذہب کے حق میں مضامین چھپتے تھے بلکہ سارے صوبہ بنگال کی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں اور حکومت اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی۔ چنانچہ مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے 'ساچار درپن' کو یہ رعایت دی کہ دوسرے اخبارات کے مقابلے پر اسے ڈاک پر صرف $\frac{1}{4}$ رقم صرف کرنا پڑے۔ لارڈ امہرسٹ نے حکم جاری کیا کہ ہر ہفتے حکومت اس اخبار کے ایک سو پرچے خریدے۔ اس اخبار کو ایک طرف بڑے بڑے سرکاری افسر خریدتے تھے، دوسری طرف ممتاز بنگالی بھی اس کی سرپرستی کرتے تھے، کیوں کہ انگریزی سے ناواقف لوگوں کے لیے خبریں حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ 'ڈگ درشن' تو ۱۸۲۷ء میں بند ہوگیا، لیکن 'ساچار درپن' ۱۸۴۰ء تک جاری رہا۔

جب 'ساچار درپن' میں ہندو مذہب پر حملے ہونے لگے تو اس سے

ہندو آبادی کے حساس طبقے میں بے چینی پیدا ہوئی اور راجہ رام موہن رائے نے دسمبر ۱۸۲۱ء میں کلکتہ سے 'سمبد کھودی' یا 'سنگباد کھودی' کے نام سے ایک ہفت روزہ بنگالی اخبار جاری کیا ۔ اس کی ادارت 'بھوانی چرن بینر جی' کے سپرد تھی۔ اس اخبار نے 'سماچار درپن' کے جواب میں مضامین چھاپے ۔ جتنی دیر راجہ رام موہن رائے مسیحی مشنریوں کے مقابلے پر سینہ سپر رہے ، ہندو اُن کے معترف رہے ، لیکن جب اُنھوں نے خود ہندو مذہب کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ستی کی رسم کی مخالفت کی تو اپنے پرائے سب مخالف ہو گیے ۔ تیرہ پرچوں کی اشاعت کے بعد بھوانی چرن بینر جی نے ادارت سے استعفیٰ دے دیا ۔ 'سماچار چندریکا' کے نام سے ایک نیا اخبار جاری کر لیا اور اس میں شدت کے ساتھ قدامت پسند ہندوؤں کا زاویۂ نگاہ پیش ہونے لگا ۔

'سمبد کھودی' میں کس قسم کے مضامین شائع ہوتے تھے ؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں 'کلکتہ منتھلی جرنل' (۱۸۲۲ء جلد اول ، صفحات ۷۳-۱۷۰) میں پہلے پانچ شماروں کے مضامین کی تلخیص دیکھنی چاہیے ۔ نمونے کے طور پر پہلے دو پرچوں کے مضامین کا خاکہ ملاحظہ ہو :

۱- بنگالی قوم سے ایڈیٹر کا خطاب - حکومت سے درخواست کہ غریب لوگوں کے بچوں کو معزز ہندوؤں سے مفت تعلیم دلوانے کی غرض سے ایک مدرسہ قائم کیا جائے ۔ ایک راج کہار کی کہانی ۔

۲- اخبار پڑھنے کے فوائد ۔ ایک نامہ نگار کی تجویز کہ امیر بنگالیوں سے چندہ لے کر لال بازار سے باگ بازار تک چت پور روڈ پر چھڑکاؤ کا بندوبست کیا جائے ۔ گورو پر کامل اعتماد اور یقین ۔ ایک نامہ نگار کی تجویز کہ ہندوؤں کے اس قانون کو منسوخ کر دیا جائے کہ لڑکے کی عمر پندرہ برس نو مہینے ہو جائے تو جدی املاک اُس کے حوالے کر دی جائے ، عمر کی حد بائیس سال تک بڑھا دی جائے ۔ اُن امیر

بنگالیوں کے خلاف طنزیہ اور مزاحیہ مضمون ، جو رسوم پر بے حد فضول خرچی کرتے ہیں اور دربانوں کو یہ ہدایت دیتے ہیں کہ کوئی سائل آئے تو اسے اندر نہ آنے دیا جائے - حکومت سے درخواست ، کہ جیوری کے ذریعے سے سماعت کا طریق کار مفصلاتی ، اضلاعی اور صوبائی عدالتوں میں بھی اختیار کیا جائے ۔

'سمبد کھودی' اور 'سماچار چندریکا' میں اصولی بحث جاری رہی ۔ راجہ رام موہن رائے تو کچھ عرصہ بعد اپنے اخبار سے دست بردار ہوگیے، لیکن اخبار اسی پالیسی پر قائم رہا ۔ آخرکار ستی کی رسم منسوخ ہوئی ۔ یہ اس اخبار کی بڑی جیت تھی ۔ آدھر 'سماچار چندریکا' کم از کم ۱۸۵۹ء تک زندہ تھا ۔ 'ریورینڈ لانگ' رقم طراز ہے : ''پچیس سال تک بھوانی چرن بینر جی 'چندریکا' کا مدیر رہا ۔ وہ سنسکرت اور بنگالی کا بڑا فاضل تھا اور دھرم سبھا کا رہنما ، جس کا 'چندریکا' ترجمان تھا ۔ 'چندریکا' آج بھی کبھی کبھی بھونکتا ہے ، لیکن اس کے دانت ٹوٹ چکے ہیں اور ہندو مصلحین کا جسم ایسا نہیں کہ اس میں پیوست ہو سکیں ۔''

بنگالی صحافت آہستہ آہستہ ترقی کرتی چلی گئی ۔ ۱۸۲۴ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیانی عرصے میں چار بنگالی اخبار موجود تھے ۔ تین کلکتے میں اور ایک سی رام پور میں ۔ ۱۸۳۰ء میں ان کی تعداد سولہ ہو گئی جن میں تین روزنامے بھی شامل تھے ۔ ہفت روزہ اخبارات میں ایک رنگ پور سے بھی جاری تھا ۔ اس کا نام 'رنگ پور برتا باھو' تھا ۔ اسی زمانے میں 'دوار کا ناتھ ٹیگور' ، 'پرسن کمار ٹیگور' ، راجہ رام موہن رائے اور رابرٹ منٹگمری مارٹن کی مشترکہ مساعی سے 'بنگا دوت' جاری ہوا ۔

اس عہد کے بنگالی اخبارات میں چند ایسے بھی تھے جن میں فارسی صفحات بھی شامل ہوتے تھے ؛ مثلاً بنگا دوت فارسی اور بنگالی ، دونوں زبانوں میں بہ یک وقت چھپتا تھا ۔ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ سے 'سماچار سوا راج اندرا' کے نام سے اسی قسم کا ایک اور اخبار نکلا ۔ اس کے عملۂ ادارت میں شیخ علیم اللہ اور ڈرلب چندر چٹو پادھیائے شامل تھے ۔

۱۸۵۷ء سے پہلے کے بنگالی اخبارات میں 'پربھاکر' قدامت پسند تھا - عورتوں کی تعلیم کا مخالف تھا ، لیکن اعلیٰ ادبی معیار کی وجہ سے مقبول تھا - ۱۸۳۵ء میں ایک اور قدامت پسند اخبار 'دیوان پورن چندردایا' کے طویل نام سے نکلا - یہ انگریزی تعلیم کا سرے سے مخالف تھا ، لیکن کثیرالاشاعت اخبار تھا - دو سال جاری رہ کر بند ہوگیا - 'بھاسکر' ایک اور مشہور اخبار تھا - اس کے ایڈیٹر سری ناتھ بہت تیز اور طرار آدمی تھے - ۱۸۳۱ء میں 'گیانے مشن' کے نام سے ایک روزنامہ جاری ہوا ، جو نہایت اعلیٰ پائے کا تھا اور پالیسی کے اعتبار سے راجہ رام موہن رائے سے بھی زیادہ ترقی پسند تھا -

ھندی کا پہلا اخبار

ھندی زبان کا اولین اخبار ۳۱ مئی ۱۸۲۶ء کو کلکتہ سے جاری ہوا - درخواست دھندہ پنڈت جگل کشور شکل اور ایڈیٹر منو ٹھاکر تھے - اس اخبار نے حکومت کو یقین دلایا کہ ہم قارئین کے قلوب میں حکومت کے لیے احترام کے جذبات پیدا کریں گے - جب ایک سال تک اخبار چلنے کی صورت نظر نہ آئی تو حکومت سے مالی اعانت کی درخواست کر دی - لیکن حکومت نے انکار کر دیا اور چھ ماہ بعد اخبار بند ہوگیا - دس سال بعد کلکتہ سے 'پرجا متر' جاری ہوا اور یہ بھی ناکام رہا - ۱۸۴۹ء میں 'جگ دیپک بھاسکر' نکلا - یہ بھی بہت مختصر عرصہ جاری رہا - ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے ھندی کا پہلا روزنامہ 'سما چار سدھا درشن' جاری ہوا - اس عرصے میں تین اخبار آگرہ سے جاری ہوئے اور دو بنارس سے ، لیکن ان دونوں اخباروں کا صرف رسم الخط ناگری تھا ، ورنہ زبان اردو ہی تھی - ان کے علاوہ ایک اخبار احمد آباد سے جاری ہوا اور ایک 'شملہ اخبار' شملے سے - اس کا مدیر مسلمان تھا ، لیکن اخبار کی زبان ھندی اور رسم الخط ناگری تھا -

گجراتی زبان کے اخبار

گجراتی زبان کی صحافت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے دو قدیم ترین اخبار آج بھی زندہ ہیں - ایک کا نام 'بمبئی سماچار' ہے اور

دوسرے کا 'جام جمشید' - 'بمبئی سماچار' گجراتی زبان کا پہلا اخبار تھا - یہ 'فریدون جی مرزبان' نامی ایک پارسی ناشر نے یکم جولائی ۱۸۲۲ء کو جاری کیا - یہ فرقہ وار جھگڑوں سے بالا تھا اور اس کے کالم سب کے لیے کھلے تھے - دس سال بعد اسے روز نامہ بنا دیا گیا - گجراتی زبان کا دوسرا بڑا اخبار 'جام جمشید' ہے ، یہ ۱۸۳۱ء میں پسٹن جی مانک جی موتی والا نے جاری کیا - کچھ عرصہ بعد مرزبان کے خاندان نے اسے خرید لیا - یہ اخبار ۱۸۵۳ء میں روزنامہ بنا اور آج تک نہایت باقاعدگی سے جاری ہے اور خاصا ہر دل عزیز اخبار ہے -

احمد آباد میں گجرات ورنیکلر سوسائٹی نے 'ورتمان' نکالا - نوروز جی دوراب جی نے 'چابک' جاری کیا - لالو بھائی رائے چند نے 'شمشیر بہادر' شائع کیا - ان کے علاوہ کئی اور اخبار جاری ہوئے اور سب پارسیوں نے نکالے، لیکن انھیں طویل زندگی نصیب نہ ہوئی - ایک اخبار 'چترنجن درپن' بہرام جی جمشید جی گاندھی نے جاری کیا - اس نے رسول اکرم صلعم کی فرضی تصویر چھاپ ڈالی - اس سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوئے اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو پارسیوں اور مسلمانوں کے درمیان شدید فرقہ وار فساد ہوا - پارسیوں میں عام احساس تھا کہ ان کی آواز اونچے طبقے میں نہیں سنی جاتی - چنانچہ دادا بھائی نورو جی نے بمبئی سے 'راست گفتار' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا جس کا مقصد نہ صرف یہ تھا کہ یہ اخبار پارسیوں کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کرے بلکہ یہ بھی تھا کہ ان میں مذہبی کٹرپن ختم کرے اور معاشرتی اصلاحات کے لیے راستہ ہموار کرے - سات سال بعد 'راست گفتار' نے اعلان کیا کہ اب ہم بلا تمیز مذہب و ملت سارے ہندوستانیوں کی خدمت کریں گے - اس اخبار کو بھی طویل زندگی نصیب ہوئی اور یہ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا -

مرہٹی زبان کے اخبار

مرہٹی زبان کا پہلا اخبار 'بمبئی درپن' تھا ، جو ۱۸۳۲ء میں جاری ہوا تھا - اس میں انگریزی اور مرہٹی ، دونوں زبانوں کے مضامین چھپتے تھے - 'بمبئی درپن' ابتداء میں پندرہ روزہ تھا - چند مہینے بعد ہفت روزہ

ہوگیا ۔ یہ اخبار حالات کا نہایت غیر جانب دار جائزہ پیش کرتا تھا اور مذہبی جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتا تھا ۔ مرہٹی زبان کا پہلا ماہانہ رسالہ 'ڈگ درشن' تھا ، جو ۱۸۴۰ء میں جاری ہوا ۔ اس میں خبروں کے خلاصے کے علاوہ تاریخ ، جغرافیہ ، سائنس اور فلسفہ کے موضوعات پر مضمون چھپتے تھے ۔ ۳ جولائی ۱۸۴۰ء کو خالص مرہٹی زبان کا پہلا اخبار 'ممبائی اخبار' کے نام سے جاری ہوا ، لیکن چند ماہ بعد بند ہوگیا ۔ اس کے بعد کئی اور اخبار نکلے ۔ ان میں 'اپدیش چندریکا' ہندو مذہب پر مسیحی مشنریوں کے حملوں کا جواب دیتا تھا ۔ 'پربھاکر' بے باک تبصروں کے لیے مشہور تھا ۔ پونا کا اخبار 'دنیان پرکاش' ۱۸۴۹ء میں شروع ہوا اور ۱۹۰۴ء میں روزنامہ بن گیا ۔ اس کے مدیر مرہٹی زبان کے مشہور ناول نگار مسٹر ہری نارائن آپٹے تھے ۔ وی بی گوکھلے نے 'ورتمان دیپک' جاری کیا جو تھوڑے عرصے بعد بند ہوگیا ۔ ان سب مرہٹی جرائد نے ادب اور معاشری اصلاح کو فروغ دیا ۔

تامل زبان کے اخبار

تامل زبان کی صحافت کا آغاز عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے ہوا ۔ ۱۸۳۱ء میں تامل میگزین جاری ہوا ۔ پہلا اخبار ۱۸۵۵ء میں 'راج ورتی بودینی' کے نام سے نکلا ۔ اسی سال 'دینا ورتمانی' کے نام سے ایک اور ہفتہ وار اخبار شائع ہونے لگا ۔ یہ تینوں اخبار عیسائیوں کی ملکیت تھے ۔ تینوں کا مقصد یہ تھا کہ تامل بولنے والوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے ۔ اس لیے ان میں اس زمانے کے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر کچھ نہیں لکھا جاتا تھا ۔ نیز تینوں جرائد کو سرکاری امداد حاصل تھی ۔ ان اخبارات نے مقامی آبادی کو کوئی خاص متاثر نہیں کیا ۔

پنجابی زبان کے اخبار

۱۸۵۷ء سے پہلے کسی پنجابی اخبار کے وجود کا قطعی ثبوت تو نہیں ملتا ، البتہ پنڈت شیو نارائن نے 'کوہ نور' پر ایک مقالے (پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل ۱۹۱۶ء) میں بتایا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں 'کوہ نور'

میں یہ اعلان شائع ہوا تھا کہ 'پنجابی ہرکارہ' کے نام سے عن قریب ایک پنجابی ہفت روزہ گورمکھی اور فارسی رسم الخط میں نکلے گا۔ بہر حال یہ معلوم نہیں کہ یہ اخبار واقعی جاری ہوا یا نہیں۔

علاقائی زبانوں کی صحافت کے اس مختصر سے جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسیحی مشنریوں نے اپنے تبلیغی مقاصد کے لیے ان زبانوں میں اخبار اور رسالے جاری کیے۔ جب ہندو مذہب پر نکتہ چینی کی گئی، تو دیسی باشندوں نے اس کا جواب دینے کے لیے اپنے اخبار جاری کر لیے۔ دوسرے ہندوؤں میں اصلاحی تحریکیں آٹھیں، انھوں نے اپنے مقاصد کو فروغ دینے کی غرض سے صحافت کو ذریعہ بنایا اور آدھر قدامت پسند ہندوؤں نے پرانی اقدار کی حفاظت کے لیے صحافت کا سہارا لیا۔ یہ سب اخبار خبروں کے لیے عموماً انگریزی ہم عصروں کے محتاج تھے اور تقریباً سب اخباروں میں مغربی علوم کے بارے میں مضامین چھپتے تھے۔

ساتواں باب

قانون اور صحافت

برعظیم میں انگریزی صحافت کا آغاز ۱۷۸۰ء میں ہوا - پہلے بیس سال کے عرصے میں کوئی قانون ایسا نہ تھا جس کے ذریعے سے صحافت کو قابو میں رکھا جا سکتا - جیمز آگسٹس ہکی اور ولیم ڈوآن کے خلاف جو کاروائی ہوئی وہ خلاف ضابطہ تھی - جب اس طرز عمل میں مشکلات پیدا ہوئیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب اقتدار نے محسوس کیا کہ اخبارات کو قانون کے شکنجے میں کسنا ضروری ہے - اس احساس میں مارکوئیس آف ولزلی پیش پیش تھا ، کیوں کہ وہ ہر طرف خطرات سے گھرا ہوا تھا - اُس وقت تین بڑے عناصر مختلف انداز اور مختلف دوائر میں اُس کے اقتدار کو للکار رہے تھے - ایک طرف ٹیپو سلطان کی مقناطیسی شخصیت تھی ، جو جنوبی ہند میں برطانوی اقتدار کو ملیامیٹ کرنے پر تلی بیٹھی تھی - دوسری طرف فرانسیسی تھے ، جن کا واحد مقصد یہی تھا کہ انگریزوں کو برعظیم سے بے دخل کر دیا جائے - تیسرے خود انگریزی محاذ میں اختلافات تھے ، کیوں کہ کلکتہ کی یورپی آبادی ولزلی کی مخالف تھی اور اُس کے خلاف ریشہ دوانیوں میں معروف تھی - اس آبادی کی پشت پر صحافت تھی - اخبار اکثر ایسی خبریں چھاپ دیتے تھے جن میں اہم فوجی معلومات ہوتی تھیں اور یہ معلومات ٹیپوسلطان تک پہنچ جاتی تھیں - ولزلی نے فیصلہ کیا کہ اخبارات کو 'راہ راست' پر لایا جائے ، تاکہ ایک طرف کلکتہ کی انگریزی آبادی بے دست وپا ہو جائے ، دوسرے ایسی معلومات اخبارات میں چھپنے سے رک جائیں جن سے ٹیپو سلطان اور فرانسیسیوں کو فائدہ پہنچتا تھا - اس دوران میں کلکتہ

کے اخبار 'ایشیاٹک مرر' نے ایک مضمون میں بتایا کہ بنگال کی مقامی آبادی کتنی ہے اور اس میں یورپی باشندوں کا تناسب کیا ہے - یہ بھی لکھا کہ دیسی سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے اور انگریزی سپاہیوں کی کتنی - مارکوئیس آف ولزلی نے محسوس کیا کہ اس قسم کے مواد کی اشاعت سے برطانوی راج کے دشمنوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے - اس لیے اُسے اخبارات کی آزادی سلب کرنے کا بہانہ مل گیا -

۱۷۹۹ء میں مارکوئیس آف ولزلی مدراس میں تھا - اُس نے کمانڈر ان چیف کو ایک نجی خط میں لکھا : ''مدیران جرائد کے اس سارے قبیلے کو قابو میں لانے کے لیے میں عن قریب ضوابط مرتب کرکے بھیجوں گا - اس دوران میں اگر تم اس قسم کے اخباروں کو شرارت سے نہ روک سکو تو ان کو بہ جبر بند کردو اور ان کے ایڈیٹروں کو یورپ روانہ کردو - مئی ۱۷۹۹ء میں ان ضوابط کا اعلان کر دیا گیا :

۱ - ہر اخبار کے چھاپنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اخبار کے آخر میں اپنا نام درج کرے -

۲ - ہر اخبار کے مالک اور مدیر کا فرض ہے کہ حکومت کے سیکرٹری کو اپنے نام اور سکونت سے مطلع کریں -

۳ - اتوار کے دن کوئی اخبار شائع نہ ہو -

۴ - کوئی اخبار اُس وقت تک شائع نہ کیا جائے جب تک حکومت کے سیکرٹری یا اُس کے نامزد کردہ کسی شخص نے پہلے اُس کا معائنہ نہ کر لیا ہو -

۵ - ان میں سے کسی قاعدے کی خلاف ورزی پر یورپ کو فوری روانگی کی سزا دی جا سکے گی -

اس کے بعد حکومت کے سیکرٹری کو سنسر کے اختیارات دیے گئے اور ہدایات جاری کی گئیں کہ کوئی اخبار ایسی خبریں نہ چھاپے جن میں جہازوں کی نقل و حرکت ، فوج کی آمد و رفت اور فوجی سامان کے نقل و حمل کی اطلاع دی گئی ہو - نیز کمپنی اور دیسی ریاستوں

کے درمیان تعلقات کے بارے میں کوئی قیاس آرائی نہ کی جائے۔ ایسی کوئی خبر نہ چھاپی جائے جس سے دشمن کو فائدہ پہنچے۔ ایسا کوئی تبصرہ نہ کیا جائے جس سے کمپنی کے مقبوضات میں اشتعال یا بے چینی پھیلنے کا امکان ہو۔ کمپنی کی مالیات، سرکاری افسروں کے طرز عمل اور افراد کے ذاتی کردار پر کوئی تبصرہ نہ کیا جائے۔ اخبارات یورپی جرائد سے ایسی خبریں نقل نہ کریں جن کی اشاعت سے مندرجہ بالا ہدایات کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

اس وقت کلکتہ سے سات اخبارات نکلتے تھے، جن کے نام یہ ہیں: بنگال ہرکارو، مارننگ پوسٹ، ٹیلی گراف، کلکتہ کوریئر، اوریئنٹل سٹار، انڈیا گزٹ اور ایشیاٹک مرر۔ صحافتی قواعد اور ہدایات ان سب کو بھیجی گئیں اور ہر ایک نے انھیں بلا تامل قبول کر لیا۔ ۱۸۰۱ء میں 'کلکتہ گزٹ' کو حکم ملا کہ وہ فوج کے بارے میں کوئی ایسی خبر نہ چھاپے جو پہلے 'گورنمنٹ گزٹ' میں شائع نہ ہو چکی ہو۔ کچھ عرصہ بعد حکومت نے دیکھا کہ اخبارات اپنا مواد باقاعدہ سنسر نہیں کراتے اور اخبارات کو جن اطلاعات کی اشاعت سے روکا گیا ہے وہی پمفلٹوں میں چھپ رہی ہیں۔ چنانچہ چھاپہ خانوں کو تنبیہ کی گئی۔ اس سے بھی فائدہ نہ ہوا، کیوں کہ بے شمار ایسے قابل اعتراض پمفلٹ شائع ہونے لگے جن پر نہ مصنف کا نام تھا، نہ چھاپنے والے کا۔ اس پر ۱۸۱۱ء میں کلکتہ کے تمام چھاپہ خانوں کو انتباہ کیا گیا، کہ ہر قسم کے پمفلٹوں، اشتہاروں، کتابوں اور کاغذوں پر چھاپنے والے کا نام ضرور دیا جائے، ورنہ حکومت ناراض ہو جائے گی۔ جب یوں بھی صورت احوال میں اصلاح نہ ہوئی تو ۱۸۱۲ء میں یہ حکم جاری ہوا، کہ خرید و فروخت اور کرائے پر مکان کے اعلانات کے سوا جتنے اشتہار چھپنے کے لیے آئیں، ان کے مسودے پہلے سنسر کرائے جائیں۔

۱۸۱۳ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا، تو اس وقت کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے اخبار قابو میں تھے اور کلکتہ اور بمبئی کے مقابلے پر مدراس میں صحافت کے قواعد ذرا زیادہ سخت تھے۔

اس سال لارڈ ہیسٹنگز نے چھاپہ خانوں کی نگرانی کے لیے مندرجہ ذیل قواعد کا اعلان کیا :

۱ - تمام اخباروں ، ضمیموں اور ضمنی مطبوعات کے پروف چھاپنے سے پہلے چیف سیکرٹری کو دکھا لیے جائیں ۔

۲ - اسی طرح تمام اشتہارات کے پروف بھی چیف سیکرٹری سے سنسر کرا لیے جائیں ۔

۳ - جو کتابیں چھاپنی مقصود ہوں ، اُن کے نام چیف سیکرٹری کو بھیج دیے جائیں ۔ چیف سیکرٹری چاہے گا تو اشاعت کی اجازت دے دے گا اور اگر مناسب سمجھے گا تو کتاب کا مسودہ معائنے کے لیے منگوا لے گا ۔

۴ - پہلے سب صحافتی ضوابط بدستور قائم رہیں گے ۔

ٹیپو سلطان کی شکست کے بعد جب دوسری یورپی طاقتیں بھی برعظیم کی سیاسی زندگی سے بے دخل ہوگئیں تو حکومت کو جرأت پیدا ہوئی کہ صحافت کی آزادی کے امکانات پر کچھ غور کرے - ۱۸۱۶ء کے قریب سپریم کونسل کے ممبروں میں اس مسئلے پر بحث ہوئی ۔ لارڈ ہیسٹنگز ذاتی طور پر اُس طریقے کے خلاف تھے جس کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی اخبارات کی جائز سر گرمیوں میں روڑے اٹکاتی تھی ۔ وہ ذاتی حیثیت سے آزادی صحافت کے قائل تھے ۔ اُس زمانے میں 'ایشیاٹک مرر' کاملاً جیمز برائس کے تصرف میں تھا ۔ وہی اس کے مالک تھے اور وہی مدیر اور لارڈ ہیسٹنگز سے اُن کے اچھے مراسم تھے ۔ یہ ڈاکٹر برائس کی فرمائش کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۱۸ء میں سنسر شپ کی تنسیخ عمل میں آگئی ۔ اُدھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی کورٹ آف ڈائیرکٹرز آزادیٔ صحافت کی مخالف تھی ۔ لارڈ ہیسٹنگز کو اُس کی رضا بھی مطلوب تھی ۔ اس لیے انھوں نے اخبارات کے نام ہدایات جاری کیں کہ وہ مندرجہ ذیل معاملات کے متعلق کچھ نہ چھاپیں :

۱ - کورٹ آف ڈائیرکٹرز یا حکومت ہند سے تعلق رکھنے

والے انگلستان کے پبلک اداروں کے اقدامات اور کاروائی پر مخالفانہ تبصرے ۔ مقامی نظم و نسق کی سیاسی بات چیت اور معاہدات پر نکتہ چینی ۔ کونسل کے ممبروں ، سپریم کورٹ کے ججوں اور لارڈ بشپ آف کلکتہ کے عوامی کردار پر معاندانہ اشارات ۔

۲ ۔ ایسی چیزوں کی اشاعت ، جن سے دیسی آبادی کو یہ خدشہ ہو کہ اُن کے مذہبی عقائد اور عبادات میں مداخلت کی جائے گی ۔

۳ ۔ انگلستان یا دوسرے ممالک غیر کے اخبارات سے ایسے اقتباس جو مندرجہ بالا مدات میں آتے ہوں ، یا جن سے برطانوی اقتدار یا ہندوستان میں برطانیہ کی شہرت پر برا اثر ہوتا ہو ۔

۴ ۔ نجی سکینڈل اور ذاتی حملے ، جن سے معاشرے میں افتراق پیدا ہو ۔

لارڈ ہیسٹنگز کے جاری کیے ہوئے ان ضوابط کا مطلب یہ تھا کہ اب اخبارات سنسر کی پابندی سے آزاد ہیں اور وہ سوائے چند مستثنیات کے باقی ہر قسم کی خبریں چھاپ سکتے ہیں اور اُن پر تبصرہ کرسکتے ہیں ۔ اخبارات نے عام طور پر اس کا خیر مقدم کیا ۔ خود لارڈ ہیسٹنگز نے کلکتہ کے شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں آزادیٔ صحافت کو اپنے ساتھی شہریوں کا قدرتی حق قرار دیتا ہوں اور میرے نزدیک پابندی صرف اس صورت میں لگنی چاہیے جب کوئی خاص اور فوری وجہ پیدا ہو ۔

اسی سال جیمز سلک بکنگھم (James Silk Buckingham) نے دوسروں کی شرکت میں ایک سہ روزہ اخبار ’کلکتہ جرنل‘ جاری کیا ۔ اُس نے لکھا : میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ گورنروں کو اُن کے فرائض کی یاد دہانی کراؤں ۔ انھیں ان کی کوتاہیوں پر سختی سے ٹوکوں اور تلخ حقائق منظر عام پر لے آؤں ۔ جب کوئی قانون ساز

ادارہ موجود نہ ہو، تو حکومت غیر ذمہ دار ہوتی ہے ۔ اس لیے اس پر اخباری نکتہ چینی ضروری ہے ۔ اُس نے 'کلکتہ جرنل' کو ایک اعلیٰ پائے کا اخبار بنایا اور اعلان کیا کہ جو شخص اپنی شکایات منظر عام پر لانا چاہے ہمارے اخبار کے کالم اُس کے لیے کھلے ہیں ۔

یہ اخبار بہت جلد ہر دل عزیز ہوگیا ۔ مالی اعتبار سے بھی اس کی بنیادیں مضبوط تھیں اور اُس سے آٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ منافع ہوتا تھا ۔ 'کلکتہ جرنل' اپنے اچھے مواد، وسیع اشاعت، کم قیمت اور آزاد ادارتی پالیسی کی وجہ سے برعظیم میں جدید صحافت کا پیش رو قرار دیا جاسکتا ہے ۔

بکنگھم آزادیٔ رائے اور حریت خیال کا قائل تھا، اس لیے حکام اُسے پسند نہیں کرتے تھے ۔ ان میں مدراس کا گورنر ایلیٹ پیش پیش تھا۔ اُس نے مدراس کے اخبارات کو بری طرح جکڑ رکھا تھا اور انھیں مجبور کرتا تھا کہ وہ چھپنے سے پہلے دوبار سنسر کرائیں ۔ جب اس شخص کو تین سال کی توسیع ملی، تو بکنگھم نے اسے ایک 'عوامی آفت' قرار دیا ۔ ایلیٹ نے مرکزی حکومت کی توجہ اس طرف دلائی، تو حکومت نے بکنگھم کو انتباہ کیا کہ وہ ایسی حرکات سے باز آجائے ۔ اس کے بعد بکنگھم نے چیف جسٹس اور کلکتہ کے لارڈ بشپ کے خلاف لکھا ۔ حکومت لارڈ بشپ کے معاملے میں بے حد حساس تھی ۔ اُس نے دریافت کیا کہ جس نامہ نگار نے لارڈ بشپ کے خلاف لکھا ہے اُس کا نام کیا ہے؟ بکنگھم نے اس کا کچھ تسلی بخش جواب نہ دیا، تو حکومت نے انتباہ کیا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کا ارتکاب کیا تو ہندوستان میں سکونت کا لائیسنس چھین کر تمھیں فوراً جلا وطن کردیا جائے گا ۔ بکنگھم نے اس کے خلاف احتجاج کیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔

ایک دفعہ بکنگھم نے حکومت کے سیکرٹریوں پر الزام لگایا کہ وہ جی لگا کر کام نہیں کرتے اور اعزہ پروری کرتے ہیں ۔ سیکرٹریوں نے ایک تو ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلا دیا اور ایک فوج داری

مقدمہ بھی دائر کردیا ۔ عدالت میں بکنگھم بری ہو گیا ۔ بہر حال اُسے چھ سو پاؤنڈ کی رقم صرف کرنا پڑی ۔ چند ہفتے بعد اُس نے کسی فوجی افسر کی طرف سے ایک گم نام خط چھاپا ، جس میں حکام پر الزام لگایا گیا کہ وہ عدالتوں میں بھی دیسی باشندوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں ۔ حکومت نے نامہ نگار کا نام دریافت کیا ، تو بکنگھم نے بتایا کہ یہ خط لیفٹیننٹ کرنل رابسن کی تصنیف ہے ۔ حکومت نے اس شخص کو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہندوستان سے نکل جائے اور کمانڈر ان چیف نے احکام جاری کیے کہ آئندہ سے کوئی فوجی اخبارات کے لیے کچھ نہ لکھے ۔ گورنر جنرل کی کونسل نے سفارش کی کہ بکنگھم کو بھی جلا وطن کردیا جائے ۔ لیکن لارڈ ہیسٹنگز نے یہ سفارش نہ مانی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی ۔ کونسل کا ایک ممبر جان ایڈم بکنگھم کا سخت مخالف تھا ۔ وہ ہمیشہ کونسل میں اس کے اخراج کی سفارش پیش کرا دیتا تھا اور لارڈ ہیسٹنگز ہمیشہ یہ سفارش مسترد کردیتا تھا ۔ اس طرح جب تک لارڈ ہیسٹنگز موجود رہا بکنگھم جلا وطن سے بچا رہا ۔

بکنگھم 'وہگ' پارٹی کے نظریات کا حامی تھا ۔ جب اس کے اخبار کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ، تو ٹوری اخبارات ماند پڑ گئے ۔ اس پر ٹوری خیال کے لوگوں نے 'جان بل' کے نام سے ایک نیا اخبار جاری کرلیا ۔ نئے اخبار نے لکھا کہ لارڈ ہیسٹنگز کو خواہ مخواہ آزادیٔ صحافت کا حامی قرار دیا جاتا ہے ، حالاں کہ اُن کا مقصود کبھی یہ نہیں ہوا کہ اخبارات آزادی کی فضا میں سانس لیں ۔ اس پر بکنگھم نے لارڈ ہیسٹنگز کا موقف بڑی وضاحت سے اور فصیح و بلیغ انداز میں پیش کیا اور یہ بھی لکھا کہ ۱۸۱۸ء میں جو ضوابط جاری ہوئے ، اُن کی حیثیت ردی کے پرزے سے زیادہ نہیں ، کیوں کہ وہ قانون کی حیثیت نہیں رکھتے ۔ جان ایڈم کو اس پر غصہ آیا ۔ اُس نے اور کونسل کے دوسرے ممبروں نے مطالبہ کیا کہ ایک ایسا قانون بنایا جائے جس کی رو سے چھاپہ خانوں کے مالکوں کے لیے لائیسنس لینا ضروری قرار دیا جائے اور حکومت کو اختیار ہو کہ وہ جب چاہے لائیسنس ضبط

کرلے - ایڈم نے گورنر جنرل سے پھر مطالبہ کیا کہ بکنگھم کے اخراج کا حکم جاری کیا جائے اور لارڈ ہیسٹنگز نے ایک مرتبہ پھر یہ مطالبہ ملنے سے انکار کردیا - لیکن اب بکنگھم کا ستارہ گردش میں آچکا تھا اور اس کی جلا وطنی قریب تھی -

جب لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت ختم ہوا تو ۱۳ جنوری ۱۸۲۳ء کو عارضی طور پر جان ایڈم گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوگیا اور اس نے بکنگھم کے اخراج کا حکم جاری کردیا - بکنگھم چلا گیا، لیکن اس کا اخبار جاری رہا - اس نے ایک شخص سینڈیز (Sandys) کو ایڈیٹر مقرر کیا - چونکہ وہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا، اس لیے اسے جلا وطن نہیں کیا جاسکتا تھا - اس سلسلے میں ایک دل چسپ صورت لارڈ امہرسٹ کے دور میں پیدا ہوئی - حکومت کو 'کلکتہ جرنل' سے ایک شکایت پیدا ہوئی - چونکہ ایڈیٹر کو جلا وطن نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے اسسٹنٹ ایڈیٹر سینڈ فورڈ آرنٹ (Sandford Arnot) کو جلا وطن کردیا گیا، حالاں کہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا -

لارڈ ہیسٹنگز کے جانے کے بعد جان ایڈم کو موقعہ مل گیا کہ وہ صحافت کی آزادی کو کچلنے کے لیے اپنے پرانے ارمان نکالے - اس نے کہا کہ ۱۸۱۸ء کے ضوابط کو قانون کی حیثیت حاصل نہیں - اس لیے اب (۱۸ دسمبر ۱۸۲۳ء) پریس آرڈیننس نافذ کیا جاتا ہے جسے قانون کی حیثیت حاصل ہے - اس آرڈیننس کے نمایاں نقوش یہ تھے :

۱- گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے لائیسنس لیے بغیر کوئی اخبار یا رسالہ شائع نہیں کیا جاسکتا -

۲ - لائیسنس کی درخواست میں یہ امور درج ہوں : اخبار کا نام، ایڈیٹر، پرنٹر اور مالک کے اسماء، دفتر کی پوری کیفیت -

۳ - اگر اخبار سے وابستہ کسی شخص کو الگ کیا جائے، یا نیا آدمی مقرر کیا جائے، تو اس سے گورنر جنرل

به اجلاس کونسل کو مطلع کردیا جائے۔

۴ - لائیسنس کسی وقت بھی واپس لیا جاسکتا ہے -

۵ - جو شخص لائیسنس کے بغیر کوئی اخبار جاری کرے گا، بیچے گا یا کسی کو دکھائے گا، اُسے چار سو روپے جرمانے کی سزا ہوگی -

۶ - خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا -

یہی نہیں، اس کے فوراً بعد چھاپہ خانوں کو پابند کرنے کے لیے بھی خاص قواعد نافذ کردیے گئے - ان کے نمایاں پہلو یہ ہیں :

۱ - جو شخص بغیر لائیسنس کے لیے کتابیں یا اخبار چھاپے گا، اُسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانے یا چھ مہینے تک قید کی سزا دی جاسکے گی -

۲ - مجسٹریٹ مجاز ہوں گے کہ بغیر لائیسنس کے جو چھاپہ خانے قائم ہوں، انہیں ضبط کرلیں -

۳ - جو لوگ چھاپہ خانہ چلانا چاہیں یا نیا چھاپہ خانہ قائم کرنا چاہیں، انھیں خاص لائیسنس حاصل کرنا پڑے گا اور حکومت جب چاہے لائیسنس ضبط کرنے کی مجاز ہوگی -

۴ - جو کتابیں یا اخبارات کسی لائیسنس شدہ چھاپہ خانے میں چھپیں، اُن کے پہلے اور آخری صفحے پر چھاپنے والے کا نام اور مقام درج ہوں گے اور اس کی کاپی حکام کو مہیا کرنا پڑے گی -

اس طرح صحافت کو کاملاً پکڑ لیا گیا اور ہر اخبار اس ڈر سے دب گیا کہ مبادا اُس کا لائیسنس ضبط کر لیا جائے - ان قوانین کے خلاف بہت جد و جہد ہوئی، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی - راجہ رام موہن رائے نے ہندوستانیوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں اس آرڈیننس کے

خلاف اپیل دائر کی اور اس کے حق میں یہ دلائل پیش کیے :

ا ۔ اس آرڈی نینس کی وجہ سے اُن ذہین دیسی باشندوں کی حوصلہ شکنی ہوگی جو انگریزوں کے اچھے نظم‌ونسق کے متعلق معلومات عوام تک پہنچانا چاہتے ہیں ۔

ب ۔ اس سے اخبارات کے ذریعے سے علم کا فروغ رک جائے گا ۔

ج ۔ مقامی باشندے اس قابل نہ رہیں گے کہ حکومت کو افسروں کی غلطیوں اور بے انصافیوں سے آگاہ کریں اور اُنھیں کوئی ایسا موقعہ نہیں ملے گا کہ وہ صاف اور دیانت دارانہ طریقے سے وفادار رعایا کے اصل حالات حاکموں تک پہنچائیں ۔

آخر میں رام موہن رائے نے لکھا :

”ہر اچھا حکم ران جو انسانی فطرت کی کمزوریوں کا قائل ہے اور اس دنیا کے ابدی حکم ران کی عظمت کا احترام کرتا ہے اُسے یہ احساس بھی ضروری ہوتا ہے کہ ایک وسیع سلطنت کے انتظام میں غلطی بھی ہوسکتی ہے ۔ اس لیے وہ اس امر کے لیے مضطرب رہتا ہے کہ ہر فرد کو ایسے مواقع حاصل ہوں کہ وہ ایسے امور کی طرف اُس کی فوری توجہ دلا سکے ، جن میں اُس کی مداخلت ضروری ہو ۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لیے واحد موثر ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ اشاعت کی مکمل آزادی دی جائے ۔“

سپریم کورٹ نے یہ اپیل مسترد کر دی اور اس رائے کا اظہار کیا کہ جتنی عملی آزادی کلکتہ کو حاصل ہے ، اتنی شاید دنیا کے کسی اور شہر کو حاصل نہیں ۔

راجہ رام موہن رائے نے اس کے بعد ملک معظم کے نام اپیل روانہ کی ، جس کے چند اقتباس خاص توجہ کے مستحق ہیں :

’مسلمانوں کے زمانے میں ہندوؤں کو خود مسلمانوں کی طرح سارے سیاسی حقوق ، بڑے عہدے ، فوجوں کی کمان اور صوبوں کی گورنریاں حاصل تھیں ۔ کسی شخص کو صرف اس بناء پر حقوق

ومراعات سے محروم نہیں کیا جاتا تھا کہ اُس کا مذہب یا مقام پیدائش حاکموں کے مذہب و مولد سے مختلف ہے ۔ اب ہندوستانیوں کو وہ مراعات حاصل نہیں ۔ آزادیٔ صحافت سے ان کی کچھ تلافی ہو جاتی تھی ۔ اس آزادی کے سلب ہو جانے سے تو ہندوستانی بالکل بے یار و مددگار ہو جائیں گے ۔

''مغل شہنشاہ خواہ کتنے ہی مطلق العنان بادشاہ کیوں نہ رہے ہوں اور کبھی کبھی اُن کا طرز عمل کتنا ہی جابرانہ اور آمرانہ رہا ہو ، ایک بات واضح ہے کہ اُن میں جو حکم ران ہوش مند اور صالح تھے ، وہ ہمیشہ اپنے صوبائی صدر مقاموں پر دو اخبار نویس متعین رکھتے تھے ۔ ان میں ایک وقایع نگار ہوتا تھا ، جو سارے واقعات قلم بند کرتا تھا اور دوسرا خفیہ نویس ہوتا تھا ، جو ہر قابل ذکر واقعے کی خفیہ روداد لکھا کرتا تھا ۔ بعض اوقات صوبے دار بادشاہ کا عزیز یا دوست بھی ہوتا تھا ۔ اس کے بادجود بادشاہ اُس کی بھیجی ہوئی رپورٹ پر پورا یقین نہیں کرتا تھا اور صوبے داروں کو اُن کی یا اُن کے ماتحتوں کی غلطیوں پر معزول بھی کر دیتا تھا ۔

''ملک معظم کی وفادار رعایا بہت عاجزی کے ساتھ درخواست کرتی ہے کہ مذکورہ بالا قواعد ، آرڈی نینس اور ریگولیشن کا نفاد روک دیا جائے اور اس ملک کے حاکموں کو حکم دیا جائے کہ آپ کی وفادار رعایا کو جو مراعات حاصل ہیں ، اُن میں تخفیف کرنے اور اُن کے حقوق کو پامال کرنے کے لیے قوانین نہ بنائیں ۔

''حضور اور حضور کی ادنلی رعایا کے درمیان جو پدرانہ رشتہ قائم ہے ، اُس کا واسط دے کر رعایا نصف کرۂ زمین کے فاصلے سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اُن کی حالت کو نظر انداز نہ فرمائیں ۔ ... رعایا اپیل کرتی ہے کہ حضور اپنی لاکھوں کی تعداد میں رعایا کو وحشیانہ طور پامال اور برباد کرنے کی اجازت نہ دیں ۔ جس تاج پر آج دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں ، اُس کے اقبال کا واسطہ

دے کر وفادار رعایا اپیل کرتی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو دوالی مظلومیت اور ذلت کے حوالے نہ کریں۔''

یہ درخواست بھی مسترد ہوگئی اور راجہ رام موہن رائے نے فیصلہ کیا کہ لائیسنس لینےکی ذلت سے یہ کہیں بہتر ہے کہ 'مراۃ الاخبار' بند کر دیا جائے۔ آپ نے لکھا:

''وہ یورپین حضرات جو چیف سیکرٹری سے شناسائی رکھتے ہیں، آسانی سے لائیسنس لے سکتے ہیں، لیکن مجھ جیسے عاجز انسان کے لیے بہت مشکل ہے کہ ایک بڑے آدمی سے ملاقات میں جو دیواریں حائل ہوتی ہیں، انھیں پھلانگوں یا پولیس اور عدالت کے دفاتر کی خاک چھانوں۔

آبروئے کہ بہ صد خون جگر دست دھد
بہ امید کرم خواجہ بہ درباں مفروش

دوسری وجہ یہ ہے کہ عدالت کے کھلے اجلاس میں حاضر ہو کر حلفیہ بیان دینا ایک نازیبا اور ذلیل بات سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عدالت میں خود حاضر ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اور کو فرضی مالک بنا کو اس سے یہ کام لے لیا جائے، لیکن یہ بات قانون کے خلاف اور دیانت کے منافی ہے۔

''عرضی دینے اور حلفیہ بیان دینے کی ذلت برداشت کرنے کے بعد بھی ہر گھڑی یہ کھٹکا لگا رہے گا کہ کہیں حکومت لائیسنس واپس نہ لے لے، جس سے جگ ہنسائی ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں، جن سے انسان سکونِ قلب سے یک سر محروم ہو جوتا ہے۔ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور حق بات کے کہنے میں ایسے الفاظ یا فقرے بھی انسان کی زبان سے نکل سکتے ہیں جو حکومت کو ناگوار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تقریر پر سکوت

کو ترجیح دیتا ہوں ۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند

''ایران و ہندوستان کے اُن اصحاب سے، جنھوں نے 'مراۃ الاخبار' کو اپنی سرپرستی کا اعزاز بخشا تھا، میں یہ التجا کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اسباب پر نظر کر کے وہ مجھے معاف کریں، کیوں کہ اخبار کے پہلے نمبر میں حالات و واقعات سے مطلع کرتے رہنے کا جو وعدہ میں نے کیا تھا، اب میں اُس کے ایفاء سے محروم ہوں ۔''

'کلکتہ جرنل' کے مالک نے بھی پریس آرڈی نینس کے خلاف اپیل دائر کی تھی ۔ لیکن یہ بھی مسترد ہوگئی اور سپریم کورٹ کے جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا: ''میں کہوں گا، آزاد صحافت اور موجودہ حکومت دو متضاد چیزیں ہیں ۔ ایک دوسرے کے دوش بدوش نہیں چل سکتیں ۔ مسٹر بکنگھم کو ملک سے نکال کر کیا نتیجہ نکلا؟ ان کی جگہ ایک اور صاحب ایڈیٹر بن گئے اور کہتے ہیں، مجھے ملک بدر نہیں کیا جا سکتا ۔ کیا ایسی صورت کا مقابلہ کرنے کے لیے قانون کی ضرورت نہیں؟'' ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بکنگھم کا جانشین سینڈیز ہندوستان میں پیدا ہوا تھا ۔ اس لیے اُسے ملک بدر نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ جب 'کلکتہ جرنل' کی ایک اور حرکت ایڈم کو بری لگی، تو اُس نے سینڈیز کی جگہ اُس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر آرنٹ کو ملک بدر کر دیا اور جب 'کلکتہ جرنل' نے اِن کے باوجود اپنی روایات کو قائم رکھا، تو ایڈم نے اس کا لائیسنس ہی منسوخ کر دیا ۔

بمبئی میں ایک دل چسپ لیکن افسوس ناک واقعہ ہوا ۔ وہاں کے پرانے اخبار 'بمبئی گزٹ' کے اصل مالک اور ایڈیٹر حکومت بمبئی کے چیف سیکرٹری مسٹر وارڈن تھے ۔ لیکن اخبار میں ایک شخص مسٹر فیئر کا نام بطور مدیر درج تھا ۔ ۱۸۲۴ء میں 'بمبئی گزٹ' میں سپریم کورٹ کی ایک کاروائی پر معاندانہ تبصرہ شائع ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ 'بمبئی گزٹ' کے فرضی ایڈیٹر فیئر کو جلاوطن کردیا گیا

اور مسٹر وارڈن بدستور دندناتے رہے ۔ وہ نہ صرف 'بمبئی گزٹ' کے ، بلکہ 'بمبئی کوریئر' کے بھی مالک تھے ۔ انہوں نے بمبئی کی سپریم کورٹ کے خلاف اور زیادہ لکھنا شروع کردیا ۔ اب حکومت عجیب مخمصے میں تھی ۔ وہ اپنے چیف سیکرٹری کو نہ گرفتار کرسکتی تھی ، نہ اُس کو ملک بدر کرنے کے قابل تھی ۔ آخر یہ مسئلہ ۱۸۲۵ء کے اواخر میں حل ہوا ، جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے حکم جاری کیا کہ کوئی سرکاری افسر نہ کسی اخبار کا مالک بن سکتا ہے ، نہ ایڈیٹر بن سکتا ہے اور نہ کسی اخبار میں کچھ لکھنے کا مجاز ہے اور یہ حکم کمپنی کے تمام مقبوضہ علاقوں پر حاوی تھا ۔

۱۸۲۷ء میں 'کلکتہ کرانیکل' کے نام سے ایک نیا اخبار جاری ہوا ۔ تین ماہ بعد اسے بغیر کوئی وجہ بتائے بند کردیا گیا اور اس شہر میں کئی مہینے تک حکومت نے کسی بھی نئے اخبار کے اجراء کی اجازت نہ دی ، مبادا کہ 'کلکتہ کرنیکل' کے مالک ہی نئے نام سے اخبار جاری کر رہے ہوں ۔ رفتہ رفتہ اخبارات کی تعداد گھٹنے لگی اور جب لارڈ ولیم بنٹنگ گورنر جنرل بنے ، تو انہوں نے محسوس کیا کہ اخبارات سے زیادتی ہو رہی ہے ۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ ہندوستانی زبانوں میں چھپنے والے اخباروں کو اجازت دی جائے کہ وہ معاشری مسائل پر آزادانہ بحث کریں اور اگر صحافت سے پابندیاں اُٹھالی جائیں ، تو اس سے بہت فائدہ ہوگا اور نظم و نسق کی بہتری کا سامان بھی مہیا ہوجائے گا ۔ انہوں نے مسٹر جی ۔ سٹاک ویل کو ہدایت جاری کی کہ وہ کلکتہ کے اخباروں کی اشاعت اور اثر کا جائزہ لیں ۔ یہ رپورٹ ستمبر ۱۸۲۸ء میں تیار ہوئی اور معلوم ہوا کہ کلکتہ میں اخبار کی اشاعت کے اعداد و شمار یہ ہیں :

بنگال ہرکارو	روزنامہ	۱۵۵
جان بل	روزنامہ	۲۰۳
انڈیا گزٹ	سہ روزہ	۲۸۰
گورنمنٹ گزٹ	سہ روزہ	۲۹۷
کلکتہ کرانیکل	سہ روزہ	۱۸۹

فارسی کا صرف ایک اخبار 'جام جہاں نما' موجود تھا، جس کی اشاعت صرف چھبیس (۲۶) تھی -

ولیم بنٹنک کے عہد میں اخبارات دار و گیر سے عملاً آزاد ہوگئے - اس لیے صحافت کو ترقی ہوئی اور کئی نئے اخبار جاری ہوگئے - ۱۸۳۰ء میں کلکتہ میں صرف بنگالی زبان میں تین روزنامے، ایک دو روزہ، دو سہ روزہ، چھ ہفت روزہ اور دو پندرہ روزہ اخبارات کے علاوہ ایک ماہ نامہ بھی موجود تھا - ۱۸۳۱ء میں بارہ اور اخبار جاری ہوئے، جن میں چھ بنگالی زبان میں تھے، پانچ انگریزی زبان میں اور ایک دونوں زبانوں میں - ۱۸۳۲ء میں چار اخبار نکلے، جن میں ایک بنگالی اور تین انگریزی تھے - ۱۸۳۳ء میں کلکتہ سے فارسی زبان میں 'ماہ عالم افروز' جاری ہوا اور آگرہ سے انگریزی زبان میں پہلا اخبار 'مفصل اخبار' کے نام سے نکلا -

۱۸۳۵ء میں کلکتہ کے چھ انگریز اور تین ہندوستانی اخبار نویسوں نے ایک عرض داشت ولیم بنٹنک کی خدمت میں پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ پریس آرڈی نینس منسوخ کیا جائے - اخبارات کے لیے ایک نیا قانون مرتب کرکے اسے رائے عامہ کے لیے مشتہر کیا جائے - اخباروں کے لیے ڈاک کے محصول میں کمی کی جائے اور ۱۸۰۷ء کا وہ حکم منسوخ کر دیا جائے، جس کی رو سے کلکتہ میں حکومت کی اجازت لیے بغیر جلسوں کا انعقاد ممنوع قرار دیا گیا تھا - اس کے ایک ماہ بعد بنٹنک کو خرابیٔ صحت کی بناء پر مستعفی ہونا پڑا اور اس کی جگہ سر چالس مٹکاف گورنر جنرل مقرر ہوئے، جو آزادیٔ صحافت کے بہت بڑے حامی تھے اور مدت سے پریس آرڈیننس کی تنسیخ کے لیے دفتری جد و جہد کررہے تھے - انھوں نے اپنی کونسل کے نام ایک یاد داشت میں اس بات پر زور دیا کہ اخبارات کو نا واجب پابندیوں سے آزاد کردیا جائے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے سب مقبوضہ علاقوں کے لیے واحد اخباری قانون مرتب کیا جائے - کرنل ماریسن نے تجویز پیش کی کہ یورپی صحافت کو آزاد کردیا جائے، لیکن دیسی صحافت پر پابندیاں لگی رہیں - سر چارلس مٹکاف اس امتیازی سلوک کے مخالف تھے، اس

لیے انھوں نے یہ تجویز نہ مانی - پچھلے سارے ضوابط منسوخ کردیے اور ایک پریس ایکٹ نافذ کیا ، جس کی رو سے اخبارات پر صرف مندرجہ ذیل پابندیاں رہ گئیں :

۱ - اخبار جاری کرنے کے لیے محض ایک ڈیکلریشن کی ضرورت ہوگی - اگر مقام اشاعت بدلے ، تو نیا ڈیکلریشن داخل کرنا ہوگا -

۲ - پرنٹر اور پبلشر اخبار میں چھپے ہوئے سارے مواد کے لیے ذمہ دار ہوں گے -

۳ - اخبار کے ہر پرچے پر پرنٹر اور پبلشر کا نام اور چھاپہ‌خانے اور اشاعت کے مقام کا نام درج کیا جائے گا -

۴ - ان قواعد کی خلاف ورزی پر پانچ ہزار روپے تک جرمانے اور دو سال تک قید کی سزا دی جاسکے گی -

بعض لوگوں کا موقف یہ تھا کہ آزادیٔ صحافت سے علم کو فروغ ہوگا اور علم کے فروغ سے برطانوی حکومت کا اپنا مستقبل تاریک ہوجائے گا ، اس لیے انگریزوں کو چاہیے کہ دیسی باشندوں کو جاہل رہنے دیں - اس کے جواب میں سر چارلس مٹکاف نے کہا : ''ہندوستان کو قلمرو برطانیہ کے اندر رکھنے کے لیے اگر یہ ضروری ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں کو جاہل رکھا جائے ، تو ہماری حکومت اس ملک کے لیے لعنت کا باعث ثابت ہوگی اور اسے ختم ہوجانا چاہیے -'' نہ صرف اخبار نویسوں نے ، بلکہ عام شہریوں نے بھی آزادیٔ صحافت کا پرجوش خیر مقدم کیا اور سر چارلس کے اس تاریخی اقدام کی یادگار کے طور پر کلکتہ میں ایک لائبریری قائم کی ، جو 'مٹکاف ہال' کے نام سے مشہور ہے - سر چارلس نے عام لوگوں سے تو تحسین حاصل کرلی، لیکن انگلستان کی بر سر اقتدار وھگ پارٹی کا عتاب مول لے لیا ، جو آزادیٔ صحافت کے حق میں نہیں تھی - چناں چہ سرچارلس کو گورنرجنرل کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہ لارڈ آک لینڈ گورنرجنرل بنے- بہر حال لارڈ آک لینڈ نے پریس ایکٹ کو بہ دستور قائم رکھا اور صحافت کے لیے ترقی کے دروازے کھل گئے -

آٹھواں باب

فارسی اخبارات کا دور

انیسویں صدی کے پہلے نصف میں پڑھے لکھے طبقے کی زبان فارسی تھی اور یہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھی۔ ہندوؤں میں جو لوگ اہل علم تھے، اُن کا ذریعۂ اظہار بھی فارسی زبان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ رام موہن رائے کو جب ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندو مذہب کی اصلاح کے لیے تحریک چلائیں، تو اُنھوں نے فارسی زبان میں 'مرأۃالاخبار' جاری کیا۔ اس کے فوراً بعد 'جام جہاں نما' کے منتظمین نے بھی محسوس کیا کہ اُردو اخبار نہیں چلے گا؛ چناں چہ اُنھوں نے بھی اخبار کی زبان بدل ڈالی۔ ایک سال بعد راجہ رام موہن رائے نے پریس آرڈیننس کے خلاف احتجاج کے طور پر 'مرأۃالاخبار' بند کردیا۔ انھی دنوں کلکتہ سے فارسی زبان میں تیسرا ہفت روزہ 'شمس الاخبار' کے نام سے جاری ہوا۔

شمس الاخبار

اب تک 'شمس الاخبار' کے بارے میں صرف اتنا معلوم تھا کہ ۶ مئی ۱۸۲۳ء کو اس اخبار کے اجراء کی درخواست دی گئی، اس کے پرنٹر 'منی رام ٹھاکر' اور پبلشر 'ماسٹر موہن متر' تھے اور درخواست میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ اخبار فارسی اور ہندوستانی (اُردو) زبان میں نکلا کرے گا۔ اب ہندوستانی اخبار نویس، 'کمپنی کے عہد میں' کے مصنف 'محمد عتیق صدیقی' نے اس اخبار پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ موصوف کو جناب 'نادم سیتا پوری' سے 'شمس الاخبار' کے دو شماروں کے جستہ جستہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے اوراق دست یاب ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ اخبار کاملاً فارسی زبان میں شائع ہوتا تھا اور بہ ظاہر اسے سرکاری امداد حاصل نہیں تھی ۔ جناب عتیق صدیقی نے ایک شمارے کی سرخیاں دی ہیں ، جو درج کی جاتی ہیں : خبر ملتان ، خبر اکبرآباد ، خبر بادشاہ اودھ والا جاہ صوبہ اودھ ، خبر مہاراجہ رنجیت سنگھ حاکم لاہور ، خبر مہاراجہ دولت راؤ سندھیا بہادر ، خبر پشاور ، خبر بھرت پور ، خبر پونا ، خبر شاہ جہان آباد ، خبر کشمیر ، خبر جے پور ، خبر الیٹ صاحب کلاں (ریزیڈنٹ) شاہ جہان آباد ، خبر تقرر عہدہ ، خبر سپریم کورٹ اور آخری سرخی ہے نرخ نامہ ۔ اس کے علاوہ انگلستان کا ایک واقعہ منظوم کیا گیا ہے ۔ یہ اخبار ۱۸۲۷ء میں بند ہوا اور آخری شمارے میں مدیر نے لکھا : ''ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جس دن سے میں نے 'شمس الاخبار' جاری کیا ہے ، سوا محرومی و ناکامی کے اور کچھ میرے ہاتھ میں نہ آیا :

سوختیم و سوزش ما بر کسے ظاہر نہ شد
چوں چراغاں شب مہتاب بے جا سوختیم

اخبار سی رام پور

سی رام پور کے بیپ ٹسٹ مشنریوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بنگالی اخبار 'سماچار درپن' کا ایک فارسی ایڈیشن چھاپا کریں ۔ اس سلسلے میں انھوں نے حکومت سے امداد کی درخواست کی ۔ اس پر گورنر جنرل کی کونسل میں غور کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ 'اخبار سی رام پور' کے لیے مشنریوں کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ کی رقم مستقل طور پر دی جائے اور اس کے بدلے منتظمین اپنے اخبار کی ایک سو ساٹھ کاپیاں صوبہ بنگال کے مختلف افسروں ، کلکتہ کے مدرسہ ، کلکتہ کے ہندو کالج اور دہلی اور آگرہ اور بنارس کے کالجوں کو بھیجا کریں ۔ حکومت نے یہ وعدہ بھی کیا کہ ان اخبارات کے بھیجنے پر ڈاک کا محصول معاف ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے منتظمین کو لکھا کہ ''گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل آپ کے اس وعدے پر اعتماد کرتے ہیں کہ آپ کا اخبار قابل اعتراض مواد نہیں چھاپا کرے گا اور انہیں یقین ہے کہ

آپ اپنے اخبار کو دیسی باشندوں کے لیے ، انداز تحریر کے اعتبار سے قابل قبول اور خبروں کے لحاظ سے مفید بنانے میں کوئی کسر آٹھا نہ رکھیں گے ۔'' یہ اخبار دو سال جاری رہا ۔ اس کے بعد حکومت نے مالی دقتوں کے پیش نظر امداد بند کر دی اور اخبار بند ہو گیا ۔ اس اخبار کے پرچے کہیں دست یاب نہیں ہوتے ۔

آگرہ اخبار اور زبدۃ الاخبار

شمالی ہند میں پہلا فارسی اخبار کون سا تھا اور وہ کب نکلا ؟ اس مسئلے پر برعظیم کے صحافتی مؤرخین میں اختلاف ہے ۔ محمد عتیق صدیقی ولیم کیری کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر ہینڈرسن نے 'آگرہ اخبار' کے نام سے ۱۸۳۲ء میں دیسی زبان کا ایک اخبار فارسی رسم الخط میں شائع کیا ۔ کم و بیش ایک سال تک فارسی رسم الخط میں اخبار نکالنے کے بعد ڈاکٹر ہینڈرسن اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ اخبار کام یاب نہ ہوگا ؛ چناں چہ 'آگرہ اخبار' کو انھوں نے نومبر ۱۸۳۲ء میں 'انگریزی اخبار' بنا دیا (صفحہ ۲۲۹) ۔ مسٹر جے نٹ راجن 'ہسٹری آف انڈین جرنلزم' میں رقم طراز ہیں کہ ۱۸۳۳ء منشی واجد علی خان نے فارسی زبان میں 'زبدۃ الاخبار' جاری کیا ۔ (صفحہ ۴۸) ۔ عتیق صدیقی صفحہ ۲۳۶ پر لکھتے ہیں : ''جب زبدۃ الاخبار جاری ہوا ہوگا ، تو اس وقت یہ فارسی کا اخبار (آگرہ اخبار) یقیناً بند ہوچکا ہوگا ۔'' جناب امداد صابری 'تاریخ صحافت اردو' میں بتاتے ہیں کہ 'زبدۃ الاخبار' غالباً ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا ۔ اصل میں یہ سب بیانات غیر صحیح ہیں ۔ جس انگریزی اخبار کا ذکر کیا جاتا ہے وہ 'آگرہ اخبار' نہیں تھا ۔ اس کا نام 'مفصل اخبار' تھا ۔ 'آگرہ اخبار' اور 'زبدۃ الاخبار' دو مختلف اخبار نہیں تھے ، پہلے اخبار کا نام 'آگرہ اخبار' تھا ۔ اس کے بعد اس کا نام بدل کر 'زبدۃ الاخبار' رکھ دیا گیا ۔ 'آگرہ اخبار' کے مالک اور مدیر منشی واجد علی خاں تھے ۔ انھوں نے یہ اخبار ۱۸۳۳ء میں جاری کیا اور یہ اتنا وقیع تھا کہ اس کے اقتباسات بنگال ہرکارو اینڈ کرانیکل (کلکتہ) میں باقاعدگی سے چھپتے تھے اور یہ شرف اس عہد کے کسی اور فارسی اخبار کو حاصل نہیں

تھا ۔ اسی انگریزی اخبار کے شمارہ مورخہ یکم مارچ ۱۸۳۴ء میں یہ خبر درج ہے : ''آگرہ اخبار نے اپنا نام بدل لیا ۔ آئندہ سے اس کا نام 'زبدۃالاخبار' ہوگا ۔''

'زبدۃالاخبار' اور اس کے مدیر منشی واجد علی خان کے بارے میں مسٹر جے نٹ راجن کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں ۔ اقتباس ملاحظہ ہو :

''منشی واجد علی خان مالک بھی تھے اور مدیر بھی ۔ اُن کی سمجھ بوجھ اور قابلیت کی وجہ سے لوگ اُن کا احترام کرتے تھے ۔ اُن کے اخبار کو پانچ ریاستی حکم ران اور ایک امیر تاجر سے یہ ماہانہ امداد ملتی تھی :

راجہ بھرت پور	تیس روپے
راجہ الور	بیس روپے
نواب جھجر	پندرہ روپے
نواب جاورہ	دس روپے
واب حیدرآباد دکن	پندرہ روپے
سیٹھ لچھمی چند	پندرہ روپے

یہ رقوم اس اخبار کی خیر سگالی حاصل کرنے کے لیے دی جاتی تھیں ، تاکہ یہ کوئی ایسا مواد نہ چھاپے جس سے ان امراء کی عام لوگوں کی نظر میں سبکی ہو ۔ پرچہ کی فروخت سے ماہانہ آمدنی ایک سوچالیس روپے ہوتی تھی ۔ اخراجات کا اندازہ چالیس روپے تھا ۔ گویا مالک کو دو سو روپے ماہانہ سے زائد رقم بچ جاتی تھی اور اشتہارات سے جو تھوڑی بہت یافت ہوتی تھی وہ اس پر مستزاد تھی ۔ واجد علی خان محتاط قسم کے مدیر تھے ۔ شاذ ہی رائے کا اظہار اس طریق سے کرتے تھے کہ اختلاف کی نوبت آتی یا کسی کو ان پر حملہ کرنے کا موقع ملتا ۔ بے اطمینانی کا اظہار کبھی کبھار کرتے اور وہ بھی اس انداز میں ، کہ حرف مطلب

تشبیہ و استعارہ کے پردے میں پوشیدہ ہوتا۔ واجد علی خان مغربی انداز زندگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنی قدامت پسندی کا اظہار دبی زبان میں اور ادیبانہ انداز سے کرتے تھے اور قارئین کو یہ انداز پسند تھا۔''

'زبدۃ الاخبار' کی خبروں کا اسلوب معلوم کرنا مشکل ہے، کیوں کہ اس کے فائل نہیں ملتے۔ بہر حال ایک خبر ملاحظہ ہو، جو 'دھلی اردو اخبار' نے ۲ مئی ۱۸۴۱ء کے شمارے میں 'زبدۃالاخبار' کے حوالے سے درج کی ہے۔ یہ اصل خبر کا اردو ترجمہ ہے:

''اودھ: اگرچہ ان دنوں مزاج مبارک فرماں روائے اودھ کامل بہ صحت اعتدال ہے۔ لیکن ضعف پیری کے سبب دربار میں بہت کم اجلاس فرماتے ہیں۔ تمام مہمات سلطنت تجویز شہ زادہ سے سر انجام پاتے ہیں۔ شاہ زادہ بیدار شاہ بخت کو مصاحبت عورت کی بہت پسند خاطر ہے۔ دو بیگمائیں دائیں بائیں شاہ زادہ کے بیٹھی رہتی ہیں اور جو کچھ وہ کہتی ہیں وہی سرانجام پاتا ہے......یہ بات خالی فتنہ ہائے عظیم سے نہیں ہے، اور انجام اس کا کچھ خوب نہ ہوگا؛ چناں چہ سلطان مرحوم کے وقت بھی یہی حال تھا کہ شاہ مغفور عورات پر کلی اعتماد رکھتے تھے۔ آخر کار وہ خرابی اور برہمی، جو کہ امورات سلطنت میں واقع ہوئی، وہ سب عالم پر ظاہر ہے۔ اب پھر وہی رسم شروع ہوئی ہے۔ دیکھنا چاہیے، انجام اس کا کیا ہو۔''

آئینۂ سکندر

'آئینۂ سکندر' ۱۸۳۱ء میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ صفحہ اول پر یہ شعر درج ہوتا تھا:

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

اور صفحہ آخر پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا :

آئینہ سکندر قلب صفا دلانست
عکس وقائع از وے روشن جہاں جہانست

ہر خبر کی سرخی کے نیچے بھی ایک شعر درج ہوتا تھا، مثلاً

خبر بار گاہ فلک پائیگاہ بادشاہ دہلی
مالک تاج و نگین و بادشاہ دیں پناہ حامی دین محمد سایہ فضل الہ

خبر دارالخلافہ روم
آسمان حشمت و خورشید جاہ حامی شرع نبی ظل الہ

اس اخبار کے مدیر مولوی سراج الدین احمد لکھنوی مرزا غالب کے پرانے دوست تھے۔ اس لیے غالب نہ صرف 'آئینۂ سکندر' میں اپنا کلام اشاعت کی غرض سے بھیجا کرتے تھے، بلکہ اس اخبار کی توسیع اشاعت میں بھی کوشاں رہتے تھے؛ چناں چہ مولوی سراج الدین احمد کے نام لکھتے ہیں :

''صاحب من۔ دیدہ بہ مشاہدہ آئینہ سکندر فرو غالی گردید، وصفائی عبارتش گہر برشتہ نظارا کشید۔ بیان ہائے خوش و خبر ہائے مختصر، و نکتہ ہائے دل پسند و رقم ہائے نظر فریب دارد۔ امروز یک شنبہ چہارم ستمبر است۔ نامۂ نامی بہ اوراق اخبار بہ من رسیدہ است۔ مبارز الدولہ حسام الدین حیدر خاں بہادر و فخر الدولہ نواب امین الدین خاں بہادر دیدند و خریداری ایں را نہ پسندیدہ۔ زیں پس بر کہ از اعیان دیار ہرچہ برمن خواہد فرمود شمار بہ عرض خواہم کرد۔'' [کلیات نثر غالب صفہ ۱۳۷]

'آئینہ سکندر' کلکتے کا پہلا فارسی اخبار تھا، جو ایک مسلمان نے جاری کیا تھا۔ اس لیے عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا مقابلہ اس کے مقاصد میں شامل تھا۔ اُن دنوں مولانا محمد اسحاق دہلوی کی شخصیت علمائے دین میں سب سے زیادہ ممتاز تھی۔ اُن کے دست حق پرست پر ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، تو 'آئینۂ سکندر' نے اس

کی خبر چھاپی ، جس کا متن ملاحظہ ہو :

"یکے از عیسوی مذہبان کہ فہم نیک و فراست درست داشت ۔ و از چندے استفادہ و اکتساب فیض صحبت خدمت جناب مولوی محمد اسحاق صاحب کہ از فضلائے عظام اند ۔ دریں روزہا بہ رہبری عقل سلیم و بہ یاوریٔ ذہن مستقیم دین متین محمدی پذیرفت و بہ رضائے خاطر خود مذہب قدیمی خود کنارہ گرفت ۔ مولوی صاحب ممدوح کہ بہ صحبت وعظ ایشان باعث بریں گردیدہ است ۔ پس ازاں کہ نام بردہ اھل اسلام در آمدد و کلمۂ شہادت بہ زبان ورد و نماز حسب ضوابط مقررہ شریعت نبوی گذارد ۔ مؤمی الیہ را بہ اسم عبداللہ موسوم ساختند ۔"

[۲۲ اپریل ۱۸۳۳ء]

ماہ عالم افروز

۱۸۳۳ء میں کلکتہ سے 'ماہ عالم افروز' کے نام سے ایک نیا فارسی ہفت روزہ جاری ھوا ۔ اس کے مدیر اور مالک مولوی وھاج الدین تھے ۔ ابتداء میں تو اس اخبار کا لہجہ نرم تھا ، لیکن جب ۱۸۳۵ء میں سر چارلس مٹکاف کے عہد میں پریس ایکٹ منظور ھوا ، تو اس اخبار نے ذرا سخت انداز میں برطانوی راج کے بعض پہلوؤں پر نکتہ چینی کی ۔ ایک دفعہ چند انگریز شکار کھیل رہے تھے کہ ایک شخص کا نشانہ خطا کر گیا اور اس کی گولی سے ایک عورت ھلاک ھوگئی ۔ اس پر لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ھوگئے اور انھوں نے پولیس میں رپٹ لکھوا دی ۔ جب مقدمہ عدالت میں پہنچا تو ملزم نے کہا ، میری نیت ھرگز یہ نہیں تھی کہ عورت کو گولی کا نشانہ بناؤں ۔ میں نے کتے پر نشانہ باندھا تھا کہ اچانک نشانہ خطا ھوگیا اور گولی عورت کو لگ گئی ۔ مجسٹریٹ بھی انگریز تھا ۔ اس نے فیصلہ دیا کہ ملزم بے قصور ھے ، کیوں کہ اس نے جان بوجھ کر ھلاک نہیں کیا ۔ 'ماہ عالم افروز' نے یہ خبر چھاپ کر عام لوگوں کا رد عمل بیان کیا کہ لوگ اب یہی سمجھتے ھیں کہ آئندہ بھی ایسا حادثہ پیش آیا ، تو ملزم بری ھو جایا

کریں گے ، کیوں کہ اس فیصلے نے ایک نظیر قائم کر دی ہے ۔ اس کے علاوہ اخبار نے ایک اور بزرگ کی یہ تلخ رائے بھی درج کر دی ۔

''صاحب مجسٹریٹ پاس قومیت خود فرمودہ قاتل را کہ متمول بود بلا جرم و قصور از علت خون بے گناہے مخلصی دادند ۔ اگر کسے مرد غریب و از قومیت دیگر بودے البتہ سپرد دورہ می شدے ۔ وپنچ و شش ماہ در حاجت و حوالات بسر اوقات خود ساختے ۔ بعدہ ہر آں چہ از پیشگاہ حکام ذوالاحتشام بر حالش شرف نفاذ گردیدے ، مستوجب آں بودے ....''۔

مملکت اودھ کی خرابیوں پر ایک انگریزی اخبار سے مواد نقل کیا گیا ، جس کا اقتباس یہ ہے :

''فرماں روائے ناصیہ عیش و نشاط کار فرمائے حظ طرب و انبساط مظہر عنایات حضرت صمد بادشاہ جمجاہ شاہ اودھ درینولا اشغال بہ نظم و نسق امور سلطنت و رتق و فتق مہمات باعث تضئیع اوقات عزیز و رنج خاطر مبارک دانستہ ۔ لیل و نہار با طایفہ نسواں ناقص العقل والایمان صحبت می دارند وپیوستہ در خلوت کدۂ خاص با زناں کہ فی الحقیقت رہزنان ملک عقل اند ، مہرۂ عیش و نشاط می بازند و بہ جز بانگ قلقل مینا آواز تظلم گاہی بگوش حق نیوش جا نمی دہند و بجائے عدل و داد در آور طرب و نشاط می دہند ۔''

[۱۴ جون ۱۸۳۶ء]

لدھیانہ اخبار

اس زمانے میں پنجاب میں لدھیانہ مسیحی مشنریوں کا مرکز تھا اور یہاں کے مشن میں 'لوری' (Lowrie) نامی ایک شخص بہت ممتاز تھا ۔ یہ شخص پہلے کلکتہ میں تھا ، جہاں سیرام پور کے بیپ ٹسٹ مشن پریس کے ناظم مسٹر ڈبلیو ۔ ایچ ۔ پیٹرس سے روابط قائم ہوئے ۔ وہیں اسے خیال آیا کہ لدھیانہ مشن کے ساتھ ہی انگریزی اور دیسی زبانوں میں کتابوں

کی طباعت کے لیے ایک چھاپہ خانہ قائم کرنا ضروری ہے ۔ ادھر لدھیانہ میں انگریزی سکول بھی قائم ہو چکا تھا اور اس کا بانی کیپٹن ویڈ (Wade) بھی اس خیال کا مالک تھا ۔ آخر ویڈ اور لوری کے مشترکہ اہتمام میں لدھیانہ سے غالباً ۱۸۳۳ء میں 'لدھیانہ اخبار' جاری ہوا ۔ چوں کہ اُس وقت چھاپہ خانہ موجود نہیں تھا ، اس لیے یہ اخبار ہاتھ سے لکھا جاتا تھا ۔ لدھیانہ مشن کی دوسری سالانہ رپورٹ میں واضح طور پر درج ہے کہ لدھیانہ اخبار قلمی اخبار تھا ۔ فارسی زبان میں نکلتا تھا اور اس کے اجراء کا مقصد یہ تھا کہ کچھ آمدنی ہو جائے اور سکول کے اخراجات کا ایک جزو اس سے پورا ہو جائے ۔ دو سال یوں ہی کام چلتا گیا ۔ آخر ۱۸۳۵ء کے آغاز میں چھاپہ خانہ قائم ہوگیا اور لدھیانہ اخبار اُس عہد کے دوسرے فارسی اخبارات کی طرح ٹائپ میں چھپنے لگا ۔ اس کا پہلا ایڈیٹر ایک شخص 'ہاجس' (Hodjes) نامی تھا ۔ وہ سرکاری ملازم تھا ۔ تھوڑا عرصہ پوسٹ ماسٹر بھی رہا اور سکول میں مدرس بھی تھا ۔ پنجاب ریکارڈز آفس میں جو مخطوطات موجود ہیں ، اُن میں ایک شخص ریورینڈ جان نیوٹن کی لکھی ہوئی ایک چٹھی موجود ہے ، جس میں اُس شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ لدھیانہ اخبار کا مالک بھی ہے اور مدیر بھی ۔ لدھیانہ مشن کی پرانی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کم از کم ۱۸۴۱ء تک جاری رہا اور اس سے اتنی آمدنی تھی کہ سکول کے اخراجات کا غالب حصہ پورا ہو جاتا تھا ۔ (مندرجہ‌بالا معلومات مسٹر 'راس ولسن' کے اُس مضمون سے لی گئی ہیں ، جو دسمبر ۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا) ۔

'لدھیانہ اخبار' آج کل کے رسالہ سائز پر چھپتا تھا ۔ ابتداء میں چار صفحے ہوتے تھے ۔ پھر آٹھ صفحے ہوگئے ۔ ماہانہ چندہ تین روپے تھا اور قیمت فی پرچہ بارہ آنے ۔ اس میں ملکی خبریں کم ہوتی تھیں ، غیر ملکی خبریں زیادہ ہوتی تھیں اور خبریں عام طور پر اُس عہد کے انگریزی اور فارسی اخبارات سے نقل کی جاتی تھیں ۔ آہستہ آہستہ خبروں کا عنصر کم ہونے لگا اور علمی ، تاریخی اور جغرافیائی مضامین چھپنے لگے ، جو عام طور پر مرزا پور مشن کے رسالہ 'خیر خواہ ہند' سے نقل

کیے جاتے تھے - مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس اخبار کی زبان اور انداز بیان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :

''صاحب دہلی اردو اخبار رقم فرمودہ کہ بتاریخ ششم ماہ اکتوبر سنہ رواں عجیب و غریب واردات در بازار دہلی رو نمود کہ بقالان بازار برائے فوائد خودہا وقت صبح نرخ گندم بست آثار ، وقت دوپہر شانزدہ آثار ، قریب غروب آفتاب چہاردہ آثار و علی‌الصباح آں سیزدہ آثار مقرر کردہ - تاہم مردم غرباء را بایں گرانی غلہ یک دانہ نہ رسید - ازیں رہ گذر مفلسان و فاقہ زدگان چوں مور و ملخ متفق بودہ ، غلہ از بازار مسجد فتح پوری و بازار چاوری و بازار میر خان تا بازار اردو غلہ غارت و یغما نمودند -''

[۱۸ اکتوبر ، ۱۸۳۷ء]

خبر آئینہ سکندر : ''برطالبان اخبار واضح باد کہ قبل ازیں اخبار آئینہ سکندر در چھاپہ لدھیانہ نہ رسیدہ - اکثر اوقات از تحریر منشی واجد علی مہتمم اخبار آگرہ (زبدۃ الاخبار) شیریں کلامیٔ اخبار آئینہ سکندری دریافت می شد - دریں وقت کہ راقم اخبار سکندری یک قطعہ خود بہ چھاپہ خانہ لدھیانہ ارسال فرمودند حتا کہ از مضمونش جان و دل حلاوت تازہ گرفت -

اور اس کے بعد طنز ملاحظہ ہو :

لیکن چند ابیات بوستاں کہ در اخبار خود درج فرمودند - آں ابیات در بوستاں و شرح آں یافتہ نمی شود - شاید کہ سعدی دیگر در شیراز پیدا شدہ باشد - اکثر اہل شیراز مقیم لودیانہ بریں ابیات گواہی نہ می دہند -''

[۱۴ مارچ ۱۸۴۰ء]

سلطان الاخبار

'سلطان الاخبار' (کلکتہ) کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

نہایت بے خوف اور نڈر اخبار تھا، کیوں کہ یہ اخبار واضح طور پر برطانوی راج کا دشمن تھا اور اسے جو کچھ کہنا ہوتا تھا استعارے اور تشبیہ کے پردے میں نہیں کہتا تھا، بلکہ صاف صاف کہہ دیتا تھا۔ 'سلطان الاخبار' ۲ اگست ۱۸۳۵ء کو جاری ہوا۔ صفحہ اول پر ایک بہت بڑے چوکھٹے میں جلی حروف سے یہ سطور لکھی ہوتی تھیں:

''این کاغذ اخبار ہشت ورق است۔ قیمتش برائے اہل شہر کلکتہ دو روپیہ است۔ و برائے امیران و سفیران امعار دیگر محصول ڈاک زاید بر دو روپیہ است۔ مالک و راقم اخبار احقرالعباد رجب علی لکھنوی حسینی نسب است۔ ہر امیر و سفیر را اگر خریداریش منظور باشد آگہی فرمایند۔''

رجب علی حسینی لکھنوی نے ایسے وقت پر صحافت کے میدان میں قدم رکھا جب اگرچہ نظریاتی اعتبار سے صحافت آزاد تھی، لیکن عملاً اب بھی پابند تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اجنبی راج کی دہشت بہ دستور قائم تھی۔ اخبار خریدنا صرف بڑے لوگوں کا کام تھا، کیوں کہ اخبار کی قیمت بہت تھی اور بڑے لوگ عام طور پر عافیت کوش تھے اور یہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ کسی ایسے عنصر سے رابطہ آستوار کیا جائے جو حاکم وقت کا مخالف ہو۔ اس لیے صحافت آزاد ہونے کے بادجود پابند تھی۔ اس کے علاوہ آزادی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ اخبار مالی استحکام کے لیے اکثر حکومت کے محتاج ہوتے تھے اور جب محتاجی آگئی، تو آزادی کیسے باقی رہتی؟ لیکن حالات بہت مخدوش تھے۔ اجنبی راج میں رشوت ستانی عام تھی۔ عدالتوں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ انگریزوں کو دیسی باشندوں کے قتل پر بھی سزا نہیں دیتی تھیں۔ دیسی باشندوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور فارسی اخبارات میں صرف 'ماہ عالم افروز' نے ایک مرتبہ یہ جرأت دکھائی کہ انگریزی 'انصاف' کی ایک بھیانک مثال قارئین تک پہنچا دی۔ ورنہ عام طور پر فارسی اخبار ادوھ اور دھلی کے عوام کی مشکلات

اور حکام کی عیاشیوں پر تو صفحوں کے صفحے سیاہ کر دیتے تھے ، لیکن اپنے گرد و پیش کی دنیا سے آنکھیں موند لیتے تھے کہ مصلحت اس میں تھی ۔ 'سلطان الاخبار' اس دور کی صحافت میں ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا ۔ اس نے بے دھڑک ہو کر اصل حالات قارئین تک پہنچائے اور جس حد تک ممکن تھا ، حالات پر تبصرہ بھی کیا ۔ حکومت وقت کے ہتھکنڈوں پر نکتہ چینی بھی کی ۔ غرض ثابت کر دکھایا کہ برے سے برے حالات میں بھی جرأت رندانہ سے کام لیا جا سکتا ہے ۔ 'سلطان الاخبار' پہلا اخبار تھا جس نے اودھ کے نظم و نسق کا مقابلہ برطانوی علاقے کے نظم و نسق سے کیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ مملکت انگریزی میں لوگ زیادہ پریشان حال ہیں ۔ ۹ اگست ۱۸۳۵ء کے پرچے میں درج ہے :

''اگر انصاف و تعصب را راہ نہ دہم ، زمینداران مملکت انگریزی پریشان حال و رعیت مملکت اودھ فارغ البال ۔ قتل نفوس بنی آدم در یک شہر کلکتہ بیشتر و در قلمرو اودھ کمتر ۔''

اس کے ساتھ ہی لکھا کہ ہر انگریزی عدالت میں رشوت کا بازار گرم ہے ۔ اسی شمارے میں عدالتوں اور محکمہ ڈاک کی بدنظمی کو بھی بے نقاب کیا گیا ۔ انداز تحریر ملاحظہ ہو :

''از حال منشیان عدالت چہ بر نویسم کہ برھمہ چیرہ دست اند و سرھنگان شحنہ درعقوبت و آزار بہ ھلاکوئے وقت برابر نمایند و عسس و شحنہ رئیس جفاکاران است ۔۔۔ و نوکران خانۂ ڈاک خصوصاً کرانیان آں جا در خیانت بے باک اند ۔ اگر مظلومے بہ حضور حکام مرافعہ برد یا شکایت نماید ۔ حکام اغماض فرمایند ۔ بے چارہ را از بارگاہ می رانند ۔''

انگریزوں کے عہد میں انصاف کی کیفیت کیا تھی ؟ اس مسئلے پر 'سلطان الاخبار' کا مواد مؤرخ کے لیے بیش قیمت سرمایہ بن سکتا ہے ۔ ۲ اگست ۱۸۳۵ء کے شمارے میں 'خبر عدالت صدر کلکتہ' کے بہ ظاہر بے ضرر عنوان کے ماتحت یہ خبر دی گئی ہے کہ ایک ہندو خاتون نے

حاکم کی خدمت میں مرافعہ دائر کیا کہ فلاں انگریز تاجر نیل میری بہن کو دریا کے کنارے سے اٹھا لے گیا - ''و آغوش خویشتن از تن آں نازک بدن گرم نمود'' - اس سے میری والدہ اور بھائی کو جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا - اس تاجر کی اس حرکت سے ہماری بے حد 'پردہ دری و بے ناموسی' ہوگئی ہے ، اس لیے ہم انصاف کے طلب گار ہیں - انگریز تاجر کو جب پتہ چلا کہ اس کے کرتوت کی خبر حاکم تک پہنچ گئی ہے تو اس نے پولیس سے سازش کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس نے لڑکی ، اس کی والدہ ، بھائی اور خاندان کے دوسرے افراد کو اس جھوٹے الزام میں جیل میں ڈال دیا کہ انھوں نے چوری کی ہے - بوڑھی ماں بے چاری جیل ہی میں مرگئی - اس واقع پر تبصرہ کرتے ہوئے 'سلطان الاخبار' رقم طراز ہے ، کہ ''این است ظلم انگریز بر رعیت'' اور یہ کہ عوام ''ظن بردہ اند کہ شاید رعایت ابنائے جنس از انصاف بہتر است -''

اس زمانے میں قتل کا ایک مشہور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا - شمالی ہند کے بڑے جاگیردار اور عالی مرتبت رئیس نواب شمس الدین آف لوہارو اور ان کے ملازم کریم خان گل دہلی کے انگریز ریزیڈنٹ ولیم فریزر (William Fraser) کے قتل کے الزام میں ماخوذ تھے - جگہ اس مقدمے کا چرچا تھا - عوام کی ہم دردیاں ملزموں کے ساتھ تھیں - اور جب ان دونوں کو سزائے موت ہوئی ، تو یہ عوامی ہیرو بن گئے اور دہلی کے گرد و نواح اور دوسرے علاقوں میں بھی ان کے کئی عوامی گیت زبان زد عام ہوگئے - پہلے کریم خان گل پر مقدمہ چلا اور اسے پھانسی ملی - اس کے بعد نواب شمس الدین کی باری آئی اور انھیں بھی سزائے موت ملی - مقدمے کے دوران میں اس کی جو روداد 'سلطان الاخبار' میں شائع ہوئی ، اس سے اس اخبار کی بے باکی عیاں ہوتی ہے - ۹ اگست کے شمارے میں بیان کیا گیا کہ جب کریم خان بیان دے رہا تھا تو اس کے چہرے سے بہادری کے آثار نمایاں تھے اور اس کے دل میں ذرہ برابر خوف اور ہراس نہ تھا - عدالت میں انگریز تماشائی تو بہت تھے لیکن ایک ہندوستانی بھی وہاں موجود نہیں تھا - ۱۳ ستمبر کے شمارے

میں یہ خبر دی گئی کہ کریم خاں کو پھانسی مل گئی ہے اور عبارت کے آخر میں درج تھا ۔ ''از روز گرفتاری تا ساعت کشتن کدورتے و ملالے بر چہرۂ کریم خاں عیاں نبود ۔'' ۲ دسمبر ۱۸۳۵ء کے شمارے میں ''خبر کریم خاں گل شہید'' کے عنوان سے 'سلطان الاخبار' نے بتایا کہ شہید کی وصیت کے مطابق ۲۸ اگست کو دھلی کی تمام مساجد میں مغفرت کی دعا کی گئی ۔ صرف جامع مسجد میں مسلمان دعا کے لیے نہ جا سکے ۔ غالباً اس لیے انگریزوں کے کہنے پر بادشاہ نے مناھی کردی تھی ۔ عوام نے کریم خاں کا نام گل شہید رکھا ہے ۔ ھر رات اُس کے مزار پر ھزارھا مسلمان جمع ھوتے ھیں ، چراغاں ھوتا ہے ، قوال گاتے ھیں ، رقص بھی ھوتا ہے ۔ بعض انگریزی اخبارات نے یہ صورت حال دیکھ کر لکھا کہ بہتر یہ تھا ، کریم خاں کی نعش جلاکر اُس کی راکھ ھوا میں اُڑا دی جاتی تاکہ قبر پر ھجوم نہ ھوتا ۔ اس پر تبصرہ کرتے ھوئے 'سلطان الاخبار' نے لکھا :

''ایں امر زیادہ باعث توحش و تکدر خلائق شدے ۔ بلکہ یقین بود کہ مردم بر سر بلوہ آمدند و عاقبت کار نیندیشیدہ قیامتے برپا می کردند ۔ آں وقت چارۂ کار مشکل بود ۔''

اور انگریز اخبار نویسوں کے بارے میں لکھا :

''اھل اخبار را لازم است کہ سخن فہمیدہ گویند و از ھرزہ سرائی در گزرند''

جب نواب شمس الدین کا مقدمہ شروع ھوا ، تو 'سلطان الاخبار' نے لکھا کہ سرکاری گواہ جھوٹی شہادت دینا نہیں چاھتے لیکن مجبور ھیں ، پھر بیانات انگریزی میں قلم بند کیے جارہے ھیں ۔ گواہ یہ معلوم ھی نہیں کرسکتا کہ اُس سے کیا منسوب کیا جارھا ہے اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو فوراً بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر اُسے جیل بھیج دیا جاتا ہے ۔ جب انگریزی اخبارات نے مطالبہ کیا کہ نواب شمس الدین کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اُنھیں سر بازار زمین پر گھسیٹا جائے ، پھر پھانسی دی جائے اور اس

کے بعد نعش جلادی جائے، تو 'سلطان الاخبار' نے لکھا کہ یہ فعل چنگیز خاں کے افعال سے زیادہ قابل ملامت ہوگا اور اس سے بڑا فساد برپا ہوگا۔ جب نواب شمس الدین کو پھانسی ملی تو 'سلطان الاخبار' نے انھیں 'نواب مظلوم' کے نام سے یاد کیا اور لکھا کہ جب وہ مقتل گاہ میں آئے تو ان کے چہرے پر ملال اور اندوہ کے کوئی آثار نمایاں نہیں تھے اور انھوں نے 'بہ قدم مردانہ و همت جوانانہ' اپنے آپ کو سپرد اجل کیا۔ اگرچہ مقتل گاہ شہر کے متصل تھی، لیکن انگریزی فوج کے سوا اور کوئی یہ واقعہ دیکھنے نہ آیا۔ نہ امیر، نہ فقیر، نہ کوئی عورت نہ بچہ۔ تقریباً آٹھ ہزار مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی اور مولانا محمد اسحاق نے امامت فرمائی۔

'سلطان الاخبار' ۱۸۵۷ء تک زندہ رہا۔ اس اخبار کے مدیر رجب علی حسینی لکھنوی ان لوگوں میں شامل تھے، جو نہ تعلیم نسواں کے قائل تھے نہ انگریزی طرز کے مدرسوں کے حامی تھے۔ وہ اجنبی راج سے کاملاً الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے۔

مہر منیر

'مہر منیر' یکم جنوری ۱۸۳۱ء کو کلکتے سے جاری ہوا اور پہلا فارسی اخبار تھا جو ہفتے میں تین مرتبہ نکلتا تھا۔ اس کے مالک و مدیر کا نام محمد علی تھا۔ مرزا غالب کی گرفتاری کے سلسلے میں ایک خبر ملاحظہ ہو:

> ''از اخبار دهلی واضح شد کہ ازسکان میرزا نوشہ، شاعر نامدار دهلی، یکے از عزیزان نواب شمس الدین خاں مرحوم، تنے چند مقامران نابکار کہ در لیل و نہار بہ جز قمار دیگر کار نداشتند۔ درحالت مقامرت بہ سعیٔ تھانیدار اسیر و گرفتار شدند و بر محکمہ حاکم حاضر گردیدند۔ حاکم نصفت شعار از شاعر یک صد روپیہ و از دیگر ان سی سی روپیہ جرمانہ گرفتہ، آزاد فرمود۔''

گلشن نو بہار

'گلشن نو بہار' ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے جاری ہوا - اس کے مدیر کا نام عبدالقادر تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ اس اخبار نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں باغیانہ مضامین چھاپے اور حکومت نے چھاپہ خانہ ضبط کرلیا - اس طرح یہ اخبار بند ہوگیا - 'گلشن نوبہار' کے پرانے پرچے نہیں ملتے البتہ باغیانہ مضامین سے ایک اقتباس مارٹن کی کتاب 'انڈین ایمپائر' سے ملتا ہے - یہ فارسی سے انگریزی میں ترجمہ ہوا اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا ہے :

''ملک گیری کی طمع سے پہلے حکومت کو چاہیے کہ اس بغاوت کی روک تھام کرے ، جو ھندوستان کے کونے کونے میں پھیل چکی ہے :

طمع کردہ بودم کہ کرماں خورم
کہ ناگاہ خوردند کرماں سرم

خدا ہر چیز پر حاوی ہے - وھی ھوتا ہے جو منظور خدا ھوتا ہے - وہ چاہے تو ایک پل میں کائنات کا سارا نظام درھم برھم کردے -

ہر شخص جانتا ہے اور اب تو الحاق کے علم برداروں کو بھی محسوس ھوچکا ھوگا کہ ضبطئ اودھ نے کیسا ھنگامہ برپا کردیا ہے اور ان کے ساتھیوں کو کیسی بربادی سے سابقہ پڑگیا ہے -

خواہ بغاوت کا نتیجہ کچھ نکلے ، لیکن سچی بات یہ ہے کہ دھلی والوں کو آن کی بہادری اور شجاعت کے لحاظ سے فرزند رستم اور سکندر وقت قرار دینا چاھیے - اے خدا ! ھمارے دشمنوں کو ملیا میٹ کردے اور ھمارے بادشاہ کی مدد کر -'' [جلد دوم : صفحہ ۲۳] -

دور بین

'دور بین' کی تاریخ اجراء معلوم نہیں ، صرف اتنا معلوم ہے کہ اس

اخبار نے ۱۸۵۷ء کے ھنگامے میں قابل اعتراض مواد شائع کیا۔ جب مقدمہ عدالت میں پہنچا تو اخبار کے مدیر نے اقبال جرم کرلیا۔ اس پر عدالت نے آسے ڈسچارج کردیا۔

دھلی کا سراج الاخبار

'سراج الاخبار' ۱۸۴۱ءمیں دھلی سے جاری ھوا۔ یہ اخبار خاندان مغلیہ کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر کے دربار کا روزنامچہ تھا۔ اس کے نگران مصلح الدولہ سید ابوالقاسم تھے، جو دھلی کے آخری وقائع نگار شاھی تھے۔ ادارت کے فرائض سید اولاد علی کے سپرد تھے اور یہ مطبع سلطانی میں امداد علی بیگ کے زیر اہتمام چھپا کرتا تھا۔ مسٹر جے نٹ راجن کی وساطت سے اس اخبار کے بارے میں مسٹر جان لارنس مجسٹریٹ دھلی کا یہ بیان ملتا ھے: ''بادشاہ کا اخبار 'سراج الاخبار' محل سے شائع ھوتا ھے۔ اس سے جو اشخاص وابستہ ھیں وہ سب شاھی ملازم ھیں۔ ھر ھفتے اتوار کے دن اس کی صرف چونتیس (۳۴) کاپیاں چھپتی ھیں۔ زیادہ تر کاپیاں بادشاہ کے مصاحبوں میں تقسیم ھوتی ھیں، لیکن ایک کاپی گورنر جنرل کو جاتی ھے، ایک لیفٹننٹ گورنر کو اور ایک محل کی گارد کے افسر اعلیٰ کو بھیجی جاتی ھے۔ اخبار کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ھر شخص کی تنخواہ سے ایک روپیہ ماھانہ وضع کرلیا جاتا ھے۔ اس اخبار کی زبان رنگین ھوتی ھے، لیکن اس میں محل اور بادشاہ کی خبروں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ھوتا۔ بادشاہ کے بارے میں یہ بتایا جاتا ھے کہ وہ کس وقت سوتے ھیں، کس وقت اور کیا کھاتے ھیں، کیا پیتے ھیں، کہاں جاتے ھیں، کب واپس آتے ھیں وغیرہ۔ حدود قصر شاھی کے باھر شاید ھی اس اخبار کو کوئی جانتا ھو۔'' پنڈت برج موھن دتاتریہ کیفی نے 'سراج الاخبار' کے بعض فائل دیکھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کیا کہ ''فارسی بہت پختہ اور ٹھیٹھ منشیانہ ھوتی تھی۔ لفاظی، جو دربار کی شان تھی، اس کے علاوہ اسلوب فصیح اور عبارت بلیغ ھوتی تھی۔ زبان کے قاعدے اور آئین کی پابندی سخت تھی۔''

پنڈت کیفی بتاتے ہیں کہ بہادر شاہ بغیر ملک کے بادشاہ تھے۔ لیکن لوگوں کے دلوں میں اُن کی عزت اور اقتدار وہی تھا جو اُن کے بزرگوں کا رہ چکا تھا۔ اگرچہ صرف قلعہ کی چاردیواری اور مختصر سے علاقہ خالصہ میں بادشاہ کی حکومت تھی، شہر دہلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط اور حکومت تھی، لیکن اس پر بھی شہر والے کمپنی کے افسروں کے خلاف اپنی شکائتیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شہر کی رعایا کے نمائندوں نے یہ عرض داشت پیش کی کہ رسوم چوکی دارہ پہلے سے دگنا تگنا کردی گئی ہیں۔ جو یہ رسوم ادا نہیں کرسکتا، پولیس والے اُس کے گھر کا مال و اسباب زبردستی اُٹھالے جاتے ہیں۔ ایسا جبر اور ظلم، جب سے شہر بسا ہے، کبھی نہیں ہوا۔ اس عرض داشت پر حضرت بہادر شاہ کا حکم نہایت مہتمم بالشان ہے۔ فرمایا: ''اس بارے میں شہر کے مجسٹریٹ یا دہلی کے انگریزی ریزیڈنٹ کو لکھنا فضول ہے، کیوں کہ وہ صرف احکام صدر کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں میں، جو سمجھ بوجھ والے ہیں، ان کو سمجھا دو کہ آگرہ جاکر محکمۂ صدر میں اپنی شکایت پیش کریں کیوں کہ قانون اور حکم وہیں سے جاری ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی اچھی تسلی کی جائے اور بتایا جائے کہ اس بارے میں قلعہ سے بھی لیفٹیننٹ گورنر کو لکھا جائے گا۔'' آخر میں پنڈت کیفی لکھتے ہیں: ''کوئی اس حکم کو لطائف الحیل کہے یا مصلحت وقت پر مبنی۔ بہر حال خود داری کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ اس کے سوا بہادر شاہ کچھ اور کر ھی نہیں سکتے تھے''۔

'سراج الاخبار' میں دہلی سے باہر کی خبریں بھی چھپتی تھیں، مثلاً ۵ جولائی ۱۸۴۳ء کے شمارے میں 'خبر لاہور' کے عنوان سے درج ہے:

''...راجہ دھیان سنگھ آزردہ خاطر گشتہ مع اسباب و فوج خود بہ صوب و جموں رفت کشید۔ و مہاراجہ شیر سنگھ بہادر از رفتن او بسیار کشیدہ خاطر گشت و برسر محفل گفت کہ راجہ دھیان سنگھ را تکبر بر فوج آراستہ و تدبیر خود است۔ مگر آں چناں سزائے

این سر کشی به کنارش خواهم نهاد که جمله متمردان برسر حساب خواهند آمد و جنرل ونتوره را طلب نموده گفت که با چهار رجمت کار آزموده پیادگان و دو رجمت سواران جنگ دیده برسرش شناخت...''

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں جب بہادر شاہ ظفر انگریزوں کے چنگل سے عارضی طور پر آزاد ہوا ، تو 'سراج الاخبار' میں بھی زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی ، لیکن اس کا ذکر کسی آئندہ باب میں ہوگا ۔

مفرح القلوب ، کراچی

'مفرح القلوب' ۱۸۵۵ء میں کراچی سے جاری ہوا ۔ یہ ایک ہفت روزہ اخبار تھا ، جسے سندھ کے کمشنر سر بارٹل فریئر کی تجویز پر کراچی میں مقیم ایرانی قونصل مرزا مخلص علی مشہدی نے شروع کیا ۔ مرزا مخلص علی کے بعد اُن کے فرزند مرزا محمد شفیع مدیر بنے اور اُن کے بعد اُن کے فرزند مرزا محمد جعفر اور مرزا محمد صادق ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ یہ اخبار ۱۹۰۶ء تک جاری رہا ۔

'مفرح القلوب' کے بارے میں مرزا محمد علی خان تربیت کی اُس کتاب سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں جس میں دنیا بھر کے فارسی اخبارات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جسے ایڈورڈ جی براؤن نے 'دی پریس اینڈ پوئٹری آف ماڈرن پرشیا' میں مکمل طور پر انگریزی میں ترجمہ کردیا ہے ۔ اس تذکرے میں جہاں 'مفرح القلوب' کا نام ہے وہاں تو صرف دو سطروں پر اکتفا کیا ہے ، لیکن 'مدرس فارسی' نامی جریدہ کے ۱۸۸۵ء کے ایک شمارے سے ایک اشتہار نقل کرکے دیا گیا ہے ، جس میں اس اخبار کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے :

''یہ ہفت روزہ فارسی اخبار سندھ میں کراچی سے جاری ہے اور یہ ہندوستان کا بہترین فارسی اخبار ہے ۔ یہ پچھلے تیس سال سے نہایت باقاعدگی سے نکل رہا ہے اور یہ اس کی اشاعت کا تیسواں سال ہے ۔ اس کی فارسی کا اسلوب بہت اعلیٰ ہے اور ایران کے تحریری اور

زبانی محاورے کے عین مطابق ہے ۔ اس میں ہر ملک کی تازہ ترین خبریں درج ہوتی ہیں اور یہ ہر لحاظ سے اول درجے کا اخبار ہے ۔ یہ اخبار زیادہ تر ایران ، ترکیہ ، افغانستان ، ہندوستان ، یورپ ، وغیرہ کے بادشاہوں ، شہ زادوں ، امیروں اور شریفوں کی امداد سے جاری ہے ۔ اس کے مالکوں اور ناشروں کے پاس مذکورہ بالا بادشاہوں، امیروں اور شریفوں کی عطا کردہ اسناد اور خطوط موجود ہیں ، جو اس اخبار کے اسلوب اور ذوق کی عمدگی کے شاہد ہیں ۔ یہ اخبار اُن لوگوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے جو ہندوستان میں فارسی کی تعلیم پا رہے ہیں ۔ اس کی ادارت اور اشاعت کا اہتمام مرزا محمد جعفر (مدیر) اور مرزا محمد صادق مشہدی (ایرانی قونصل مقیم کراچی) جیسے قابل ، فاضل اور مشہور اصحاب کے ہاتھ میں ہے ۔ ہندوستانی امرا کے لیے چندہ بارہ روپے سالانہ ، بشرطیکہ پیشگی ادا ہو ۔ اگر بعد میں دیا جائے تو چوبیس روپے ۔ درمیانہ طبقے کے لیے بالترتیب چندہ دس روپے اور بیس روپے ۔ فارسی کے طلبہ کے لیے بالترتیب پانچ روپے اور دس روپے ۔''

'مفرح القلوب' $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ ہر صفحے پر دو کالم ہوتے تھے ۔ ہر پرچے میں خبریں ، مضامین اور غزلیات درج ہوتی تھیں ۔ اس کے علاوہ اُن امراء کی مدح میں شذرے دیے جاتے تھے ، جو اس اخبار کی امداد کرتے تھے ۔ اُس زمانے کی صحافت کے حالات کے پیش‌نظر یہ کوئی خرابی کی بات نہیں تھی ۔ اکثر اخبارات کی پشت پر چند امراء ہوتے تھے اور اُن کی سرگرمیوں کی اطلاعات زیادہ نمایاں انداز میں دی جاتی تھیں ۔ 'مفرح القلوب' کے خریداروں میں نواب واجد علی شاہ (والیے اودھ) ، سلطان مسقط ، ولی عہد ایران ، والیے اصفہان ، میر مراد علی خان (والیے خیر پور) ، امیر عبدالرحمن خان (والیے افغانستان) ، پیر پگاڑو ، آغا علی شاہ (مرحوم آغا خاں کے داماد) اور ریاست بڑودہ کی رانی جمنا بائی شامل تھیں ۔

'مفرح القلوب' سے ایک خبر کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو :

''بہاول پور : مولوی نصیرالدین اهل کار سر کش گرفتار ہوگیا ہے۔ راقم اخبار 'مفرح القلوب' اس شخص کو یعنی مولوی مذکور کو مدت دراز سے جانتا ہے ۔ یہ شخص ریاست بہاول پور کا باشندہ ہے ۔ کچھ روز پیشتر 'ریاض نور' ملتان ، جس کے مہتمم محمد مہدی حسن خاں صاحب افسر لکھنوی تھے ، اس کے مقابلہ میں ملتان شہر سے آپ نے ایک اخبار 'شعاع شمس' جاری کیا تھا۔ مہتمم ریاض نور اکثر و بیشتر مولانا کی شان میں اپنے اخبار میں قصیدے شائع کرتے رہتے تھے ۔ ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے :

اک عمر ہوئی مشرق و مغرب میں ہمیشہ کی میں نے سیاحت
پھر حضرت شیطان کو ملتان میں دیکھا انسان کی صورت

چناں چہ کچھ دنوں تک اخبار 'شعاع شمس' جاری رہا ۔ آخر اس مصرعہ کے مصداق :

ہم ہند کے ہیں رند ، نہ رندوں سے اکڑ ، چل مٹ جائے گی حشمت

آخر ایک روز اخبار بند ہوگیا ۔ کچھ عرصہ بے کار رہے ۔ والیے بہاول پور تک رسائی کی ۔ وضع ظاہری یہ تھی۔ جسم پر عمامۂ زہد ، تسبیح پُر ریا ہاتوں میں ہوتی تھی ، رفتہ رفتہ اعتبار حاصل کیا ۔ منشی محمد حسین مجروح کی موقوفی کے بعد میر منشی پر مامور کر دیے گئے ، مگر کسی نے کہا ہے :

نان گندم را شکم باید کہ فولادی بود

ملازم ہونے کے بعد مغرور ہوگئے ، اسی زعم میں اپنے آقا سے بغاوت کی :

یہ کبر کا بدلہ ہے سزا یہ ہے جفا کی

اسی جرم میں گرفتار ہوئے ۔ عن قریب کیفر کردار کو

پہنچیں گے :

عاقبت گرگ زادہ گرگ شودؔ
گرچہ با آدمی بزرگ شود''

[۲۷ اپریل ۱۸۶۶ء]

مطلع خورشید، سکھر

مرزا مخلص علی نے جب کراچی سے 'مفرح القلوب' جاری کیا تو اسی سال انھیں نے سکھر سے ایک اخبار 'مطلع خورشید' کے نام سے شروع کیا - جب انھوں نے محسوس کیا کہ وہ دو مختلف مقامات سے اخبار جاری نہیں رکھ سکتے، تو 'مطلع خورشید' کو کراچی لے آئے۔ یہ دونوں اخبار کم از کم ۱۸۶۵ء تک الگ الگ جاری رہے، کیوں کہ فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی نے اپنے خطبہ مورخہ ۴ دسمبر ۱۸۶۵ء میں انھیں الگ اخبار ہی ظاہر کیا ہے - معلوم ہوتا ہے اس کے تھوڑا عرصہ بعد دونوں اخبار ایک ہوگئے اور اخبار کا نام 'مفرح القلوب و مطلع خورشید' قرار پایا اور اسی نام سے یہ اخبار ۱۹۰۶ء تک جاری رہا۔ اس کے ساتھ یہ تبدیلی بھی ہوئی کہ اخبار میں اردو مضامین، اردو نظمیں بھی جگہ پانے لگیں - بہر حال فارسی کا حصہ غالب رہا -

مرتضائی، پشاور

'مرتضائی' کا اولین ذکر ۱۸۵۵ء اور ۱۸۵۶ء کے 'کوہ نور' کے فائلوں سے ملتا ہے، جن میں اس اخبار سے خبریں نقل کی جاتی تھیں - اس کے بعد 'پنجاب میوٹنی رپورٹ' سے معلوم ہوتا ہے کہ پشاور کے ہفت روزہ فارسی اخبار 'مرتضائی' نے ۱۸۵۷ء میں یہ جھوٹی خبر چھاپی کہ قلات غلزئی رجمنٹ نے اپنے افسروں کو ہلاک کر دیا - اس پر کرنل نکلسن نے مدیر اخبار کو فوراً گرفتار کر لیا - اس ذریعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مدیر ایران کا باشندہ تھا اور اس کی گرفتاری پر اخبار بند ہوگیا -

احسن الاخبار، بمبئی

جناب عبدالرزاق راشد 'اردو' (اورنگ آباد) کے اکتوبر ۱۹۳۵ء کے

شمارے میں اپنے مقالہ بعنوان 'آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار' میں بتاتے ہیں کہ ۹ نومبر ۱۸۴۴ء کو بمبئی سے 'احسن الاخبار' کے نام سے ایک فارسی ہفت روزہ اخبار جاری ہوا، جو ''رسل و رسائل کے ذرائع محدود ہونے کے باوجود بیشتر محل و قلعۂ معلیٰ کی خبریں صحت کے ساتھ شائع کرتا تھا۔ دھلی میں اس کے نامہ نگار موجود تھے۔'' آپ نے ۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۸ء تک کے فائل دیکھے اور دو خبروں کا اردو ترجمہ کردیا، جو درج ذیل ہیں:

''مرزا اسداللہ خاں بہادر کو دشمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قمار بازی کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ معظم الدولہ بہادر کے نام سفارشی چٹھی بھی لکھی گئی کہ اُن کو رہا کردیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے محض حاسدوں کی فتنہ پردازی کا نتیجہ ہے۔ عدالت فوج داری سے نواب صاحب کلاں بہادر نے جواب دیا کہ مقدمہ عدالت کے سپرد ہے، ایسی حالت میں قانون سفارش قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔'' [احسن الاخبار۔ جلد ۴، نمبر ۲۶ - ۲۵ جون ۱۸۴۸ء]

''مرزا اسداللہ خاں غالب پر عدالت فوج داری میں جو مقدمہ دائر تھا اُس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ مرزا صاحب کو چھ مہینہ کی قید با مشقت کی اور دوسو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اگر دو سو روپے جرمانہ ادا نہ کریں تو چھ مہینے قید میں اور اضافہ ہوجائے گا اور مقررہ جرمانہ کے علاوہ اگر پچاس روپے زیادہ ادا کیے جائیں تو مشقت معاف ہوسکتی ہے۔ جب اس بات پر خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب عرصہ سے علیل رہتے ہیں، سوائے پرھیزی غذا، قلیہ چپاتی کے اور کوئی چیز نہیں کھاتے، تو کہنا پڑتا ہے کہ اس قدر مصیبت و مشقت برداشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے، بلکہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر سیشن جج بہادر کی عدالت میں اپیل کی جائے اور

اس مقدمہ پر نظر ثانی ہو، تو نہ صرف یہ سزا موقوف ہوجائے بلکہ عدالت فوجداری سے مقدمہ اٹھالیا جائے۔ یہ بات عدل و انصاف کے بالکل خلاف ہے کہ ایسے باکمال رئیس کو، جس کی عزت و حشمت کا دبدبہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے، ایسے معمولی جرم میں اتنی سخت سزا دی جائے، جس سے جان جانے کا قوی احتمال ہو''۔ [احسن الاخبار جلد ۴، نمبر ۲۷ - ۲ جولائی ۱۸۴۸ء]

صادق الاخبار، دہلی

۱۸۴۴ء میں دہلی سے 'صادق الاخبار' کے نام سے فارسی کا دوسرا اخبار جاری ہوا۔ اس میں سب سے پہلے 'اخبار دربار معلی' کو جگہ ملتی تھی، پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کی نقل و حرکت کی اطلاعات درج ہوتی تھیں اور اس کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کی خبریں دی جاتی تھیں۔ یہ اخبار غالباً دو سال بعد فارسی سے کنارہ کش ہوگیا اور پھر اردو میں نکلنے لگا۔ تبدیلیٔ زبان کے بارے میں 'احسن الاخبار' (بمبئی) نے ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۷ء کے شمارے میں جو کچھ لکھا اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

''صادق الاخبار کے ایڈیٹر صاحب نے رفتہ رفتہ اپنے اخبار کو اردو زبان کا اخبار بنا دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے فارسی زبان سے کیوں رابطۂ الفت منقطع کر دیا۔ شاید اخبار کے خریداروں نے تقاضا کیا ہوگا کہ فارسی زبان ترک کر دو اور اردو زبان میں اخبار جاری کرو۔ اس کے علاوہ تو اور کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی۔''

فارسی صحافت پر ایک نظر

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، ۱۸۵۷ء سے پہلے برصغیر میں فارسی زبان میں کل انیس اخبار جاری ہوئے۔ 'جام جہاں نما' اور 'مراۃ الاخبار' پر الگ الگ باب دیے گئے ہیں۔ سولہ اخبارات کا ذکر اس باب میں ہے۔ ان کے علاوہ نٹ راجن کے بیان کے مطابق

مدراس سے ایک فارسی اخبار جاری تھا - لیکن ہمیں اس کا نام تک معلوم نہیں - ان انیس اخبارات کے علاوہ بھی فارسی صحافت کی مثالیں موجود ہیں - مثلاً کلکتہ سے نکلنے والے وہ بنگالی اخبار جن میں فارسی حصہ بھی شامل ہوتا تھا - ان کا ذکر بنگالی زبان کی صحافت کے سلسلے میں کر دیا گیا ہے -

فارسی صحافت کا سب سے بڑا مرکز کلکتہ تھا، جہاں سے نو اخبار جاری ہوئے - دوسرا مرکز دہلی تھا، جہاں سے دو اخبار نکلے - ان کے علاوہ آگرہ، بمبئی، مدراس، سی رام پور، لدھیانہ، کراچی، سکھر اور پشاور سے ایک ایک اخبار جاری ہوا - انھیں میں سے چار اخبار سرکاری یا جماعتی سرپرستی میں چلے - مثلاً 'جام جہاں نما' کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی حاصل تھی - 'سراج الاخبار' (دہلی) بہادر شاہ ظفر کا کورٹ گزٹ تھا - اخبار سیرام پور اور لدھیانہ اخبار عیسائی تبلیغی مراکز کے اہتمام میں جاری تھے - باقی سب آزاد تھے- لیکن ان میں بھی کم از کم دو اخباروں (مفرح القلوب اور مطلع خورشید) کو سرکاری تائید و حمایت حاصل تھی - صادق الاخبار دو سال کے اندر اندر زبان بدلنے کی وجہ سے ان اخبارات کے زمرہ سے الگ ہو گیا اور مدراس کے اخبار کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے، کیوں کہ ہمیں اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں - ان آٹھ اخبارات کو الگ کیجیے تو گیارہ اخبار باقی رہتے ہیں اور ان میں چھ اخبار ایسے ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے صحافت کے وقار کو بلند رکھنے کی کوشش میں قربانی بھی دی - 'مراۃ الاخبار' کو راجہ رام موہن رائے نے پریس آرڈی ننس کے خلاف احتجاج کے طور پر بند کر دیا - 'ماہ عالم افروز' نے انگریزوں کے انصاف کی قلعی کھولی - 'سلطان الاخبار' اجنبی راج کے خلاف سب سے زیادہ بے باک اور نڈر اخبار ثابت ہوا - 'سلطان الاخبار' اور 'دوربین' کے خلاف ۱۸۵۷ء میں مقدمے چلے اور 'گلشن نوبہار' کا چھاپہ خانہ ضبط ہوگیا - ادھر پشاور کے اخبار 'مرتضائی' کو نہ صرف خود بند ہونا پڑا بلکہ اس کا مدیر بھی گرفتار ہوگیا -

فارسی اخباروں کا معیار مجموعی طور پر اس زمانے کے حالات کے

پیش نظر بلند تھا ۔ وہ ایک طرف انگریزی اخبارات سے اہم خبریں ترجمہ کر لیتے تھے، دوسری طرف ہندوستان بھر کے درباری وقائع نگاروں سے خبر نامے منگواتے تھے۔ ان کے علاوہ فارسی اخبار فروغ علم کا بھی ذریعہ تھے ۔ ان میں جدید علوم کے بارے میں اچھے اچھے مضامین چھپتے تھے اور غزلیات بھی شائع ہوتی تھیں ۔ بعض اخبار رؤسا اور امراء سے مدد لیتے تھے ۔ لیکن اس پر خاص اعتراض نہیں کیا جا سکتا ، کیوں کہ رؤسا اور امراء ہی تو اخبار پڑھتے تھے ۔ عام لوگوں کے لیے اتنی قیمت صرف کر کے اخبار خریدنا قریب قریب ناممکن تھا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اخبارات کی اشاعتیں بے حد محدود تھیں ؛ مثلاً 'جام جہاں نما' کی اشاعت چھبیس (۲۶) تھی ، سراج الاخبار کی چونتیس (۳۴) ۔ باقی کے اعداد شمار معلوم نہیں ، لیکن غالباً کسی اخبار کی اشاعت ڈیڑھ سو سے متجاوز نہیں تھی ، یعنی ایسے اخبار کی جو سرکاری سرپرستی سے محروم ہو ۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جونہی حکومت نے اخبار سیرام پور کی ایک سو سات کاپیاں خریدنا بند کر دیں اخبار بند ہوگیا ۔ 'زبدۃ الاخبار' (آگرہ) کو اخبار کی ماہانہ فروخت سے ایک سو چالیس روپے آمدنی ہوتی تھی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اشاعت ایک سو چالیس سے زائد کسی صورت میں نہیں تھی ۔ جب اشاعتیں اتنی محدود ہوں تو ظاہر ہے اخبار چلانے کے لیے سرمایہ تو حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ سرمایہ اس طبقے سے آئے گا جو دولت مند ہے ۔ ایسے میں اگر بعض فارسی اخبار اپنے معاونین کی تعریف میں شذرے چھاپتے ہوں تو اس پر تعجب کرنا لاحاصل ہے ۔

نواں باب

اردو صحافت

اس سے پہلے کہ اردو صحافت کا جائزہ لیا جائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن عناصر کا تجزیہ کر لیا جائے جو اُردو زبان، اُردو ادب اور اُردو صحافت کے فروغ میں کارفرما تھے۔ دور مغلیہ میں فارسی زبان سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی اگرچہ اٹھارھویں صدی میں برعظیم کے وسیع علاقوں میں اُردو بولی جاتی تھی، لیکن اس کے باوجود فارسی زبان علمی اور ادبی حلقوں میں مقبول تھی اور علمی شہ پارے اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس برعظیم کے وسیع خطوں میں عمل دخل حاصل ہوا تو اُس نے اپنے استحکام اور دوام کے مفاد میں ضروری سمجھا کہ ثقافت کے جو نشان پرانے نظام کی یاد تازہ کرتے ہیں، انھیں آہستہ آہستہ نابود کیا جائے۔ ان میں ایک بڑا نشان فارسی زبان تھی۔ چوں کہ یہ اہل دانش کی واحد زبان تھی، اس لیے اسے یک سر منسوخ کرنا ممکن نہیں تھا اور اس کا ایک ثبوت تو اُسی وقت مل گیا تھا، جب 'جام جہاں نما' اُردو زبان میں نہ چل سکا اور چھ سات پرچوں کے بعد اُس کی زبان بدلنی پڑی۔ پھر اُس کا اردو ضمیمہ جاری ہوا اور وہ بھی چند سال بعد بند ہو گیا۔ یہ درست ہے کہ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے قیام اور اُس کے زیر اہتمام اُردو نثر کی کتب کی اشاعت سے اُردو زبان کا چرچا ہوا۔ لیکن حالات ابھی اتنے سازگار نہیں ہوئے تھے کہ فارسی زبان کو بالکل ہی ختم کر دیا جاتا۔ آخر ۱۸۳۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے محسوس کیا کہ جب تک فارسی سرکاری زبان رہے گی اس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں، چناں چہ اُس نے اُردو کو

سرکاری زبان قرار دیا ۔ اس انقلابی قدم سے اردو کو بے حد ترقی ہوئی ۔ بر حال یہ حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اردو سے کوئی عشق نہیں تھا ۔ اس نے اردو کی حوصلہ افزائی صرف اس لیے کی کہ اس سے سامراجی مفاد کو تقویت حاصل ہوتی تھی ۔

صحافت کی عمومی ترقی میں دوسرا بڑا عنصر یہ تھا کہ ۱۸۳۵ء میں سر چارلس مٹکاف نے اخبارات کو مختلف پابندیوں سے آزاد کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دیسی زبانوں میں کئی اخبار نکل آئے اور ان زبانوں میں اردو زبان سر فہرست تھی ، کیوں کہ اسے سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی ۔

اب تک فارسی اخبار ٹائپ میں چھپتے تھے اور اگرچہ نستعلیق اور نسخ ، دونوں ٹائپ موجود تھے ، لیکن وہ ہر دل عزیز نہیں تھے ۔ جو لوگ خوش نویسوں اور اعلیٰ درجے کے خطاطوں کی لکھی ہوئی عبارت پڑھنے کے عادی تھے ، وہ ٹائپ کی عبارت کیسے پسند کرتے ۔ نسخ کو پڑھنے میں دقت پیش آتی تھی اور نستعلیق ٹائپ میں فقدان حسن ہی حائل نہیں تھا ، یہ ٹائپ خاصا بھدا بھی تھا ۔ پھر ٹائپ کی چھپائی مہنگی پڑتی تھی اور اخبار کی قیمت بھی زیادہ ہوتی تھی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف رؤسا اور امراء ہی اخبار خریدتے اور پڑھتے تھے ۔ لہذا اشاعتیں محدود ہوتی تھیں ۔ جب لیتھو یعنی پتھر کی چھپائی کا رواج شروع ہوا تو اس سے اردو صحافت کو ترقی ہوئی کیوں کہ ایک طرف یہ چھپائی سستی پڑتی تھی ، دوسری طرف خوش نویسوں کی نستعلیق کتابت ٹائپ کے مقابلے پر زیادہ آسانی کے ساتھ پڑھی جا سکتی تھی ۔

اردو صحافت کی ترقی میں ایک اور بڑا عنصر یہ تھا کہ اجنبی حکومت مغربی علوم کی اشاعت چاہتی تھی اور اس نے صحافت کو اس کا ذریعہ بنایا اور بعض اخباروں کی مالی سرپرستی کا سلسلہ شروع کیا ۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حکومت بعض اخباروں کی ایک خاص تعداد افسروں اور سکولوں اور کالجوں کے لیے خرید لیتی تھی ۔ اس طرح بعض اخباروں کو معاشی سہارا مل گیا اور وہ ترقی کرنے لگے ۔

آردو صحافت کے دو بڑے مرکز تھے۔ اول، دھلی۔ دوم، لاھور۔ آھستہ آھستہ آردو اخبار برعظیم کے طول و عرض میں پھیل گیے۔ اس باب میں ھم ۱۸۵۷ء کے انقلابات سے پیشتر آردو صحافت کی ترقی کا جائزہ ذرا تفصیل سے لیں گے۔

دھلی کے اخبار

دھلی اُردو اخبار

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر دھلی میں آردو صحافت کے نقیب اول تھے۔ ۱۸۳۶ء کا ذکر ھے کہ آپ نے اپنے مکان میں مطبع لگایا اور اسی سال 'دھلی آردو اخبار' کے نام سے ایک هفت روزہ اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۴}$ کے سائز پر چھپتا تھا۔ ماھانہ چندہ دو روپے تھا اور سالانہ چندہ بیس روپے۔ صفحۂ اول پر دو مستقل عنوان تھے۔ ایک 'حضور والا'، دوسرا 'صاحب کلاں'۔ 'حضور والا' کے عنوان سے تاج دار مغلیہ کا روزنامچہ درج کیا جاتا تھا، جو غالباً قلعۂ معلیٰ کا شاھی وقائع نگار مہیا کرتا تھا اور 'صاحب کلاں' کے زیر عنوان کمپنی کی حکومت کی سرگرمیوں کی روداد قلم بند کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ برعظیم کے گوشے گوشے سے خبریں اکٹھی کر کے چھاپی جاتی تھیں۔ آن دنوں خبر رساں ایجنسیوں کا رواج تو نہیں تھا، لیکن دور مغلیہ کے حکم رانوں نے خبر رسانی کے جو وسیع ذرائع ترتیب دے رکھے تھے، آن کے بچے کھچے آثار موجود تھے۔ نہ صرف ریاستی حکم رانوں نے، بلکہ خود انگریزی حکومت نے جا بجا سرکاری وقائع نگار مقرر کر رکھے تھے، جو اصلاً تو حاکموں کی اطلاع کے لیے 'اخبار' کے نام سے قلمی خبرنامے مرتب کیا کرتے تھے، لیکن 'دھلی آردو اخبار' اپنے اثر و رسوخ سے خبر رسانی کے ان تمام ذرائع میں دسترس رکھتا تھا۔ یہی وجہ ھے کہ آس میں مختلف درباروں، ریاستوں اور شہروں سے آنے والے اخبارات کے اقتباس بالالتزام شائع ہوتے تھے۔

یہ ذرائع سرکاری تھے، لیکن 'دہلی آردو اخبار' انہی پر تکیہ نہیں کرتا تھا ۔ اُس زمانے میں با معاوضہ نامہ نگاروں کے تقرر کا دستور نہیں تھا ۔ بعض لوگ رضاکارانہ طور پر نامہ نگاری کیا کرتے تھے اور 'دہلی آردو اخبار' اُن کی خدمات سے فائدہ اُٹھاتا تھا ۔ نیز دہلی کی مقامی خبریں بہت محنت سے حاصل کی جاتی تھیں ۔ اس اخبار کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ صرف سیاسی ھی نہیں، تعلیمی، تمدنی اور مجلسی زندگی سے تعلق رکھنے والی خبریں بھی چھاپا کرتا تھا ۔ غرض اُن لوگوں کے لیے جو خبروں کے پیاسے تھے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا ۔

صحافت کے ابتدائی دور میں اداریئے باقاعدگی سے نہیں چھپتے تھے ۔ انگریزی اخباروں میں اداریئے مضامین کی صورت میں بے ترتیبی سے خبروں کے درمیان چھاپ دیے جاتے تھے ۔ فارسی اور آردو اخبارات میں یہ رواج تھا کہ جہاں کوئی ایسی خبر درج ہوئی، جس پر تبصرہ ضروری نظر آیا، وھیں خبر کے نیچے چند سطروں میں تبصرہ کر دیا ۔ یہی انداز 'دہلی آردو اخبار' کا تھا ۔ تبصروں کا لہجہ عموماً نرم ھوتا تھا، لیکن اس کے باوجود اکثر سچی بات کہ دی جاتی تھی ۔ آگرہ میں کسی انگریز افسر نے محض خویش پروری کے لیے ایک پچیس سال پرانا دیسی ملازم برطرف کر کے اُس کے عہدے پر اپنا آدمی مقرر کر دیا اور بہانہ یہ پیش کیا کہ دیسی لوگ کام کی لیاقت نہیں رکھتے ۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے 'دہلی آردو اخبار' ۲۸ جون ۱۸۴۰ء کے شمارے میں رقم طراز ہے:

''ہندوستانی عملہ ناحق بدنام ہے ۔ اگر اُن کی تنخواہ بھی قرار واقعی ہو جائے، مثل عملگان انگریزی کے، موقوف بحالی اُن کی منحصر ہو حاکمان ذی اقتدار پر ۔ نہ ہر ایک کلکٹر، مجسٹریٹ اور ڈپوٹی کلکٹران نو آموز جوان عمروں پر ۔ تو جو اوصاف انگریز لوگ انگریزوں کے بیان کرتے ھیں، وہ انہی ھندوستانیوں میں ضرور پکڑیں ۔''

یہ اخبار پولیس والوں کی نا اہلی کے خلاف اکثر لکھتا تھا ؛ چناں چہ ۱۹ اپریل ۱۸۴۱ء کے پرچے میں کلکتہ میں چوری کی وارداتوں کی خبر دیتے ہوئے بتاتا ہے :

''دریافت ہوتا ہے کہ ان دنوں میں ہنگامہ چوری کا وہاں ایسا بازار گرم ہے کہ شہریوں نے رات کو سونا ترک کر دیا ہے۔ ہر شب چور دولت مندوں کے گھروں میں آ کے جو کچھ نقد جنس پاتے ہیں لے جاتے ہیں اور ارباب پولیس سے کچھ تدارک اس کا نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے چوروں سے سازش رکھتے ہیں، وگرنہ ممکن نہیں کہ ہر شب بے سازش پاسبان اور ارباب پولیس کے چوری کرنے کی جرأت کر سکیں۔''

چند ماہ جب چوریاں جاری رہیں ، بلکہ انگریزی علاقوں کے مختلف شہروں میں یہی صورت پیدا ہوئی ، تو تبصرے کا لہجہ زیادہ تلخ ہوگیا اور 'دہلی اردو اخبار' نے تھانے داروں پر الزام لگایا کہ وہ عام لوگوں کو بہت تنگ کرتے ہیں۔ اگر کوئی چوری کی رپٹ لکھواتا ہے تو الٹا اس کے خلاف مقدمہ چلانے کی دھمکی دیتے ہیں اور :

''حتیٰ کہ اس سے اور ہم سایوں سے اس کے ، دھمکیوں سے روپیہ لیتے ہیں ، یہاں تک کہ اب نوبت ہے کہ لوگ ڈر کے مارے زبان پر حرف چوری کا نہیں لاتے اور حکام کچھ نہیں کرتے۔''
[۱۲ دسمبر ۱۸۴۱ء]

'دہلی اردو اخبار' دربار معلیٰ کے نظم و نسق پر بھی نکتہ چینی سے گریز نہیں کرتا تھا۔ جب حکیم شرف الدین کی جگہ حکیم احسن اللہ خاں شاہی طبیب کے عہدے پر فائز ہوئے ، تو اخبار نے اس انتخاب کو بہ نظر استحسان نہ دیکھا اور اس طرح رائے زنی کی :

''ایک حکیم قدیمی سال ہا سال کا ، جو مدت ہائے مدید سے مزاج دان حضور والا کا ہے ، وہ پسپا ہو جائے اور ماضی پڑے اور یہ شخص غالب آوے ، اور اس شخص کو غلبہ ہو۔''
[۲۳ فروری ۱۸۴۰ء]

'اس کے بعد ذرا کھل کر تنقید کی۔ ملاحظہ ہو :

''افواہ عام ہے کہ قلعۂ مبارک میں عجیب طرح ہو رہی ہے۔ شہر میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں الغیاث و فریاد اہل کاران شاہی کا ذکر نہیں۔ تنخواہوں کا یہ حال ہے کہ کسی کے پانچ مہینے چڑھے ہوئے ہیں۔ جو لوگ حضور رس ہیں یا مختار سے یا حکیم معالج حضور والا سے سازش رکھتے ہیں، البتہ وہ ماہ بہ ماہ تنخواہ لے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مختار نو تجربہ کار اور بہ ظاہر نام شاہ زادہ مرزا شاہ فرخ بہادر کا۔ لیکن ایک حکیم صاحب، جو کہ اب معالج ہیں حضور والا کے اور دو ایک لڑکے راجہ جیکہ رائے کے اور ایک کوئی ملازم زادہ حافظ کر کے مشہور ہے اور چند حواشی اس قسم کے مجتمع ہیں، جو چاہتے ہیں سو کرتے ہیں۔ امورات سلطنت میں اب یہ لوگ اختیار تام رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ طبیب نبض دیکھنی جانے، قارورہ پہچانے، جیسے مہاجن کار دوکان داری جانے، ملا زادہ لڑکے پڑھانا جانے۔ امورات سلطنت و مہات سے ان کو کیا نسبت۔ جب یہ لوگ مدار مہات سلطنت ہوں تو کیا حال ہووے۔'' [۱۲ مئی ۱۸۴۱ء]

'دہلی اردو اخبار' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند و مسلم فساد اکثر ہو جاتے تھے۔ ۱۸۴۰ء میں کان پور کے مقام پر ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ اس پر فساد ہوا۔ اس کے بعد لکھنؤ میں ہند و مسلم تنازعہ ہوا، جس میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ ناسک میں گاؤ کشی پر بلوہ ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں محرم الحرام کے موقعہ پر مراد آباد میں فرقہ وار فساد ہوا۔ دو ہندو اور ایک مسلمان ہلاک ہوا اور چالیس کے قریب اشخاص زخمی ہوئے۔ ان سارے فسادات کی خبریں نہایت غیر جانب دارانہ انداز میں چھاپی گئیں۔ ۱۸۴۱ء ہی میں وشنو تیشونی سبھا کے قیام کی اطلاع چھاپی گئی۔ یہ ہندوستان کی پہلی سیاسی جماعت تھی، جو کلکتہ میں قائم ہوئی اور جس کی بنیاد رکھنے میں اخبار نویس پیش پیش تھے۔

الہ آباد سے کان پور تک ڈاک کے اہتمام کی یہ خبر خاص دل چسپی کی موجب ہے، کیوں کہ عہد مغلیہ کے ڈاک کے نظام سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کوئی خاص ترقی نہیں کر سکے، اقتباس ملاحظہ ہو:

"... ڈاک بگھی مذکور ایک گھنٹہ میں دس میل انگریزی طے کرتی ہے مگر اس میں کوئی دو چار لحظوں کا فرق ہو جاتا ہے۔ تین تین کوس پر ڈاک چوکی مقرر کی گئی ہے اور ہر چوکی پر چھ گھوڑے رکھے ہیں۔ بگھیاں بھی بہت ہلکی بنائی ہیں یعنی ایک من دس سیر وزن میں اور وزن پارسلوں کا کچھ کم و زیاد دو من سے ہوتا ہے۔ خبر ہے ماہ آئندہ سے اور مقاموں میں بھی بنارس سے دہلی تک جاری ہوگی۔" [۵ دسمبر ۱۸۴۱ء]

یہ اخبار تعلیم کا زبردست حامی تھا اور تعلیمی اداروں کی خبریں بطور خاص شائع کرتا تھا۔ اس میں ادبی مضامین اور ذوق، غالب اور مومن کی غزلیات چھپتی تھیں۔ بہادر شاہ ظفر اور نواب زینت محل کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ دہلی کی ادبی زندگی میں ذوق اور غالب کے گروہوں میں کشمکش جاری تھی۔ اس میں 'دہلی اردو اخبار' ذوق کی حمایت کرتا تھا اور غالب کی مخالفت میں حدود سے تجاوز بھی کر دیتا تھا، مثلاً جب غالب کے مکان پر پولیس نے چھاپہ مارا اور قمار بازوں کا ایک گروہ زیر حراست کر لیا تو 'دہلی اردو اخبار' نے معاندانہ رنگ میں اس کی خبر چھاپی۔ ملاحظہ ہو:

"سنا گیا ہے کہ ان دنوں گزر قاسم خان میں مرزا نوشہ کے مکان سے اکثر نامی قمار باز پکڑے گئے، مثل ہاشم خان وغیرہ کے، جو سابق بڑی علتوں میں دورہ تک سپرد ہوئے تھے۔ کہتے ہیں بڑا قمار ہوتا تھا، لیکن با سبب رعب اور کثرت مرداں یا کسی طرح سے کوئی تھانے دار دست انداز نہیں ہوسکتا تھا۔ اب تھوڑے دن ہوئے یہ تھانے دار قوم سے سید اور بہت جری سنا جاتا ہے، مقرر ہوا ہے۔ یہ پہلے جمع دار تھا۔ بہت مدت کا نوکر ہے، جمع داری میں

بھی یہ بہت گرفتاری مجرموں کی کرتا رہا ہے - بہت بے طمع ہے ۔ یہ مرزا نوشہ ایک شاعرنامی اور رئیس زادہ نواب شمس الدین خاں قاتل ولیم فریزر صاحب کے قرابت قریبہ سے ہے - یقین ہے کہ تھانے دار کے پاس بہت رئیسوں کی سعی و سفارش بھی آئی ، لیکن اس اس نے دیانت کو کام فرمایا ، سب کو گرفتار کیا - عدالت سے جرمانہ علیٰ قدر مراتب ہوا - مرزا نوشہ پر سو روپے نہ ادا کریں تو چار مہینہ قید - لیکن ان تھانے دار کی خدا خیر کرے - دیانت کو تو کام فرمایا انھوں نے - لیکن اس علاقہ میں بہت رشتہ دار متمول اس رئیس کے ہیں - کچھ تعجب نہیں کہ وقت بے وقت چوٹ پھٹ کریں اور یہ دیانت ان کی وبال جان ہو - حکام ، ایسے تھانے دار کو چاہیے کہ بہت عزیز رکھیں - ایسا آدمی کم یاب ہوتا ہے ۔''
[۲۲ اگست ۱۸۴۱ء]

'دھلی اردو اخبار' کے بارے میں سرکاری کاغذات سے مسٹر نٹ راجن نے جو معلومات اخذ کی ہیں ، وہ دل چسپی سے خالی نہیں - موصوف بتاتے ہیں کہ ۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۸ء کے درمیانی عرصے میں 'دھلی اردو اخبار' کی حالت بہتر ہوگئی اور اس کی اشاعت انہتر (۶۹) سے اناسی (۷۹) تک پہنچ گئی - لیکن آمدنی اور اخراجات میں پچاس فی صدی کمی ہوگئی - اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے خریداروں نے چندہ ادا نہ کیا - جب اخبار کی حالت پتلی ہونے لگی تو عملے میں تخفیف کر کے اخراجات کم کیے گئے - نٹ راجن کے بیان کے مطابق یہ اخبار دو اشخاص چلاتے تھے - ایک مولوی محمد باقر ، دوسرے موتی لال نامی ایک کشمیری پنڈت - بیان کیا جاتا ہے کہ اس اخبار میں دھلی کالج کے استادِ عربی ، جعفر علی کے خلاف کئی مراسلات شائع کیے گئے ، جن میں اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ ٹھیک طور پر اپنے تعلیمی فرائض انجام نہیں دیتا اور جس عہدے پر مقرر ہے اس کے لیے اس کی نا اہلیت مسلمہ امر ہے - ایک بعد کی سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یہ اخبار اپنے مخالفوں کے خلاف ہرزہ سرائی میں مصروف رہتا ہے اور ان معزز دیسی شرفاء پر ذاتی حملے کرتا ہے جنھیں اخبار کے مدیر کے مذہبی خیالات سے اتفاق نہیں -

'دھلی اردو اخبار' ۱۸۵۷ء میں بند ہوا اور مولوی محمد باقر گولی سے اڑا دیے گئے۔ لیکن اس کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔

مولوی محمد باقر کا دوسرا اخبار ۔ 'مظہر الحق'

مولوی محمد باقر نے اکتوبر ۱۸۴۳ء میں 'مظہر الحق' کے نام سے ایک اور اخبار نکالا، جس میں شیعہ فرقے کے خیالات کی ترجمانی ہوتی تھی۔ مدیر کے طور پر شیخ امداد حسین کا نام دیا جاتا تھا اور اس اخبار میں 'دھلی اردو اخبار' کے کئی مضامین نقل کر لیے جاتے تھے۔ 'مظہر الحق' کی مالی حالت ۱۸۴۸ء میں اتنی خراب ہو چکی تھی کہ بس بند ہونے کو تھا [نٹ راجن]۔

سیدالاخبار

'سیدالاخبار' ۱۸۳۷ء میں سرسید احمد خان کے بھائی سید محمد خاں نے جاری کیا۔ یہ ھفت روزہ اخبار تھا۔ سید محمد سرکاری ملازم تھے، اس لیے اخبار کی ادارت ایک صاحب مولوی عبدالغفور کے سپرد تھی۔ مولوی صاحب قانون سے بہ خوبی واقف تھے۔ اس لیے اخبار میں ایسے مضامین خاص اھتمام سے شائع کرتے تھے جن میں قانونی مسائل پر روشنی ڈالی ہو۔ یہی وجہ ھے کہ یہ اخبار وکیلوں میں ہر دل عزیز تھا۔ چوں کہ مرزا غالب اور سید احمد خان میں گہرا تعلق تھا اور دوسرے 'دھلی اردو اخبار' سے مرزا غالب کی چپقلش تھی، اس لیے غالب کو 'سیدالاخبار' بے حد پسند تھا۔ وہ ایک خط میں لکھتے ھیں:

> "...آں کہ دربارۂ سیدالاخبار داد نگارش دادہ اند، منتے دیگر برمن نہادہ اند۔ نہاں نماند کہ نقش مطبع سیدالاخبار انگیختہ طبع یکے از دوستان روحانی من است"۔ [کلیات نثر غالب۔ صفحہ ۱۷۴]

۱۸۴۶ء میں سید محمد خان چونتیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مولانا حالی 'حیات جاوید' میں بتاتے ھیں کہ اس کے بعد

سید احمد خاں نے اخبار کو ترقی دینا چاہی۔ ادارت برائے نام تو کسی اور کے سپرد تھی لیکن 'زیادہ تر سرسید خود اس کے مضامین لکھا کرتے تھے۔' یہ اخبار غالباً ۱۸۵۰ء میں بند ہوگیا۔

نٹ راجن نے سرکاری کاغذات سے اخذ کرکے 'سیدالاخبار' کے بارے میں یہ معلومات درج کی ہیں:

"معلوم ہوتا ہے، ۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۸ء کے درمیانی عرصے میں 'سیدالاخبار' زوال پزیر ہوا۔ اس کی اشاعت پچاس سے ستائیس رہ گئی اور آمدنی اٹھتر روپے ماہانہ سے چونتیس روپے ماہانہ رہ گئی۔ یہ اخبار سنی فرقے کا ترجمان بتایا جاتا تھا۔ ایڈیٹر کی کار کردگی کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ایک رائے یہ ہے، کہ اس کی تحریروں میں کٹڑ پن پایا جاتا تھا اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس اخبار میں جونپور کی عمارات پر باقاعدگی کے ساتھ پراز معلومات مضامین چھپتے رہے ہیں۔"

صادق الاخبار

'صادق الاخبار' کے نام سے دہلی سے غالباً چار اخبار جاری ہوئے۔ اول، وہ اخبار جو پہلے فارسی میں تھا اور پھر اردو میں نکلنے لگا اس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ دوسرا، وہ اخبار جو گارساں دتاسی کے قول کے مطابق ۱۸۵۳ء میں جاری ہوا اور جس کے مہتمم مصطفیٰ خاں تھے۔ تیسرا، جو ۱۸۵۴ء میں سید جمیل الدین خاں نے جاری کیا اور جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بے حد مقبول تھا۔ چوتھا، جو شیخ خدا بخش نے ۱۸۵۶ء میں جاری کیا۔ پہلا 'صادق الاخبار' غالباً ۱۸۵۰ء سے پہلے ہی بند ہوچکا تھا۔ دوسرا غالباً ایک سال سے بھی کم عرصہ جاری رہا۔ باقی دونوں اخبار ایک ہی نام سے ایک دوسرے کے دوش بدوش ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے آخر تک نکلتے رہے، لیکن مقبول عام 'صادق الاخبار' وہی تھا جسے سید جمیل الدین خاں نکالتے تھے۔

کریم الاخبار

یہ اخبار ۱۸۴۵ء میں مولوی کریم الدین نے جاری کیا اور تین سال بعد بند ہوگیا۔ مولوی کریم الدین مشہور عالم اور ادیب تھے۔ دھلی کالج میں پروفیسر تھے، بے شمار کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم تھے۔ آپ کی کتاب 'طبقات الشعراء' خاص طور پر مشہور ہے۔ دیگر تصانیف میں سے چند کے نام یہ ھیں: تعلیم النساء، تذکرۃ النساء، گلدستۂ نازنین، گلستان ھند، رسالۂ فرائیض، روض الاجرام، تاریخ آگرہ، منتخبات آردو، تسہیل القواعد، انشائے آردو، پند سود مند، دیوان سعدی مع سوانح، انتخاب دیوان حافظ، واقعات ھند، مفتاح الارض، کریم اللغات، اور خط تقدیر۔

مولوی کریم الدین کے تمام اعزا نے عیسائیت قبول کرلی، لیکن آپ نے ھر قسم کے لالچ اور دباؤ کے باوجود اسلام سے منحرف ھونا قبول نہ کیا۔

ان کے علاوہ بھی دھلی سے بعض اخبار جاری تھے، مثلاً خلاصۃ الاخبار، خلاصۂ اطراف، ضیاء الاخبار، اخبار دھلی، وحید الاخبار اور نور مغربی و نور مشرقی۔ ان میں اول الذکر اس لحاظ سے اھم ھے کہ اس کے اقتباسات بہادرشاہ ظفر کے مقدمے میں پیش ھوئے، جن کا ذکر آگے آئے گا۔ دھلی سے خالص علمی اور ادبی جریدے اور رسالے بھی جاری تھے۔ مثلاً قران السعدین، گل رعنا، فوائد الناظرین، محب ھند اور فوائد الشائقین۔ ان کی تفصیل 'علمی و ادبی صحافت کے زیر عنوان باب میں پیش کی جارھی ھے۔

پنجاب کے اخبار

کوہ نور

الحاق پنجاب کے چند ماہ بعد ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء کو لاھور سے

'کوہ نور' جاری ہوا - گارساں دتاسی کے بیان کے مطابق یہ شمالی ہند کا سب سے زیادہ ہر دل عزیز اور کثیر الاشاعت اخبار تھا ، اس لیے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا - 'کوہ نور' اس لیے بھی اہم تھا کہ اس نے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ عمر پائی اور اپنی پچپن سالہ زندگی کے دوران میں بے شمار صحافی پیدا کیے - بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں لاہور سے جتنے اخبار نکلے اُن سب کے مدیر کسی نہ کسی حیثیت سے 'کوہ نور' سے وابستہ تھے یا اُس سے متاثر تھے 'کوہ نور' کی ہر دل عزیزی کا ایک اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ بے شمار ایسے اخبار نکلے جن کے نام میں 'نور' کا لفظ شامل تھا ؛ مثلاً دریائے نور ، باغ نور ، ریاض‌نور ، نور علیٰ نور- اس اہمیت کے پیش نظر ہم 'کوہ نور' کا حال تفصیل سے بیان کریں گے -

'کوہ نور' کے بانی منشی ہرسکھ رائے تھے - سکندرآباد (اُترپردیش) کے ایک علمی روایات کے حامل کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے - ۱۸۱٦ء میں پیدا ہوئے - اُردو اور فارسی ادب کی تعلیم پائی اور چونتیس سال کی عمر میں لاہور آکر خار زار صحافت میں قدم رکھا - وہ لاہور کیوں آئے ؟ آخر الحاق پنجاب کے فوراً بعد یہاں آنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی - اس سلسلے میں ہمیں گارساں دتاسی کی فرانسیسی کتاب 'Histoire De La Litterature Hinduie et Hindustanie' میں درج شدہ ہرسکھ رائے کے حالات سے مدد ملتی ہے- دتاسی لکھتا ہے کہ مطبع 'کوہ نور' پنجاب بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کی سرپرستی میں قائم ہوا ، جو حکومت پنجاب کا دوسرا نام تھا اور 'کوہ نور' سرکار انگریزی کے اہتمام اور سرپرستی میں جاری ہوا - ظاہر ہے ہرسکھ رائے کو برطانوی حکومت کا اعتماد راتوں رات حاصل نہیں ہوا - اُنھوں نے یقیناً سکندر آباد میں انگریزوں کی خدمت سرانجام دے کر اُن کا اعتماد حاصل کیا ہوگا - یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ سرکار انگریزی لاہور سے اُردو اخبار کیوں جاری کرنا چاہتی تھی ؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے میں مغربی علوم کو فروغ دینے کی غرض سے حکومت بہت سے مقامات پر اُردو اخبارات کی سرپرستی

کیا کرتی تھی اور جب پنجاب قلمرو برطانیہ میں شامل ہوا تو اسی پالیسی پر یہاں بھی عمل کیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ سرکار انگریزی یہ نہیں چاہتی تھی کہ اردو صحافت کے آغاز میں کوئی ایسا شخص پہل کرے جس کی وفاداری مشکوک ہو۔ چناں چہ اس نے ایک ایسے شخص کی سر پرستی قبول کی جس کی وفاداری پر اسے یقین تھا یہ حقیقت ہے کہ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں کوہ نور حکومت کا محبوب رہا اور اس کے خریداروں میں بڑے بڑے انگریز افسر شامل تھے۔

نٹ راجن نے ۱۸۵۳ء کی ایک سرکاری رپورٹ کے حوالے سے بتایا ہے کہ 'کوہ نور' حکومت کے تجویز کردہ اصولوں پر چلایا جاتا تھا۔ اس کی اشاعت ۲۲۷ تھی اور اسے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ گارساں دتاسی اپنے خطبات میں بیان کرتا ہے کہ ۱۸۵۴ء میں اس کی اشاعت ۳۴۹ ہوگئی۔

مارچ ۱۸۵۶ء تک اخبار باقاعدگی سے چلتا رہا اور اس کی زندگی پرسکون رہی۔ اچانک منشی ہرسکھ رائے گرفتار ہوئے اور انھیں تین سال قید کی سزا ملی۔ جرم کی نوعیت ہمیں معلوم نہیں، لیکن غالباً ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ تھا۔ بہرحال اخبار جاری رہا اور اس کا اہتمام منشی ہیرا لعل کے سپرد ہو گیا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران میں منشی ہرسکھ رائے پس دیوار زنداں رہے، لیکن ان کا اخبار سخت جان تھا۔ برعظیم کے بے شمار اردو اور فارسی اخبار انقلاب کے دوران میں بند ہوگئے، لیکن 'کوہ نور' جاری رہا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد منشی ہرسکھ رائے کا وقار بحال ہوگیا۔ دولت ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ 'ہرسکھ رائے حویلی' اس کا ایک ثبوت تھی۔ راجہ اور نواب انھیں مدعو کرتے تھے اور مہاراجہ کشمیر تو خاص طور پر مہربان تھا۔ پھر میونسپل کمیٹی کے ممبر بنے اور ان کا نام لاہور کے پچاس رؤسا میں شامل ہوا۔ 'کوہ نور' ابتداء میں ہفت روزہ تھا۔

بہت جلد ہفتے میں دو بار نکلنے لگا اور کچھ عرصہ بعد تین بار۔ ۱۸۸۸ء میں روزانہ ہو گیا، لیکن چند ماہ بعد یہ تجربہ ناکام ہوا۔ اسی زمانے میں یہ انگریزی اور اردو دو زبانوں میں نکلنے لگا اور اردو مضامین کا انگریزی ترجمہ میاں گل محمد کرتے رہے۔ بہرحال یہ تجربہ بھی کامیاب نہ رہا۔ ۲ ستمبر ۱۸۹۰ء کو منشی ہرسکھ رائے فوت ہو گئے اور ان کے متبنیٰ منشی جگت نارائن نے کاروبار سنبھال لیا۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ بھی فوت ہو گئے۔ اس پر منشی ہرسکھ رائے کی بیوہ نے 'کوہ نور' کو ہفت روزہ کے طور پر جاری رکھا اور جب محسوس کیا کہ اخبار کی مانگ نہیں رہی، تو ۱۹۰۴ء میں اسے بند کر دیا۔

گارساں دتاسی اپنی فرانسیسی کتاب میں بتاتا ہے کہ 'کوہ نور' کا پہلا مدیر سورج بھان تھا، جس نے کئی انگریزی کتابوں کا ترجمہ کیا، مثلاً وقائع رام چندر، وقائع بابا نانک، وقائع سینٹ پال، دستورالعمل دفتر خانہ تحصیل۔ اس کے علاوہ کچھ تصانیف بھی تھیں، مثلاً دارالشفاء اور تحصیل علم انگریزی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سورج بھان نے 'گنجِ شائگاں' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی جاری کیا۔ دتاسی ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ غلام محمد پربتی بھی مدیر رہا اور ایک اور جگہ بیان کرتا ہے کہ منشی جمنا پرشاد بھی ایڈیٹر رہے۔

اردو صحافت کے بعض محققین کا بیان ہے کہ منشی نول کشور بھی ادارۂ 'کوہ نور' سے وابستہ رہے۔ وہ انقلاب کے بعد آئے ہوں تو الگ بات ہے ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انقلاب سے قبل وہ 'کوہ نور' سے منسلک نہیں تھے۔ بہرحال وہ بہت اثر و رسوخ کے مالک تھے اور جب ۱۸۵۶ء میں 'کوہ نور' اور سیالکوٹ کے اخبار 'چشمۂ فیض' میں کش مکش نے بدنما صورت اختیار کر لی تو منشی نول کشور نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور ۳ جون ۱۸۵۶ء کے 'کوہ نور' میں صلح کا اعلان ہو گیا۔ اس وقت منشی نول کشور 'سفیر آگرہ' کے مدیر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد بڑے بڑے ادیب 'کوہ نور' سے وابستہ ہوئے، مثلاً سید نادر علی سیفی، مولوی سیف الحق، منشی نثار علی شہرت، تاج الدین، مرزا موحد،

منشی لال سنگھ، مولوی عبداللہ اور منشی محرم علی چشتی۔ ان سب نے اپنی صحافت کا آغاز 'کوہ نور' سے کیا اور ان میں سے اکثر نے بعد میں اپنے اخبار نکالے۔

'کوہ نور' کا سائز ۸ × ۱۲ انچ تھا۔ پہلے چھ صفحے ہوا کرتے تھے، پھر سولہ تک پہنچ گئے۔ اس میں سرکاری اعلانات اور احکام، صوبائی اور مقامی خبریں، غیر ملکی خبریں، ادبی معلومات، غزلیات اور ادبی مقالے شامل ہوتے تھے۔ باقاعدہ اداریئے نہیں ہوا کرتے تھے، البتہ جب ضرورت ہوتی حالات پر تبصرہ کر دیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۱ء کے فائل میں ہمیں مختلف النوع خبریں ملتی ہیں۔ مثلاً موسمی اطلاعات، ملیریا کی وبا، پبلک پیشاب گاہوں کی تعمیر، چاند گرہن کے بعد خوف ناک زلزلے، اناج کے نرخ، سوڈا واٹر کی تیاری، سکولوں کا قیام، جرائم کی حالت، کانوں کی دریافت، سکھ دربار کی بیش قیمت اشیاء اور نوادر کی فروخت، ۱۸۵۱ء کی صنعتی نمائش (لندن) میں 'نجوم کا گلوب' بھیجنے کی تجویز، 'لاہور کرانیکل' کے مدیر مسٹر ہنری کوپ کی سیکرٹری شپ میں 'ھارٹی کلچرل سوسائٹی کا قیام'، افسروں کی تبدیلی، افواج کی نقل و حرکت، عدالتوں کے سنسنی خیز مقدمے، ایک عالم دین خواجہ شاہ سلیمان کا انتقال، ایک برطانوی فوجی افسر کو اپنے دیسی ساتھی کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا، کلکتہ کے ایک شخص کا دعویٰ کہ وہ غبارے میں اڑے گا، جنوبی ہند میں پارسیوں اور مسلمانوں کے درمیان فساد، حکومت کی آمدن کا صوبہ وار گوشوارہ، غیر ملکی خبریں بالخصوص مصر کی خبریں، نواب پیر ابراھیم خاں کا سفرنامۂ مصر، 'کوہ نور' کی تاریخ پر مقالہ اور تعلیم پر بعض مضامین۔ اس فائل میں بہت کم ایسا مواد ملتا ہے جس میں نظم و نسق پر معمولی سی بھی نکتہ چینی کی گئی ہو۔

۱۸۵۶ء کا فائل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کا معیار بلند ہوگیا۔ مقامی اور صوبائی خبریں زیادہ تفصیل اور جامعیت سے دی جانے لگیں۔ غیر ملکی خبروں کا معیار بھی بہتر ہو گیا اور ایران اور افغانستان

کی خبروں پر زیادہ توجہ دی گئی - افغانستان میں 'کوہ نور' کا خاص نامہ نگار مقیم تھا، جو فارسی زبان میں مکتوب بھیجا کرتا تھا اور یہ مکتوب بجنسہ بغیر ترجمہ کیے چھاپ دیا جاتا تھا - سیاست، تاریخ، جغرافیہ، مذہب، معاشرہ اور قانون کے موضوعات پر مضامین دیے جاتے تھے - لطائف اور غزلیات بھی جگہ پاتی تھیں - اشتہارات زیادہ تر سرکاری ہوتے تھے - بہرحال تجارتی اشتہار بالخصوص کتابوں کے اشتہار درج ہوتے تھے -

۱۸۵٦ء کے فائل کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ادارتی تبصروں میں غیر معمولی جرأت سے کام لیا گیا - یہ الگ بات ہے کہ زمانے کے رواج کے مطابق تنقید کے ساتھ ساتھ تعریف کا روغن قاز بھی ہوتا تھا - ۲۹ اپریل ۱۸۵٦ء کے شمارے سے 'آزادی' مطابع' کے عنوان سے ایک شذرہ ملاحظ ہو:

''اخبار نویساں و وقائع نگاران ملک ہند اور سہتمان اور مالکان مطابع کو واضح ہو وے کہ دریں ولا 'لیجس لیٹو کونسل ہند' میں یہ تجویز ہوئی ہے کہ ایک قانون ایسا اجراء پاوے جس سے چھاپہ والوں کو اختیارات چھاپنے ہر مضامین کے نہ رہیں اور سرکار کی طرف سے مزاحمت اور مداخلت ہووے - پس سب کو لازم ہے کہ یک دل اور یک رائے ہو کر بہ کمال مستعدی پیروی اس امر کی کریں کہ ایسا قانون جاری نہ ہووے، ورنہ سب کو ضرر ہے اور پھر اخبار اور چھاپہ کی کچھ ہستی نہ رہے گی - مگر قیاس نہیں چاہتا کہ سرکار، جس نے یہ اختیارات دیے ہیں، بلاوجہ اس میں مداخلت کرے -''

ضلع کے نظم و نسق پر ایک مفصل مضمون چھاپا گیا، جس میں حکام کی بددیانتی، بدنظمی، خویش پروری، اور دفتری تاخیر پر شدید نکتہ چینی کی گئی - اودھ سے جتنی خبریں درج کی گئی ہیں ان میں بار بار یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ لوگوں میں انگریزوں کے خلاف بے چینی موجود ہے - ۲٦ فروری کے شمارے میں 'کوہ نور'

رقم طراز ہے :

''اب اودھ کے لوگ ضبطیٔ ملک سے نا خوش ہیں - ہزار ہا آمیدواران نوکری شور و غل مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سرکار کو سوائے ملک اودھ کے غیر مقامات کے آدمیوں کو نوکر رکھنا بعید از انصاف ہے - بادشاہ کے قدیمی ملازمین بہ جز چند آدمیوں کے ، سب برخاست ہوگئے - اون سے کہا گیا ہے کہ تمھارے حقوق کا لحاظ کیا جاوے گا - اب بادشاہ کی حالت پر سب کو رحم آتا ہے - بادشاہ نے جو ہر معاملے میں سرکار کی اطاعت کی، یہ بہت اچھی تجویز ہوئی - بعض لوگ اس بات سے ناراض بھی ہوئے اور ایک زمیندار مفسد نے یہاں تک کیا کہ پوشاک زنانی بھیج کر پیغام دیا کہ تم کو یہ لباس زیب ہے کیوں کہ اس طرح سے بلا تکرار ملک میں دخل دے دینا اسی لائق ہے کہ عورت کا لباس پہن کر بیٹھو -

''جب سے ۵۲ رجمنٹ شاہی اور توپ خانہ پیدل شہر میں آیا ہے ، باشندگان شہر کی نظر میں انگریزوں کی اہانت ہوئی ، یعنی گورہ لوگوں نے بہ حالت مستی شراب کے شہر میں جا کر بہت نامعقول حرکات کیں اور جبر کیے - بعض لوگوں کو تو حیرت ہے کہ انگریز اور گورہ میں کیا فرق ہے -''

مختلف ریاستوں کی اندرونی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے کوہ نور لکھتا ہے :

''ہم یہ کہتے ہیں کہ رؤسائے ہند و پنجاب اب بھی سمجھو - اپنی اپنی دال ٹکی کو ذرہ محنت سے پکا کر کھاؤ ورنہ سمجھ لو کہ اب سرکار انگریزی کہ مظلومیٔ بندگان خدا ہرگز منظور نہیں ہے اور نواب صاحب بہاول پور ہی سمجھو - رات گئی دن آیا - بہت سے ناچ کود لیے - اگر نہ سمجھو گے تو یقین سمجھو کہ مثل اودھ تم بھی ملک سے ہاتھ دھو بیٹھو گے -'' [۴ مارچ ۱۸۵۶ء] -

'کوہ نور' کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس نے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تائید کی - ۸ اپریل ۱۸۵۶ء کے شمارے میں ایک نامہ نگار 'بھونرا' رقم طراز ہے :

''حتی الامکان اپنی زبان میں اگر تعلیم علوم کی ہووے تو دوسری زبان کی بہ نسبت جلد حاصل ہوتی ہے - خیال کیجیے کہ اگر اردو میں سب علوم کی کتابیں بن جاویں تو وہی علوم جلد تر عوام کو حاصل ہوں گے - عربی ، خواہ سنسکرت والوں کو اس قدر جلد حاصل ہوں گے ، کیا معنی ؟ پہلے تو زبان ہے سیکھتے سیکھتے ان کے چھ سات برس گزر جائیں گے - غرض اس بارہ میں صواب آرائے مہتمم کوہ نور بہت درست ہے بلکہ جیسے انگریزوں نے زبان یونانی و سنسکرت سے اپنی بھاکہ میں سب علوم ترجمہ کرڈالے ، ویسے ہی اردو و فارسی و انگریزی و سنسکرتی والوں کو چاہیے کہ ہر علوم کو ہر ایک زبان سے لے کر اردو میں ترجمہ کیا کریں -''

انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں تار برقی کا رواج ہوا - پہلے کلکتہ ، آگرہ اور بمبئی کے درمیان تار کا سلسلہ جاری ہوا - اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں آگرہ سے پشاور تک بھی تار برقی کا نظام قائم ہوگیا - اس کی خبر 'کوہ نور' نے یوں درج کی :

''بجلی کی ڈاک کا تار لاہور تک بہ خوبی لگ گیا اور پرانے توپ خانہ کے ایک مکان میں اس کے کارخانہ کا دفتر قائم ہوا ہے - غالب ہے کہ صبح و شام میں اجراء پاوے اور پشاور تک بعد برسات جاری ہوگا - سب سامان مہیا ہے - تار کے انبار ڈاک خانہ میں لگ رہے ہیں اور پنجاب میں بڑی دھوم ہو رہی ہے - کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا - کوئی کہتا ہے کہ اس تار کے اوپر تھالی چلے گی ، کوئی خیال کرتا ہے کہ تھالی دوڑے گی - مگر جب دیکھتے ہیں کہ دریا کے اوپر پہنچ کر تار کناروں پر زمین میں داب دیا ہے اور دریا کے اندر پانی میں چلا گیا ہے اور دوسرے کنارے

پر پھر نکل کر کڑھے پر چڑھا دیا گیا ہے، اُن کی عقل خبط ہو جاتی ہے کہ یہاں تھیلی تار پر کیوں کر چلے گی۔ راقم اخبار کو اس امر کی تحقیقات کا بہت خیال ہے۔ اکثر صاحب لوگوں سے دریافت کیا، پر کچھ مطابقت نہیں ملی۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ فرمایا۔ ابھی کچھ معلوم نہیں ہے کہ بجلی کی ڈاک کیوں کر چلے گی اور کلکتہ، بمبئی کی خبر لاہور یا پشاور تک ایک ہی دن میں کیوں کر پہنچے گی۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اہالی اس کارخانے کے، تماشائیوں کو داخل بالکل نہیں ہونے دیتے۔ مگر غالب ہے کہ جب لاہور میں یہ کارخانہ اجراء پاوے گا تو حال مفصل حوالہ قلم کیا جاوے گا۔''

[۴ جولائی، ۱۸۵۴ء]

کوہ نور کے ہم عصر لاہور میں

'کوہ نور' کے اجراء کے چند ماہ بعد لاہور سے 'دریائے نور' جاری ہوا جو لاہور میں اردو کا پہلا کا ملاً آزاد اخبار تھا۔ اس کا دفتر اسی عمارت میں واقع تھا جہاں 'کوہ نور' کا دفتر موجود تھا۔ فقیر سراج الدین اس کے سرپرست تھے اور شہسوار الدین مدیر۔ اس اخبار کو سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہوئی، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ پولیس کے حکام کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا کرتا تھا اور نظم و نسق پر بھی نکتہ چینی کرتا تھا۔ اس کی اشاعت ایک سو سے کچھ زیادہ تھی اور یہ اشاعت ایک ایسے اخبار کے لیے تسلی بخش سمجھی جاتی تھی جسے حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو۔ یہ اخبار ہر اتوار کو نکلا کرتا تھا اور اس کا سائز 'کوہ نور' سے بڑا تھا۔

گارساں دتاسی اپنی فرانسیسی کتاب میں بتاتا ہے کہ 'دریائے نور' کا پہلا مدیر نجیب الدین حسن یا مبین الدین حسن تھا۔ اس اخبار کا ایک اور مدیر منشی مہدی حسین خاں تھا جو اختلاف رائے کی بناء پر مستعفی ہو گیا اور بعد میں جس نے ملتان سے 'ریاض الاخبار' جاری کیا۔ چوں کہ 'دریائے نور' 'کوہ نور' کا اولین حریف تھا اس لیے ان دونوں کے درمیان خوب چپقلش رہی۔ بہر حال 'دریائے نور' بہت جلد بند ہوگیا۔

۱۸۵۵ء میں ایک ہفت روزہ 'لاہور گزٹ' کے نام سے جاری ہوا۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کے مہتمم کون تھے۔ البتہ 'کوہ نور' نے ۱۸۵۶ء میں بتایا کہ 'لاہور گزٹ' کے مہتمم خود علم سے بے بہرہ ہیں اور شکایت کی کہ ''وہ مخالفین کے فرستادہ مضامین باطل چھاپتے ہیں'' - اسی ذریعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کے ملازمین کو چھ سات مہینے مسلسل تنخواہ نہ ملی۔ اس پر پریس والوں نے کام کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ اخبار ''مطبع قادری مولوی سلطان احمد صاحب'' میں چھپا۔ یہ اخبار غالباً ۱۸۵۶ء کے وسط میں بند ہوگیا۔

'کوہ نور' ہی کے توسط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں اخبار 'پنجاب جرنل' کے نام سے موجود تھا، جس سے بعض اقتباسات 'کوہ نور' میں چھپا کرتے تھے۔

'لاہور کرانیکل' کے بانی منشی سید محمد عظیم جب اپنے انگریزی اخبار سے بے دخل ہوگئے تو انھوں نے مارچ ۱۸۵۶ میں 'پنجابی اخبار' جاری کیا۔ ایک سال بعد انھوں نے انگریزی زبان میں 'دی پنجابی' کے نام سے ایک انگریزی اخبار بھی شروع کر دیا۔ اس کے پہلے شمارے میں بتایا گیا ہے کہ 'پنجابی اخبار' ورنیکلر زبان میں جاری ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ورنیکلر سے اردو زبان مراد تھی یا پنجابی؟ جناب محمد اسماعیل پانی پتی کا بیان ہے کہ اس اخبار کی زبان پنجابی تھی لیکن یہ فارسی اور گورمکھی، دونوں قسم کے رسم الخط میں نکلتا تھا۔ بعد میں اخبار کی زبان اردو ہوگئی۔ بہر حال کسی اور ذریعے سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوسکی۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں سیالکوٹ کے مطبع چشمۂ فیض کو حکومت نے حکم دیا کہ وہ لاہور میں منتقل ہوجائے۔ چنانچہ 'چشمۂ فیض' (سیالکوٹ) لاہور سے 'چشمۂ خورشید' کے نام سے نکلنے لگا۔ جب انقلاب ختم ہوگیا تو یہ مطبع پھر سیالکوٹ منتقل ہوگیا اور حسب معمول 'چشمۂ فیض' جاری ہوگیا اور 'چشمۂ خورشید' بند ہوگیا۔

اس عرصے میں لاہور سے 'مفاد ھند' کے نام سے ایک نیم سرکاری اخبار ڈپٹی کمشنر کی سر پرستی میں جاری تھا ۔

سیالکوٹ کے اخبار

لاہور کے بعد پنجاب کا سب سے بڑا اخباری مرکز سیالکوٹ تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیالکوٹ میں تعلیم کا بے حد چرچا تھا - گارساں دتاسی ۱۸۵۵ء کے خطبے میں بیان کرتا ہے کہ جس شدت سے سیالکوٹ کے لوگوں کو تعلیم کے فوائد کا احساس تھا ، اس کی نظیر برعظیم میں کہیں نہیں ملتی - اس کے ثبوت کے طور پر وہ سیرام پور (بنگال) کے اخبار 'فرینڈ آف انڈیا' کے حوالے سے یہ خبر دیتا ہے کہ سیالکوٹ کے نو سو پچاس دیہات پر جو تعلیمی محصول عائد کیا گیا ، اس کی ادائی پیشگی ہو گئی اور تمام مجوزہ مدارس فوراً کھل گئے -

سیالکوٹ کا پہلا اخبار 'ریاض الاخبار' تھا ، لیکن اس کے بارے میں اور کوئی معلومات دست یاب نہیں ہو سکیں ۔ اس شہر کی صحافت کا اصل باوا آدم منشی دیوان چند تھا ، جس نے یکے بعد دیگرے کئی اخبار اور رسالے جاری کیے ۔ الحاق پنجاب کے فوراً بعد منشی دیوان چند وزیر آباد کا تحصیل دار مقرر ہوا ۔ دو سال بعد یہ ملازمت ختم ہوئی تو وہ سیالکوٹ پہنچا ۔ ادبی ذوق موجود تھا ۔ چناں چہ بلھے شاہ کی کافیاں اردو میں ترجمہ کیں اور انھیں 'گنجینۂ معرفت' کے نام سے شائع کیا - ۱۸۵۲ء میں 'چشمۂ فیض' جاری کیا - اس کے بعد ایک اور ھفت روزہ 'خورشید عالم' کے نام سے شروع کیا ۔ جنوری ۱۸۵۳ء میں 'ھمائے بے بہا' کے نام سے لاہور سے ایک پندرہ روزہ رسالہ جاری کیا اور ۱۸۵۶ء میں سیالکوٹ سے 'نور علیٰ نور' کے نام سے ایک ماھانہ علمی و ادبی مجلہ نکالا - ۱۸۵۳ء میں اس نے 'وکٹوریہ پیپر' کے نام سے بھی ایک ھفت روزہ شروع کیا جو ۱۹۲۵ء تک جاری رہا ۔

بہر حال منشی دیوان چند کا اہم ترین اخبار 'چشمۂ فیض' ھی تھا۔ 'کوہ نور' کی طرح اسے بھی سرکاری امداد حاصل تھی - نٹ راجن ۱۸۵۴ء

کی ایک سرکاری رپورٹ کے حوالے سے بتاتا ہے کہ مقامی اسسٹنٹ کمشنر نے چشمۂ فیض (سیالکوٹ) کو مالی امداد دے کر تباہی سے بچا لیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں 'چشمۂ فیض' کو تھوڑی سی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۰ مئی سے ۱۴ جون تک تو اخبار جاری رہا اور مقامی طور پر سنسر ہوتا رہا۔ اس کے بعد اخبار بند کر دیا گیا اور منشی دیوان چند کو حکم ملا کہ وہ اپنا مطبع لاہور لے جائے۔ لاہور آ کر اس نے 'چشمۂ خورشید' جاری کیا اور یہ بھی سنسر ہوتا رہا۔ اکتوبر میں انقلاب ختم ہوا اور دسمبر میں منشی دیوان چند کو اجازت ملی کہ وہ اپنا مطبع سیالکوٹ لے جائے اور اپنی صحافتی زندگی جاری کر لے۔ بعد میں 'چشمۂ فیض' 'وکٹوریا پیپر' میں مدغم ہوگیا۔ ۱۸۵۶ء میں سیالکوٹ سے کسی نے 'معلم العلماء' کے نام سے بھی ایک ماہ نامہ جاری کیا، لیکن اس بارے میں اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ بہر حال یہ واضح ہے کہ یہ رسالہ منشی دیوان چند نے شائع نہیں کیا تھا۔

منشی دیوان چند منشی ہرسکھ رائے کا مخالف تھا۔ چار سال تک 'کوہ نور' اور 'چشمۂ فیض' کے کالموں میں صحافتی جنگ چھڑی رہی۔ آخر 'سفیر آگرہ' کے مدیر منشی نول کشور کی مداخلت پر یہ جنگ ختم ہوئی۔ اس میں اصولی جھگڑا تو اتنا تھا کہ 'کوہ نور' اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر مصر تھا اور منشی دیوان چند اردو میں اخبار نکالنے کے باوجود اس کے مخالف تھے۔ زیادہ جھگڑا کاروباری تھا۔ پنجاب میں یہی دو بڑے کاروباری حریف تھے، جو یہاں کی صحافت پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ جھگڑا اس وقت تلخی پکڑ گیا، جب منشی ہرسکھ رائے قید ہوئے اور اس سے فائدہ اٹھا کر منشی دیوان چند نے 'کوہ نور' کے گاھکوں کو اپنی طرف کھینچنے کی سعی کا آغاز کیا۔ اس پر 'کوہ نور' بہت سیخ پا ہوا۔ اس نے ۶ مئی ۱۸۵۶ء کے شمارے میں لکھا:

''ہم آپ کو دوستانہ سمجھاتے ہیں کہ یہ بات آپ کی شان والا شان سے بعید ہے، کیوں کہ آپ گرے پر لات لگاتے ہیں۔ جب

تک منشی موصوف قید نہ ہوئے تھے ، آپ اُن سے یہاں تک خائف اور لرزاں رہے کہ آپ نے کبھی کان نہ کھڑ کھڑائے اور دم بھی نہ ہلائی ؛ طعن اور طنز کا تو کیا ذکر ہے ! صاحب میرے - مرزا کی طرح گفتگو کیجیے ! نرے گنوار نہ بن جائیے - قصور میری دراز نفسی کا معاف کیجیے -'' [٦ مئی ١٨٥٦]

ملتان کے اخبار

١٨٥٢ء کے آغاز میں ملتان سے 'ریاض نور' جاری ہوا - اس کے مدیر منشی محمد مہدی حسین خان تھے - موصوف پہلے 'دریائے نور' میں کام کرتے تھے - مالکوں سے اختلاف رائے ہوا ، تو مستعفی ہو گئے - ١٨٥٦ء میں تحصیل دار کے خلاف ایک مضمون چھاپنے کی پاداش میں اُنھیں سات سال قید کی سزا ہوئی - بہر حال اخبار جاری رہا اور ١٨٥٧ء کے انقلاب میں حکومت نے اسے بند کر دیا - غالباً مہدی حسین صاحب کو زیادہ دیر جیل میں نہیں رہنا پڑا - رہا ہوئے تو لکھنؤ پہنچے ، جہاں اُنھیں منشی نول کشور کے اخبار 'اودھ اخبار' کی ادارت کے فرائض سونپے گئے -

'ریاض نور' کو جاری ہوئے ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ نہیں گزرا تھا ، کہ ملتان سے ایک اور اخبار جاری ہوا ، جس کا نام 'شعاع الشمس' تھا اس کی ادارت فقیر غلام نصیرالدین کے سپرد تھی - دونوں اخبار حریف تھے - اس لیے صحافتی چشمکیں شروع ہوئیں اور آخرکار 'شعاع الشمس' بند ہو گیا - مفرح القلوب (کراچی) کے شمارہ مورخہ ٢٧ اپریل ١٨٦٦ء میں بتایا گیا ہے کہ نصیرالدین بہاول پور کے رہنے والے تھے - صحافتی زندگی ختم ہوئی تو کچھ عرصہ بے کار رہے - پھر نواب آف بہاول پور کی خدمت میں حاضر ہوئے - اپنے زھد و تقویٰ سے اُنھیں اتنا متاثر کیا کہ میر منشی کے عہدے پر فائز ہو گئے - کچھ عرصہ بعد اچانک روپوش ہو گئے اور نواب کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں شروع کر دیں - اپریل ١٨٦٦ء میں پولیس اُنھیں گرفتار کرنے میں کام یاب ہو گئی - اس کے بعد کیا ہوا ، اس بارے میں معلومات حاصل نہیں

ہو سکیں ۔

پنجاب کے دوسرے اخبار

۱۸۵۰ء میں گوجرانوالہ سے 'گلزار پنجاب' نکلا ۔ اس کے ایڈیٹر منشی کنڈا مل تھے۔ مئی ۱۸۵۴ء میں گجرات سے 'مطلع الانوار' جاری ہوا ، جسے عام طور پر 'گجرات کا اخبار' کہا جاتا تھا ۔ ۱۸۵۷ء میں پشاور سے 'خوش بہار' نکلا اور دو سال بعد راولپنڈی سے 'سہیل پنجاب' کا اجرا ہوا ۔ شملہ سے 'شملہ اخبار' جاری تھا اور ۱۸۵۶ء میں 'عنقائے روزگار' کے اجراء کا اعلان ہوا ، اس کے مالک اور مدیر سید رضا علی رضوی دہلوی تھے ۔ دوسرے اخباروں کے نام یہ ہیں : نور علیٰ نور (لدھیانہ) ، نیر اعظم (بٹالہ) ، باغ نور (امرتسر) ، اخبار طبابت (پشاور) ، بحر حکمت (لاہور) ، معلم ہند (لاہور) ۔

آگرہ کے اخبار

۱۸۴۶ء میں آگرہ کالج کے اہتمام میں 'صدرالاخبار' کا اجراء ہوا ۔ اس کا محرک اور بانی ایک شخص فنک نامی تھا ، جس نے پانچ پانچ روپے کے دو سو حصے بیچ کر سرمایہ فراہم کیا ۔ اس اخبار میں صرف عمومی اور سائنسی دل چسپی کا مواد دیا جاتا تھا ، کیوں کہ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ آگرہ کالج کے طلبہ کے لیے مطالعہ کا سامان فراہم کیا جائے ۔ ایک دفعہ اخبار میں قابل اعتراض مواد شائع ہو گیا ۔ اس پر ایڈیٹر الگ کر دیا گیا اور ایک شخص فالن نامی ایڈیٹر مقرر ہوا اور اخبار کا نام بھی بدل کر 'اخبارالحقائق' رکھ دیا گیا ، لیکن فالن سے بھی ایک کوتاہی ہوئی ۔ ہردوار کے قریب گائے کے ذبیحہ کے مسئلے پر اس نے کچھ ایسی متنازع فیہ باتیں لکھ دیں جنھیں اچھی نظر سے نہ دیکھا گیا اور میرٹھ کے اخبار 'جام جمشید' نے ان پر کڑی نکتہ چینی کی ۔ اس پر فیصلہ ہوا کہ یہ اخبار آئندہ کے لیے اور بھی محتاط ہو جائے ۔ یہ اخبار سہ روزہ تھا اور اس کے کل ماہانہ اخراجات تقریباً ایک سو روپے بنتے تھے ۔ اخراجات کی تفصیل کسی دوسری جگہ دی جائے گی ۔

۱۸۴۷ء میں ایک صاحب قمرالدین نے 'اسعد الاخبار' جاری کیا۔ پنڈت کیفی نے اس کے شمارہ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۵۰ء سے یہ اقتباس پیش کیا ھے:

''ان دنوں شاہ دین پناہ نے جناب معلی القاب مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بہ فرط عنایت اپنے حضور طلب کر کے ایک کتاب تواریخ کے لکھنے پر، جو تیمور کے زمانہ سے سلطنت حال تک ہو، مامور کیا اور اس کے کاتبوں کے خرچ کو بالفعل پچاس روپے مشاہرہ مقرر کر کے آیندہ انواع پرورش کا متوقع کیا اور نجم الدولہ، دبیرالملک، اسد اللہ خاں بہادر، نظام جنگ خطاب دے کر چھ پارچہ کا بیش بہا خلعت اور تین رقم جواہر عطا فرمائے۔ یقین ھے کہ تواریخ مذکور ایسی دل چسپ ہو گی کہ ہر ایک اس کے لطف عبارت سے فیض یاب ہوگا۔''

اسی زمانے میں 'مطلع الاخبار' بھی آگرہ سے جاری تھا۔ اس کے مہتمم شیخ خادم علی تھے۔ ۱۸۴۹ء میں دو اخبار جاری ہوئے، ایک 'قطب الاخبار'، دوسرا 'اخبار النواح'۔ اول الذکر اسلامی اخبار تھا اور اس میں مذھبی مسائل پر مضمون چھپتے تھے۔ نیز خبریں بھی دی جاتی تھیں۔ 'اخبار النواح' ھندوؤں کے ذوق کے مضامین چھاپتا تھا۔ 'قطب الاخبار' کی اشاعت بیالیس تھی اور 'اخبار النواح' کی تنتالیس۔ تین سال بعد آگرہ سے سرکاری سرپرستی میں دو اخبار بہ یک وقت جاری ہوئے۔ ایک کا نام 'نور الابصار' تھا اور دوسرے کا نام 'بدھی پرکاش'۔ ایک اردو میں تھا، دوسرا ھندی میں۔ اردو اخبار کی کل اشاعت دو سو چوالیس تھی، جس میں سے دو سو پرچے حکومت خریدتی تھی، سات تبادلے میں جاتے تھے اور ۳۷ خریدار تھے۔ ھندی اخبار کی اشاعت دو سو سترہ تھی۔ دو سو پرچے حکومت خریدتی تھی، دو تبادلے میں جاتے تھے اور صرف پندرہ خریدار تھے۔ امداد صابری اور عتیق صدیقی کا یہ خیال غلط ھے کہ یہ اخبار الہ آباد سے شائع ہوتے تھے۔

آگرہ کا ایک نمایاں اخبار 'سفیر آگرہ' تھا جو منشی نول کشور نے

جنوری ۱۸۵۶ء میں جاری کیا ۔ اس کا اعلان پہلے پنجاب کے اخبار 'ریاض نور' میں ہوا ۔ پھر ۲۵ مارچ ۱۸۵۶ء کو یہی اعلان 'کوہ نور' نے نقل کیا ۔ اس سے یہ نظریہ بھی باطل ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں منشی نول کشور 'کوہ نور' کے ادارے سے منسلک تھے ۔ 'کوہ نور' ہی کی وساطت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں آگرہ میں یہ اخبار بھی موجود تھے : 'اخبار حسینی' ، 'مطلع العلوم' ، 'شرف الاخبار' ۔ ان کے علاوہ سرکاری کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آگرہ میں 'نزہت الارواح' ، 'گورنمنٹ گزٹ' اور 'مفید الخلائق' بھی جاری تھے ، جن کی ادارت بالترتیب جواہر لال ، پنڈت کیسری پرشاد اور شیو نارائن کے سپرد تھی ۔

لکھنؤ کے اخبار

لکھنؤ میں چھاپے خانے تو عرصے سے قائم تھے ، لیکن غالباً پہلا اخبار ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا ، جس کا نام 'لکھنؤ اخبار' تھا اور اسے لال جی ایڈٹ کیا کرتے تھے ۔ بہر حال لکھنؤ کے دو اخبار اہم تھے ۔ ایک 'طلسم لکھنؤ' اور دوسرا 'سحر سامری' ۔ 'طلسم لکھنؤ' ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا ۔ اس کا ایک پرچہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (دہلی) میں محفوظ ہے ، جو ۱۶ جنوری ۱۸۵۷ء کو نکلا ۔ اس کی جلد ۱ اور نمبر ۲۶ ہے ۔ اس اخبار کی عبارت عموماً مقفیٰ ہوتی تھی ۔ صفحۂ اول پر لکھنؤ کے عنوان سے جو خبر دی گئی اس کا اقتباس ملاحظہ ہو ۔ اس سے ایک طرف اسلوب نگارش کا اندازہ ہو سکتا ہے ، دوسری طرف الحاق اودھ کے بعد لکھنؤ کے حالات کا علم بھی ہو سکتا ہے :

"لکھنؤ میں سینچر آیا ہے ۔ چوروں نے ہنگامہ مچایا ہے ۔ جو سانحہ ہے ، عجائب ہے ، آنکھ جھپکی ۔ پگڑی غائب ہے ۔

شعر

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھام لو دستار

کوئی بے چارے سید خلیل احمد نام تھا ۔ جن دنوں دور سلطنت تھا ، ان کا اعزاز و اکرام تھا ۔ ملازم بادشاہ تھے ، ترقی خواہ تھے ۔

جس دن سے سلطنت نہ رہی، شہر بگڑا۔ چوری کی بن آئی۔ کسی میں حالت نہ رہی۔ دارا نام کوئی نوکر قدیم تھا۔ سب کاموں کا اُس پر دارومدار تھا۔ مدت کا نمک خوار تھا۔ باوجود یکہ دروازے پر تھانہ تھا، لیکن قسمت کی گردش سے اُن کا مال چوری جانا تھا۔ ایک دن وہ کئی چور حرام خور اپنے ساتھ لایا۔ جو کچھ بکنے سے باقی تھا، وہ سب اٹھایا۔ کچھ پشمینہ کپڑے، سب کتابیں۔ ایک گھڑی بہت خوب تھی۔ ہر ساعت دل بہلاتا تھا۔ مرغوب تھی۔ بہ قول مشہور نوکر قدیم تھا۔ گھر میں جھاڑو دے گیا۔ تنکا نہ چھوڑا۔ چن کر سب کچھ لے گیا۔ دریں ولا یہ رسم ہے کہ چور مال چرا کر کہتا ہے کہ یہ مشقت شب کا مزد ہے اور جس کا مال گیا، وہ اُلٹا سیدھا، بہرکیف دزد ہے۔ آبرو کے خوف سے دم نہ مارا۔ اُف نہ کیا......اسی اندھیر پر ایک مثل یاد آئی ہے کہ اندھے کی جورو کا خدا رکھوالا ہے......اس نا بینائی پر یہ حکومت اندھیر ہے۔ صاف اندھے کے ہاتھ میں بٹیر ہے۔ روز باتیں عجائب ہوتی ہیں ......۔" [۱۶ جنوری ۱۸۵۷ء]

'سحر سامری' نومبر ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ اس کا انداز تحریر بھی وہی مقفیٰ انداز تھا جو لکھنؤ میں خصوصیت سے پسند کیا جاتا تھا۔ ۱۵ دسمبر ۱۸۵۶ء کے شمارے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ان دنوں غلہ کی گرانی ہے۔ گرانئ خاطر کی ارزانی ہے۔ اس قدر مہنگا اناج ہے، آسیائے فلک بھی دانے کو محتاج ہے۔ فاقہ کشوں کی برق آہ شرر بار سے خرمن ماہ جل گیا، گروہ نان خورشید لشکر غم کے پاؤں کے نیچے کچل گیا۔ جور فاقہ سے افاقت نہیں، بے معاشی نے ہر قماش کے آدمی کا اطمینان کھو دیا۔ جس نادان و دانا نے حال بربادی سنا، رو دیا۔ ایک تو معاش نہیں، جائے تلاش نہیں۔ دوسرے وفور غم سے گندمی رنگ ہر بشر نیلا ہوا، گویا مفلسی میں آٹا گیلا ہوا۔-۔-۔-۔ حاکم اس طرف عنان توجہ پھیرتا نہیں۔ بس کیا کریں کہ اکیلا چنا بھاڑ پھوڑتا نہیں۔" [۱۵ دسمبر ۵۶ء]

ان دو کے علاوہ لکھنؤ سے ایک اخبار 'مخزن الاخبار' کے نام سے بھی ۱۸۵۶ء ہی میں جاری ہوا تھا۔

شمالی ہند کے دوسرے شہروں میں بھی اخبار موجود تھے۔ مثلاً بنارس میں 'سدھاکر اخبار'، 'بنارس اخبار'، 'بنارس گزٹ'، 'باغ و بہار'، 'زائرین ہند'۔ بمبئی میں 'مفتاح الاخبار'، 'جام جمشید' اور 'جام جہاں نما'۔ بریلی میں 'عمدۃ الاخبار'، علی گڑھ سے 'فتح الاخبار' وغیرہ۔

مدراس کے اخبار

'انیسویں صدی میں مدراس کے اردو اخبار' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد عبدالحق نے اپریل ۱۹۳۱ء کے سہ ماہی 'اردو' میں جو مقالہ لکھا، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ مدراس کا پہلا اخبار 'اعظم الاخبار' تھا جو ۱۸۴۸ء میں جاری ہوا۔ اس کے صفحہ اول پر اکثر فورٹ سینٹ جارج گزٹ کے اعلانات طبع ہوتے تھے۔ اخبار کے بارے میں معلومات مقفیٰ انداز میں بیان ہوتی تھیں، مثلاً

''اعظم الاخبار، پنج شنبہ روز اشتہار، قیمت یک روپیہ ماہوار، پیشگی دس روپیہ، سال کو یک بار، محصول ڈاک، ذمہ خریدار۔''

ڈاکٹر موصوف رقم طراز ہیں: 'اخبار کا نام غالباً نواب غلام غوث خاں بہادر متخلص بہ اعظم، بانیٔ مدرسۂ اعظم، مدراس کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے تھا۔ پہلے پہل اردو اخبارات کے اجراء سے مقصد شاید یہی تھا کہ نوابوں اور رئیسوں سے بہ ذریعہ خوشامد تحصیل زر کی صورت نکل آئے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر قدیم اخبارات اپنی قیمتیں متفاوت مقرر کیا کرتے تھے۔ اعظم الاخبار کا جو نمبر میرے پیش نظر ہے وہ ۶ محرم ۱۲۶۶ ہجری مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۴۹ء کا ہے۔ اس میں مقامی کیفیتیں درج ہیں۔ اس کے علاوہ حیدر آباد، جالنہ، گوا، بمبئی اور ملتان کے متعلق خبریں مندرج

ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فارسی اور عربی ترکیبیں زیادہ ہیں ۔ سول اور ملٹری کے لیے اہل قلم اور اہل شمشیر یا شمشیر بند کی اصطلاح مستعمل ہے ۔ ذیل میں چند جملے درج کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ عربی اور فارسی ترکیبیں بہ کثرت استعمال کی گئی ہیں :

''ان کی موت کی تفصیل ہنوز کما ینبغی معلوم نہیں ہوئی ۔''

''شاید کہ جنون زدہ ہوا ہو ۔ لوگوں پر ہنوز کچھ حقیقت اس کی مکشوف نہیں ہوئی ۔ گاڑی بانوں کے اہتمام و سعی سے یہ آتش فرو ہوئی ۔''

۱۸۴۹ء میں ایک اخبار 'آفتاب عالم تاب' کے نام سے نکلتا تھا ۔ اس کی خبروں کا حوالہ دہلی کے اخبار 'فوائد الناظرین' میں ملتا ہے ۔ غالباً اسی سال 'تیسیر الاخبار' نکلا ۔ اس کی ادارت حکیم عبدالباسط عشق کے سپرد تھی ، جو عربی ، فارسی اور اردو کے عالم تھے ۔ انگریزی بھی جانتے تھے ۔ شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا ۔ 'اعظم الاخبار' کی طرح اس کے بھی صفحۂ اول پر فورٹ سینٹ جارج گزٹ کے اعلانات درج ہوتے تھے ۔ اس صفحے پر آزادیٔ صحافت کے بارے میں یہ سطور مستقل طور پر درج ہوتی تھیں :

''سوانح نگاروں کی حق بیانی اور راست قلمی کو کسی قسم کا اندیشہ سنگ راہ نہ ہونے کے واسطے ، حکام وقت کے یہاں سے رتبہ آزادی کا ملا ہے ، تا اس دولت غیر مترقب کی قدر کر کے بندۂ خوشامد گو عبد الدرہم و الدنیا نہ رہیں ۔

مخبر آزاد ہیں سخن کے بیچ
سوسن و سرو چمن کے بیچ''

اس اخبار کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی قیمت بہت کم ، یعنی پانچ پیسے فی پرچہ تھی ، لیکن اس کے باوجود اس کی اشاعت نہ بڑھی اور یہ بہت جلد بند ہو گیا ۔

۱۸۵۶ء میں محمد خواجہ بادشاہ عبرت نے 'مظہر الاخبار' جاری کیا ۔

ابتداء میں یہ ہر دس روز کے بعد نکلتا تھا ۔ پھر ہفت روزہ ہو گیا ۔ غالباً ۱۸۵۰ء میں 'طلسم حیرت' (مدراس پنچ) جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر غلام محی الدین حنیف تھے اور یہ اخبار بھی ہر دس روز کے بعد نکلتا تھا ۔ اس کے علاوہ مدراس سے 'جامع الاخبار' بھی جاری تھا ۔ اس کے مدیر سید رحمت اللہ تھے ۔

دسواں باب

علمی اور ادبی صحافت

برصغیر پاک و ہند میں صحافت کا مقصد صرف یہ نہیں رہا کہ وہ قارئین تک خبریں پہنچائے اور انہیں ان کے پس منظر سے آگاہ کرے۔ صحافت کا ایک بڑا مقصد یہ بھی رہا ہے کہ وہ لوگوں میں علم کو فروغ دے اور چوں کہ ہماری مطبوعہ صحافت برطانوی دور اقتدار کی پیداوار تھی، اس لیے فروغ علم سے مراد یہ تھی کہ قارئین کو مغربی علوم اور سائنس کی ترقیات سے آشنا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر اخبار میں خبروں کے علاوہ مضامین بھی چھپتے رہے ہیں۔ بہرحال جب اخباروں میں 'خبریت' زیادہ بڑھی، تو یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ علمی اور ادبی صحافت بھی معرض وجود میں آئے۔ حکم ران طبقے کی خواہش بھی یہی تھی۔ اگرچہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح اہل دانش کو مغربی افکار کے سانچے میں ڈھالا جائے اور ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو میکالے کے قول کے مطابق "رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر فکر و مذاق اور دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز ہو۔" یہ کہنا تو غیر صحیح ہوگا کہ ہماری علمی اور ادبی صحافت نے یہ رول ادا کیا۔ لیکن اتنا واضح ہے کہ ہماری علمی و ادبی صحافت نے پڑھے لکھے طبقے میں مغربی علوم کے لیے ایک ذوق ضرور پیدا کر دیا۔

اس انداز کی صحافت مسیحی مشنریوں نے شروع کی۔ ان کے اخباروں میں عموماً تبلیغی مواد کے ساتھ ساتھ علمی، تاریخی اور جغرافیائی مضامین چھپتے تھے۔ لیکن ایک منظم تحریک کی صورت میں اس کا آغاز

'خیر خواہ ہند' سے ہوا ، جو اردو کا پہلا رسالہ تھا ۔ یہ رسالہ ۱۸۳۷ء میں مرزا پور سے پادری آر ۔ سی ۔ ماتھر کی ادارت میں نکلا ۔ اس میں فارسی اور رومن رسم الخط میں مضامین چھاپے جاتے تھے ، لیکن زبان اردو ہوتی تھی ۔ چند سال بعد رسالہ بند ہو گیا اور ۱۸۶۱ء میں اس کا احیاء ہوا اور یہ ناگری اور فارسی رسم الخط میں شائع ہونے لگا ۔ ۱۸۶۰ء میں 'خیر خواہ ہند' کے دور اول میں چھپے ہوئے معلوماتی مضامین کے دو مجموعے شائع ہوئے ۔ ایک کا نام 'منتخب العلم' تھا اور ایک کا 'مفرح القلوب' ۔ امداد صابری کے بیان کے مطابق ان کتابوں میں بھاپ کی کلوں ، دخانی جہازوں ، انگلستان کی آہنی سڑکوں ، سرنگوں ، چھاپہ خانوں ، لیتھو طریق طباعت اور مختلف ممالک کے پرانے باشندوں کے حالات پر مضامین شامل ہیں ۔ لیتھو طریق طباعت پر مضمون میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایجاد ض اتفاق سے ہو گئی ۔ ایک شخص سینے فیلڈ افلاس کی وجہ سے اپنی تصانیف مروجہ طریق طباعت سے چھپوا نہ سکا ، اس لیے اور طرح سے چھاپنے کی تدبیر کرنے لگا :

''تانبے کے ایک پتر کو برابر کر کے روشنائی ، صابن ، موم اور کاجل سے بنا کر اس پر لکھنے لگا ۔ جب یہ سیاہی سوکھ گئی ، تو ایسی سخت ہو گئی کہ شورے کا تیزاب بھی اس میں اثر نہ کر سکتا ۔ مگر تانبا بڑا مہنگا تھا ۔ اس لیے کفایت کے واسطے اُس نے پتھر پر لکھنے کی تدبیر کی ۔ اتفاقاً اس کو قسم مذکور کا پتھر ، جو سیاہی جذب کر لیتا ہے ، ملا اور صیقل کر کے اس پر لکھنے لگا ۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ اُس کی والدہ نے اس کو دھوبی کا حساب لکھنے کو کہا ۔ مگر چوں کہ اس وقت کاغذ موجود نہ تھا ، اس واسطے صاحب مذکور نے اپنی بنائی ہوئی روشنائی سے اس پتھر پر لکھ لیا ، اس خیال سے کہ فرصت کے وقت کاغذ پر لکھ لیں گے ۔ آخرکار جب اس لکھے ہوئے کو مٹانے لگا تب اس کو یہ خیال آیا کہ اس کے نقشے اور بھی اتر سکتے ہیں یا نہیں ۔ چناں چہ اُس نے تیزاب لگایا اور اس کے بعد چھاپے کی روشنائی لکھے ہوئے حرفوں پر بیلن سے پھیلائی تو دیکھا کہ نقلیں

صاف اُترتی ہیں ... مگر اُلٹا لکھنا مشکل تھا اور اس سبب سے گوند کے کاغذ پر لکھنے کی ایجاد ہوئی۔ پھر اُس نے معلوم کیا کہ صابن کی نشانیاں پتھر پر جذب ہو جاتی ہیں اس لیے چکنائی کے قلم سے تصویر کھینچنے کی ایجاد ہوئی۔"

اردو میں علمی اور ادبی صحافت کے تین بڑے مرکز تھے۔ دھلی، لاھور اور آگرہ اور ان تینوں مقامات پر اسے سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ دھلی میں علمی اور ادبی رسالے اور اخبار دھلی کالج کے اہتمام میں چھپتے تھے اور آگرہ میں آگرہ کالج کے زیر اہتمام۔ چوں کہ آگرہ کے جرائد میں 'خبریت' زیادہ تھی، اس لیے ہم ان کا ذکر گزشتہ باب میں کرچکے ہیں۔ لاھور میں علمی صحافت کا آغاز نجی سرمائے سے ھوا، لیکن حکومت نے امداد دی۔ اگرچہ اُس وقت تک کوئی کالج قائم نہیں ھوا تھا۔ اس باب میں ہم پہلے دھلی کے رسائل کا جائزہ لیں گے، پھر لاھور کے رسائل کا، اُس کے بعد قانونی رسائل اور گل دستوں کا مختصر ذکر کریں گے۔

دھلی کے رسائل

دھلی کالج کے پرنسپل مسٹر شپرانگر نے ۱۸۴۵ء میں 'قران السعدین' کے نام سے ایک علمی ھفت روزہ جاری کیا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی وساطت سے مسٹر شپرانگر کی ایک کتاب سے متعلقہ اقتباس درج کیا جاتا ھے:

"۱۸۴۵ء میں میں نے دلی میں پینی میگزین کی طرز پر ایک باتصویر مؤقت رسالے کی بناء ڈالی۔ اس کا نام قران السعدین تھا۔ گویا مشرق اور مغرب مشتری اور زھرہ تھے۔ جن کا قران اس رسالے میں ھوا تھا۔ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش تھی۔ گیارہ برس بعد جب میں ھندوستان سے رخصت ھوا، تو یہ دیکھ کر مجھے خوشی ھو رھی تھی کہ اس کی تقلید میں بارہ سے زیادہ رسالے نکل رہے تھے۔
[دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، صفحہ ۱۳۶]۔

گارساں دتاسی لکھتا ھے کہ قران السعدین

''ایک باتصویر اخبار ھے ، جس میں سائنس ، ادب اور سیاست سے بحث ھوتی ھے - اس کا مقصد اپنے ھم وطنوں میں مغربی خیالات کی اشاعت ھے -''

اس اخبار کے مدیر دھلی کالج کے شعبۂ انگریزی کے سینئر سکالر پنڈت دھرم نارائن تھے - انھیں شعر و شاعری کا ذوق تھا - مولانا صہبائی کے شاگرد تھے - بعد میں انگریزوں کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا - چناں چہ رائے بہادر اور سی - ایس - آئی کے خطاب پائے -

دھلی کالج کی مطبوعات چار تھیں ایک ھفت روزہ 'قران السعدین' اور تین رسالے ، 'فوائد الناظرین' ، 'محب ھند' اور 'تحفة الحدائق' - ان مطبوعات کی نگرانی کے لیے یہ طریق کار مقرر تھا :

''عربی کے شعبہ میں جو مولوی مقرر تھے آن کے سپرد یہ کام ھوا کہ وہ ان رسائل میں شائع ھونے والے سارے مواد کی جانچ پڑتال کریں اور وہ مجاز تھے کہ جس مضمون یا اطلاع کو قابل اعتراض سمجھتے ، اسے حذف کر دیتے - طباعت کے بعد اخبار کی ایک کاپی لوکل کمیٹی کے ممبر مسٹر جے - پی - گبنز (Gubbins) کو بھیجی جاتی تھی اور تینوں رسالوں کی ایک ایک کاپی کمیٹی کے سیکرٹری مسٹر ٹیلر کی خدمت میں روانہ کر دی جاتی تھی -''

[نٹ راجن ، صفحہ ۵۰]

'فوائد الناظرین' اور 'محب ھند' کے مدیر ماسٹر رام چندر تھے - آپ ریاضی کے مشہور عالم اور محقق تھے - دھلی کے ایک کائیتھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے - ۱۸۲۱ء میں پیدا ھوئے - بارہ برس کی عمر میں انگریزی مدرسے میں داخل ھوئے - فکر معاش نے مجبور کیا تو محرر ھوگئے ، لیکن طبیعت حصول علم کے لیے بے چین تھی - اس لیے دھلی کالج میں داخل ھوگئے اور وھاں اپنی قابلیت کی وجہ سے اعلیٰ وظیفہ پایا - تین سال کی تعلیم کے بعد اسی کالج میں مدرس ھوگئے - ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ھوئی تو اس کے لیے اردو میں الجبرا

اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں - ۱۸۵۴ء میں آپ نے ہندو مذہب کو ترک کیا اور عیسائی مذہب قبول کر لیا، جس پر آپ کے خلاف بہت لے دے ہوئی اور اعزۂ و اقارب اور برادری نے مقاطعہ کر دیا - آپ کی دو کتابوں کی شہرت انگلستان تک پہنچی اور ایک کتاب کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ایک خلعت پنج پارچہ اور دو ہزار روپیہ نقد عطا کیا - غدر کے دوران میں چھپ چھپا کر زندگی بسر کی - بعد میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا -

فوائد الناظرین

ماسٹر رام چندر نے ۱۸۴۵ء میں 'فوائد الناظرین' کے نام سے ایک پندرہ روزہ علمی اخبار جاری کیا اور جب محسوس کیا کہ اس میں خبریں بھی چھاپنی چاہئیں تو خبریں بھی شامل کر دیں، لیکن اخبار کا علمی رنگ قائم رہا - عتیق صدیقی نے ۱۸۴۸ء کے ایک شمارے کا تجزیہ کیا ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شمارے میں کل چار ہزار چھ سو سینتیس الفاظ کا مواد موجود ہے - اس میں تین سو ستر الفاظ کا ایک اشتہار ہے - دو ہزار آٹھ سو اکیس الفاظ پر مشتمل تین مضامین شامل ہیں اور باقی مواد خبروں پر مشتمل ہے - مضامین کے عنوان یہ ہیں: 'کرۂ زمین کا حال، حال آغا محمد شاہ ایران کا اور حال مروارید یعنی موتی کا' - انداز تحریر کا نمونہ پیش کرنے کی غرض سے موخرالذکر مضمون کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

> 'مروارید اور صدف، یعنی سیپی ایک ہی مادے سے پیدا ہوتی ہیں، مگر مروارید کی پیدائش میں رائیں مختلف ہیں - بعضوں کے نزدیک مروارید ایک مادۂ منجمد ہے اور مادہ یا تو گوشت کے اندر یا گوشت کے باہر ملا ہوا باطنی صدف سے اس طرح سے جمع ہو کر منجمد ہوتا ہے کہ بہ ظاہر صدف میں کوئی رخنہ پایا نہیں جاتا اور بعضوں کے نزدیک صدف میں اتفاقیہ یا بہ سبب خراش کیڑوں کے سوراخ ہو جاتا ہے - اس سبب سے جو مادہ کہ جسم جانور

سے صدف کی پیدائش کے واسطے نکلتا ھے، قریب گوشت کے جمع ھو کے موتی بن جاتا ھے۔"

[فوائد الناظرین، ۱۳ نومبر ۱۸۴۸ء]

پنڈت کیفی کی وساطت سے معلوم ھوتا ھے کہ ۵ فروری ۱۸۴۹ء کے شمارے میں گزشتہ برس کے واقعات کی تلخیص ماہ بہ ماہ پیش کی گئی۔ مثال کے طور پر مارچ ۱۸۴۸ء کے واقعات یوں بیان ھوئے:

"پانچویں تاریخ کو بابو بھولا ناتھ اور گوپال چند شہر لندن سے بعد حصول علم طب کے ھندوستان میں داخل ھوئے۔

اٹھارہ تاریخ تمام ولایت فرنگ میں شورش واسطے ریاست جمہوری کے اٹھی اور چند شاھان اس دیار کے اپنی اپنی سلطنت کو استعفیٰ دے کر بھاگ گئے۔" [فوائد الناظرین، ۵ فروری ۱۸۴۹ء]

۳ ستمبر ۱۸۴۹ء کے شمارے میں ولیم شیکسپیر کے حالات شائع کیے گئے اور اس کی تصویر بھی دی گئی۔

'فوائد الناظرین' نے ایک نامہ نگار کا سفر نامہ بالاقساط چھاپا، جس میں اودھ کے بارے میں بے حد دل چسپ معلومات دی گئی تھیں۔ نامہ نگار نے واجد علی شاہ اور اس کے وزیر اعظم کے عیش و عشرت کی کہانی بیان کی۔ لکھنؤ کے معاشرے کی تصویر کھینچی اور مختلف شہروں کے معاشی حالات اور اجناس کے نرخ درج کیے۔ ایک اور نامہ نگار نے کلکتے کی عمارتوں، کالجوں، سیرگاھوں اور پرانے آثار کی تفصیل لکھی۔

'فوائد الناظرین' دی ٹائمز، لندن کے ھفت روزہ ایڈیشن سے نہ صرف مضامین ترجمہ کرتا تھا، بلکہ تصاویر اور نقشے بھی نقل کیا کرتا تھا۔

بہر حال یہ اخبار مقبول نہ ھوا۔ ۱۸۵۰ء میں ماسٹر رام چندر

نے افسوس کا اظہار کیا کہ خریداروں کی اکثریت نے چندے ادا نہیں کیے - انھوں نے لکھا کہ میں نے جان بوجھ کر اس اخبار کی قیمت صرف چار آنے فی پرچہ رکھی تا کہ زیادہ لوگ خرید سکیں - اس قیمت میں مشکل سے کاغذ اور چھپائی کا خرچ نکلتا ہے - میں نے اپنی محنت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا- اس کے باوجود لوگ اشاعت علم میں میری مدد نہیں کرتے - آخر سسک سسک کر اس اخبار نے ۱۸۵۳ء میں جان دے دی - اس وقت قران السعدین بھی آخری دموں پر تھا - اس کی اشاعت صرف چودہ (۱۴) تھی -

محب ہند

یکم ستمبر ۱۸۴۷ء کو ماسٹر رام چندر نے ایک علمی اور ادبی ماہ نامہ جاری کیا - اس کا نام 'خیرخواہ ہند' تھا - جب انھیں معلوم ہوا کہ اس نام کا ایک ماہ نامہ پہلے نکل رہا ہے تو انھوں نے دوسرے شمارے سے اس کا نام 'محب ہند' رکھ دیا - اس رسالے کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے 'فوائد الناظرین' میں لکھا :

''اہل دانش نے اس کی بڑی قدر کی - انشاء اللہ اس میں مضامین مدام ایسے چھپیں گے کہ جو خلقت ہند کو مفید ہوں گے اور تواریخ ہر دیار کی مثل ہندوستان ، فرنگستان ، ایران ، افغانستان وغیرہ کے اور مضامین پند و نصائح درج ہوں گے اور باتیں علم اخلاق اور علم طبعی اور علم ہیئت کی مفصل بیان کی جائیں گی ، تاکہ ہر ایک کی فہمید میں آ سکیں اور حال پارلیمنٹ کا اور تجویزیں اور اصلاحیں حکام انگلستان کی اور عجیب و غریب حالات اور اشعار بڑے بڑے استادوں کے حتی المقدور مع تصویرات ان کی لکھے جائیں گے - اس رسالے میں تصویرات بادشاہوں کے اور نقشہ جات مکانات وغیرہ کے ، جہاں کہیں جیسی تصویریں ضرور ہوں گی ، مندرج ہوں گی - صفحے اس رسالے کے پچاس ہوتے ہیں اور قیمت اس کی روپیہ ماہ واری یعنی فی جلد ایک روپیہ -''

''صاحبان علم و دولت پر واضح ہو کہ یہ رسالہ مثل اور پرچہ اخبارات کے نہ ہوگا کہ بعد دیکھنے کے وہ کچھ کام کا نہیں رہتا ہے بلکہ یہ مثل نایاب کتاب کے رہے گا۔''

[فوائد الناظرین ، ستمبر ۱۸۴۷ء بہ حوالہ سجن لعل]

امداد صابری نے پانچ پرچوں کے مضامین کی فہرست دی ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں یہ مضامین شائع ہوئے: 'تاریخ چین ، تین اقساط میں ، مفصل حال جنگ ہائے جدید ملک پنجاب ، دو قسطوں میں ۔ مختصر حال دمشق اور وہاں کے باشندوں کا ، مختصر حال ملک مصر اور وہاں کے باشندوں کا ۔ مختصر حال بخارا ، مختصر حال تاریخ سندھ ، مختصر حال شہر گور قدیم دارالخلافہ بنگال ، جس کو جنت آباد کہتے ہیں ۔ ذکر سکندر اعظم ، سفر یوسف خان کمل پوش ، بھوتوں پر مضمون ، چار قسطوں میں ۔ شاہ نصیر کی تین غزلیں ۔''

'تحفۃ الحدائق' کا نام نٹ راجن نے دیا ہے ، لیکن اس رسالے کا ذکر اور کہیں نہیں آیا ۔

پنجاب کے رسائل

الحاق پنجاب کے فوراً بعد پنجاب میں اردو صحافت کا آغاز ہو گیا اور دو تین سال کے اندر اندر علمی اور ادبی صحافت بھی شروع ہوگئی۔ ۱۸۵۳ء میں منشی دیوان چند نے 'ہمائے بے بہا' کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ لاہور سے جاری کیا ، جس میں سائنسی اور تعلیمی موضوعات پر مضمون درج ہوتے تھے ۔ یکم جولائی ۱۸۵۴ء کو لاہور سے ماہ نامہ 'معلم ہند' جاری ہوا ۔ اس کی ادارت محمد احسن کلانوری کے سپرد تھی ۔ اس کے ہر شمارے میں بتیس صفحات ہوتے تھے اور یہ ایک تعلیمی رسالہ تھا ۔ ۱۸۵۶ء میں تین رسالے جاری ہوئے: 'خورشید پنجاب' جو مطبع کوہ نور کے زیر اہتمام لاہور سے جاری ہوا ، 'نور علیٰ نور' ، جو 'خورشید پنجاب' کے مقابلے پر منشی دیوان چند نے سیالکوٹ سے نکالا اور 'معلم العلماء' ، جو غالباً ایک مذہبی رسالہ تھا اور سیالکوٹ

سے نکلتا تھا ۔ ان سب میں 'خورشید پنجاب' کا معیار بلند ترین تھا ۔ یہ رسالہ جنوری ۱۸۵۶ء میں شروع ہوا ۔ حسن اتفاق سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس کے پہلے تین پرچے موجود ہیں ، جن سے اس اعلیٰ علمی و ادبی مجلے کے خد و خال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

پہلے شمارے میں "تمہید' کے زیر عنوان 'خورشید پنجاب' کی شان نزول ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

"واجب یہ ہے کہ سب سے پہلے سبب طلوع اور وجہ شیوع اس خورشید پنجاب کا ظاہر کیا جاوے ، جس سے دقیقہ سنجان حقیقت آگاہ کو واضح ہو کہ شیوع اس خورشید سے کیا مقصود ہے اور طلوع اس مہر منیر سے کیا فائدہ مقصود ہے ۔ سو گزارش کیا جاتا ہے کہ غرض اصلی اجرائے اس نسخۂ دل پذیر بہتر از اکسیر سے یہ ہے کہ پنجاب میں جو زبان آردو کا ربط ابھی اچھی طرح نہیں ہوا ہے اور بہ سبب اس کے فی زماننا زبان آردو کو بہ درجۂ غایت اقتدار ہے، دفاتر سرکاری میں بھی اسی کارواج ہے۔ شعر و سخن میں بھی اس کو لطیف کہتے ہیں ، بول چال میں بھی اس کی فصاحت پر توجہ فرماتے ہیں اور دفاتر سرکاری کے عملگان بعض ایسے ہیں کہ تنگئی معاش کے باعث مکتب سے آٹھتے ہی تلاش نوکری میں مصروف ہو گئے اور نوکری بہم پہنچا کر تحصیل آئندہ سے روم ہو رہے ہیں ، یا اکثر لوگ ایسے ہیں کہ مشاہرہ کی کمی سے کتب قیمتی قوانین سرکار اور دیگر علوم و فنون کو خرید نہیں سکتے اور اسی باعث سے ترقئی آئندہ سے مجبور رہتے ہیں ، سو اس میں اکثر ایسے مضامین درج ہوا کریں گے ، جن سے زبان آردو کی ماہیت بوجہ احسن واضح ہوگی اور اس زبان کے شائقوں کو نفع خاطر خواہ بہ آئین بہین حاصل ہوگا اور پنجاب کے شرفاء طالب علموں کو اس سے مدد کافی ملے گی اور عملگان کچہریان سرکاری کو اس کے مطالعہ سے ترقی علوم و فنون ہم کار سر رشتہ ہوگی ، آئین و قانون سے واقفیت

بہم پہنچے گی اور اُن کی طبیعت کو علوم کی طرف توجہ ہوگی ۔''
['خورشید پنجاب' جنوری ، ۱۸۵۶ء] ۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ پنجاب میں اشاعت علوم کا سلسلہ جاری ہونے والا ہے اور یہ مجلہ اسی کو فروغ دینے کے لیے منظر عام پر آیا ہے ۔ پھر علم کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور بھاپ سے چلنے والے سمندری جہاز ، ریلوے ، تار اور ٹیلی فون کی ایجادات اور ان کے فوائد کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں 'خورشید پنجاب' کا لائحہ عمل یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں تہذیب ، اخلاق ، نظام تعلیم ، تہذیب ، رسم و عادات نیک ، بحث علمی ، بحث قانونی ، علم طبعی ، تجارت اور پیدا وار ملک ، عمارات و انہار ، ریاست ، جغرافیہ ، تاریخ اور طلسمات کے موضوعات پر مقالے چھپا کریں گے اور ایسے لطائف و ظرائف بھی درج ہوں گے جن سے دل لگی ہر پیر و برنا متصور ہوگی اور ان کے مطالعہ سے دانش و بینش کو صیقل ہوگا ۔''

'بحث علمی' کے عنوان سے ایک مضمون تین اقساط میں شائع ہوا ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ 'خورشید پنجاب' کا اولین مقصد فروغ علم ہے ۔ پہلی قسط میں علمی ترقی کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ سکھوں کے دور حکومت میں علم کو زوال ہوا ، کیوں کہ حاکم قوم جاہل تھی ۔ برطانوی حکومت سے توقع ہے کہ اس کے عہد میں علم کی اشاعت ہوگی لیکن یہ کام فوراً نہیں ، بہ تدریج ہوگا ۔ مقالہ نگار رقم طراز ہے :

''جو فائدے علم کے ہیں ، وہ سب حاصل ہوں گے ۔ حیثیت لوگوں کی بدل جائے گی یعنی بہتر ہو جائے گی ۔ طبائع لوگوں کی زیادہ لطیف ہو جاویں گی ۔ ربط و ارتباط جملہ باشندگان ملک میں زیادہ تر ہوگا ۔ جو آسائش اور خوشی دنیا میں انسان کے واسطے ہوتی ہے اس میں ترقی ہوگی ۔ صورت ملک کی بدل جائے گی ۔ جنگل باغ ، باغ رشک باغ ارم بن جاویں گے ۔ طریق بسر اوقات اور زندگی بہتر ہو جاوے گا ۔ آزادی طبیعت میں زیادہ ہوگی ۔

غرض کہ ایک انقلاب ایسا ہوگا کہ صورت اور سیرت دونوں
بدل جاویں گی ۔ اس تحریر سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب
انقلاب دو چار برس میں ہو جاوے گا ۔ زمانۂ دراز گزرنے کے
بعد یہ سب باتیں ہوویں گی ۔''
[جلد ۱۔ نمبر ۲ ۔ فروری ۱۸۵۶ء صفحہ نمبر ۲۳] ۔

نظام تعلیم پر ایک مقالہ بہ عنوان 'طریق تعلیم' درج ہے ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مکتبوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ معاش میں مددگار ثابت ہوتی ہے نہ بہتر انسان بناتی ہے ، نہ علوم شریفہ یعنی ریاضی ، طبیعیات اور جغرافیہ سے متعارف کر کے طلبہ کو معاشرے کے لیے مفید تر بناتی ہے ۔ مقالہ نگار نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو نہ مختلف ممالک کا محل وقوع معلوم ہے اور نہ یہ پتہ ہے کہ زمین متحرک ہے اور سورج ساکن ۔ سنسکرت اور عربی علمی زبانیں ہیں ۔ لیکن آن کے ادب کے سوتے خشک ہو چکے ہیں اور ان میں معلوماتی کتابیں موجود ہی نہیں ۔ بنگالی ، کشمیری اور ہندی محدود علاقوں میں رائج ہیں ۔ فارسی مکتبوں میں دس پندرہ برس کی محنت کے بعد بھی طالب علم کو سوائے قصے کہانیوں کے اور کچھ یاد نہیں ہوتا ۔ اس کے بعد لکھا ہے :

'اندیشہ ہے کہ بعض لوگ اس مضمون کو پڑھ کر خیال کریں گے کہ مدعا ہمارا تعریف علم انگریزی سے ہے ۔ سو واضح ہو کہ ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ سب انگریزی پڑھیں ۔ انگریزی زبان سیکھنے میں ہت تضیع اوقات ہوتی ہے ، یعنی غیر زبان کا علم حاصل کرنا پڑتا ہے اور یہ کام آسان نہیں ۔ بلکہ غرض ہماری صرف یہ ہے کہ کسی زبان میں تعلیم ہو ، طریقہ اس کا اچھا چاہیے ۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اپنی دیسی زبان میں تعلیم ہو اور اس کام کے واسطے زبان آردو سب سے افضل ہے ۔ مگر طریقہ تعلیم کا ایسا چاہیے کہ جس میں تضیع اوقات کم ہو اور

تھوڑے عرصہ میں بہت سے علوم اور فنون حاصل ہو جائیں۔''
[جلد ۱ نمبر ۱ ، جنوری ۱۸۵۶ء صفحہ نمبر ۳۲]۔

اس مضمون کے آخر میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ مکتبوں میں یوسف زلیخا ، محمود نامہ اور بہار دانش جیسی فارسی کتابیں پڑھانے کی جگہ اردو کی وہ درسی کتابیں رائج کی جائیں جو حکومت اضلاع مغربی نے آگرے میں چھپوائی ہیں۔

'خورشید پنجاب' میں یوں تو اخلاقی ، علمی ، تاریخی اور جغرافیائی اور مختلف النوع موضوعات سے تعلق رکھنے والے مضامین جگہ پاتے تھے لیکن سائنسی موضوعات پر مقالات اس مجلے کا طرۂ امتیاز تھے۔ ان کی زبان سادہ اور انداز بیان سلیس ہے ، مثلاً کرۂ ہوائی میں ہوا کا دباؤ ، موسموں کی تبدیلی ، بارش وغیرہ کا حال بڑا دل چسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بیان کی خوب صورتی کہیں بھی صحت معلومات پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں تار برق کا سلسلہ وسیع پیمانے پر ۱۸۵۴ء میں شروع ہوا ، جب آگرہ سے بمبئی تک آٹھ سو میل کے فاصلے میں اور کلکتہ سے پشاور تک سولہ سو میل کی دوری میں برق تار کا نظام جاری ہوا۔ ان دنوں عوام اسے ڈاک بجلی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ چناں چہ ڈاک بجلی پر 'خورشید پنجاب' کے دوسرے شمارے میں ایک باتصویر مقالہ شائع ہوا۔ تصاویر اور خاکے لیتھو پر بنے ہوئے ہیں ، لیکن نہایت صفائی سے اور خاکوں کے خطوط نہایت واضح ہیں۔ اس مقالے کی دوسری قسط مارچ کے شمارے میں درج ہے اور موضوع کی مزید وضاحت کے لیے اس پر ایک صاحب قاضی صفدر علی کا بھی ایک مضمون دے دیا گیا ہے جو انھوں نے آگرہ میں ایک ہزار کے اجتماع میں پڑھا تھا۔ اس مقالے میں بھی خاکے موجود ہیں۔ فروری کے شمارے میں پھٹکری پر ایک معلوماتی مضمون درج ہے ، جس کے ساتھ پھٹکری کے کارخانے کا ایک صاف ستھرا خاکہ بھی دیا گیا ہے۔

'خورشید پنجاب' کا سائز 'لیل و نہار' کے برابر تھا۔ ہر شمارے میں اڑتالیس صفحات ہوتے تھے۔ سر ورق کے چار صفحات اس کے علاوہ

تھے۔ گویا ہر شمارہ باون صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ چار روپے تھا ، جو اس وقت کے اخبارات کی قیمتوں کے مقابلے پر بہت کم تھا ۔ اس رسالے کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ کتنا عرصہ جاری رہا ۔ غالباً اس کی زندگی مختصر ہی رہی ، کیوں کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران میں یہ رسالہ زندہ نہیں تھا ۔

گل دستے

'گل دستہ' کی اصطلاح اُن رسالوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن کا واحد مقصد یہ ہو کہ وہ شعر و شاعری کو فروغ دیں گے ۔ اردو کا پہلا گل دستہ 'گل رعنا' تھا ، جو ۱۸۴۵ء میں دھلی سے مولوی کریم الدین نے نکالا ۔ اس رسالے کو 'ھندوستان کا اولین اردو رسالہ' قرار دیتے ہوئے مولوی عبدالرزاق راشد لکھتے ھیں کہ مولوی کریم‌الدین نے ۱۸۴۵ء میں "اپنے مکان پر ایک مشاعرے کا اعلان کیا تھا اور مہینے یا ہر دو ہفتے کے بعد مشاعرہ منعقد ہوتا تھا اور انھیں مشاعروں کا کلام گل رعنا میں چھپتا تھا ۔"

۱۸۴۸ء میں آگرہ سے 'معیار الشعراء' جاری ھوا ۔ اس کے مہتمم مولوی ابوالحسن تھے ، جو مدرسۂ آگرہ میں مدرس فارسی کے عہدے پر فائز تھے ۔ مرزا غالب کے ایک مکتوب سے معلوم ھوتا ھے کہ شیو نارائن آرام 'معیار الشعراء' کے مالک یا مدیر تھے ۔ اُدھر گارساں دتاسی اپنے ۱۸۵۲ء کے خطبے میں بیان کرتا ھے کہ معیار الشعراء قدیم و جدید شعراء کا کلام ھے ، جو آگرہ سے منشی قمرالدین قمر اور گلاب خان ھفتے میں دو بار نکالتے تھے ۔ معلوم ھوتا ھے کہ ابتداء میں معیارالشعراء کی ادارت منشی ابوالحسن اور منشی شیو نارائن آرام کے پاس تھی اور بعد میں منشی قمرالدین قمر اور گلاب خان نے اس کا انتظام سنبھال لیا ۔

امداد صابری کے بیان کے مطابق ۱۸۴۹ء میں بنارس سے ایک گل دستہ 'گل زار ھمیشہ بہار' کے نام سے جاری ھوا ۔ اس نام سے ایک

مطبع موجود تھا ، جہاں سے ایک ماہانہ رسالہ 'مراۃ العلوم' کے نام سے نکلا کرتا تھا ۔

قانونی رسائل

قانونی معلومات یوں تو عام اخباروں میں بھی چھپا کرتی تھیں ، لیکن ان کے لیے بھی الگ رسائل موجود تھے ۔ نومبر ۱۸۴۶ء میں دھلی سے 'فوائد الشائقین' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری ہوا ، جس میں دیوانی اور فوج داری قوانین اور مال کے ضوابط بالالتزام چھپا کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ آگرہ اور کلکتہ کی برطانوی عدالتوں کے اہم فیصلوں کے تراجم دیے جاتے تھے ۔ قارئین بھی قانونی معاملات کے بارے میں جو سوال پوچھتے تھے ، اُن کے جواب شائع کیے جاتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں آگرہ سے ایک ماہ نامہ 'معدن القوانین' کے نام سے جاری ہوا ۔ یہ بتیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ اس میں بھی مقدمات کے فیصلے درج کیے جاتے تھے اور قارئین کو قانونی مشورے دیے جاتے تھے ۔

طبی رسائل

گارساں دتاسی کا بیان ہے کہ پشاور سے 'اخبار طبابت' کے نام سے ایک ماہانہ طبی رسالہ جاری ہوا ، جس میں ہندو ویدوں اور مسلمان طبیبوں کے طب کے موضوع پر مضامین درج کیے جاتے تھے اور جراحی پر بھی معلومات دی جاتی تھیں (خطبات ، صفحہ ۲۷۵) ۔ لیکن اس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہوا ۔ اسی طرح 'بحر حکمت' کی تاریخ غیر یقینی ہے ، اس کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنی فرانسیسی کتاب میں کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ماہانہ طبی رسالہ تھا ، جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اور جس کی ادارت منشی جمنا پرشاد اور گوری شنکر کے سپرد تھی ۔

گیارھواں باب

۱۸۵۷ء سے پہلے اردو صحافت کے نمایاں پہلو

اردو صحافت اور علمی و ادبی صحافت کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نمایاں پہلو معین کر لیے جائیں۔ اس سلسلے میں ہم ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے:

الف ۔ اردو اخباروں کی اشاعت کا کیا حال تھا ؟

ب ۔ اردو اخباروں کی ادارت اور طباعت وغیرہ کے اخراجات کی کیفیت کیا تھی ؟

ج ۔ کس قسم کی خبریں درج کی جاتی تھیں ؟

د ۔ خبروں کے ذرائع کیا تھے ؟

ہ ۔ کیا اردو صحافت رائے عامہ کی ترجمانی کرتی تھی ؟

و ۔ اردو صحافت کس حد تک آزاد تھی ؟

اشاعت

اخبارات کی اشاعت کے بارے میں اعداد و شمار نہایت نامکمل ملتے ہیں ، لیکن اس سلسلے میں یہ امر باعث اطمینان ہے کہ فارسی اور اردو اخباروں میں جو نمایاں تھے ان کی اشاعت کے اعداد و شمار سرکاری رپورٹوں اور دوسرے ذرائع کی چھان بین سے

حاصل ہو گئے ہیں اور ان سے باقی اخباروں کی اشاعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۲۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق فارسی کے اخبار 'جام جہاں نما' کی اشاعت صرف چھبیس تھی، لیکن اس میں وہ پرچے شامل نہیں جو مقامی طور پر تقسیم ہوتے تھے۔ 'اخبار سی رام پور' کی اشاعت ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سے کچھ اوپر تھی، لیکن یہ سارے پرچے حکومت خریدا کرتی تھی اور جب سرکاری خریداری بند ہوئی تو اخبار بھی بند ہو گیا۔ 'زبدۃ الاخبار' (آگرہ) کے بارے میں اندازہ ہے کہ اس کی اشاعت ایک سو چالیس تھی، جو اُس زمانے کے لحاظ سے (یعنی ۱۸۳۴ء میں) بہت زیادہ تھی۔ دہلی کے فارسی اخبار 'سراج الاخبار' کی اشاعت صرف چونتیس (۳۴) تھی، لیکن یہ آزاد اخبار نہیں تھا، اسے قلعۂ معلیٰ سے شائع کیا جاتا تھا۔

۱۸۳۶ء میں میکالے نے صحافت پر جو یادداشت مرتب کی، اُس میں اس رائے کا اظہار کیا کہ عام لوگوں میں دیسی زبانوں کی مطبوعہ صحافت کا اتنا اثر نہیں جتنا قلمی صحافت کا ہے۔ اُس کے بیان کے مطابق سارے* ہندوستان میں دیسی زبانوں میں نکلنے والے جملہ مطبوعہ اخباروں کے صرف تین سو پرچے ڈاک کے ذریعے سے بھیجے جاتے تھے۔ اس کے مقابلے پر پیشہ ور وقائع نگاروں کے مرتب کیے ہوئے قلمی اخبارات کی اشاعت کا کچھ شمار ہی نہیں تھا۔ ہر کچہری اور ہر دربار کے باہر وقائع نگار منڈلاتے رہتے تھے۔ صرف دہلی قلعۂ معلیٰ اور ریذیڈنسی میں بیس اور تیس کے درمیان پیشہ ور وقائع نگار خبروں کی تلاش میں مصروف رہتے تھے۔ میکالے کے اندازے کے مطابق صرف دہلی سے ہر روز ایک سو بیس قلمی اخبار بہ ذریعہ ڈاک باہر بھیجے جاتے تھے۔ ان حقائق کے پیش نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ۱۸۳۶ء تک ہندوستان بھر میں قلمی اخباروں کی اشاعت اگر مطبوعہ اخبارات سے زیادہ نہیں، تو کم بھی نہیں ہوگی اور مطبوعہ صحافت کا زور اُس وقت بڑھا جب چارلس مٹکاف کے عہد میں صحافت کو آزادی حاصل ہوئی اور تین چار سال کے اندر اندر برعظیم کے گوشے گوشے

میں بے شمار اخبار نکل آئے۔ ان اخبارات میں بعض کی اشاعتیں معلوم ہیں۔ اس کا گوشوارہ ملاحظہ ہو:

اخبار	شہر	اشاعت	سال
کوہ نور	لاہور	۲۲۷	۱۸۵۰ء
کوہ نور	لاہور	۳۴۹	۱۸۵۴ء
دریائے نور	لاہور	۱۰۰ سے زیادہ	۱۸۵۰ء
دہلی اردو اخبار	دہلی	۶۹	۱۸۴۴ء
دہلی اردو اخبار	دہلی	۷۹	۱۸۴۸ء
سید الاخبار	دہلی	۵۰	۱۸۴۴ء
سید الاخبار	دہلی	۲۷	۱۸۴۸ء
صادق الاخبار	دہلی	۲۰۰	۱۸۵۷ء
فوائد الشائقین	دہلی	۱۱۰	۱۸۵۰ء
قران السعدین	دہلی	۱۴	۱۸۵۳ء
شملہ اخبار	شملہ	۶۶	۱۸۵۰ء
قطب الاخبار	آگرہ	۴۲	۱۸۵۰ء
اخبار النواح	آگرہ	۴۳	۱۸۵۰ء
نور الابصار	آگرہ	۲۴۴	۱۸۵۰ء
سدھاکر	بنارس	۷۴	۱۸۵۰ء
بنارس اخبار	بنارس	۴۴	۱۸۴۹ء
بنارس اخبار	بنارس	۲۶	۱۸۵۰ء
بنارس گزٹ	بنارس	۲۶	۱۸۵۰ء
باغ و بہار	بنارس	۴۰	۱۸۵۰ء
زائرین ہند	بنارس	۷۵	۱۸۵۰ء
مفتاح الاخبار	میرٹھ	۶۸	۱۸۵۰ء
جام جمشید	میرٹھ	۱۰۰	۱۸۴۷ء
مالوہ اخبار	اندور	۱۰۸	۱۸۵۰ء

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ 'کوہ نور' (لاہور) سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار تھا۔ دہلی کے اخبارات کی اشاعت

بے حد کم تھی ۔ 'صادق الاخبار' کی اشاعت (۱۸۵۷ء کی ہے ، جب یہ باغی اخبار) تھا اور عوام میں ہردلعزیز تھا ، ورنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اخبارات کی اشاعت معمولی تھی ۔ آگرہ میں 'نور الابصار' کی اشاعت ۲۴۴ تھی ، لیکن اس میں سے دو سو پرچے حکومت خریدتی تھی ، گویا اصل اشاعت چوالیس ہی تھی ۔

اشاعتیں محدود ہونے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ صحافت ایک نئی چیز تھی ۔ لوگ اس کی ضرورت کو ابھی سمجھنے نہ پائے تھے اور اخبار بینی کا ذوق پیدا نہیں ہوا تھا ۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تعلیم عام نہیں تھی ۔ لیکن بڑی وجہ یہ تھی کہ اخبار کی قیمت زیادہ تھی ۔ مثلاً فارسی اخبارات کو لیجئے ۔ لدھیانہ اخبار کی قیمت بارہ آنے فی پرچہ تھی ۔ 'جام جہاں نما' کے فارسی ایڈیشن کی آٹھ آنے اور اردو ایڈیشن کی چار آنے ۔ 'سلطان الاخبار' اور 'شمس الاخبار' کی آٹھ آٹھ آنے ۔ اردو اخباروں میں سب سے زیادہ قیمت 'دھلی اردو اخبار' کی تھی ، اس کا ایک پرچہ آٹھ آنے کو ملتا تھا ۔ باقی اردو اخباروں کی قیمتیں چار آنے سے چھ آنے کے درمیان تھیں ۔ اخبار سٹال پر نہیں بکتے تھے ، صرف خریداروں کو بھیجے جاتے تھے اور کم از کم ماہانہ چندہ وصول کیا جاتا تھا ۔ اس زمانے میں روپے کی قیمت بہت زیادہ تھی ، اس لیے یا تو امراء اخبار خریدتے تھے یا حکومت اخباروں کا چندہ ادا کر کے انھیں بعض مدارس کے نام جاری کرا دیتی تھی ۔ خریداروں میں ایک بڑی تعداد ان انگریز افسروں کی تھی ، جو یا تو علم دوستی کی وجہ سے ، یا اردو زبان میں اپنی لیاقت بڑھانے کی خاطر اخبار خرید لیتے تھے ۔

بہر حال اردو اخبار ان لوگوں کے پاس جاتے تھے ، جو دولت مند ہوتے تھے اور ان کی قوت خرید زیادہ ہوتی تھی ۔ اس لحاظ سے اشتہارات کا کاروبار وسیع ہو سکتا تھا ، لیکن اشتہار دینے کا ذوق بھی بہت محدود تھا ۔ زیادہ تر کتابوں کے اشتہار چھپتے تھے اور ان کے لیے بہت کم رقم لی جاتی تھی ۔ اس لیے اشتہارات کی مد سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ اخبار کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں خاص مدد نہیں دیتی تھی

اور آمدنی کا اصلی ذریعہ خریداری کا چندہ ہی تھا - چندہ بھی باقاعدہ نہیں وصول ہوتا تھا اور اکثر اخبار اس امر کے شاکی تھے کہ لوگ اخبار جاری کرا لیتے ہیں ، لیکن چندہ بھیجنے میں تساہل کرتے ہیں اور بعض اوقات بھیجتے ہی نہیں - کچھ اخبار تو اسی بے قاعدگی کی وجہ سے بند ہو گئے - اس پر اخبارات نے ایک نئی رسم شروع کی - اگر چندہ پیشگی آتا ، تو معمول کے مطابق رقم وصول کی جاتی ، ورنہ دگنی رقم لی جاتی تھی اور اخبار کے سر ورق پر صاف لکھا جاتا تھا کہ پیشگی بھیجنے کی صورت میں چندہ اتنا ہوگا اور بعد میں بھیجنے کی صورت میں اتنا - یہ رسم بعد میں شروع ہوئی کہ عوام سے کم چندہ لیا جائے - رؤسا سے زیادہ اور والیان ریاست سے اس سے بھی زیادہ -

اخراجات

چند اخبارات کے ماھانہ اخراجات کی تفصیل معلوم ہے - مثلاً 'صدر الاخبار' (آگرہ) پر ، جس کا نام بعد میں 'اخبار الحقائق' رکھ دیا گیا ، ہر مہینے اخراجات کا گوشوارہ ملاحظہ ہو :

مدیر معاون	پندرہ روپے
کاتب	دس روپے
اکاؤنٹنٹ وغیرہ	سات روپے
پریس مین	پانچ روپے
اسفخی اور دو قلی	آٹھ روپے
چپڑاسی اور چوکی دار	آٹھ روپے
بہشتی	بارہ آنے
کاغذ	بائیس روپے
متفرقات	چھ روپے
ڈاک	آٹھ روپے
دفتر کا کرایہ	ڈھائی روپے
شکست و ریخت	دو روپے

هنگامی اخراجات	پانچ روپے
میزان	ننانوے روپے

'بنارس گزٹ' کے اخراجات کا ماہانہ گوشوارہ یہ ہے :

عملہ	پینتالیس روپے
کاغذ	بارہ روپے
سیاہی	تین روپے
خریداری اخبارات	سات روپے آٹھ آنے
ڈاک	دس روپے
کرایہ	دو روپے
هنگامی اخراجات	بیس روپے
میزان	ننانوے روپے آٹھ آنے

'شملہ اخبار' کا ماہانہ خرچ چالیس روپے تھا ۔ زبدۃ الاخبار (آگرہ) کا ماہانہ خرچ بھی چالیس روپے کے لگ بھگ تھا ۔ 'اخبار الحقائق' اور 'بنارس گزٹ' کے ماہانہ اخراجات اس لیے زیادہ تھے کہ یہ اخبار سرکاری اہتمام میں چھپتے تھے ، گویا اوسط ماہانہ خرچ چالیس روپے ہی سمجھنا چاہیے ۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی اخبار کو ہر ماہ چالیس خریداروں کا چندہ وصول ہو جاتا ، تو وہ اخبار چل سکتا تھا ۔ یہ الگ بات ہے کہ مالک و مدیر کو اپنے لیے بھی کچھ رقم درکار ہوتی تھی ۔ بعض اخباروں کے مالکوں کو خاصی آمدنی ہوتی تھی ۔ مثلاً 'زبدۃالاخبار' کو ہر ماہ ایک سو چالیس روپے خریداروں سے آ جاتے تھے اور ایک سو پانچ روپے کی رقم بعض والیان ریاست سے عطیے کے طور پر ملتی تھی ۔ ماہانہ خرچ صرف چالیس روپے تھا ، باقی دو سو پانچ روپے مالک و مدیر کے ہاتھ آ جاتے تھے ۔

خبروں کی نوعیت

گزشتہ ابواب میں ہم فارسی اور اردو اخبارات سے بہت سے اقتباس پیش

کر چکے ہیں - بے شمار اور اقتباس بھی دیے جا سکتے تھے ، لیکن اس کتاب کی تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں ہو سکتی - بہرحال خبروں کی نوعیت کا اندازہ کرنے اور ان کی اہمیت کا جائزہ لینے کے لیے اگر کسی ایک نمائندہ اخبار کا تجزیہ کر لیجیے ، تو اس سے کام آسان ہو سکتا ہے - 'دھلی اردو اخبار' کے ۲۷ دسمبر ۱۸۴۰ء کے شمارے کے تجزیہ کا نتیجہ یہ ہے :

الفاظ کی کل تعداد	تقریباً پونے چار ہزار
اشتہار	۱۳۵
احکام	۱۱۰
حضور والا (قلعۂ معلیٰ کی خبریں)	۴۸۰
صاحب کلاں بہادر (ریذیڈنسی کی خبریں)	۱۱۰
بلوچستان اور قلات کے جنگی معرکے	۵۴۰
افغانستان کی خبر	۱۹۵
بخارا کی خبر	۱۵۰
نظم و نسق لداخ	۱۳۵
افسروں اور فوج کی نقل و حرکت	۳۴۵
لاھور دربار کا خبر نامہ	۳۹۰
گوالیار کا خبر نامہ	۲۲۵
جے پور میں لڑائی	۱۸۰
کلکتہ سے ستی کی خبر	۲۱۰
جہاز میں چیچک کی بیماری	۱۰۵
جعلی سکے بنانے پر گرفتاری	۲۱۰
لکھنؤ میں ھندو مسلم فساد	۹۰
کل الفاظ کی تعداد	۳۷۱۰

مجموعی طور پر اسی فی صدی خبریں سیاسی اور جنگی واقعات سے تعلق رکھتی ھیں - تقریباً یہی صورت دوسرے اخبارات کی تھی ، البتہ 'کوہ نور' کا معاملہ قدرے مختلف تھا - اس میں مضامین بھی شائع ھوتے تھے اور

مقامی اور قومی خبروں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی خبریں بھی چھپتی تھیں ۔ اس کے علاوہ اس زمانے کے اخبارات میں تعلیمی خبریں بھی خاص اہتمام سے دی جاتی تھیں ۔

خبروں کے ذرائع

۱۸۵۷ء تک اردو اخباروں کی خبروں کا سب سے بڑا ذریعہ وہ 'قلمی اخبارات' تھے جو مختلف درباروں کے سرکاری وقائع نگار مرتب کیا کرتے تھے، یا وہ خبر نامے جو آزاد وقائع نگار ترتیب دیتے تھے اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسے وقائع نگار بے شمار تھے ۔ لاہور میں سکھوں کی حکومت عرصے تک انگریزوں کی دوست رہی اور اس حکومت نے اپنی مملکت اور پشاور اور کابل میں جو وقائع نگار مقرر کر رکھے تھے ان کے خبر نامے انگریزوں کو مہیا کر دیتی تھی انگریز ان کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انگریزی اخباروں کو مہیا کر دیتے تھے اور اردو اخبار وہاں سے ترجمہ کر لیتے تھے ۔

اردو اخباروں کا دوسرا بڑا ذریعہ انگریزی اخبار تھے ، جہاں سے وہ اکثر غیر ملکی خبریں اخذ کر لیتے تھے ، بلکہ بعض ملکی خبریں بھی لے لیتے تھے ۔ بہر حال بعض اردو اخبار غیر ممالک سے براہ راست بھی خبر نامے حاصل کرتے تھے ۔ مثلاً 'کوہ نور' کا ایک نامہ نگار ہرات میں مقیم تھا ، جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فارسی زبان میں مکتوب بھیجتا تھا اور اسے بہ جنسہ چھاپ دیا جاتا تھا ۔ خبروں کا تیسرا بڑا ذریعہ ان اخبارات کے اپنے نامہ نگار تھے ، جو اعزازی طور پر خبریں مہیا کر دیتے تھے اور چوتھا ذریعہ ہم عصر اردو اور فارسی اخبار تھے ۔ ہر اخبار دوسرے اخبارات سے اپنے مطلب کی دل چسپ خبریں چن لیتا تھا اور انہیں حوالے کے ساتھ چھاپ دیتا تھا ۔ اس طرح جو لوگ کوئی ایک اچھا اردو اخبار خریدتے تھے وہ خود بہ خود سارے اچھے فارسی اور اردو اخبارات کی دل چسپ خبروں سے آشنا ہو جاتے تھے ۔ اس دور کی انگریزی صحافت کے ذرائع خبر رسانی بھی اسی قسم کے تھے ۔

رائے عامہ کی ترجمانی

حکومت کی مسلسل یہی خواہش رہی کہ عوام میں روشن خیالی پیدا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اخبار اور رسالے جاری ہوں اور سرکاری رپورٹوں میں اکثر اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ اخبار سیاسی معاملات میں دل چسپی نہیں لیتے اور لوگوں کی شکایات منظر عام پر نہیں لاتے۔ ۱۸۵۱ء کی رپورٹ میں ایک مثال بھی دی گئی کہ جب ۱۸۵۰ء میں ملکی شاہ راہوں پر سفر کے لیے ٹیکس عائد کیا گیا، تو عوام میں بہت بے چینی پھیلی، کیوں کہ انھیں یہ وہم بھی تھا کہ یہ ٹیکس ہر سڑک پر سفر کے لیے عائد ہو گا اور اخبارات میں اس بے چینی کا ذکر تک نہیں تھا۔ رپورٹ مرتب کرنے والے افسر نے بیان کیا کہ:

''میری تجویز یہ ہے (اور ممکن ہے کہ اسے 'یوٹوپیائی' تجویز قرار دیا جائے) کہ حکومت اپنی نگرانی میں ایک ایسا اخبار جاری کرے، جس میں دیسی باشندوں پر اثر انداز ہونے والے معاملات پر بحث کا آغاز کیا جائے، تا کہ اس کی دیکھا دیکھی دیسی اخبار بھی مسائل پر بحث کریں۔ فرض کیجئے دیسی اخباروں میں کوئی ایسی تجویز نہ پیش ہو جس پر ہم توجہ دے سکیں، پھر بھی کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہو گا کہ ہم دیسی باشندوں کے تعصبات کو جان لیں گے اور انھیں دور کرنے کی سعی کر سکیں گے۔''

۱۸۵۲ء کی رپورٹ میں پھر شکایت کی گئی کہ اخبارات رائے عامہ کے رجحانات ظاہر نہیں کرتے اور ان کے ایڈیٹر سیاسی مسائل پر بحث میں اتنے محتاط ہیں کہ وہ رائے عامہ کے اظہار سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ اسی رپورٹ میں شکایت کی گئی ہے کہ دو ایڈیٹروں نے 'کرسی' ادارت کا غلط استعمال' کیا۔ ایک نے اس امر پر احتجاج کیا کہ اسے مقامی نظم و نسق نے ایک مقدمے میں شہادت کے لیے بلا لیا ہے اور دوسرے

نے تحصیل دار کے خلاف توہین آمیز مضامین چھاپے۔ چناں چہ اسے دو ماہ قید کی سزا دی گئی۔

پنجاب میں ایڈیٹروں کے خلاف کارروائی کی بڑی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً منشی مہدی حسین افسر نے اپنے اخبار 'ریاض نور'، (ملتان) میں مقامی تحصیل دار کے خلاف ایک مضمون میں ایسا مواد شائع کیا جس سے تحصیل دار لوگوں کی نظروں میں گر گیا۔ اسی پر انھیں سات سال قید کی سزا دی گئی۔ یہ مارچ ۱۸۵۶ء کا واقعہ ہے۔ اس سال 'کوہ نور' کے مدیر منشی ہرسکھ رائے کو اسی قسم کے ایک جرم کی پاداش میں تین سال قید کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ ایسے میں اخبارات سے یہ توقع رکھنا شاید زیادتی ہو کہ وہ رائے عامہ کی عکاسی کریں۔

آزادیٔ صحافت

رائے عامہ کی ترجمانی سے آزادیٔ صحافت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ۱۸۳۵ء کے بعد اصولاً اور قانوناً صحافت آزاد تھی لیکن عملاً پابند تھی۔ زیادہ تر اخبار حکومت کی طرف سے دی ہوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ امداد پر دار و مدار رکھتے تھے اور جنھیں امداد حاصل نہیں تھی، انھیں امداد کی امید پابند بنائے رکھتی تھی۔ پھر اجنبی راج کی عمومی دہشت بھی ایسی تھی کہ کسی کو بے باک نکتہ چینی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ نٹ راجن لکھتا ہے:

> "معاشری فضا بہ ظاہر ایسی تھی کہ دہلی اور لکھنؤ کی اردو زبان کے محاورے کی ایک دوسری پر برتری اور ہندوؤں میں نکاح بیوگان کے مسئلے پر اظہار رائے بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ راجہ رام موہن رائے نے ۱۸۲۳ء میں بنگال میں آزادیٔ صحافت کا جو تصور نہایت قابلیت کے ساتھ پیش کیا تھا، وہ شمال مغربی صوبہ جات میں ۱۸۵۳ء میں بھی موجود نہیں تھا۔"

اس کے باوجود ایسے اخبار موجود تھے جو کبھی کبھی نہایت آزادی کے ساتھ رائے عامہ کی ترجمانی کر دیتے تھے۔ مثلاً 'دہلی اردو اخبار' نے

ہندوستانی ملازمین سرکار کے حق میں جو لکھا اور جس طرح پولیس کے افسروں پر نکتہ چینی کی اور جس انداز میں قلعۂ معلیٰ کی سازشوں کو بے نقاب کیا ، وہ تعریف کے قابل ہے ۔ اسی طرح 'کوہ نور' نے بھی بسا اوقات جرأت سے کام لیا ۔ مثلاً اس نے ہندوستان بھر کے اخبار نویسوں سے اپیل کی کہ وہ آزادیٔ صحافت کو برقرار رکھنے کے لیے 'یک دل اور یک رائے' ہو کر کام کریں اور اودھ کے برطانوی نظم و نسق پر سخت نکتہ چینی کی ۔ ادھر لکھنؤ کے دونوں اخباروں نے اس انار کی اور معاشی بد حالی کا پردہ چاک کیا جو الحاق اودھ کے بعد لکھنؤ میں رونما ہوئی ۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جن میں نکتہ چینی واشگاف طریقے پر ہوئی ۔ اس کے علاوہ نکتہ چینی کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ پہلے نظم و نسق پر سخت الفاظ میں تنقید کی اور پھر آخری چند فقروں میں برطانوی راج کی مدح میں چند باتیں کہہ دیں ، جو روغن قاز کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ ۱۸۵۷ء سے چند ماہ پیشتر اور ۱۸۵۷ کے آغاز میں اردو اخباروں کا لہجہ خاصا ترش ہو گیا لیکن اس کا ذکر کسی اور باب میں آئے گا ۔

بارھواں باب

۱۸۵۷ء کا انقلاب اور صحافت

بر صغیر پاک و ہند میں اجنبی راج کے خلاف جد و جہد میں صحافت ہمیشہ سے مددگار رہی ہے۔ ۱۸۰۰ء کا ذکر ہے جنوبی ہند میں ایک شخص نے وسیع پیمانے پر قلمی اخبارات تقسیم کیے، جن میں برطانوی فوج کے دیسی سپاہیوں اور عام ہندوؤں اور مسلمانوں سے پر جوش اپیل کی کہ وہ جرأت سے کام لے کر فرنگیوں کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں اور انھیں ملیامیٹ کر کے دم لیں۔ ۱۸۰۶ء میں ویلور کا غدر ہوا۔ سرجان میلکم کا بیان ہے کہ اس غدر میں قلمی اخبارات کا بڑا دخل تھا۔ ۱۸۳۶ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہم پر جب کوئی نازک وقت آتا ہے، قلمی اخبارات اشتعال انگیزی پر اتر آتے ہیں۔ بالخصوص جنگ برما کے دوران میں تو یہ حد سے گزر گئے۔ اسی سال گورنر جنرل کی کونسل کے رکن مسٹر میکالے نے ایک نوٹ میں لکھا کہ صرف دھلی سے ہر ھفتے ایک سو بیس قلمی اخبار بذریعہ ڈاک باھر بھیجے جاتے تھے۔ اس کے مقابلے پر مطبوعہ دیسی اخبارات کی کل ھفتہ وار اشاعت تین سو تھی۔ انھوں نے بتایا، مطبوعہ دیسی اخبار تو پھر بھی احتیاط سے کام لیتے ھیں لیکن قلمی اخبار اکثر ھمیں اور ھمارے عمال کو برا بھلا کہتے ھیں اور ھمارے قومی کردار اور اطوار پر طنزیہ نکتہ چینی کرتے ھیں۔

۱۸۳۵ء میں سرچالس مٹکاف کی بدولت صحافت آزاد ھوئی، تو دیسی صحافت نے بھی ترقی کی۔

ریورینڈ جے لانگ نے ۱۸۵۹ء کی رپورٹ میں بتایا ھے کہ صوبہ جات شمال مغربی میں ۱۸۵۰ء میں کل اٹھائیس (۲۸) اخبارات تھے جن کی مجموعی اشاعت ایک ہزار چار سو ستانوے (۱۴۹۷) تھی - ۱۸۵۳ء میں اخبارات کی تعداد انتالیس (۳۹) تھی اور مجموعی اشاعت ایک ہزار آٹھ سو انتالیس (۱۸۳۹) - اگلے سال ۱۸۵۴ء میں انہی اخبارات کی کل اشاعت دو ہزار دو سو سولہ (۲۲۱۶) تک پہنچ گئی - آدھر بنگال کے دیسی اخبارات کی کل اشاعت ۱۸۵۷ء میں دو ہزار نو سو پچاس (۲۹۵۰) تھی - اس کا مطلب یہ ھے کہ ۱۸۵۷ء کے قریب قریب بنگال اور صوبہ جات شمال مغربی میں دیسی اخبارات کی کل اشاعت پانچ ہزار ایک سو سڑسٹھ (۵۱۶۶) تھی - اُن دنوں پنجاب کے دیسی اخبارات کی کل اشاعت پانچ سو سے زیادہ نہیں تھی ، گویا دیسی اخبارات کی مجموعی اشاعت برطانوی قلم رو ھند میں چھ ہزار سے بھی کم تھی - اگر ایک پرچہ دس اشخاص پڑھتے ھوں ، تو قارئین کی کل تعداد ساٹھ ہزار سے کم ھوگی -

مجموعی طور پر اجنبی راج کے بارے میں دیسی صحافت کا رویہ کوئی خاص معاندانہ نہیں تھا - صرف دو تین اخبار ایسے تھے ، جو حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے- اس کے باوجود ۱۸۵۷ء کے آغاز میں انگریزی اخبارات نے مطالبہ کیا کہ دیسی اخباروں کو پابند کیا جائے- مارچ ۵۷ء میں آگرہ کے ھفت روزہ اخبار The Mofussilite نے اس رائے کا اظہار کیا کہ دیسی اخباروں پر سنسر شپ نافذ کر دیا جائے- لاھور سے 'دی پنجابی' کے نام سے جو انگریزی اخبار منشی محمد عظیم نے جاری کر رکھا تھا اور جس کی ادارت ایک انگریز کے سپرد تھی، اُس نے ۲۸ مارچ کے شمارے میں لکھا :

"ھمیں معلوم ھوا ھے کہ بہت سے دیسی اخبار ھماری فوج کے دیسی سپاھیوں میں تقسیم ھوتے ھیں ..... لیکن جب کوئی دیسی اخبار مذھبی جذبے سے سرشار ھوتا ھے ، تو اس کی نوعیت بدتر ھو جاتی ھے ...... ھم ایسا لکھنے پر اس لیے مجبور ھوئے ھیں کہ ھماری توجہ لکھنؤ کے ایک ایسے دیسی اخبار کی طرف دلائی گئی

ہے ، جو ہماری فوج میں پڑھا جاتا ہے اور اُس نے بیرک پور کے ہنگاموں کی خبریں اس انداز سے پیش کی ہیں جن سے شرارت کا امکان ہے ۔''
[دی پنجابی ، لاہور - مارچ ۱۸۵۷ء]

اپریل میں بنگال کے مشہور اور بااثر روزنامہ 'بنگال ہرکارو' نے اس بنا پر دیسی صحافت پر پابندیاں لگانے کا مطالبہ کیا کہ بنگال ، بمبئی اور مدراس کے دیسی سپاہیوں میں اس کا بڑا اثر ہے ۔

جب ۱۸۵۷ء کے انقلاب کا آغاز ہوا ، تو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے اخبارات کی آزادی سلب کرنے کی غرض سے وہ صحافتی قانون نافذ کیا جسے تاریخ صحافت میں قانون زبان بندی (Gagging Act) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اس کے ماتحت ہر چھاپہ خانے کے لیے لائسنس لینا ضروری تھا ۔ حکومت کو اختیار مل گیا کہ وہ جس اخبار کو چاہے بند کر دے اور جس اخبار پر چاہے سنسر شپ کی پابندی لگا دے اور یہ قانون دیسی اور انگریزی ، دونوں قسم کے اخباروں پر حاوی تھا ۔ لارڈ کیننگ نے اپنی کونسل میں اس قانون کے جواز میں جو تقریر کی ، اُس میں بتایا کہ پچھلے چند ہفتوں میں دیسی اخباروں نے خبریں مہیا کرنے کی آڑ میں دیسی باشندوں میں بغاوت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں اور یہ کام نہایت مستعدی ، چالاکی اور عیاری کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ اُنھوں نے یورپی صحافت کی وفاداری کو بہت سراہا ، لیکن یہ بھی کہا کہ ہم نے دیسی اور یورپی صحافت دونوں کے لیے اس غرض سے قانون نافذ کیا ہے کہ بعض اوقات انگریزی اخباروں میں بہ ظاہر بے ضرر چیزیں چھپتی ہیں لیکن جب ان کا ترجمہ دیسی اخبار میں چھپتا ہے ، تو وہ خطرناک نوعیت کی حامل ہو جاتی ہیں ۔

آزادیٔ صحافت ، صرف انگریزوں کے لیے

اینگلو انڈین اخباروں نے نئے قانون کے خلاف شدید احتجاج کیا ۔ ہر اخبار نے آزادیٔ صحافت کو ایک سنہرا اُصول قرار دیا لیکن صرف

انگریزی صحافت کے لیے! 'لاہور کرانیکل' نے ایک اداریے میں لکھا :

''ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ بہت سے دیسی اخبار سازش اور بغاوت میں مصروف ہیں لیکن یہ دلیل بہت بودی ہے کہ دیسی صحافت یا اُس کے ایک جزو کی بغاوت پر اینگلو انڈین صحافت کو بھی قانون کی زنجیروں میں جکڑ لیا جائے۔''

[لاہور کرانیکل - ۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء]

'دی پنجابی' نے نئے قانون کو سراہتے ہوئے لکھا :

''دیسی صحافت نے عوام میں مقبولیت کے لیے نہ اعتدال پسندی کو بنیاد بنایا نہ سچائی کو - اب اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے، کیوں کہ وہ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ دی گئی ہے اور شرارت کے دروازے بند ہو گئے ہیں - ہم نے تو کبھی یہ پالیسی پسند نہیں کی کہ اُن اخبارات کو آزادی دے دی جائے جن کے چلانے والے اپنی عظیم جہالت کی وجہ سے زمانے بھر میں رسوا ہیں اور پرلے درجے کے ناشکرے ہیں - ہمیں یقین ہے کہ آج کی لگائی ہوئی پابندی کبھی نہیں اٹھائی جائے گی ۔ کم از کم یہ ایک سو سال تک تو ضرور قائم رہے گی -''

[دی پنجابی، لاہور - ۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء]

بہر حال یہ یقین باطل ثابت ہوا اور قانون زبان بندی ایک سو سال کی جگہ صرف ایک سال نافذ رہا -

دار و گیر

اس قانون کے ماتحت بہت سے اخباروں کے خلاف کار روائی ہوئی - 'بنگال ہرکارو' جس کی ملکیت دوارکا ناتھ ٹیگور اور اُن کے ساتھیوں کے ہاتھ میں تھی، اپنا لائیسنس کھو بیٹھا - جب ایڈیٹر مستعفی ہوا تو لائیسنس کی تجدید ہوئی - سیرام پور کے انگریزی اخبار 'فرینڈ آف انڈیا' کو پلاسی کی صد سالہ برسی کے عنوان سے ایک 'خطر ناک اور اشتعال انگیز' مضمون چھاپنے پر انتباہ ہوا - اُس نے انتباہ پر ناراضگی کا اظہار

ترشی سے کیا ، جس پر لائیسنس ضبط ہونے کو تھا کہ مالک نے حکومت سے معافی مانگ لی ۔ ڈھاکہ کے انگریزی اخبار 'ڈھاکہ نیوز' نے نیل کے کاشت کاروں کے بارے میں ایک 'قابل اعتراض' مضمون چھاپا ، تو اُسے انتباہ کیا گیا ، اُس نے اس حکم کا مضحکہ اُڑایا ، لیکن اُس کے خلاف مزید کاروائی نہ ہوئی ۔ کلکتہ کے ایک انگریزی اخبار The Hindu Intelligencer کا لائیسنس منسوخ کر دیا گیا ۔ کلکتہ کے تین دیسی اخبار بھی قانون کی زد میں آئے ۔ ان کے نام تھے ، 'دوربین' ، 'سلطان‌الاخبار' اور 'سما چار سدھ برشن' ۔ ان تینوں کا قصور یہ تھا کہ اُنھوں نے ایک معزز اینگلو انڈین اخبار سے مغل حکمران کا وہ شاہی فرمان نقل کیا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کردیں اور اس فرمان کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں ۔ لارڈ کیننگ کے قول کے مطابق تینوں اخباروں نے فرمان کی عبارت نقل کرنے کے بعد انگریزی حکومت سے وفاداری کا اظہار کیا ۔ سپریم کورٹ میں تینوں کے خلاف مقدمے دائر ہوئے ۔ 'دوربین' اور 'سلطان الاخبار' کے ایڈیٹروں نے اقبال جرم کر لیا اور عدالت نے اُنھیں ڈسچارج کردیا ۔ 'سما چار سدھ برشن' کے ایڈیٹر نے جرم کا اقبال نہ کیا اور اُسے بری کر دیا گیا ۔

کلکتہ کے فارسی اخبار 'گلشن نو بہار' نے ۲۱ جون ۵۷ء کے شمارے میں دو ایسے مضمون چھاپے جو ''شدید باغیانہ نوعیت کے تھے اور اُن کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کے خلاف نفرت پھیلائی جائے اور اس امر کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ لوگ حکام کی مزاحمت کریں ۔'' جس پریس میں اخبار چھپتا تھا اُس کا لائسینس منسوخ کر دیا گیا اور پریس کی ساری مشینری اور دوسرا سامان ضبط کر لیا گیا ۔ اس طرح 'گلشن نو بہار' خود بخود ختم ہو گیا ۔

جو علاقے آج کل مغربی پاکستان میں شامل ہیں وہ سر زمین بے آئین کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اُن میں اُردو اور فارسی اخبارات کے

خلاف کاروائی میں قانون زبان بندی کے نفاذ کا بھی انتظار نہ کیا گیا۔ جونہی جنگ کی اطلاعات موصول ہوئیں ان سب پر سنسر بٹھا دیا گیا۔ ۱۹ مئی کو پشاور کے ہفت روزہ فارسی اخبار 'مرتضائی' نے قلات غلزئی رجمنٹ کے بارے میں یہ خبر چھاپی کہ اس رجمنٹ نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور سپاہیوں نے انگریز افسروں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ یہ خبر غلط تھی۔ اس پر کرنل نکلسن نے 'مرتضائی' کے ایڈیٹر کو جیل میں ڈال دیا۔ ایڈیٹر کا نام معلوم نہیں، البتہ اتنا بتایا گیا ہے کہ وہ ایران کا رہنے والا تھا۔

لاہور میں اُن دنوں دو اخبار اُردو میں شائع ہوتے تھے۔ ان دونوں پر ۲۳ مئی سے سنسر بٹھا دیا گیا۔ جب محسوس کیا گیا کہ سیال کوٹ کا اخبار 'چشمۂ فیض' بھی 'صراط مستقیم' سے ہٹ رہا ہے، تو اُسے حکماً لاہور منتقل کر دیا گیا۔ مالک نے اس کا نام بدل کر 'چشمۂ خورشید' رکھ دیا اور وہ بھی سنسر ہونے لگا۔ ملتان کے 'ریاض الاخبار' کو بھی سنسر کا پابند کیا گیا۔ بعد میں پریس ضبط کر کے اخبار بند کر دیا گیا۔ ایک چھاپہ خانہ سیال کوٹ میں بھی ضبط ہوا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران میں انگریزی اخبارات کا طرز عمل کیا رہا اور دھلی کے اندر انقلابی حکومت کے ماتحت اخبارات کیا کرتے رہے۔

انگریزی اخبارات کا اشتعال انگیز رویہ

برعظیم کے انگریزی اخبارات کا رویہ نہایت اشتعال انگیز رہا۔ بنگال ھرکارو نے ایک شخص کا مضمون چھاپا، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ

''ہر مسمار شدہ گرجے کے بدلے میں پچاس مسجدیں مسمار کی جائیں اور دھلی کی جامع مسجد سے اس مہم کا آغاز ہو اور ہر مقتول عیسائی مرد، عورت اور بچے کے بدلے میں ایک ایک ہزار باغیوں کو گولی سے اُڑا دیا جائے۔''

'بمبئی ٹائمز' نے 'خون کے بدلے خون' کا نعرہ لگایا ۔ اس پر اخبار کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ایڈیٹر ڈاکٹر بواسٹ (Buist) کو برطرف کر دیا ۔

'لاہور کرانیکل' میں ایک مقالۂ افتتاحیہ اس عنوان سے چھپا ۔ 'خونیں انتقام واحد صحیح پالیسی' ۔ اس میں لکھا گیا :

''دھلی کو مسمار کر کے زمین سے ملا دینا نہایت ضروری ہے ۔ جب اس کے باشندے دور دراز کے صوبوں میں جائیں گے تو لوگوں سے اپنے شہر کی بربادی کا ذکر کریں گے ۔ وہ بتائیں گے کہ دلی کی گلیاں اور بازار انگریز عورتوں اور بچوں کے خون سے ناپاک ہوتی تھیں ۔ اس لیے اس کے عالی شان اور خوب صورت محل اب مٹی کے تودے بن کر رہ گئے ہیں ۔ اس عظیم الشان شہر کے کھنڈر ایک یادگار کی صورت اختیار کر لیں گے ۔ ہمیں افسوس ہے کہ جن دیہات سے ہماری نعشیں برآمد ہوتی ہیں ، انھیں اس لیے برباد نہیں کیا جاتا کہ مالیہ وصول ہوتا رہے ۔ اگر یہ صورت دلی میں ہوئی تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان یہاں برابر آباد رہیں گے اور عظمت پارینہ کی یادگاروں کو دیکھ کر احیائے اسلام کی غرض سے پھر سازشوں میں مصروف ہو جائیں گے ۔ [۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء] ۔

'دی پنجابی' نے ان تاثرات کا اظہار کیا :

''ہماری تجویز یہ ہے کہ جہاں آج دلی واقع ہے وہاں ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا جائے ۔ اس کے ساتھ وسیع بارکیں بنائی جائیں ۔ صدر بازار کے بارے میں فیصلہ کر لیا جائے کہ اس میں مقامی باشندوں کی ایک محدود تعداد آباد ہو سکے گی اور خیال رکھا جائے کہ اس کے قریب کوئی مقامی شہر آباد نہ ہو جائے ۔ اس کے علاوہ ہماری تجویز یہ ہے کہ افسروں اور مقامی دستے کے فوجیوں کی سہولت کے لیے جامع مسجد کو گرجا بنا دیا جائے ۔'' [۵ دسمبر ۵۷ء] ۔

ایک اور افتتاحیہ میں 'لاہور کرانیکل' رقم طراز ہے:

'ہم پھر پکار کر کہتے ہیں کہ ایک خونین انتقام لے لو۔ جس گاؤں میں ہمارے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انگریز باشندے کی ذرا سی توہین ہوئی ہے، اُسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ اس میں جتنے لوگ آباد ہیں، انھیں برباد کر دیا جائے، کوئی بچنے نہ پائے۔ آج ہماری سنگینیں لہو سے سرخ ہونے دو، تاکہ آنے والے زمانے میں کسی انگریز عورت کے خون سے کسی قاتل کا چھرا آلودہ نہ ہو سکے۔'' [۱۸ نومبر ۵۷ء]

انگریزی اخبارات کی اس مہم کا رخ خاص طور پر مسلمانوں کی طرف تھا۔ ایک نامہ نگار نے 'لاہور کرانیکل' میں لکھا:

''اب اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ اس بغاوت کی تہ میں مسلمانوں کی سازش کارفرما ہے۔ انھیں شدید سے شدید سزا دینی چاہیے، کیوں کہ یہ جب تک مسلمان ہیں اپنی رائے کو نہ بدل سکتے ہیں، نہ بدلیں گے۔'' [۸ جولائی ۵۷ء]

اسی اخبار کے ایک مراسلہ نگار نے قرآن حکیم پر تبصرہ فرماتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا۔

''مسلمانوں کی فطرت میں باغیانہ جذبہ اُن کے توحیدی اور خراب مذہب کے اصولوں نے پیدا کر رکھا ہے۔ جب تک ہماری حکومت مسلمانوں کا مذہب برداشت کرے گی، اُس وقت تک دشمنی کا جذبہ نہ صرف قائم رہے گا، بلکہ روز بہ روز بڑھے گا۔'' [۱۱ نومبر ۵۷ء]

۲۶ ستمبر کو 'لاہور کرانیکل' نے 'ہماری پالیسی' کے عنوان سے ایک اداریہ چھاپا، جس میں کہا کہ مذہبی معاملے میں ہماری غیر جانب دارانہ پالیسی ناکام رہی ہے اور یہ ناکامی قدرتی ہے، کیوں کہ مقامی باشندے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اپنے اداروں، اپنی تہذیب،

اپنی تعلیم اور اپنے ادب کو اپنے مذہب سے الگ نہیں کر سکتے ۔ اس طرح ہماری 'توازنی پالیسی' ناکام رہی ہے ، جس کا مقصد یہ تھا کہ 'بڑی عمدگی اور ہوشیاری سے' ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو کھڑا کیا جائے ۔ ہماری تعلیمی پالیسی، جس میں بائیبل کی تعلیم شامل نہیں تھی ، ناکام رہی ہے ، اب اور کوئی پالیسی باقی نہیں رہی ۔ صرف ایک پالیسی ہے اور وہ ہے مسیحی پالیسی ۔ اس ملک پر ایک مسیحی فوج کا قبضہ ہونا چاہیے ۔ جس میں مقامی باشندوں کو عیسائی بنا کر بھرتی کیا جائے ۔ سکولوں اور کالجوں میں بائیبل کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔ اس ملک پر صرف عیسائیوں کی حکومت ہو ۔ اس مضمون میں یہ تجویز بھی پیش ہوئی کہ جن شہروں میں بغاوت برپا ہوئی اُن کو اجتماعی سزا دی جائے ۔ شمال مغربی صوبجات اور بنگال کے اٹھارہ سے ساٹھ سال کی عمر تک کے تمام مسلمانوں پر بیس روپے سے پچاس روپے تک سالانہ ٹیکس دس سال کے لیے لگا دیا جائے ۔ تمام باغی سپاہیوں کو ساری عمر کے لیے جلا وطن کر کے اُن سے مزدوروں کی طرح کام لیا جائے اور یہ نہ ہو تو اُنھیں غلام بنا کر بیچ ڈالا جائے ۔

یہ صرف 'لاھور کرانیکل' کی پالیسی نہیں تھی ۔ برعظیم کے طول و عرض میں جتنے اینگلو انڈین اخبار تھے ، اُن سب کی پالیسی تقریباً یہی تھی اور ان میں سے کسی کے خلاف حکومت نے دیسی باشندوں کے خلاف اشتعال انگیزی پر کاروائی نہیں کی ، گویا دیسی صحافت پا بہ زنجیر ہوئی اور انگریزی صحافت کو کھلا چھوڑ دیا گیا ۔

دھلی کے اخبار

دھلی کے اخباروں نے انقلاب میں کیا حصہ لیا ؟ اس کے لیے بہادر شاہ کے مقدمے کی روداد کا مطالعہ کرنا ہوگا ۔ اصل کارروائی انگریزی زبان میں چھپی ہوئی ہے ۔ خواجہ حسن نظامی نے روداد کو کئی حصوں میں بانٹ کر اس کا ترجمہ کرایا ، لیکن نہ ترجمہ درست ہے ، نہ ایڈٹنگ صحیح ہے ، بلکہ 'غدر دھلی کے اخبار' کے نام سے جو کتابچہ شائع کیا ، اُس میں بھی صرف چند اقتباس دیے گیے ھیں اور بس ۔ ہم

اصل انگریزی روداد مطبوعہ ۱۸۷۰ء کو ذرا غور سے دیکھ کر معلوم کریں گے کہ ان دنوں دھلی کے اخباروں کا رنگ ڈھنگ کیا تھا اور ہر پیرا گراف کے آخر میں صفحات کے حوالے دیں گے۔

۲۴ جون ۵۷ء کو بہادر شاہ نے ایک شخص جمال الدین کو اجازت دی کہ وہ ایک اخبار جاری کرے، لیکن ساتھ ھی ھدایت صادر کی کہ اس میں نہ جھوٹی خبریں چھاپی جائیں اور نہ ایسے بیانات درج کیے جائیں جن میں معزز افراد کے اخلاق پر بالواسطہ یا بلا واسطہ حملہ کیا گیا ھو۔ [صفحہ ۱۱]

شاھی طبیب حکیم احسن اللہ خاں نے عدالت میں اپنے بیان کے دوران میں کہا کہ اردو اور فارسی اخبارات میں ایران و برطانیہ کی جنگ کے بارے میں خبریں چھپا کرتی تھیں اور یہ اخبار محل میں بھی پڑھے جاتے تھے۔ لیکن بہادر شاہ ان خبروں میں خاص دل چسپی کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ حکیم احسن اللہ نے یہ بھی بتایا کہ اردو اور فارسی کے اخبارات نے مسلمانوں سے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیں [صفحہ ۵-۱۰۴]۔

سر تھیوفلس مٹکاف (Theophilus Metcalf) کا بیان اس سے مختلف تھا۔ اس کی رائے میں ان دنوں ہر دیسی اخبار کا ایک ایک نامہ نگار کابل میں متعین تھا۔ شمالی طاقتوں سے مواصلات کا سلسلہ مستقل طور پر قائم تھا اور ہر ہفت روزہ اخبار میں ایران و انگلستان کی جنگ کی اطلاعات باقاعدہ چھپا کرتی تھیں۔ [صفحہ ۱۲۳]

دھلی سے ایک قلمی اخبار بھی شائع ھوتا تھا۔ اس کا مدیر ایک شخص چونی نامی تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں ہر روز ایک اخبار لکھا کرتا تھا اور اسے اپنے خریداروں کے سامنے پڑھ دیا کرتا تھا۔ میرے اخبار میں عمومی دل چسپی کے تمام موضوعات پر مضمون درج ھوتے تھے۔ ان کے علاوہ میں مطبوعہ اخباروں سے خبریں اخذ کر لیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ھے، بعض مواقع پر میں نے کارتوسوں کے مسئلے اور اس پر

فوج کے باغیانہ جذبے کی طرف بھی اشارے کیے - میں عام طور پر ایران کی صرف وہ خبریں درج کرتا تھا ، جو شہر دھلی سے نکلنے والے فارسی اخبارات میں چھپتی تھیں - ان خبروں کو سن کر ھندوؤں پر تو کوئی اثر نہیں ھوتا تھا ، لیکن مسلمان ان میں بہت دل چسپی لیتے تھے اور اس کے بعد جہاں جاتے تھے ، فخر سے کہتے تھے ، کہ ایرانی آ رھے ھیں - چونی نے یہ بھی بتایا کہ دھلی میں جمال الدین کی ادارت میں ایک ہفت روزہ اخبار 'صادق الاخبار' کے نام سے شائع ھوتا تھا - یہ اخبار لیتھو پریس میں چھپتا تھا اور اس کی اشاعت دو سو تھی - نہ صرف دھلی میں پڑھا جاتا تھا ، بلکہ باھر بھی جاتا تھا - جب کوئی اھم خبر آتی ، اس کا ضمیمہ نکل آتا تھا - اس کے خریداروں اور مداحوں میں ھندو مسلمان سبھی شامل تھے - صادق الاخبار دھلی کا سب سے بڑا اخبار تھا - اس میں اچھے اچھے مضمون درج ھوتے تھے اور مسلمانوں کی دل چسپی کا مواد انگریزی اخباروں سے بھی ترجمہ کر کے چھاپا جاتا تھا - میں یہ نہیں کہ سکتا کہ اس اخبار کی اشاعت کا تناسب دوسرے اخبارات کے مقابلے پر کیا تھا ، لیکن ایک بات یقینی ھے کہ 'صادق الاخبار' کی اشاعت اپنے تمام ھم عصروں سے زیادہ تھی اور خریداروں کے حلقے سے قارئین کا حلقہ بہت زیادہ بڑا تھا ، کیوں کہ ایک ایک اخبار کئی کئی لوگ پڑھتے تھے - اس نے یہ رائے بھی ظاھر کی کہ ایران یا روس کے بارے میں جتنے مضامین چھپتے تھے اُن کا انداز تحریر اور لہجہ انگریزوں کے خلاف ھی نہیں بلکہ تلخ بھی تھا - [صفحات ۱۲۸-۳۱]

جب حکیم احسن اللہ خان سے 'صادق الاخبار' کے بارے میں دریافت کیا گیا ، تو اس نے کہا بہادر شاہ 'صادق الاخبار' کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کرتا تھا - البتہ یہ ممکن ھے کہ وقتاً فوقتاً اس کے بعض اقتباسات اس تک پہنچا دیے جاتے ھوں - میں نے خود یہ اخبار کبھی نہیں پڑھا ، لیکن سنا ھے اس اخبار میں عام طور پر یہی بتایا جاتا تھا کہ ایرانی انگریزوں کو شکست دے رھے ھیں - شہزادے اس کی خبروں کو اھمیت دیتے تھے اور ان کی صحت پر یقین کرتے تھے - [صفحہ ۱۴۰]

چونی نے فوجی عدالت کو یہ بھی بتایا کہ بادشاہ کے حکم سے قلعۂ معلیٰ میں واقع چھاپہ خانے میں 'سراج الاخبار' کے نام سے فارسی زبان میں کورٹ گزٹ بھی نکلتا تھا۔ انقلاب سے پہلے اس میں صرف قلعۂ معلیٰ کی اہم خبریں دی جاتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی دوسری اطلاعات چھپ جاتی تھیں۔ [صفحہ ۱۴۱]

بہادر شاہ کے خلاف مقدمے کی روداد میں اخبارات دھلی سے چودہ اقتباسات دیے گئے ھیں۔ اصل اردو اور فارسی کے اقتباسات کا ریکارڈ موجود نہیں، صرف انگریزی تراجم موجود ھیں۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے انہی کو دوبارہ ترجمہ کرا کے 'غدر دھلی کے اخبار' کے نام سے چھاپ دیا تھا۔ ترجمے میں جا بہ جا سقم ھیں، بلکہ بعض جگہ تلخیص بھی کر دی گئی ھے۔ یہ اقتباس خاصے طویل ھیں۔ زیادہ تر 'صادق الاخبار' سے ھیں۔ باقی 'اردو اخبار' اور 'خلاصۃ الاخبار' سے لیے گیے ھیں۔ چودہ میں سے سات اقتباس جنگ سے پہلے کے ھیں، سات دوران جنگ کے۔ جنگ سے چند روز پہلے کا ایک اقتباس ملاحظہ ھو:

''مقامی خبریں: ایران۔ کچھ دن ھوئے جامع مسجد کی ایک دیوار پر ایک اشتہار دیکھا گیا۔ اس کے اوپر تلوار اور ڈھال کی تصویر بنی تھی۔ نیچے شاہ ایران کا مبینہ فرمان درج تھا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا — تمام مومنین کا فرض ھے کہ وہ شاہ ایران کی تائید و حمایت پر کمر باندھ لیں۔ اس کے حکم کی نہایت وفاداری سے اطاعت کریں اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں اس کی امداد کریں تا کہ وہ انگریزوں کو جنگ میں ھرا کر برباد کر سکے اور عام لوگوں کو انعامات و خطابات سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازے — اعلان میں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ شاہ ایران جمشید ثانی بہت جلد ھندوستان آئے گا اور اس ملک کو اپنا باج گزار بنا لے گا۔ ایران میں بے شمار لوگ جمع ھوگئے ھیں اور پکار رھے ھیں، ''اے خدا! جب تک خاک اور ھوا زندہ ھیں، ایران کو بدبختی کی ھوا سے بچا۔''
وقائع نگار کا بیان ھے کہ مندرجہ بالا اقتباس فارسی سے ترجمہ کیا

ھوا ہے لیکن اصل متن ابھی تک نہیں دیکھا ۔ مجسٹریٹ کی عدالت میں اس موضوع پر کئی گمنام درخواستیں پیش کی گئی ہیں ۔ ان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس ماہ سے ایک مہینہ بعد کشمیر پر زبردست حملہ ہوگا ، جس کی شگفتگی اور حسن کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے ۔

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید
گہ مرغ کباب است دگر بال و پر آید

اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ٹھنڈی اور جنت نظیر سرزمین درخواست بھیجنے والوں کے ھاتھ آ جائے گی ۔ اس اخبار کا محرر ان سب باتوں کو بے معنی اور بے ھودہ مذاق سمجھتا ہے، کیوں کہ اگر حکومتوں کے تسلط سے ملک اس طرح نکل جائیں تو فوجوں کا کیا فائدہ ؟ [خلاصۃالاخبار ، دھلی ، ۱۳ اپریل ۵۷ء]

ایک اقتباس ۱۱ مئی کے 'صادق‌الاخبار' سے پیش کیا گیا ۔ اس میں شاہ ایران کے فرمان اور سرحد پر ایران کی جنگی تیاریوں کے بارے میں 'دی پنجابی' (لاھور) ، 'انگلش مین' (کلکتہ) اور 'دی سندھیئن' (کراچی) کی فراھم کی ھوئی خبروں کے اقتباس دے کر قارئین کو اُمید دلائی گئی کہ اگلی ڈاک میں مزید خبریں آئیں گی، بلکہ حکومت انگلشیہ کی تعریف کی گئی کہ وہ خبروں کی ترسیل میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی بلکہ اخبارات کو مالی امداد دے کر اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے ۔ ۶ جولائی اور ۳ اگست کے 'صادق‌الاخبار' سے جو اقتباسات فوجی عدالت میں پیش ھوئے اُن میں اس کے سوا اور کچھ درج نہیں کہ ایران میں ھندوستان پر حملے کی تیاریاں ھو رھی ھیں اور افغانستان کے حکمران امیر دوست محمد خاں سے کہا جا رھا ہے کہ وہ کافروں کا ساتھ چھوڑ دے ۔ ۱۰ اگست کے 'صادق‌الاخبار' میں 'شاہ ایران کی چالاکی' کے عنوان سے ایک مضمون کے آخر میں درج ہے کہ :

"ایرانی یہ موقعہ گنوانا پسند نہیں کرتے ۔ وہ پچاس ھزار کی ایک

فوج قندھار سے ادھر لے آئے ھیں ۔ امیر دوست محمد خان ابھی تک به ظاھر لعنتی کافروں سے دوستی قائم رکھے ھوئے ھے ، لیکن خفیه طور پر ایرانیوں کی ھرممکن حوصله افزائی کر رھا ھے ۔ یہی وجه ھے که ایرانی فوج ، جس میں کابل کے بھی بعض امراء شامل ھیں ، بڑی تیزی سے ھندوستان کی طرف بڑھ رھی ھے ۔ عیسائی جوں جوں یه خبریں سنتے ھیں ، خوف زدہ ھوتے ھیں اور تسلیم کرتے ھیں که اب کمپنی کا زوال یقینی ھو گیا ھے ۔'' [جلد ۴ ۔ نمبر ۵]

'ایرانی فوج کی خبریں' کے عنوان سے ۲۳ اگست کے 'دھلی اردو اخبار' میں یه خبر دی گئی :

''پشاور اور پنجاب سے آنے والے کچھ لوگ بیان کرتے ھیں که ایرانی فوج اٹک تک پہنچ گئی ھے ۔ مجھے اس خبر کی سچائی پر پورا یقین نہیں ۔ میں نے یه سنی سنائی بات صرف اس لیے درج کر دی ھے که اس کا امکان موجود ھے ، یعنی کوئی اتنی غیر ممکن بات نہیں که اسے فوراً ھی جھوٹ قرار دے دیا جائے ۔ اس کے باوجود ماننا پڑے گا که جس انداز میں آج کل لوگ گفتگو کرتے ھیں ، اس کے پیش نظر کسی خبر پر بھی کامل یقین نہیں کیا جا سکتا ۔ ان حالات میں خبر درج کرتے ھوئے تبصرے اور پیش گوئی سے پرھیز لازم ھے ۔'' [جلد ۱۹ ، نمبر ۳۴]

فوجی عدالت میں وکیل استغاثه میجر ایف ۔ جے ۔ ھیریئٹ (Harriot) نے اپنے طویل بیان میں یه ثابت کرنے کی کوشش کی که ۱۸۵۷ء کا انقلاب جن وجوہ کی بناء پر برپا ھوا ، اس میں قلعۂ معلیٰ اور صحافت کے درمیان سازش بھی کارفرما تھی ۔ انقلاب سے پہلے کے اخباری اقتباسات کا حواله دیتے ھوئے وکیل استغاثه نے اس خیال کا اظہار کیا که اخبارات نے آنے والے انقلاب کے لیے زمین تیار کی ۔ مثلاً 'صادق الاخبار' نے جنوری کے مہینے میں یه خبر درج کی که روس اور ترکی انگریزوں کے خلاف جنگ میں ایران کی مدد کریں گے اور شہنشاہ روس نے چار لاکھ سپاھیوں پر مشتمل فوج اس

مہم کے لیے تیار کی ہے - اسی اخبار نے بتایا کہ شاہ ایران نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کون کون سے درباری کو بمبئی، کلکتہ اور پونا کی گورنری سونپی جائے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ بہادر شاہ ہندوستان بھر کا بادشاہ ہو گا - مارچ میں اسی اخبار نے خبر چھاپی کہ نو سو ایرانی افسر اور سپاہی ہندوستان میں داخل ہو چکے ہیں اور پانچ سو افسر اور سپاہی تو بھیس بدل کر خود دھلی میں موجود ہیں - وکیل استغاثہ نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ قلعۂ معلیٰ اور صحافت کے درمیان کوئی سازش نہیں ہوئی اور جو کچھ ہوا اتفاق سے ہو گیا -

دوران انقلاب میں 'دھلی اردو اخبار' کے جو پرچے نکلے، وہ اب تک نایاب سمجھے جاتے تھے - اب محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب 'ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں' میں ۱۷ مئی اور ۲۴ مئی کے 'دھلی اردو اخبار' کے اصل پرچے لے کر ان سے مفصل اقتباسات پیش کیے ہیں - ہم ۲۴ مئی کے شمارے سے بعض اقتباس درج کرتے ہیں - سب سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد کی 'تاریخ انقلاب عبرت افزا' ملاحظہ ہو :

تاریخ انقلاب عبرت افزا

کو ملک سلیمان و کجا حکم سکندر
شاہان اولوالعزم و سلاطین جہاں دار

کو سطوت حجاج و کجا صولت چنگیز
کو شان ہلاکو و کجا نادر خوں خوار

نہ شوکت و حشمت ہے، نہ وہ حکم نہ حاصل
کس جا ہے جہاں اور کہاں ہیں وہ جہاں دار

کو رستم و سہراب و کجا سام نریماں
اس معرکہ میں کند ہے ہرایک کی تلوار

کو حکمت لقمان و کجا علم فلاطوں
خیل حکماء و علمائے اولی الابصار

ہوتا ہے ابھی کچھ سے کچھ یک چشم زدن میں
ہاں دیدۂ دل کھول دے اے صاحب ابصار

ہے کل کا ابھی ذکر کہ جو قوم نصاریٰ
تھی صاحب اقبال و جہاں بخش و جہاں دار

تھی صاحب علم و ہنر و حکمت و فطرت
تھی صاحب جاہ و حشم و لشکر جرار

اللہ ہی اللہ ہے جس وقت کہ نکلے
آفاق میں تیغ غضب حضرت قہار

سب جوہر عقل اُن کے رہے طاق پہ رکھے
سب ناخن تدبیر و خرد ہو گئے بے کار

کام آئی نہ علم و ہنر و حکمت و فطرت
پورب کے تلنگوں نے لیا سب کو یہیں مار

یہ سانحہ وہ ہے کہ نہ دیکھا نہ سنا تھا
ہے گردش گردوں بھی عجب گردش دوّار

نیرنگ پہ غور اُس کے جو کیجے تو عیاں ہے
ہر شعبدۂ تازہ میں صد بازیٔ عیار

ہاں دیدۂ عبرت کو ذرا کھول تو غافل
ہیں بند یہاں اہل زباں کے لب گفتار

آنکھیں ہوں تو سب کھل گئی دنیا کی حقیقت
مت کیجو دلا اس کا بھروسہ کبھی زنہار

عبرت کے لیے خلق میں یہ سانحہ بس ہے
گر دیوے خدا عقل سلیم و دل ہوشیار

کیا کہیے کہ دم مارنے کی جائے نہیں ہے
حیران ہیں سب آئینہ صفت پشت بہ دیوار

حکام نصاریٰ کا بدیں دانش و بینش
مٹ جائے نشاں خلق میں اس طرح سے یک بار

اس واقعہ کی پائی یہ آزاد نے تاریخ
دل نے کہا قل فا عتبروا یا اولی الابصار

'دھلی اردو اخبار' میں جو خبریں ۲۴ مئی کے شمارے میں شائع ھوئیں ، ان میں سے چند دل چسپ خبروں کے اقتباس یہ ھیں :

"کول : سنا گیا ھے کہ چار کمپنیاں کول کی بھی انگریزوں کا کالا منہ کر کے حضور سلطانی میں حاضر ھوئے ، یعنی جو انگریز پایا اسے موت کے گھر پہنچایا اور خزانہ خوب لٹایا ۔ تمام رعایا نے وھاں کی ، خوب لوٹا اور جو جس نے پایا ، خوب کمایا ۔"

"لکھنو : سنا جاتا ھے کہ لکھنؤ میں انگریزوں کا وھی حال ھوا ، جو کہ یہاں دیکھا گیا ۔ یہ بھی افواہ ھے کہ وہ بھائی گدی نشین معزول کا ، جو کہ دیوانہ مشہور تھا ، گدی پر بیٹھا اور عمل داری اس کے نام ھے ۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ خود وہ شاہ رقص دوست و سرود پسند کس خیال میں ان دنوں میں ھیں اور سرا پردۂ دولت کہاں ھے ۔"

"خاص شہر دھلی : اب رعایا بہ سبب لوٹ مار کے بہت تنگ و حیران و سرگرداں ھے ۔ کیا شہری خود اور کیا باھر والے بیشتر لوٹ مار کرتے ھیں اور تھانہ جات کی عمل داری اور طاقت عشر عشیر نسبت سابق کے نہیں رھی ...... غرض ھر ایک عزت دار و مال دار کے لیے آج کل بڑی مشکل ھے ۔"

"العہدۃ علی الراوی : سنا گیا کہ بر بادئ رعایا اور ظلم و زیادتئ مفسدین اور بے انتظامئ شہر اور مظلومئ اھل شہر سن کر حضرت حضور اقدس ظل سبحانی نے ایک تحریر پر تاثیر بدیں مضمون جاری فرمائی کہ اکثر اھل سیف و اھل زور رعایائے شہر اور نمک پروردگان شاھی کو ستاتے اور نہایت تکلیف دیتے ھیں ۔ پہلے اس سے ، اھل فرنگ حسب دل خواہ اپنے جو احکام

چاہتے تھے، جاری کرتے تھے اور رعایائے عزیز ما بہ دولت ہمیشہ پریشان حال اور حیران رہتی تھی۔ اب تم لوگ انھیں ستاتے ہو اور لوٹتے ہو۔ اگر ایسا ہی تمہارا حال ہے، تو خیر۔ اس آخری وقت میں ما بہ دولت کو کچھ ملک و مال سے غرض نہیں۔ بہ طرف خواجہ صاحب حضور نہضت فرما ویں گے کہ رعایائے حضور بھی ہم رکاب اپنے آقائے ولی نعمت کے چلی جائے گی اور یا بہ طرف کعبۃ اللہ ہجرت فرما ویں گے کہ بقیہ عمر عزیز صورتاً و معناً و سراً وعلانیہ یاد الہیٰ میں بسر ہو جاوے۔ سنا گیا کہ یہ تحریر جو پڑھی گئی، تمام سامعین اس تحریر پُر اثر کو سن کر آب دیدہ ہوئے ......۔''

''دکان داران شہر نے بڑی ظلم و زیادتی کر رکھی ہے کہ اجناس ضروری و اشیائے کار آمدنی تصرفی روز مرہ میں لوگوں کو بے حد تکلیف ہے کہ اکثر اشیاء بالکل ملتی ہی نہیں اور جو ملتی ہیں، تو بہت گراں اور مہنگی۔ ہر ایک بازار میں گنتی کی دکانیں کھلی دکھائی دیتی ہیں اور جو دکان کھلی ہوتی ہے اُس پر خریداران ضرورت مند کی یہ حالت ہے کہ گویا ایک انار صد بیمار۔ اسی نسبت سے جنس بہت خراب اور مال ناقص ہے۔ مگر پیٹ ظالم ہے اور ضرورت خراب کرتی ہے۔ لاچار لوگ لیے جاتے ہیں اور جو کچھ ہاتھ لگتا ہے اُسے غنیمت جانتے ہیں۔ سچ ہے:

گندم اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است۔''

''رنگین مزاجان شہر خصوص مستورات کہ جو پان زردے کی عادی ہیں، نہایت تکلیف میں ہیں کہ پان پیپل کے پتے برابر زیر جامع مسجد مقام منڈی سے دو روپیہ کو ہاتھ آتا ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ اہل شہر شوقین زردہ کھانے والوں سے زیادہ منہ لال رکھتے تھے۔ کس و ناکس گلوری منہ میں لیے پھرتا تھا۔ یا یہ حال ہے کہ زردے والے بھی خاک پھانکتے ہیں کہ لوازمات پان کی بھی بہت گراں قیمت ہوگئی ہے۔''

۱۲ جولائی ۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر کی فرمائش پر 'دہلی اردو اخبار' کا نام بدل کر 'الظفر' رکھ دیا گیا ۔ اس کا آخری پرچہ ۱۳ ستمبر کو چھپا ۔ ۲۰ ستمبر کو دہلی پر انگریزوں کا تصرف ہو گیا اور دہلی کے سارے اخبار بند ہو گئے ۔

مولانا محمد باقر کی شہادت

'دہلی اردو اخبار' کے مدیر مولانا محمد باقر کو اس الزام میں گولی سے آڑا دیا گیا کہ وہ دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر کے قتل کی سازش میں شریک تھے ۔ اس واقعے کے سلسلے میں پانچ تاویلیں موجود ھیں ۔ ٹیلر کیسے قتل ہوا ؟ اس پر ۱۷ مئی ۵۷ء کے 'دہلی اردو اخبار' کا مطالعہ ضروری ھے ۔ اس میں بتایا گیا ھے کہ ٹیلر دوسرے انگریزوں کے ساتھ میگزین میں محصور تھے ۔ جب میگزین آڑا دیا گیا تو چند آدمی مارے گئے اور باقی نکل گئے ۔ نکلنے والوں میں ٹیلر بھی شریک تھا ۔ اب اقتباس ملاحظہ ہو :

''سنا گیا ھے کہ ٹیلر صاحب پرنسپل مدرسہ بھی یہیں (میگزین میں) بند تھے ۔ اُس دن تک کچھ آب و دانہ باقی تھا اور کوئی دن دنیا کی ھوا کھانی تھی کہ دوسرے دن یوم سہ شنبہ قریب دوپہر اسی تھانے کے علاقے میں مارے گئے ۔ یہ شخص مذھب عیسوی میں نہایت متعصب تھا اور اکثر ناواقف لوگوں کو اغوا کیا کرتا تھا ؛ چناں چہ ڈاکٹر چمن لعل کا خون اُسی کی گردن پر رھا ۔ عجیب شان ایزدی ھے کہ یہ شخص نہایت مال دار تھا ۔ قریب دو لاکھ کے روپیہ اس کا بنک کلکتہ و دہلی میں جمع تھا اور چند بنگلہ وغیرہ کرایۂ کثیر کے چھاؤنی میں تھے اور یہ روپیہ بھی اس قدر سعی و کوشش سے جمع کیا تھا کہ صرف ڈیڑھ آنہ یا چار پیسے روز اپنی ذات کے صرف طعام میں لاتے تھے اور باقی سب داخل بنک ۔ دن رات میں جو وقت فرصت ھوتا تھا اُسے حساب کتاب زر بنک میں صرف کرتے تھے ۔ کپڑے بھی صرف ضرورتاً قابل جلسہ اھل جلسہ کے پہنتے تھے ۔ لیکن قابل عبرت ھے حال

دنیائے دوں کا کہ باوجود اس زر کثیر کے دن بھر لاشہ برہنہ خاک و خون میں غلطاں پڑا رہا ۔ دیکھنے والے کہتے تھے کہ فقیری لباس اس وقت تھا اور منہ پر خاک ملی ہوئی تھی ۔
['دھلی اردو اخبار' ۱۷ مئی ۵۷ء، جلد ۱۹، نمبر ۲۰]

'مرحوم دھلی کالج'، مصنفہ مولانا عبدالحق میں بتایا گیا ھے کہ ٹیلر دھشت زدہ ھو کر اپنی کوٹھی سے نکلا اور اپنے خانساماں کی کوٹھی میں پناہ لی ۔ خانساماں نے اسے مولانا محمد باقر کے گھر پہنچا دیا ۔ مولانا نے اسے اپنے گھر میں چھپا لیا ۔ انقلابیوں کو خبر ملی، تو انھوں نے مولانا کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور دھمکی دی کہ اگر ٹیلر اُن کے حوالے نہ کیا گیا تو وہ مکان کو نذر آتش کر دیں گے ۔ مولانا نے ھوشیاری اور دانائی کے ساتھ ٹیلر کو ھندوستانی لباس پہنا کر روانہ کر دیا ۔ کچھ دور گیا تھا کہ باغیوں نے اسے پہچان لیا اور اسے لاٹھیاں مار مار کر ھلاک کر دیا ۔ جب انگریزی فوج شہر میں داخل ھوئی تو ایک انگریز کمانڈر نے مولانا کو ٹیلر کے قتل کے الزام میں پھانسی دے دی ۔

'محمد حسین آزاد' مؤلفہ جہاں آرا بیگم نقوی میں بیان کیا گیا ھے کہ جب باغیوں نے مولانا کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو ٹیلر نے پونے دو لاکھ روپے کے نوٹ اس تحریر کے ساتھ مولانا کے حوالے کیے کہ میں یہ رقم اپنی مرضی سے مولانا کے حوالے کر رھا ھوں ۔ اس کے بعد ٹیلر باھر نکلا ۔ باغیوں نے اسے ھلاک کر دیا ۔ جب انگریزی فوج نے دھلی پر قبضہ کر لیا، مولانا انگریز کمانڈر ھڈسن کے پاس پہنچے اور اسے نوٹ اور ٹیلر کی تحریر دکھائی ۔ اس نے پوچھا، ٹیلر کہاں ھے ۔ مولانا نے جواب دیا کہ وہ قتل ھو چکا ھے ۔ اس پر کمانڈر نے انھیں فوراً گولی سے اڑا دیا ۔

سر عبدالقادر (مرحوم) نے اپنی کتاب Famous Urdu Poets and Writers میں مولانا محمد باقر کے فرزند مولانا محمد حسین آزاد کے حوالے سے جو روایت درج کی ھے، اس میں ٹیلر کے قتل کا حصہ تو بالکل

وہی ہے جو ' مرحوم دہلی کالج ' میں بیان ہوا ہے ، لیکن باقی روایت مختلف ہے ۔ کہا گیا ہے کہ ٹیلر نے مولانا کے مکان سے نکلنے سے پہلے انہیں کاغذات کا ایک بنڈل دے کر کہا ، اگر دہلی پر انگریزی فوج کا پھر قبضہ ہو جائے تو جو انگریز پہلے ملے ، یہ بنڈل اس کے حوالے کر دیا جائے ۔ جب مولانا باقر نے یہ بنڈل انگریز کرنل کے سپرد کیا ، تو کرنل نے بنڈل پر لاطینی زبان میں ٹیلر کی لکھی ہوئی یہ سطور دیکھیں ، "مولوی محمد باقر نے پہلے پہل مجھے اپنے مکان میں پناہ دی لیکن پھر حوصلہ ہار بیٹھے اور میری زندگی بچانے کی کوشش نہیں کی" ۔ اس پر کرنل نے فوراً مولانا کو گولی سے اڑا دیا ۔

آغا محمد باقر نبیرۂ محمد حسین آزاد نے ' نقوش ' کے شخصیات نمبر میں جو روایت قلم بند کی ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلر چار دن تک مولانا کے گھر چھپے رہا اور جب باہر نکلا ، تو باغیوں نے اس کے پاؤں میں رسی باندھی اور اسے گلیوں میں گھسیٹتے پھرے ، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا ۔ باقی واقعات وہی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں ۔

مولانا محمد حسین آزاد

مولانا محمد حسین آزاد ' دہلی اردو اخبار ' کے پرنٹر اور پبلشر تھے اور ادارت میں بھی اپنے والد کی مدد کرتے تھے ۔ جب والد گولی سے اڑا دئے گئے ، تو آزاد کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری ہوا ۔ چناں چہ وہ دہلی سے رو پوش ہوئے ۔ پھر لکھنؤ گئے ۔ وہاں سے بھی روانہ ہونا پڑا اور ایک طویل مدت کے بعد چین نصیب ہؤا ۔

جمیل الدین کو تین سال قید

' صادق الاخبار ' کے مدیر جمیل الدین (جمال الدین) کے خلاف مقدمہ چلا اور انہیں تین سال قید کی سزا دی گئی ۔

انقلاب میں صحافت کا کردار

اب حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچتے ہیں:

۱۔ انقلاب کے وقت فارسی اور اُردو اخباروں کی اشاعت محدود تھی، لیکن اُن کے قارئین با اثر طبقے سے تھے۔

۲۔ انقلاب سے دو تین مہینے پہلے بعض اخباروں نے جرأت سے کام لیا اور وہ اجنبی راج کے خلاف خبروں اور تبصروں کی اشاعت میں قدرے بے باک ہو گئے۔

۳۔ قانون زبان بندی کے ماتحت زیادہ تر کاروائی فارسی اور اُردو اخباروں کے خلاف ہوئی۔ دوسری دیسی زبانوں میں کوئی اخبار زیر عتاب نہ آیا۔

۴۔ صرف اُن انگریزی اخبارات کے خلاف حکومت نے کاروائی کی جو لارڈ کیننگ یا اُس کے رفقاء کے خلاف سخت باتیں لکھتے تھے۔ جہاں تک دیسی باشندوں کے خلاف اشتعال انگیزی کا تعلق تھا، اس میں انگریزی اخبار کاملاً آزاد تھے۔

۵۔ بہادر شاہ کے زیر سایہ دھلی کے اخباروں نے انگریزوں کی کام یابیوں کے باوجود آخری دم تک لوگوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی سعی کی اور باغیوں کی غنڈہ گردی اور دھشت انگیزی کے باوجود عوام کے مطالبات بادشاہ اور حکام تک پہنچائے۔

۶۔ انقلاب کے خاتمے پر دھلی کی صحافت بھی کاملاً ختم ہو گئی۔

۷۔ یہ امر باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ انقلاب کو کام یاب بنانے کے لیے قصر معلیٰ اور صحافت میں ہم آھنگی قائم تھی۔

صحافت سے مسلمانوں کی بے دخلی

۸۔ اس انقلاب نے مسلمانوں کو عملاً صحافت سے بے دخل کر دیا۔ اس سلسلے میں نٹ راجن نے سرکاری رپورٹوں کی بنیاد پر جو کچھ لکھا، اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں :—

”انقلاب برپا ہوتے ہی شمال مغربی صوبہ جات کے زیادہ تر اردو اخبار بند ہو گئے۔“ (صفحہ ۶۸)

”بہت سے اردو اخبار بغاوت کے دوران میں بند ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ نئے اخبار نکل آئے، جن کی ادارت کے فرائض ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔“ (صفحہ ۷۳)۔

”۱۸۵۳ء میں اردو زبان کے اخبارات کی تعداد پینتیس تھی۔ ۱۸۵۸ء کی فہرست میں صرف بارہ اخبار رہ گئے۔ ان میں چھ پچھلے اخبار تھے اور چھ نئے۔ ان بارہ اخباروں میں صرف ایک اخبار کی ادارت کسی مسلمان کے سپرد تھی (۵۴)۔“

مسلمانوں کی بے دخلی کی وجہ یہ تھی کہ انقلاب میں وہی پیش پیش تھے اور انگریزی اخبارات نے ان کے خلاف پروپیگنڈے کی مسلسل مہم جاری رکھی تھی۔ ان کے مقابلے پر ہندو اخباروں نے حکام سے بے نظیر تعاون کیا۔ مثلاً کوہ نور (لاہور) سرکار کی مرضی کے مطابق چلتا رہا اور ”مژدۂ فتح دہلی“ سنانے کے لیے ضمیمے بھی چھاپتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان زیر عتاب آئے اور ہندو اخبارات نے ترقی کر لی؛ چناں چہ ان کی اشاعت بھی بڑھ گئی۔ جہاں ۱۸۵۳ء میں پینتیس اخباروں کی مجموعی اشاعت دو ہزار دو سو سولہ تھی وہاں ۱۸۵۸ء کے صرف بارہ اخباروں کی مجموعی اشاعت تین ہزار دو سو تیئیس تک پہنچ گئی۔ ان میں گیارہ اخبار ہندوؤں کے تھے اور صرف ایک مسلمان کا۔

تیرھواں باب

اودھ اخبار

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد اردو صحافت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس کے آغاز میں اردو اخباروں کا لب و لہجہ بہت نرم اور مصلحت وقت کے تابع تھا اور ان کی توجہ سیاست کی جگہ مغربی علوم و فنون کی اشاعت پر مرتکز تھی۔ جب ملکی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر براہ راست تاج برطانیہ کے زیر نگین آ گئی، تو حکمران طبقے کے طرز عمل میں کچھ بہتری کے آثار نظر آنے لگے اور اخبار ملکی مسائل پر دبی زبان میں رائے زنی کرنے لگے۔ اسی دور کے آغاز میں 'اودھ اخبار' جاری ہوا جو چند سال بعد روزنامہ بن گیا اور تقریباً نوے سال زندہ رہا۔ یہ اخبار انیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو کے چند بڑے بڑے اخباروں میں شمار ہوتا تھا۔

'اودھ اخبار' ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ سے منشی نول کشور نے جاری کیا۔ منشی نول کشور ۱۸۳۶ء میں بستوئی (ضلع علی گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا آگرہ میں سرکاری خزانچی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور والد کاروبار کرتے تھے۔ منشی صاحب کو اخباری کاروبار سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ ۱۸۵۶ء میں 'سفیر آگرہ' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔ اس عہد میں بھی صحافتی دنیا میں ان کی شہرت خاصی تھی۔ چناں چہ جب کوہ نور (لاہور) اور 'چشمۂ فیض' (سیال کوٹ) میں صحافتی چشمکوں نے ایک باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی تو منشی نول کشور نے دونوں میں مصالحت کرا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ

'سفیر آگرہ' زیادہ دیر نہ چل سکا، کیوں کہ ۱۸۵۷ء کے 'کوہ نور' کے پرچوں میں اُن کا نام مہتمم کے طور پر درج ہے۔ بہ ہر حال وہ زیادہ دیر کوہ نور سے وابستہ نہ رہے۔ اسی سال لکھنؤ کو لوٹے اور سر رابرٹ منٹگمری اور کرنل ایبٹ کی سرپرستی میں مطبع نول کشور جاری کیا، جو بہت جلد ایشیا کے بڑے بڑے مطابع میں شمار ہونے لگا۔ ہندوستان کی علمی ترقی میں اس مطبع کی کتابوں نے جو اہم حصہ لیا، اُسے کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۸۵۸ء میں اودھ اخبار جاری ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں منشی صاحب کا انتقال ہوا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے منشی پراگ نارائن اور پھر پوتے منشی بشن نارائن نے کاروبار چلایا۔

'اودھ اخبار' کے بارے میں گارساں دتاسی ۱۸۶۶ء میں لکھتا ہے:

''یہ اخبار پچھلے سات سال سے نہایت کام یابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس کی ہر اشاعت پچھلی اشاعتوں سے بہتر نظر آتی ہے۔ اس کی تقطیع اور صفحات کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور ہر چہار شنبہ کو شائع ہوتا ہے۔ شروع شروع میں اس میں صرف چار صفحے ہوا کرتے تھے اور وہ بھی چھوٹی تقطیع پر۔ پھر چھ ہوئے اور پھر سولہ اور اب اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے کے مقابلے پر اس کی تقطیع بھی بڑی ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ ضخیم اخبار ہندوستان بھر میں اور کوئی نہیں ہے۔''

[خطبات، صفحہ ۵۱۴]۔

اُس زمانے کے اُردو اخبارات کا سائز عام طور پر ۱۸×۲۲ / ۴ ہوتا تھا۔ 'اودھ اخبار' نے اس سے انحراف کیا اور وہ ۲۹×۲۲ / ۴ پر چھپنے لگا۔ ہر صفحہ پر تین کالم ہوتے تھے۔ ۱۸۷۱ء میں 'اودھ اخبار' نے ترقی کی طرف ایک اور قدم بڑھایا۔ اخبارات کا محصول ڈاک کم ہونے پر وہ ہفتے میں دو بار شایع ہونے لگا۔ اس پر 'تہذیب الاخلاق' میں سرِ سید نے لکھا: ''اودھ اخبار پہلے سے بھی نہایت باوقعت اخبار تھا۔

اور اب تو کچھ کہنا ھی نہیں ھے - ھم کو یہ بھی اُمید ھے کہ ھمارے اور ھم عصر وقائع نگار بھی اودھ اخبار کی تقلید کریں گے اور منشی نول کشور سلمہ اللہ تعالیٰ کی عالی ھمتی سے یہ اُمید ھے کہ اُن کا اخبار مثل بڑے بڑے باوقعت انگریزی اخبارات کے روزانہ جاری ھوا کرے گا اور خدا کرے ، ایسا ھی ھو -"

[تہذیب الاخلاق - یکم جمادی‌الثانی ، ۱۲۸۸ ھجری - جلد ۲ - نمبر ۹] -

سر سید کی توقع پوری ھوئی اور ۱۸۷۳ء میں 'اودھ اخبار' روزانہ ھو گیا - ابتداء میں اعلان کیا گیا کہ روزانہ اخبار دس صفحات پر مشتمل ھوگا لیکن مواد کی کثرت کے پیش نظر اس سے کہیں زیادہ صفحات دیے جانے لگے - یہ کہنا ، کہ روزانہ اخبار کتنے صفحات پر مشتمل ھوتا تھا ، مشکل ھے ، کیوں کہ 'اودھ اخبار' کے جس فائل تک ھماری رسائی ھے ، اس میں کوئی پرچہ بھی مکمل صورت میں موجود نہیں - بس ۱۸۸۰ء کے مختلف پرچوں کے منتشر اجزاء ترتیب سے جلد کیے ھوئے ھیں -

اودھ اخبار ایک خالص غیر فرقہ وار اخبار تھا - ظاھری ٹیپ ٹاپ اور مضامین کو دیکھ کر یوں معلوم ھوتا ھے جیسے یہ مسلمانوں کا اخبار تھا - بہ‌ھر حال کبھی کبھی ھندوؤں کے حق میں بھی کچھ چیزیں آ جاتی تھیں - اس کی پالیسی مرنجاں مرنج تھی ، کوئی خاص سیاسی مسلک نہیں تھا اور ھمیشہ دامن بچا کر چلنے کا عادی تھا - اس اخبار میں بڑے بڑے ادیب ، شاعر اور انشاء پرداز کام کرتے تھے - مثلاً مولوی غلام محمد خان تپش تلمیذ غالب ، پنڈت رتن ناتھ سرشار ، مولوی احمد حسن شوکت ، عبدالحلیم شرر ، سید امجد علی اشھری ، مرزا حیرت دھلوی اور مولانا جالب دھلوی - ان کے علاوہ کئی اور ایسے ادیب تھے جن کے اسماء کا ذکر نہیں آتا تھا -

"'اودھ اخبار' کی ترقی کا ایک دور وہ تھا جب اس کی ادارت منشی غلام محمد خان تپش کے ھاتھ میں تھی - ایک دفعہ منشی نول کشور سے رائے کا اختلاف ھوا اور منشی غلام محمد خان علیحدہ کر دیے گئے-

اس پر سر سید نے جو لکھا ، اُس سے ایک تو تپش کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے ، دوسرے اودھ اخبار کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے ۔ اس مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو :

"کیا یہ بات افسوس کے لائق نہیں ہے کہ منشی نول کشور سا نام ور شخص ایک ایسے شخص کی نسبت جیسے کہ منشی غلام محمد خان صاحب ہیں ، بے اعتنائی کر کے اُن کو ہاتھ سے کھو دے اور اس بات کا خیال نہ کرے کہ ایسے شخص کی علیحدگی سے ایسے مشہور اخبار کی ترقی میں ، جس کا شہرہ ہندوستان سے انگلستان تک ہے ، کیا نقصان آوے گا ۔ ہمارے نزدیک شاید اس بات کا تو کوئی مصنف بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اودھ اخبار صرف منشی غلام محمد خان صاحب ہی کی توجہ کا اثر ہے ، ورنہ اس سے پہلے یہ کوئی چیز نہ تھا ۔ جو آب و تاب اس کو حاصل ہوئی ، وہ صرف انھی کی بدولت نصیب ہوئی اور ہر مذاق کی بات اخبار میں نظر آنے لگی ۔ اخبار پہلے ایک ہی بار چھپتا تھا اب کئی بار ہوگیا اور با وجود اس کے ، اس قدر لمبا چوڑا اخبار ہے کہ آج اس وقت اس سے اردو اخباروں میں کوئی زیادہ نہیں معلوم ہوتا ۔"

[اخبار سائنٹفک سوسائٹی ، ۲۹ ستمبر ۱۸۷۶ء] ۔

سر سید کی اس رائے کا اثر ہوا اور منشی نول کشور نے منشی غلام محمد خان تپش کو دوبارہ رکھ لیا ۔ اس پر اگلے ہفتے کے شمارے میں اخبار سائنٹفک سوسائٹی نے خوشی کا اظہار کیا کہ "پھر وہی موسم بہار اودھ اخبار کے لیے آگیا ۔"

بہ ہر حال منشی غلام محمد خان تپش زیادہ دیر 'اودھ اخبار' سے منسلک نہ رہ سکے اور اُن کی جگہ پنڈت رتن ناتھ سرشار نے ادارت سنبھالی ۔ پنڈت رتن ناتھ غالباً ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے ۔ پرانے دستور کے مطابق عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ پھر لکھنؤ کے کیننگ کالج میں داخل ہوئے ۔ ڈگری تو نہ لی ، البتہ انگریزی زبان سے کچھ واقفیت ہو گئی اور اس کے بعد ایک سکول میں مدرسی کر لی ۔ آپ

نے سب سے پہلے کشمیری پنڈتوں کے اخبار 'مراسلہ کشمیر' میں فارسی زبان میں مضمون لکھے۔ اسی زمانے میں سر رشتۂ تعلیم کے ایک اخبار کے لیے علمی اور اخلاقی مضامین اردو میں ترجمہ کرتے رہے اور محکمے نے اپنی سالانہ روداد میں لکھا کہ جیسا صحیح اور با محاورہ ترجمہ پنڈت رتن ناتھ کا ہوتا ہے، ایسا کسی دوسرے شخص کا نہیں ہوتا۔ 'مرأۃ الہند' اور 'ریاض الاخبار' میں بھی قلم کے جوہر دکھاتے رہے، لیکن زیادہ شہرت اُن مضامین کے لیے حاصل ہوئی جو انھوں نے 'اودھ پنچ' میں لکھے۔ ۱۸۷۸ء کا ذکر کرتے ہوئے چکبست رقم طراز ہے: ''اسی سال تقدیر نے حضرت سرشار کی زندگی کے کارنامے میں ایسا ورق اُلٹا جس سے کہ آپ کا کمال اہلِ ملک اور اہلِ قلم پر آئینہ ہو گیا اور خود اس صاحبِ کمال کو قبولِ عام کی سرکار سے نکتہ سنجی اور زبان دانی کی سند ملی، یعنی یہ وہ مبارک سال تھا، جب کہ منشی نول کشور نے حضرت سرشار کو 'اودھ اخبار' کی ایڈیٹری کا قلم دان سپرد کیا۔ اس زمانہ میں 'اودھ اخبار' کو جو عروج حاصل ہوا، اس کا زمانہ شاہد ہے۔ حضرت سرشار نے وقائع نگاری میں اپنا رنگ جما لیا۔ پولٹیکل اور سوشل مضامین میں وہ نکتے اور باریکیاں پیدا کیں کہ دلوں کو تسخیر کر لیا۔''

سرشار کے عہد ادارت میں 'اودھ اخبار' کی مقبولیت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں 'فسانۂ آزاد' بالاقساط چھپتا تھا۔ 'فسانۂ آزاد' کا آغاز کیسے ہوا؟ یہ بھی ایک دل چسپ داستان ہے۔ جب سرشار لکھنؤ آئے تو منشی سجاد حسین (مدیر اودھ پنچ) اور پنڈت تربھون ناتھ ہجر جیسے زندہ دلوں کی صحبت میں بیٹھتے۔ ایک دفعہ ہجر نے فرمائش کی کہ ڈان کویک زاٹ کے رنگ میں ظریفانہ مضامین لکھے جائیں۔ یہ بات سرشار کے دل کو لگی؛ چناں چہ ظرافت کے عنوان سے 'اودھ اخبار' میں لکھنؤ کے رسم و رواج کے مختلف پہلوؤں پر دل چسپ مضامین لکھنے لگے۔ پڑھنے والوں نے انھیں اتنا پسند کیا کہ سرشار نے 'مختلف مضامین کی کڑیوں کو گوندھ کر فسانہ کا سلسلہ نکالا۔ ''لفظوں کی نئی تراش، ترکیبوں کی خوب صورتی، کلام کی گرمی، مضامین کی شوخی، طرز تحریر

کی نزاکت ، جواب و سوال کی نوک جھونک ، زبان کی پاکیزگی ، محاورہ کی صفائی ، روز مرہ کی لطافت ، ظرافت کی گل کاری ، تراشوں کی نئی پھبن ، ایجادوں کی بانک پن نے لوگوں کو حضرت سرشار کا والہ و شیدا بنا دیا ۔'' چکبست کے بیان کے مطابق فسانۂ آزاد 'اودھ اخبار' کے ضمیمہ کے طور پر ''سن ابتدائے دسمبر ۱۸۷۸ لغایت دسمبر ۱۸۷۹ء برابر شائع ہوتا رہا ۔ بعد ازیں ۱۸۸۰ء میں کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا ۔'' حقیقت یہ ہے کہ یہ ۱۸۸۰ء میں بھی 'اودھ اخبار' کے اکثر شماروں میں چھپتا رہا ۔

جن دنوں سرشار 'اودھ اخبار' کے ایڈیٹر تھے ، یہ اخبار 'اودھ پنچ' کے ظریفوں کا تختۂ مشق بن رہا تھا ۔ چوں کہ فسانۂ آزاد 'اودھ اخبار' کی جان تھا ، اس لیے اس پر بھی نکتہ چینی کی گئی اور اس نے خاصی ہنگامہ خیز صورت اختیار کر لی ، یہاں تک کہ سرشار اور منشی سجاد حسین کے درمیان دوستی کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور 'اودھ اخبار' میں اس عنوان سے کئی مضمون چھپے کہ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں کے خلاف حکومت کاروائی کرے ۔ ان مضامین میں 'اودھ پنچ' کا نام نہیں لیا گیا ، لیکن نشانہ وہی تھا ۔

یکم فروری ۱۸۸۰ء سے پنڈت رتن ناتھ سرشار اخبار کی ادارت سے الگ ہو گئے ۔ ۱۱ فروری کے 'اودھ اخبار' میں لکھا گیا کہ موصوف سکول کی مدرسی سے ایک سال کی چھٹی پر تھے ۔ ''انھوں نے اڈیٹری اخبار کو خوش مذاق اور حسن خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے اور کارخانہ آن کی خدمات سے خوش رہا ہے اور آن کی بہتری اور بہبودی کو خوشی سے دیکھے گا ۔'' اسی شمارے میں منشی نول کشور نے یہ اعلان شائع کیا :

''بالفعل یکم فروری ۱۸۸۰ء سے 'اودھ اخبار' کی ایڈیٹری کے انتظام کا چارج خود کارخانۂ اودھ اخبار نے اپنے ذمے لے لیا ہے ۔ آئندہ کسی خاص شخص کے ساتھ منصب ایڈیٹری غالباً متعلق نہ رہے گا ۔ امید ہے کہ اس تجربہ میں کام یابی بہ لحاظ عمدگی اخبار کے ہوگی ۔ یہ انتظام ایسا عمدہ قرینے سے کیا جائے گا کہ اعلیٰ اعلیٰ

درجے کی لیاقت کے چند اصحاب انشاء پردازی میں عالی دماغ اور صاحب کمال و ذی لیاقت مختلف اقسام کے مضمون نگار جو فن انشاء پردازی اور واقفیت طرز و طریق وقائع نگاری میں کامل تجربہ رکھتے ھیں، مقرر کیے جاویں گے۔ اور ایک طریقہ جامع و عمدہ محافظت صیغہ اخبار کے انتظام کا مدون کیا گیا ھے، جس کے مطابق آئندہ کی کاروائی بہ طرز احسن کارخانہ سے انجام پائے گی اور بہ نظر ترتیب و تہذیب مقاصد 'اودھ اخبار' خاکسار نول کشور خادم مطبع خود اس اهتمام جلیلہ کی محافظت میں مصروف رھے گا۔''

[۱۱ فروری ۱۸۸۰ء، جلد ۲۲، نمبر ۳۶]

بہ ہر حال اس پالیسی سے جلد ھی انحراف کرنا پڑا۔ 'احسن الاخبار' نے 'اودھ اخبار' کی تعریف میں ایک طویل مقالہ شائع کیا، جس میں حکومت سے درخواست کی کہ وہ منشی نول کشور کو ان کی علمی خدمات کے صلے میں سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دے۔ یہ مقالہ 'اودھ اخبار' میں نقل ھوا اور اس سے نئے ایڈیٹر کا نام منظر عام پر آ گیا۔ اقتباس ملاحظہ ھو:

''بے شک و شبہ اودھ اخبار کے برگزیدہ معاون عالم و فاضل علامۂ عصر مولوی احمد حسن صاحب شوکت ھیں، جن کو عالی دماغی سے پولیٹیکل مقاصد یعنی ملکی امور میں واقفیت کا ملکہ حاصل ھے۔ حضرت شوکت کی انشاء پردازی سے اھل مذاق بہ‌خوبی واقف ھیں۔'' [۱۱ مارچ ۱۸۸۰ء]

سرشار کے جانے کے بعد بھی فسانۂ آزاد کی اقساط جاری رھیں اور 'اودھ پنچ' سے معرکہ آرائی کا سلسلہ بھی جاری رھا۔ 'اودھ پنچ' 'اودھ اخبار' کو بنیا اخبار کہتا تھا اور غالباً اس نے کچھ ایسا پروپیگنڈا شروع کیا کہ 'اودھ اخبار' ھندوؤں کی ملکیت ھے اور مسلمانوں کا مخالف ھے۔ اس پر 'اودھ اخبار' نے جلی قلم سے ایک طویل مضمون میں بتایا کہ 'اودھ اخبار' کے مطبع نے اسلام کی کتنی خدمت کی اور کس طرح ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نہایت کم یاب اسلامی کتابیں

چھاپیں اور یہ بھی بتایا کہ اس کے ہزارہا کار پردازوں میں 'ایک حصہ ہنود اور دس حصے مسلمان ہیں' اور یہ بھی لکھا کہ :

''ناظرین جانتے ہیں کہ جنگ روم و روس میں کارخانے نے اسلام کی کس قدر خدمت گزاری کی ۔ کارخانے کی معرفت قسطنطنیہ کو ہندوستان سے کس قدر روپیہ بھیجا گیا ۔ عساکر سلطانی کی امداد کے لیے جو چندے کی کمیٹیاں ہوئیں 'اودھ اخبار' میں وقتاً فوقتاً کس قدر شائع ہوئیں ۔'' [۲۱ اگست ۱۸۸۰ء ، جلد ۲۲ ، نمبر ۱۹۹] ۔

سچ پوچھیے تو 'اودھ اخبار' کو ہندو اخبار کہنا سراسر زیادتی تھی ۔ اس اخبار نے نہ صرف مندرجہ بالا خدمات سر انجام دیں بلکہ مسلمانوں کی تعلیمی بہتری پر مضامین چھاپے ۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے حق میں مراسلات شائع کیے ۔ اسلامی ممالک کی سیاست میں جہاں تک ہو سکا ہمدردانہ انداز میں مضامین لکھے اور نہر زبیدہ کی تعمیر پر چندے کی اپیل کئی بار نصف صفحے میں مفت اشتہار کی صورت میں چھاپی ۔

مولانا عبدالحلیم شرر بھی چند سال 'اودھ اخبار' سے وابستہ رہے ۔ اُن کے خاندان کو واجد علی شاہ کے خاندان سے بے حد لگاؤ تھا ۔ اس لیے ان کے والد حکیم تفضل حسین بادشاہ کے ساتھ مٹیا برج (کلکتہ) میں جا کر رہے تھے ۔ شرر کی عمر نو برس کی تھی کہ مٹیا برج پہنچے ۔ وہیں اصل تعلیم پائی ۔ اخبار پڑھنے کا شوق تھا ۔ جب 'اودھ اخبار' زیر مطالعہ آیا ، تو اس کے لیے لکھنے کا شوق پیدا ہوا ؛ چناں چہ 'اودھ اخبار' کے نامہ نگار مقیم مٹیا برج مقرر ہوئے اور باقاعدگی سے خبریں بھیجنے لگے ۔ انیس برس کی عمر میں لکھنؤ آئے اور ۱۸۸۰ء میں منشی نول کشور سے ملے ۔ انھوں نے مضمون نگاری کا مشورہ دیا ۔ اس پر شرر نے کہا آپ موضوع بتائیں ، میں مضمون حاضر خدمت کر دوں گا ۔ منشی نول کشور نے ایک سیاسی موضوع تجویز کیا ۔ دوسرے ہی دن شرر اپنا مضمون لے گئے ۔ منشی نول کشور نے اسے بے حد پسند کیا اور تیس روپے ماہانہ پر انھیں مدیر معاون مقرر کر دیا ۔ 'ادبائے اردو' میں لکھا ہے ، ''یہاں بیٹھ کر مولانا کو اپنی جولانی طبع دکھانے کے بہت اچھے مواقع میسر

آئے ۔ اُن کے مضامین عام طور پر علمی ، خیالی اور فلسفیانہ مذاق کے ہوتے تھے ۔ ان مضامین نے ملک بھر میں دھوم مچا دی اور مولانا کا آفتاب عزت مہر و مہ کی طرح چمکنے لگا ۔ روانیٔ طبع کا یہ عالم تھا کہ مولانا چار پانچ روز بیٹھ کر اتنے مضامین لکھ دیتے تھے جو مہینہ بھر اخبار میں شائع ہوتے تھے ۔ روح کے متعلق مولانا کا ایک مضمون چھپا ، تو سر سید احمد خاں نے منشی نول کشور کو ایک خط لکھا کہ یہ مضمون مجھے بے حد پسند آیا ہے ، اگر آپ اجازت دیں تو اس کے چند خیالات اپنی تفسیر میں لے لوں ؛ چناں چہ اس کی اجازت دے دی گئی۔'' منشی نول کشور نے شرر کو نامہ نگار خصوصی کی حیثیت سے حیدر آباد دکن بھیجا ۔ کچھ عرصہ بعد شرر نے یہ سلسلہ ختم کر دیا اور وہاں سے چلے آئے ۔

'اودھ اخبار' ہر لحاظ سے اعلیٰ پائے کا اخبار تھا ۔ صفحہ اول پر 'تار کی خبریں' دی جاتی تھیں ۔ ان میں کچھ خبریں تو وہ ہوتی تھیں ، جو حکومت کے پریس کمشنر کی طرف سے بہ ذریعہ برقیہ سب اخباروں کو مہیا کی جاتی تھیں ، باقی اہم خبریں 'پاؤنئر' سے اخذ کر لی جاتی تھیں ۔ اندر کے صفحات پر قومی اور بین الاقوامی خبریں تفصیل سے دی جاتی تھیں ۔ بعض قومی خبریں نامہ نگاروں سے موصول ہوتی تھیں ، بعض اعلیٰ درجے کے انگریزی اخبارات سے لی جاتی تھیں ۔ بین الاقوامی خبروں کا ذریعہ بھی انگریزی اخبار ھی ہوتے تھے ۔ بین الاقوامی خبروں کے پس منظر پر اتنے مضامین چھپتے تھے کہ آج کل کے اردو اخبارات ہیچ معلوم ہوتے ہیں ۔ زیادہ تر مضامین یورپی طاقتوں سے ترکیہ کے تعلقات اور افغانستان کے بارے میں ہوتے تھے ۔ ان میں سے کچھ عملۂ ادارت کے ارکان خود لکھتے تھے اور کچھ 'دی ٹائمز' (لندن) سے ترجمہ کیے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ اسلامی ممالک کی سیاست پر بعض مضامین اور خبریں قسطنطنیہ کے فارسی اخبار 'الجوایب' سے بھی ترجمہ کی جاتی تھیں ۔ اس اخبار کا نمائندہ کلکتہ میں مقیم تھا اور وہ ھندوستان بھر کے اخبارات کو ترکیہ کے حق میں مضامین اور خبریں مہیا کرتا تھا اور ھندوستان کی خبریں اپنے اخبار کو بھیجتا تھا ۔

اس کے علاوہ ہر قسم کے معاشری موضوعات پر مضمون درج ہوتے تھے - علمی اور فنی موضوعات پرگراں قدر مقالے چھپتے تھے - مثلاً فن موسیقی پر ایک اعلیٰ پائے کا مضمون کئی قسطوں میں دیا گیا - صحت جسمانی کو برقرار رکھنے کے لیے معلوماتی مضامین شائع کیے جاتے تھے - 'کافرستان اور دردستان کا دل چسپ حال' جیسے مضامین بھی جگہ پاتے تھے - معاشیات کے بارے میں جتنی معلومات اودھ اخبار دیتا تھا، اس کی نظیر نہیں ملتی تھی - نرخ نامۂ نوٹ، منڈیوں کے نرخ اور معاشی موضوعات پر مضامین بھی درج ہوتے تھے - اس مختصر سے جائزہ کے بعد ہم مختلف موضوعات پر اودھ اخبار کی تحریروں کے اقتباس پیش کریں گے -

۷ فروری کے 'اودھ اخبار' میں 'دی ٹائمز' (لندن) کا ایک مضمون درج ہوا، جس میں وہابیوں کو برطانیہ کا دشمن قرار دیا گیا تھا - اس کے بعد 'اودھ اخبار' کے نامہ نگار مولوی مسیح الدین کاکوروی نے ایک مضمون میں اس کی نہایت شد و مد کے ساتھ تردید کی - ۲۰ فروری ۱۸۸۰ء کے شمارے میں اسی موضوع پر ایک اداریہ شائع کیا گیا - اس میں بتایا گیا کہ ہندوستان میں جو لوگ وہابیوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں، وہ ہرگز سلطنت انگریزی کے بد خواہ نہیں، وہ پکے دین دار اور موحد ہیں - چوں کہ لوگوں کو گور پرستی اور پیر پرستی سے منع کرتے ہیں اس لیے بعض جاہل مولوی اُن کے خلاف طرح طرح کی باتیں بنانے لگتے ہیں - کچھ عرصہ ہوا، حکومت پنجاب نے اس مسئلے کی پوری چھان بین کر کے وہابیوں کو باغیانہ الزامات سے کاملاً بری کر دیا تھا - آخر میں 'اودھ اخبار' نے لکھا:

"لندن ٹائمز کی تحریر کسی طرح پتھر کی لکیر نہیں ہو سکتی - ہم یہ بات قابل اطمینان وثوق سے کہتے ہیں کہ جتنے فرقے مذہب اسلام میں داخل ہیں اُن میں سے کوئی فرقہ، خواہ وہ وہابی ہو یا بدعتی، سنی ہو یا شیعہ، سلطنت انگلستان کو دوسری سلطنتوں کے مقابلے میں ہرگز برا نہیں سمجھتا اور ہندوستان کے علمائے اہل اسلام کا بے شک عام فتویٰ ہے کہ ہندوستان

ہر گز دارالحرب نہیں اور نہ اس میں دارالحرب کی شرطیں پائی جاتی ہیں ۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو صرف اس امر میں کہ ہندوستان دار الاسلام نہیں یعنی شریعت کے اصول سے اس کا تمام و کمال انتظام نہیں ۔'' [۲۰ فروری ۱۸۸۰ء ، جلد ۲۲ ، نمبر ۴۴]

'مسلمانان ہند' کے عنوان سے 'اودھ اخبار' نے اکتوبر ۱۸۷۶ء میں ایک مضمون شائع کیا ، جس میں اس خیال کی تردید کی کہ اگر برطانیہ ترکوں کے خلاف ہو گیا ، تو ہندوستان کے مسلمان بغاوت کر دیں گے ۔ 'اودھ اخبار' نے حکومت برطانیہ کو انتباہ کیا کہ اگر اس نے بعض لوگوں کی اس تحریک کی تائید کی کہ ترکوں کو یورپ سے نکال دیا جائے ، تو اس سے برطانوی مفاد کو نقصان پہنچے گا اور روس کو قسطنطنیہ پر قبضے کا موقعہ مل جائے گا اور لکھا :

''ہندوستان کے مسلمان اس بات سے بہ خوبی واقف ہیں اور جو مسلمان معاملات پولیٹیکل سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں ، وہ بھی کہ سکتے ہیں کہ انگلستان نے ترکی کے ساتھ کیا کیا ہے ۔ اگر مسلمانان ہند کی رائے دارالاسلام قسطنطنیہ میں لی جاوے ، تو وہ سرکار برٹش کے احسانات کا ذکر نہایت جوش و خروش سے کریں ۔ پس جس طرح پر کہ لوگوں کے خیالات ہیں کہ بعد غور کرنے مسلمانان ہند فساد کریں گے ، ویسا نہیں ہے ۔''

آخر میں اس اخبار نے لکھا :

''ہم مسلمان دوستوں سے ہم دردی کرتے ہیں کہ وہ انگلستان سے کہ سن کر ترکی کی ہم دردی سے کنارہ کش نہ ہونے دیں ، مگر اس بات سے بھی اُن کو واقف ہونا چاہیے کہ انگلستان اپنے پرانے دوست کا ساتھ چند شرطوں پر دے گا ، یعنی سلطان کو بلا رو و رعایت کسی قوم کے ، مساوی درجے پر انصاف کرنا پڑے گا اور جو شرطیں سابق میں سلطان نے کی ہیں ، اُن کو درجۂ تکمیل پر پہنچاویں گے اور سلطان کو مناسب ہے کہ جو

وعدہ انھوں نے عمدہ انتظام کرنے کا کیا ہے ، اُس کو فوراً شروع کر دیں اور غیر قوم ، جو اُن کی رعایا ہے ، اُس کے ساتھ ایسی ایسی مہربانیاں کریں جو شکرگزار ہو ۔ ایسی ہی کاروائیوں سے سلطان ترکی انگلستان کے دوست رہیں گے اور اگر ایسا نہ ہوگا، تو انگلستان ساتھ نہیں دے سکتا ہے ۔''

[یہ دونوں اقتباس اخبار سائنٹیفک سوسائٹی مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۶ء سے لیے گئے ہیں] ۔

اس زمانے میں سر سالار جنگ انگلستان گئے تا کہ حکومت برطانیہ پر زور دیں کہ وہ برار کا علاقہ نظام دکن کو لوٹا دے ۔ برار کے مسئلے پر اودھ اخبار نے صاف صاف لکھ دیا کہ انگریز برار میں کپاس کی خاص پیداوار سے جو فوائد حاصل کر رہے ہیں اس کے پیش نظر وہ برار کی واپسی سے پس و پیش کر رہے ہیں ۔ 'پاؤنیئر' نے برار کی واپسی کی مخالفت میں ایک مضمون چھاپا تھا ۔ اودھ اخبار نے اس کا پردہ بھی چاک کر دیا اور صاف لکھ دیا کہ یہ مضمون ہندوستان کے دفتر خارجہ نے خود مرتب کر کے چھپوایا ہے ۔ اس مقالے کا آخری پیرا گراف ملاحظہ ہو :

''اخبارات لندن نے سر سالار جنگ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور تحریر کیا ہے کہ برار واپس دینا چاہیے اور وہ سرکار کا انصاف اسی میں سمجھتے ہیں ۔ ہندوستان کے افسروں کی حکمت عملی ہی اور ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ برار کو نظام نے اپنی خوشی سے دیا تھا اور ہم نے ان پر کچھ زور نہیں ڈالا تھا اور اگر اس زمانے میں بد عہدی بھی ہوئی تو اس کو بیس برس کا عرصہ ہوا ۔ برار کا ملک اچھا ہے اور اس میں روئی خوب پیدا ہوتی ہے ؛ بڑی بڑی تنخواہیں افسران یورپین وہاں پاتے ہیں اور سب طرح سے برار کے لوگ خوش و خرم ہیں ۔ یہ افسروں کے خیالات ہیں ۔ مگر عوام کے خیالات اور ہیں ۔''

[اودھ اخبار کا یہ مضمون اخبار سائنٹیفک سوسائٹی نے ۶ اکتوبر ۱۸۷۶ء کو نقل کیا] ۔

'اودھ اخبار' عموماً والیان ریاست کی تائید و حمایت پر کمر بستہ رہتا تھا اور ان کے خلاف غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ناظرین اخبار کو یاد ہو گا کہ مہاراجہ صاحب سیندھیا پچھلے دنوں واسطے عیادت مہاراجہ صاحب اندور کے رونق افروز ہوئے تھے۔ اس پر اخبار بمبئی ریویو نے وہ باندھنو باندھا کہ الٰہی توبہ۔ انگریزی مہذب اخبار اور ایسے لاطائل ڈرپوک خیالات۔ کچھ اس اخبار پر منحصر نہیں، بلکہ بمبئی ٹائمز بھی اخبار بمبئی ریویو کا اس خاص معاملے میں ساتھی ہے۔ وہ لکھتا ہے، مطلب اس سے (مہاراجہ سیندھیا کے اندور جانے سے) یہ ہے کہ اگر وسط ایشیا میں کچھ بھی فتور پڑا تو مرہٹوں کی ریاستیں اور حیدرآباد کی ریاست بالکل برخلاف ہو جائے گی۔' اس قسم کی بدگمانی اور بدظنی انگریزی اخباروں کو شایاں نہیں ہے۔''
[۲ جنوری ۱۸۸۰ء - جلد ۲۲ - نمبر ۲]

مسلمانوں کو کشمیر کے نظم و نسق سے شکایت تھی۔ انھوں نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کے نظم و نسق میں مداخلت کرے۔ 'اودھ اخبار' نے اس کی مخالفت کی اور آخر میں لکھا:

''بعض پنجاب کے اخباروں، خصوصاً اخبار 'رہبر ہند' کی رائے پر نہایت درجہ تعجب ہوا کہ گورنروں کی ترتیب کا انتظام ہونا چاہیے یعنی نصف گورنر مسلمان ہوں اور نصف ہندو تاکہ مسلمانوں کو کسی طرح کی شکایت کا موقع نہ ملے۔ اس رائے سے اور ایسی ہی رایوں سے ہم کو اتفاق نہیں، کیوں کہ اگر یہ رائے تسلیم کی جائے تو مسلمان اور ہندو رئیسوں کے سلسلۂ انتظامیہ میں بہت بڑا فرق آجائے گا اور جس طرح پر آج مسلمان شکایت کرتے ہیں گو وہ شکایت غلط اصول سے ہو، اسی طرح پر ہندو اسلامی ریاستوں کی شکایت کریں گے اور وہاں بھی ہندو وزیر اور گورنر

مقرر کرنے کی حاجت ہو گی - ہمیشہ رائے ایسے آصول پر ہونا چاہیے جس سے فائدہ ہو نہ کہ ضرر -''

[۱۶ جنوری ۱۸۸۰ء - جلد ۲۲ - نمبر ۱۴]

'اودھ اخبار' میں جو ادارے چھپتے تھے آن میں ایک طرف قومی مسائل پر بحث ہوتی تھی، دوسری طرف عوام کی روز مرہ شکایات اور خواہشات منظر عام پر لائی جاتی تھیں - مثلاً عورتوں کے لیے ریلوے میں عورتیں ہی 'ٹکٹ ماسٹر' مقرر کی جائیں - ریلوے سٹیشنوں پر پانی، پلانے کا انتظام بہتر بنایا جائے - جس طرح مسلمانوں اور ہندؤوں کے لیے الگ الگ بہشتی مقرر ہیں آسی طرح انگریزوں کے لیے بھی مقرر کیے جائیں - ریلوے کے حادثات میں کمی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انجن ڈرائیور برانڈی اور شراب نہ پیا کریں - نواب بہاولپور کے اس فعل سے ہندؤوں کا دل دکھا ہے کہ آنھوں نے شیر ببر کے پنجرے میں ایک گائے ڈال دی - آمید ہے آئندہ آن کے آدمی کوئی ایسا کام نہ کریں گے جس سے بندگان خدا کا دل دکھے - رؤسا اور والیان ریاست کا فرض ہے کہ اس دفعہ لارڈ رپن کے دربار میں شرکت کے لیے لاہور جائیں تو آن کے ''ساتھ زیادہ تر بھیڑ بھاڑ اور تزک و احتشام نہ ہو - صرف ضروری سامان ہمراہ ہو'' - آردو زبان کی ترقی اور افغانستان میں برطانیہ کی دلچسپی کا تقاضا یہ ہے کہ فارسی زبان کو فروغ دیا جائے - 'اودھ اخبار' ہند و مسلم اتحاد پر بھی زور دیتا تھا، مثلاً ایک مقالے میں لکھا :

''ہماری یہ کیفیت ہے کہ زید پر کوئی صدمہ پڑا، عمرو باغ باغ ہوگیا - ایک قوم پر مصیبت نازل ہوئی، دوسری قوم کے گھر میں گھی کے چراغ جل گئے - اس نااتفاق اور تعصب کا برا ہو کہ ہندوستان کا اسی نے ستیاناس کر رکھا ہے - اس نااتفاقی نے ہم کو اس درجہ پر پہنچادیا ہے - خدا جانے اب آئندہ کیا کرے گی -''

[۱۸ اگست، ۱۸۸۰ء - جلد ۲۲ نمبر ۱۱۹]

اس وقت کی سیاسی جد و جہد کا اندازہ اس اقتباس سے ہو سکتا ہے :

"شاہی اعلان ۱۸۵۸ء کی تصدیق خود لارڈ لٹن نے جلسۂ قیصری دہلی میں کی تھی۔ گو یہ تمام وعدے مہربانی سے ہوئے ہیں کہ سول اور فوجی عہدے ہندوستانیوں کو دیے جائیں گے اور خیالی طور پر یہ لائق بھی سمجھے گئے ہیں، مگر تب بھی ان کو عہدے نہیں ملتے۔ امتحان متعہد سول سروس میں ایسی سخت قید لگائی گئی ہے کہ جس سے عمداً ایک ممانعت ہے..... ہندو راجہ بموجب منو کے قاعدے کے پیداوار کا آٹھواں حصہ وصول کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے بڑھا کر چوتھائی قرار دیا، لیکن حال کی اوسط تو کسی قدر نصف سے کم ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ ہندو راجہ اور مسلمان بادشاہ مال‌گزاری بٹائی سے لیتے تھے۔ اس صورت میں پیداوار اچھی ہوئی تو آمدنی بھی اچھی ہوئی اور کم ہوئی تو آمدنی بھی کم ہوئی۔ لہٰذا رعایا کو اُس زمانے میں تکلیف نہ پہنچتی تھی۔ اب رعایا کو مال‌گزاری کے لیے روپیہ تلاش کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ اپنے اہل و عیال کی پرورش کرسکے یا نہ کرسکے۔ اس کے بعد طرح طرح کی شکایت فوجی مصارف اور ایکٹ اسلحہ اور بہت بڑی فوج ہندوستانی رئیسوں کی اور دیسی اخبارات کے ایکٹ اور آخرمیں انکم ٹیکس کی ہے۔"

[۳۰ جنوری، ۱۸۸۰ء۔ جلد ۲۲ نمبر ۲۶]

'اودھ اخبار' اصلاح معاشرہ کا حامی تھا اور یہ چاہتا تھا کہ ہندوستانی مغربی علوم اور مغرب کی اچھی اچھی باتیں اختیار کریں، لیکن وہ مشرقیت کا بھی علم بردار تھا۔ اس کی ایک مثال اُس مضمون سے ملتی ہے، جس کا عنوان 'ہندوستان اور یورپی پوشاک' ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے:

"کیا ہمارا دل اور ہمارا مشاہدہ اس امر کی گواہی نہیں دیتا کہ ایک ہندوستانی آدمی جس وقت انگرکھا، پائجامہ اور اس پر چغہ یا عبا اور سر پر عمامہ یا دستار پہنتا ہے، تو کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ گویا اُس کی ثقاہت اور وجاہت دوگنی اور چوگنی ہو

جاتی ہے ۔ اس کے مقابلے میں جب کوئی ہندوستانی (کالا فرنگی) کوٹ پتلون ڈانٹ کر خروج کرتا ہے ، تو کتنا مکروہ اور ہونق معلوم ہوتا ہے ۔ لڑکے اور بچے آپ کو بہ ایں شان و بہ ایں ریش و فش دیکھ کر یا تو لولو بناتے ہیں یا ہوّا سمجھ کر ڈر جاتے ہیں ۔ جب کسی ہندوؤں کی گروہ میں ، جہاں کثرت سے ہندوستانی آدمی اپنی قدیمی پوشاک پہنے بیٹھے ہوتے ہیں ، کوئی نئی روشنی والا کالا فرنگی گزرتا ہے یا اس مجمع میں بیٹھا ہوتا ہے ، تو چار طرف سے کیسے قہقہے پڑتے ہیں ، بلکہ بسا اوقات خوش باش لنگوٹیے یاروں کی طرف سے مذاق و مزاح کے طور پر وہ وہ چھرے پڑتے ہیں کہ عقل کے طوطے شکار ہو جاتے ہیں ۔

[۳ دسمبر ۱۸۸۰ء ۔ جلد ۲۲ ، نمبر ۲۸۸]

'تہذیب' ، 'وضع اور اس کی پابندی' اور 'امیر زادے اور صحبت بد کا خراب اثر' جیسے کئی موضوعات پر مضامین چھپتے تھے ۔ مؤخر الذکر مضمون میں امیر زادوں کے بگڑنے کی وجوہ یہ بتائی گئی ہیں کہ وہ تعلیم سے بے بہرہ رہتے ہیں ۔ خدمت گاروں اور خوشامدیوں سے صحبت رکھتے ہیں ۔ اُن کے ہاتھ میں والدین روپیہ دے دیتے ہیں ۔ پھر بھونڈا لاڈ ہوتا ہے اور پھر لڑکے رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں ۔

'اودھ اخبار' میں کبھی کبھی بے حد دل چسپ مضامین چھپتے تھے ۔ مثلاً ایک مضمون کا عنوان ہے ، 'ایک نابینا لڑکے کا بینا ہو کر چاند کی حقیقت بیان کرنا' ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سان فرانسسکو کے ایک اخبار نے ایک ایسے نابینا لڑکے سے انٹرویو کیا جس کی بینائی عود کر آئی اور اس تیزی کے ساتھ کہ وہ چاند کے اندر کی دنیا کا حال بیان کرنے لگا ۔ کئی معتبر اخباروں نے اس طرف توجہ کی ، ڈاکٹروں میں چرچا ہوا اور کیلے فورنیا کالج نے تحقیقات شروع کر دی ۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ لڑکے نے چاند کی دنیا کا حال کیسے بیان کیا :

'وہاں کے آدمیوں کی ...... چار آنکھیں ہوتی ہیں ۔ یہ ایسے گول

ہوتے ہیں جیسے گاڑی کا پہیہ اور چلتے ہیں تو لڑھکتے ہوئے - جو اولاد اُن کی ہے وہ مثل کدو کے گول ہوتی ہے اور جب بڑھتی ہے تو ان کے ہاتھ پاؤں ظاہر ہوتے ہیں . . . بیشتر سرخ رنگت کے ہوتے ہیں - یہ کچھ کام نہیں کرتے ہیں اور پانچ چھ گھنٹے کے بعد سو رہتے ہیں - نہ ان کے مکان ہیں اور نہ یہ کپڑے پہنتے ہیں - اور وہاں رات نہیں ہوتی ہے ، دن ہی رہتا ہے -وہ دن بھر سوتے جاگتے رہتے ہیں . . یہ لوگ کھیل بھی کھیلا کرتے ہیں اور جب کھیلتے ہیں تو گروہ کے گروہ ہو کر کھیلتے ہیں - یہ لوگ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ ایک ہی خاندان کے ہیں اور چاند ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا پتھروں کا بنا ہوا ہے - کچھ پانی اس میں نہیں معلوم ہوتا ہے - علاوہ ان آدمیوں کے اور کسی قسم کے جان ور چرند و پرند نہیں ہوتے ہیں - جو درخت اور سبزہ چاند میں ہے وہ سب دھات کا بنا ہوا ہے - درخت بھی ایسے ہیں اور اُن کے پتے بھی ایسے ہیں - اونچے اونچے درخت بیس فٹ تک ہیں - اس سے کوئی درخت اونچا نہیں ہے - ان درختوں کے پھل شجرفی رنگتوں کے ہوتے ہیں اور کسی قدر بلور کی مانند شفاف ہوتے ہیں - جو پہاڑ ہیں اُن پر کچھ سبزہ نہیں ہے . . . شمالی جانب کنارہ چاند کے جو ایک سمندر بلور کی طرح معلوم ہوتا ہے . . . یہ پارہ ہے اور اس کا چشمہ ایک جانب سے دوسری جانب جاتا ہے - اس چشمہ سے وہاں کے باشندوں کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا ہے اور وہ اس میں تیرا کرتے ہیں -''

['اودھ اخبار' بہ وساطت اخبار سائنٹیفک سوسائٹی - ۱۹ مئی ۱۸۷٦ء]

ایک عجیب و غریب خبر کلکتہ سے آئی ، ملاحظہ ہو :

''دو لڑکیاں عجیب المخلوق یہاں آئی ہیں - یہ خوب صورت ہیں - سب ہاتھ پاؤں صحیح و سالم ہیں - صرف کوڑی سے ناف تک باہم پیٹ چسپاں ہے اور کیا قدرت خدا ہے کہ ایک کے دودھ پینے سے دوسری بھی سیر ہو جاتی ہے'' -

[۲٦ جنوری ۱۸۸۰ء - جلد ۲۲ ، نمبر ۲۲]

مٹیا برج میں واجد علی شاہ کے مشاغل کی روداد خاص نامہ نگار قلم بند کیا کرتا تھا اور اس کا مرتب کیا ہوا خبرنامہ اکثر چھپتا تھا ۔ ایک دل چسپ خبر نامے کا مکمل متن ملاحظہ ہو :

''حسب معمول امسال بھی حضرت واجد علی شاہ کے چڑیا خانہ کا افتتاح ہوا ۔ ہمارا نامہ نگار اس چڑیا خانہ کی کیفیت اس طرح پر لکھتا ہے کہ ۱۹ جنوری کو پادشاہ کے حکم کے بہ موجب عجیب و غریب جان وروں کے ہزارہا پنجرے کوٹھی مرصع منزل میں نہایت عمدگی سے رکھے گئے اور دس بجے دن سے تماشائیوں کے آنے کا حکم ہوا ۔ دس بجے سے تماشائی آنا شروع ہوئے ۔ قریب دوپہر کے ہزارہا انگریز اور ہندوستانی اور بنگالی جمع ہوگئے اور شام کے وقت مٹیا برج میں سوائے گاڑیوں اور آدمیوں کے اور کچھ نظر میں نہیں آتا تھا ۔ گاڑی کا کرایہ نہایت درجہ گراں ہو گیا بلکہ گاڑیاں بھی نہیں ملتی تھیں ۔ مجبور ہو کر صدہا آدمی کشتیوں پر آئے ۔ دنیا کے ہر ایک مقام کے آدمی، جو کلکتہ میں ہیں ، وہ اس چڑیا خانہ کو دیکھنے آئے تھے ۔ چڑیا خانہ میں جس جانب طوطوں کے پنجرے رکھے تھے ، اس میں زرد اور سفید اور سرخ اور سبز اور مختلف رنگ کے طوطے بیٹھے ہوئے بول رہے تھے ۔ ایک جانب دنیا کے ہر قسم کے بندر تھے ، جن کے دیکھنے سے قدرت خدا یاد آتی تھی۔ یہ انتظام بھی اچھا تھا کہ ہر ایک پنجرے پر ایک چٹھی لکھی ہوئی تھی کہ اس ملک کا یہ جان ور ہے ۔ ایک طرف گلہریوں کا تماشا تھا ۔ دنیا کے ہر ایک حصہ میں جس رنگ اور جس قسم کی گلہریاں ہیں ، وہ سب یہاں تھیں ۔ بعض چھوٹی اور بعض بڑی تھیں اور اُن کو جو دیکھتا تھا وہ حیرت میں رہ جاتا تھا ۔ ایک گورخر عجیب رنگ کا ہے اور ایک اور جان ور ہے جس کا جسم بہ شکل خچر اور منہ اور سم بہ شکل گاؤ اور شاخ سر مثل ہرن کے ہے اور ایک تحریر سیاہ رنگ کی سر سے دم تک ہے ۔ غرض کہ صدہا اور ہزارہا بلکہ لکھو کھا جان ور عجیب و غریب اور رنگ بہ رنگ چڑیا خانۂ سلطانی میں موجود ہیں ۔ جب

تماشائیوں نے ہر رنگ اور ہر ملک کے شیر دیکھے تو شیروں کے اقسام آن کو معلوم ہوئے ۔ پادشاہ سوار ہو کر اس چڑیا خانہ میں آئے ۔ راہ میں شہ زادۂ میرزا جہاں قدر کو پا پیادہ جاتے ہوئے دیکھا ۔ حکم دیا کہ ہاتھی پر سوار ہو لیں ۔ ہزارہا دوکان داروں کی دوکانیں اس میلے میں تھیں ۔ پادشاہ اس انبوہ کثیر اور جم غفیر کو دیکھ کر حیرت میں تھے ۔ ایک روز مرصع منزل میں شکار ہوا ۔ پادشاہ سوار ہو کر اس انبوہ میں بڑی مشکل سے آئے ۔ ایک گیدڑ پر سیاہ گوش چھوڑا گیا ۔ فوراً ہی یہ شکاری جان ور نرم چارہ پا کر گیدڑ کا کلہ دبا کر بیٹھ گیا ۔ بعدہ مینڈھے آئے ۔ تھوڑی دیر تک اس جان ور نے اپنی ٹکروں کی کیفیت دکھائی ۔ کتوں کا بھی تماشا ہوتا ، مگر بہ وجہ عدم گنجائش کے کتوں کا شکار موقوف رہا ۔''

[۲٦ جنوری ۱۸۸۰ء ۔ جلد ۲۲]

مٹیا برج کی ایک اور خبر ملاحظہ ہو :

''مٹیا برج کی خبروں سے دریافت ہوا کہ ۹ صفرالمظفر کو پادشاہ سوار نہیں ہوئے ، سلطان خانے ہی میں رہے اور کبوتر بازی کا شغل دیر تک ہوتا رہا ۔ اس اثناء میں شہزادہ میرزا جوگی کے کبوتروں پر نظر جا پڑی اور کہا کہ یہ کون کبوتر اڑا رہا ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں شہزادے ہیں ۔ کہا کہ اگر پھر ان شہزادے نے ایسی حرکت کی تو پادشاہ نہایت ناراض ہوں گے ۔''

[۲۸ جنوری ، ۱۸۸۰ء ۔ جلد ۲۲ ۔ نمبر ۲۳]

'اودھ اخبار' اور ہم عصر صحافت

'اودھ اخبار' نے ۱۱ اپریل ۱۸۸۰ء کے شمارے میں 'لندن ٹائمز' سے ایک مضمون کا ترجمہ چھاپا ، جو مسٹر لیتھ برج نے ہندوستانی اخبارات کے بارے میں لکھا تھا ۔ اس میں بتایا گیا کہ ۱۸۳۵ء میں صرف چھ دیسی اخبار تھے ۔ ۱۸۵۰ء میں اٹھائیس ہو گئے ۔ لیکن آن میں

بہت سے ایسے تھے ، جو سیاسی مسائل پر کچھ نہیں لکھتے تھے اور اُن کی اشاعت کی اوسط ساٹھ پرچے سے کم تھی - ۱۸۷۸ء میں صرف شمالی ہند میں ہندوستانی اخبارات کی تعداد ستانوے (۹۷) تھی اور مجموعی اشاعت ایک لاکھ پچاس ہزار - ایک اور مقام پر یہ خبر دی گئی ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ہندوستان بھر میں دیسی اخبارات کی تعداد تین سو تیس (۳۳۰) تک پہنچ گئی -

'اودھ اخبار' صحافت کے مسائل پر اکثر لکھا کرتا تھا - مثلاً جب قسطنطنیہ کے اخبار 'الجوائب' کے خلاف دولت عثمانیہ کی حکومت نے دوبارہ کاروائی کی ، تو اُس نے ایک اداریے میں حکومت ترکیہ کو مشورہ دیا کہ وہ اخبارات کو اتنا پابند نہ کرے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں - ایک اور مضمون میں اس بات پر زور دیا کہ ہر اخبار کو رائے عامہ کی عکاسی کرنی چاہیے - ہندوستانی ریاستوں کو مشورہ دیا کہ وہ خبروں کی فراہمی اور ترسیل کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالیں ، کیوں کہ جب تک خرابیاں منظر عام پر نہ آئیں گی اصلاح احوال کی تدبیر بھی نہیں ہو سکے گی - ایک مضمون میں اس رائے کا اظہار کیا کہ دینی اور مذہبی جھگڑوں سے اخبارات الگ رہیں اور یہ کام دینی رسالوں پر چھوڑ دیں - اس مضمون کا عنوان ہے 'شخصی توہین اور دیسی اخبارات' - ابتداء اس پیرے سے ہوتی ہے :

"ایکٹ ۹ نے اکثر دیسی اخبارات کو ایسا مہذب بنا دیا ہے کہ باید و شاید - اس عام آزادی کے زمانے میں بعض اخباروں کی قوت ممیزہ ایسی سلب ہوگئی ہے کہ اُن پر اصلاً ظاہر نہیں ہو سکتا کہ کون سی باتیں ایک ایڈیٹر کو ایکٹ ۹ کی حد تک پہنچا دیتی ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دیسی اخبارات شخصی توہین سے ہرگز باز نہیں آتے ، بلکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا چھکڑا اسی ناجائز فعل کی بدولت چل رہا ہے ، حالاں کہ وہ اپنے بعض چھوٹے بھائیوں کو دیکھ چکے ہیں کہ شخصی توہین کی بابت آن

کی کیسی مرمت ہو چکی ہے۔''

[۱۹ فروری ، ۱۸۸۰ء - جلد ۲۲ - نمبر ۴۳]

اس مضمون میں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر سال کسی نہ کسی ہندوستانی اخبار کے خلاف شخصی توہین کا مقدمہ چل جاتا ہے اور اخبارات کو بتایا گیا ہے کہ اُن کا کام یہ ہے کہ معاشرتی اور سیاسی مسائل پر بحث کریں۔

جس زمانے میں 'اودھ اخبار' روزنامہ کی حیثیت سے نکل رہا تھا ہندوستانی صحافت میں پنچ اخبارات کا بڑا چرچا تھا۔ یہ اخبار مزاحیہ اخبار تھے۔ لیکن جب پھکڑ پن پر آجاتے تو حدود سے متجاوز ہو جاتے اور خوب گندگی اچھالتے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں 'اودھ پنچ' تھا، جس کا ہم کسی اور باب میں ذکر کریں گے۔ 'اودھ پنچ' نے 'اودھ اخبار' کے خلاف ہنگامہ آرائی کی، تو 'اودھ اخبار' نے اس قسم کے سب اخباروں کے خلاف پے در پے اس عنوان سے مضمون لکھے، کہ ''تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں کی طرف گورنمنٹ اور قوم کو متوجہ ہونا چاہئیے۔'' یہ مضمون غالباً سرشار کی تصنیف تھے۔ ایک مضمون سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہندوستان میں اخباروں کا جاری ہونا آج کل کیمیا کی بوٹی ہو رہا ہے۔ ہم خرما و ہم ثواب کا مزہ آ رہا ہے، یعنی اخبار جاری کیا اور نامور ہو گئے......بوسیدہ لکڑی کا ایک چرخ چوں چرخا رکھ لیا اور قلم کے تکلے پر پرانی دھرانی روئی کا سوت کاتنا شروع کر دیا۔ نہ کوئی ایڈیٹر نہ مینیجر، نہ پرنٹر نہ پبلشر، نہ منتظم۔ سب کے سب غائب غلہ۔ مگر گلے سڑے، گندہ مضامین کی کھیپ کی کھیپ اور پوٹ کی پوٹ، گٹھے کے گٹھے خیالی گنج کی ٹرین سے لدا لد چلے آتے ہیں.....کسی نے منہ نہ لگایا تو آندھی کے خس و خاشاک کی طرح اُڑ گئے....اگر بدنامی اور توہین کا ٹوکرا سر پر رکھ لیا اور سرکاری باز پرس ہوئی تو پلیتھن نکل

گیا......کیا خوب و قائع نگاری کی کہ عدالت کے شکنجے میں کھنچ گئے - یا تو چھاپے کی کل کھینچتے تھے یا اب خیر سے جیل پریس کھینچنے لگے......معلوم نہیں ان جعفر زٹلیوں نے کون سا افسوں یاد کر رکھا ھے کہ اس کے اثر سے ھندوستان میں اُن کا گروہ بڑھتا جاتا ھے - تیرھویں صدی کے باوا آدم کی اولاد حشرات الارض کی طرح بڑھتی جاتی ھے - جعفر زٹلیوں کا خراج آج کل بڑے زور و شور پر ھے - مسخرالذی ان دنوں آندھی کے آم ھو رھے ھیں...'' [۲۸ جولائی ۱۸۸۰ء]

لاھور کے اخبار 'رھبر ھند' نے 'اودھ اخبار' کی تائید کر دی - کچھ دیر یہ مہم چلی - لیکن آخر ختم ھو گئی ، کیوں کہ پنچ اخبارات بے پناہ ھر دل عزیزی کے مالک تھے -

'اودھ اخبار' کی دوسری اخباری مہم ساری ھندوستانی صحافت کے لیے مفید تھی - اُس نے کئی مضامین میں تاجروں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی مصنوعات کے اشتہار اخباروں میں دیں ، تاکہ ان کے کاروبار کو ترقی ھو اور اس مشورے کے حق میں دلائل پر دلائل پیش کیے - یاد رھے کہ 'اودھ اخبار' میں غیر ملکی اشتہار تو چھپتے تھے ، بلکہ ایک بار امریکہ کی ایک فرم نے گھڑیوں کا اشتہار بھی بھیجا ، لیکن دیسی اشتہار بہت کم ھوتے تھے - یا عطر کے اشتہار چھپتے تھے یا کتابوں کے - اگر 'اودھ اخبار، کی مہم کا خاطر خواہ اثر ھو جاتا تو شاید اُردو صحافت زیادہ ترقی کر سکتی -

چودھواں باب

سر سید احمد خاں-۱

اخبار سائنٹیفک سوسائیٹی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے ساتھ ھی برعظیم پاک و ھند کی اینگلو انڈین صحافت نے مسلمانوں کے خلاف ایک منظّم مہم کا آغاز کیا۔ کئی سر پھرے انگریزوں نے ایسی تجاویز پیش کیں کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیا جائے۔ انھیں جلا وطن کرکے افریقہ کے کسی گوشے میں آباد کردیا جائے۔ قرآن کریم کی طباعت ممنوع قرار دے دی جائے کہ اس میں جہاد کی تلقین ھے۔ یہ تجویز بھی ھوئی کہ مسلمانوں پر تمام سرکاری ملازمتوں اور بالخصوص فوجی ملازمت کے دروازے بند کردیے جائیں۔ غرض بھانت بھانت کی بولیاں تھیں اور حالات کی ناسازگاری کے سبب سے کسی مسلمان اخبار کو یہ جرأت نہیں ھوتی تھی کہ وہ ڈٹ کر اس پروپیگنڈے کا جواب دے اور مسلمان خود بھی سرکاری ملازمت کے اتنے شائق نہیں تھے۔ وہ برطانوی حکومت سے تعاون کو دینی اعتبار سے غلط جانتے تھے۔ اس لیے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک بُعد قائم رھا اور ھندوؤں نے اس بُعد سے فائدہ اٹھاتے ھوئے بڑے پیمانے پر جدید تعلیم حاصل کی اور انھیں نظم و نسق میں خاصا دخل ھوگیا۔

اس صورت حالات کی نزاکت محسوس کرتے ھوئے سرسید میدان عمل میں داخل ھوئے۔ آن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور انگریزوں

کے درمیان بُعد کو دور کرکے خوش‌گوار تعلقات قائم کیے جائیں۔ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور مغربی علوم سے آشنا کیا جائے، تاکہ اُن پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلیں اور ایسا نہ ہو کہ وہ سیاسی اچھوت بن کر رہ جائیں۔ سوچنے سمجھنے والے طبقے تک پہنچنے کے لیے اُس وقت صحافت ہی واحد ذریعہ تھی، اس لیے سرسید نے اس ذریعے سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی تحریک خوب بڑھی اور پھلی پھولی اور اس کی گونج سارے برعظیم میں سنائی دینے لگی۔

اس سے پہلے کہ ہم سرسید کی صحافت کا جائزہ لیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'رسالہ اسباب بغاوت ہند' کا ملخص درج کردیا جائے، کیوں کہ ان کی تحریک کے سیاسی پہلو سے اسے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید نے بتایا کہ ۱۸۵۷ء کی سرکشی کسی ایک بات سے نہیں ہوئی، اس میں کئی وجوہ کارفرما تھیں۔ چپاتیوں کی تقسیم میں کوئی سازش نہیں تھی، نہ روس و ایران سے کوئی گٹھ جوڑ ہوا اور نہ اودھ کی ضبطی بغاوت کا باعث تھی، بلکہ باغیوں کا مقصد یہ بھی نہیں تھا کہ انگریزی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ نیز یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا۔ دلی میں باغیوں نے جہاد کا جو فتویٰ چھاپا وہ جھوٹا تھا، بلکہ جن لوگوں کے دستخط اس کے نیچے دیے گئے تھے ان میں سے بعض نے انگریزوں کی جانیں بچائیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ فوج بغاوت کا منصوبہ باندھ رہی تھی یا باغی دستوں نے بادشاہ کے ساتھ سازش کر رکھی تھی۔ ان سب وجوہ کے بیان کے بعد سرسید نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فساد کا اصل سبب یہ تھا کہ لیجس لیٹو کونسل میں ہندوستانی نہ لیے گئے اور اس طرح انگریز حکمران ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات سے کاملاً بے خبر رہے۔ آپ نے سرکشی کی پانچ وجوہ بتائیں:

اول: رعایا کی غلط فہمی، یعنی رعایا نے حکومت کی تجاویز کا مطلب غلط سمجھا۔

دوم : حکومت نے ایسے آئین و ضوابط جاری کیے ، جو ہندوستانیوں کی عادات کے مطابق نہیں تھے -

سوم : حکومت رعایا کے اصل حالات اور مصائب سے ناواقف رہی -

چہارم : حکومت نے بعض ایسی باتیں ترک کردیں ، جن کی موجودگی ضروری تھی -

پنجم : فوج کی بد انتظامی -

آپ نے لکھا کہ مسلمانوں کو یہ باتیں زیادہ ناگوار تھیں ، کیوں کہ حکمرانی کے زوال پر اُن کی بےشمار مراعات چھن گئی تھیں -

سرسید کے بارے میں مولانا عبدالحق لکھتے ہیں :

''یہ وہ زمانہ تھا جب سوسائٹی کا شیرازہ بکھر چکا تھا - زندگی کا ہر شعبہ دبدھا کی حالت میں تھا - دو تہذیبوں کے ٹکرانے سے اس تذبذب میں اور اضافہ ہوگیا تھا - اس وقت ایک ایسے مخلص ، زمانہ شناس اور ثابت قدم شخص کی ضرورت تھی جو قوم کی خفتہ اور مردہ قوتوں کو جگائے - ان اوہام اور اسقام کو دور کرنے کی کوشش کرے ، جو گزشتہ تمدن اور حکومت نے پیدا کر دیے تھے اور اقتضائے زمانہ کے لحاظ سے ان کی ضروریات کو پورا کرے اور جدید حالات کی رو سے اُن کی روش کو بدلے - سرسید نے اگرچہ زندگی کے ہر اہم شعبے کی طرف توجہ کی ، لیکن اُن کا سب سے بڑا کام تعلیمی اور علمی تھا اور اسی کام کا ایک جز سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام تھا -''

['اُردو' ، جولائی ۱۹۳۵ء]

۱۸۶۳ء میں سرسید نے تجویز پیش کی کہ ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جو ہندوستان میں علم کی توسیع و ترقی کے لیے کام کرے اور جو قدیم مصنفوں کی عمدہ کتابیں اور انگریزی کی مفید کتابیں اُردو میں ترجمہ کرائے - ۹ جنوری ۱۸۶۴ء کو اس تجویز

کو عملی جامہ پہنایا گیا اور سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک مجلس غازی پور میں قائم کردی گئی ۔ اسی سال سرسید کا تبادلہ علی گڑھ ہوگیا ، اس لیے سائنٹیفک سوسائٹی کے دفاتر بھی وہاں منتقل ہوگئے اور اس کے مقاصد یہ قرار پائے :

"(۱) ان علوم و فنون کی کتابوں کا ، جن کو انگریزی زبان میں یا یورپ کی کسی اور زبان میں ہونے کے سبب ہندوستانی نہیں سمجھ سکتے ، ایسی زبانوں میں ترجمہ کرنا ، جو ہندوستانیوں کے عام استعمال میں ہوں ۔

(۲) جب کبھی سوسائٹی مناسب سمجھے تو کوئی ایسا اخبار یا گزٹ یا روزنامچہ یا میگزین وغیرہ چھاپ کر مشتہر کرنا ، جس سے ہندوستانیوں کے فہم و فراست کی ترقی متصور ہو ۔

(۳) ایشیا کے قدیم مصنفین کی کم یاب اور نفیس کتابوں کو تلاش کر کے بہم پہنچانا اور چھاپنا ۔"

۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء کو علی گڑھ سے 'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' یا 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' جاری ہوا اور سر سید کی وفات کے بعد بھی باقاعدگی سے نکلتا رہا ۔ یہ اخبار پہلے ہفت روزہ تھا ، پھر سہ روزہ ہو گیا ۔ اس کا ایک کالم انگریزی میں اور ایک اردو میں ہوتا تھا اور بعض مضامین اردو میں الگ اور انگریزی میں الگ چھاپے جاتے تھے ۔ اس لیے اس سے انگریز اور ہندوستانی دونوں فائدہ اٹھا سکتے تھے ۔ پہلے پہل سر سید اس میں سیاسی مسائل پر مضامین اور شذرات لکھتے تھے ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف حکومت کو اور انگریز قوم کو ہندوستانیوں کے خیالات اور احساسات سے آگاہ کیا جائے ، دوسری طرف ہندوستانیوں میں سیاسی ذوق پیدا کیا جائے اور انھیں انگریزی طرز حکومت سے آشنا کیا جائے ۔ دو زبانوں کو ذریعہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی خیالات کو ہندوستانی لباس میں اور ہندوستانی خیالات کو انگریزی لباس میں ظاہر کر کے

دونوں قوموں کو ملایا جائے۔ اس اخبار کے بارے میں مولانا حالی اپنی کتاب 'حیات جاوید' میں لکھتے ہیں :

''اس میں سوشل ، اخلاق ، علمی اور پولیٹیکل ، ہر قسم کے مضامین برابر چھپتے تھے۔ جب تک سر سید کی توجہ دوسری جانب مائل نہیں ہوئی ، علاوہ ان لیڈنگ آرٹیکلوں کے ، جو وہ خود لکھتے تھے ، انگریزی اخباروں سے عمدہ عمدہ آرٹیکل جو معاملات ہندوستان سے علاقہ رکھتے تھے ، برابر ترجمہ ہو کر اس میں چھاپے جاتے تھے۔ ہندوستان کے طریق معاشرت ، یا تعلیم یا کسی علمی یا تاریخی تحقیقات کے متعلق جتنے لیکچر سوسائٹی میں دئے جاتے تھے ، وہ سب اس کے ذریعے سے شائع ہوتے تھے۔

''اگرچہ یہ اخبار ملک کی سوشل اصلاح کا ہمیشہ ایک عمدہ آلہ رہا ہے اور اول اول کئی سال تک جس قدر زمانۂ حال کی نئی اصلاحیں اس کی بدولت ہندوستانیوں کو حاصل ہوتی رہی ہیں ، اُن کے لحاظ سے یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ کم سے کم شمالی ہندوستان میں عام خیالات کی تبدیلی اور معلومات کی ترقی اس پرچہ کے اجراء سے شروع ہوئی ہے ، مگر اس کے ساتھ ہی پولیٹیکل معاملات میں جو وقعت اور اعتبار اس پرچے نے گورنمنٹ اور حکام کی نظر میں حاصل کیا ، وہ آج تک کسی دیسی اخبار نے حاصل نہیں کیا۔

''جو ماٹو اس نے اپنے لیے اختیار کیا تھا ، اس کو ہمیشہ اپنا نصب العین رکھا۔ وہ ہمیشہ رعیت کو آزادی اور اطاعت سکھاتا تھا اور ان کی خیر خواہی اور وفاداری کے خیالات گورنمنٹ پر ظاہر کرتا تھا۔ اس کی آواز ہمارے عام دیسی اخباروں کی طرح کوئی معمولی آواز نہ تھی ، بلکہ جن معاملات پر وہ بحث کرتا تھا اور دخل دیتا تھا ، ہمیشہ اس کی آواز پر کان لگائے جاتے تھے اور اس کو غور سے سنا جاتا تھا۔ اس

کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اس کا لکھنے والا اور اہتمام کرنے والا سر سید احمد خان تھا ۔ گورنمنٹ اور حکام اس بات کو تسلیم کیے ہوئے تھے کہ علی گڑھ کا اخبار تمام ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور سمجھ دار مسلمانوں کے خیالات کا آرگن ہے ۔ کتاب 'پلرز آف دی انڈین ایمپائر' کا مصنف اپنی کتاب میں ایک خاص موقعہ پر لکھتا ہے کہ

> ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے، جو مسلمانوں کا خاص آلہ ہے، اگر پچھلے دو سال کے مضامین جمع کئے جائیں تو ہندوستان کے قابل اور معزز مسلمانوں کی رائے کا، اگرچہ وہ تعداد میں کم ہیں، ایک عجیب اور مفید مجموعہ نسبت جنگ روم و روس اور روس و افغانستان اور روس و ہندوستان کے بن جائے گا ۔''

اسی کتاب میں 'علی گڑھ گزٹ' کی وقعت اور اعتبار کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

> ''علی گڑھ گزٹ، جس کے ایڈیٹر سید احمد خاں تھے اور اب بھی وہی معلوم ہوتے ہیں، شمالی ہندوستان میں سب سے عمدہ اخبار ہے ۔''

اس کے بعد اخبار کے بعض مضامین کا خلاصہ لکھ کر خاص ملکی معاملات پر مسلمانوں کی رائے کا موازنہ کیا ہے ۔ جس قدر مضامین ۱۸۶۶ء سے اخیر تک اس اخبار میں خاص سرسید کے قلم سے لکھے ہوئے نکلے، اگر ان کو ایک جگہ فراہم کیا جائے، تو بلامبالغہ چند ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں ۔

''ایک خاص وصف، جو اس اخبار کے ساتھ مخصوص تھا اور جو اس کو ہندوستانیوں کے عام انگریزی اور دیسی اخباروں سے ممتاز ٹھہراتا تھا، وہ یہ تھا کہ اس نے اپنی طرز تحریر میں برخلاف اپنے تمام ہم عصروں کے، کبھی کسی قوم یا کسی خاص شخص کی دل آزاری روا نہیں رکھی ۔ اس نے اپنے گاہکوں کو خوش رکھنے کے لیے، جو ہمیشہ نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ

سے خوش ہوتے ہیں ، سنجیدگی اور متانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیا - اس نے ہندوستان کی کسی قوم کی نسبت دوستی اور خیر خواہی کے خلاف کبھی ایک حرف نہیں لکھا - کبھی کسی غیرقوم کے عہدہ دار کی ترقی سے ناراضی یا ناخوشی ظاہر نہیں کی - کبھی کسی ہندو یا مسلمان ریاست یا اس کے اہل کاروں پر زہر نہیں اگلا - ہندو مسلمانوں کے مذہبی جھگڑوں سے وہ ہمیشہ بے تعلق رہا اور اگر کبھی کچھ بولا ، تو دونوں کو صلح و آشتی کی نصیحت کی - وہ جس طرح اپنی قوم کے اکابر اور نامور لوگوں کے مرنے پر افسوس کرتا رہا ، اسی طرح غیر قوموں کے مشہور اور نامور لوگوں کی وفات پر ہمیشہ اس میں درد ناک اور افسوس ناک مضامین نکلتے رہے - باوجودیکہ وہ گورنمنٹ اور اس کے مدبروں پر اکثر نکتہ چینی کرتا تھا مگر اعتدال اور ادب اور تعظیم کو ، جو ایک محکوم قوم کا زیور ہے ، اس نے ہمیشہ ملحوظ رکھا - اس نے برخلاف اپنے ہم عصروں کے جن کی زبان درازی سے اول لارڈ لٹن کے زمانہ میں اور اب لارڈ ایلگن کے عہد میں ان کی آزادی چھین لی گئی ، اپنے معتدل رویے سے سب پر ظاہر کر دیا کہ سچی آزادی اپنی آزادی کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھنا ہے ، نہ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت اس کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھنا -

''ایک اور خصوصیت اس اخبار کی ، اس کی باقاعدگی ، جو اکثر دیسی اخباروں میں مفقود ہے اور اس کی خبروں کا نہایت معتبر ذریعوں سے لیا جانا تھا - وہ ہمیشہ بے اصل قصوں اور بے سروپا خبروں سے مبرا دیکھا گیا - اس کی خبروں کا ماخذ ہمیشہ معتبر اور مستند انگریزی اخبار رہے - کبھی کوئی خبر کسی نا معتبر کاغذ سے (الا ما شاءاللہ) اس میں نہیں لی گئی - دنیا کے ہر ایک بڑے واقعہ کی نسبت شروع سے اخیر تک اس میں تمام خبریں مسلسل اور ترتیب وار درج ہوتی تھیں ، جن سے اس واقعہ کی ایک مختصر ہسٹری بقید تاریخ مرتب ہو سکتی تھی - اس کی

باقاعدگی کا یہ حال تھا کہ وہ بتیس برس برابر جاری رہا۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی نمبر ایسا ہوگا، جو اپنی تاریخ معین پر نہ نکلا ہو، باوجودیکہ چندہ کی آمدنی سوسائٹی میں مدت سے بالکل نہیں رہی تھی اور اس لیے پچھلے برسوں میں وہ کئی ہزار کی مقروض ہو گئی تھی۔ مگر سرسید نے جس طرح ہو سکا، اخبار کو کبھی بند ہونے نہیں دیا۔''

'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' نے اردو صحافت کو کیسے متاثر کیا؟ اس پر بھی مولانا حالی نے اظہار خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔
''سرسید کی طرز تحریر میں یہی خصوصیت تھی کہ اس کی لطافت اور خوبی کے سبب لوگ عموماً اس کو شوق اور توجہ سے پڑھتے اور اس کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر ہر ایک کے دل میں ویسا ہی لکھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا، اگرچہ بیان کی قدرت اور اس کا زور اور تاثیر جو اس کی خاص تحریروں میں پائی جاتی ہے، وہ تو اسی کے دل و دماغ کا حصہ تھا۔ دوسرے کی تحریر میں اس کا ڈھونڈنا لاحاصل ہے۔ مگر جو صفائی اور سلاست اور تہذیب اور شائستگی اور گھلاوٹ آج عام تحریروں میں دیکھی جاتی ہے اور جس قدر آرٹیکل نگاری کا سلیقہ اخباری دنیا میں پھیلا ہے اور جہاں تک اہل قلم میں ہر قسم کے معاملات پر آزادانہ رائے زنی اور نکتہ چینی کا حوصلہ پیدا ہوا ہے، اگر ذرا غور کر کے دیکھا جائے، تو یہ سب اسی ایک قلم کی آواز بازگشت ہے اور اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو اخبارات سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کا اخبار نکلنے سے پہلے ملک میں جاری تھے، ان کا مقابلہ ان اخباروں کے ساتھ کیا جائے، جو اس کے بعد جاری ہوئے اور جو اخبار یا میگزین تہذیب الاخلاق سے پہلے شائع ہوتے تھے ان کا موازنہ ان اخباروں یا میگزینوں سے کیا جائے، جو اس کے بعد شائع ہوئے۔ اس مقابلہ سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ اردو اخباروں نے ان پرچوں سے کیا سبق حاصل کیا ہے۔ اگرچہ سرسید کی دیگر تصانیف سے بھی اردو لٹریچر کو بہت کچھ مدد پہنچی ہے، مگر سوسائٹی اخبار اور تہذیب الاخلاق نے خاص کر اس میں ترقی کی روح پھونکی ہے، کیوں کہ ان کے مضامین

جلد جلد شائع ہوتے تھے اور مہینے میں کئی کئی دفعہ پبلک کی نظر سے گزرتے تھے اور یہ سلسلہ بتیس برس تک برابر جاری رہا" (۶۱ - ۶۰۷)۔

اخبار سائنٹیفک سوسائٹی کے مواد کا تجزیہ

'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' $\frac{۱۸\times۲۲}{۴}$ سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے صفحے پر تقریباً نصف جگہ نام کی پٹی لے لیتی تھی۔ اس کے نیچے یہ ماٹو انگریزی اور اردو میں درج ہوتا تھا:

"جائز رکھنا چھاپا کی آزادی کا، کام ہے ایک دانا گورنمنٹ کا اور برقرار رکھنا اس آزادی کا، کام ایک آزاد رعیت کا ہے۔"

ماٹو کے نیچے چندہ خریداری اور اُجرت اشتہارات وغیرہ کے لیے ایک اعلان انگریزی اور اردو میں مستقل طور پر دیا جاتا تھا۔ اس طرح پہلا صفحہ پورا ہو جاتا تھا۔ باقی پندرہ صفحے دو دو کالموں میں منقسم ہوتے تھے۔ ہر کالم کی لمبائی دس انچ اور چوڑائی تقریباً ساڑھے تین انچ ہوتی تھی۔ گویا پندرہ صفحوں میں پڑھنے کا مواد تین سو کالم انچ ہوتا تھا۔ مواد کے تجزیے کے لیے ہم نے ۱۷ مارچ ۱۸۷۶ء کا شمارہ منتخب کیا ہے۔ پہلے زبان کے لحاظ سے تجزیہ ملاحظہ ہو:

انگریزی زبان کا مواد	۶۳ کالم انچ
اردو زبان کا وہ مواد جو انگریزی سے مشترک ہے	۶۳ کالم انچ
خالص اردو مواد	۱۷۴ کالم انچ
میزان	۳۰۰ کالم انچ

گویا بیس فی صدی سے کچھ زیادہ مواد انگریزی میں ہوتا تھا اور باقی اردو میں۔ موضوع کے اعتبار سے تجزیے کا گوشوارہ ملاحظہ ہو:

موضوع	انگریزی میں	اردو میں	
تار برقی کی خبریں	۱۷	۱۷	(کالم انچ)
مختلف واقعات	۲۷	۲۷	"
اداریہ 'وہی جوتے کا مقدمہ'	۱۹	۱۹	"
مضامین :			
لارڈ نارتھ بروک صاحب بہادر کا استعفیٰ		۳۴	"
ترکوں کی تہذیب		۳۴	"
پارلیمنٹ کا افتتاح		۴۰	"
اسپیچ ملکۂ معظمہ		۲۶	"
ممالک متوسطہ اور عالی جناب پرنس آف ویلز		۴۰	"
	۶۳	۲۳۷	"

کل مواد میں ۲۸ فی صدی حصہ خبروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ تقریباً تیرہ فی صدی اداریے کے لیے وقف ہوتا تھا اور باقی مواد حالات حاضرہ پر مضامین کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ ان مضامین میں بعض ایسے بھی ہوتے تھے جنھیں خبر کہنا بہتر ہوگا۔ خبروں میں ایک تہائی غیر ملکی اور دو تہائی ملکی خبریں ہوتی تھیں۔ غیر ملکی خبریں براہ راست تار برقی کے ذریعے سے حاصل ہوتی تھیں اور ملکی خبریں 'پاؤنیئر' اور دوسرے انگریزی اخبارات سے اخذ کی جاتی تھیں اور خبریں عام طور پر مختصر ہوتی تھیں۔

خبروں کے انداز تحریر کا اندازہ کرنے کے لیے دو خبریں بہ طور نمونہ درج کی جاتی ہیں :

"ویئنا (وی آنا) - ۱۰ مارچ ، ۶ ماہ حال کو مقام گوراسکر کے قریب ترکوں کی فوج اور باغیوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور اس میں ترکی فوج کو سخت شکست ہوئی اور اس کا توپ خانہ چھن گیا اور علاوہ بہت سے زخمیوں کے آٹھ سو آدمی مارے گئے۔"

''راقم اخبار پایونیئر نے اس خبر کو غلط بیان کیا ہے کہ گورنمنٹ اخبار نویسوں کی آزادی میں ، خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا یورپین ، دست اندازی کرنے کا کسی قسم کا ارادہ رکھتی ہے -''
[۱۷ مارچ ۱۸۷۶ء - جلد ۱۱ ، نمبر ۱۹]

اداریے عام طور پر سر سید خود لکھتے تھے - وہ سرکار برطانیہ کے بہت بڑے خیر خواہ تھے اور لوگوں کو وفاداری کی تلقین کرتے تھے ، لیکن اداریوں میں کبھی کبھی بلکہ بسا اوقات بڑی بے باکی سے نکتہ چینی کر جاتے تھے - یہ الگ بات ہے کہ زمانے کی رسم اور مصالح کے مطابق دامن بچا کر لکھتے تھے - ذیل میں اُن کے چند اداریوں سے اقتباس پیش کیے جاتے ہیں :

''جو لوگ وقت کی مصلحت اور زمانہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں ، اور جن کی نظر میں قومی عزت کوئی شئے نہیں ہے اور جن کو قومی ذلت سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ، شاید وہ اس خبر کو سن کر بھی بے خبر رہے ہوں گے کہ سر اجلاس ایک نوجوان اسسٹنٹ مجسٹریٹ الہ آباد نے ایک ہندوستانی مختار کا جوتا اتروا کر اس کے سر پر رکھوایا اور چند منٹ تک اس کو اس طرح سے کھڑا رکھا - چوں کہ وہ ایک ہندوستانی تھا اور اس کی عزت اور بے عزتی کا اثر تمام قوم پر ہوتا ہے ، اس وجہ سے دور اندیش لوگوں کو اس خبر کے سننے سے نہایت ہی افسوس ہوا ہو گا. . . جس تیز مزاج افسر نے اپنی دانست میں اس حرکت کو اپنی حکومت کی شان سمجھا ، ہماری دانست میں وہ اپنی ہم قوم گورنمنٹ کے عدل و انصاف کا حامی نہیں ہے اور شاید وہ اپنی اس تیز مزاجی کے سبب سے گورنمنٹ کے نام ور ملازموں میں شمار نہ ہو سکے گا - اُس افسر نے شاید اپنے نزدیک ہندوستان میں اپنی عدالت کو انتہائی عدالت خیال کیا ، جس کی داد نہ فریاد - ورنہ کوئی ضابطۂ انصاف اس کاروائی کو منصفانہ نہیں کہ سکتا. . .-''
[۱۷ مارچ ۱۸۷۶ء - جلد ۱۱ ، نمبر ۱۹]

ایک ادارے کا عنوان ہے - ''بعض سرکاری انتظاموں سے رعایا کیوں متنفر ہے ؟'' اس میں پہلے رعایا کو کوسا گیا اور پھر لکھا گیا :

''اب ہم ان اسباب کو بیان کرنا چاہتے ہیں ، جو خاص انتظام ہی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں - من جملہ اُن کے ایک ان ملازموں کی کج اخلاق اور ظلم اور زیادتی اور اگر ہم سچ سچ کہیں تو بعض اوقات اُن کی بدمعاشی اس بات کی باعث ہے کہ ہندوستانی اُن کی صورت دیکھنے اور اُن کے پاس جانے سے اپنا مرنا بہتر جانتے ہیں - ہندوستان کی قوم بہت زیادہ عادی نرمی اور خوش اخلاقی کی ہے اور یہ بات سرکاری سررشتوں میں نام کو بھی نہیں ہے - یہ بات علی العموم معلوم ہے کہ جو انگریز بڑے ڈاکٹر ہوتے ہیں وہ تو ہرگز غریب رعایا کا علاج کرنا پسند نہیں کرتے اور وہ مجبور ہیں کہ کسی کے ساتھ خوش اخلاق نہیں کر سکتے ، کیوں کہ بد اخلاقی اس قدر اُن کی جبلت میں بیٹھ گئی ہے کہ اب خوش اخلاق کو وہ بہ تصنع کرنا چاہتے ہیں اور نہیں ہو سکتی -''

[۳۱ مارچ ۱۸۷٦ء - جلد ۱۱ ، نمبر ۲۱] -

'زبردستی کا سلام' ایک اور دل چسپ ادارے کا عنوان ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ ستیا مڑھی کے ایک اسسٹنٹ مجسٹریٹ نے ایک امیدوار کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا کہ اگر تم آئندہ سے ہمیں دیکھ کر گھوڑے سے نہ اترو گے ، تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے - اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سر سید نے لکھا :

''اس سے صاف معلوم ہوا کہ کچھ امیدواری کی وجہ نہ تھی ، بلکہ ہندوستانی ہونا ہی بڑی ذلت کی بات ہے - علاوہ اس قصہ کے بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ گو کیسا ہی معزز اور شریف ہندوستانی ہو اور گو وہ بگی یا ٹنڈم ہی پر کیوں نہ جاتا ہو اور اگر ادنیٰ صاحب بہادر تشریف لے جاتے ہوں اور وہ ہندوستانی صاحب کو سلام کرے ، تو صاحب ہرگز اُس کا سلام نہیں لیتے اور اُن کی اس بے پروائی سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا کہ صاحب

کی کج اخلاقی اور تند مزاجی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی نہایت ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور شاید وہ کسی عزت کے اس وقت تک مستحق نہیں ہیں ، جب تک کہ وہ ہندوستانی ہونے کا سیاہ ٹیکا اپنی پیشانی پر سے نہ چھٹا دیں ۔''

[۵ مئی ۱۸۷۶ء ۔ جلد ۱۰ ، نمبر ۲۶] ۔

اس سال یکے بعد دیگرے کئی ایسے واقعات ہوئے کہ سر پھرے انگریزوں نے ہندوستانیوں کو قتل کیا ۔ اس پر 'ہندوستانیوں کا خون' کے عنوان سے ایک اداریہ قلم بند کیا گیا ، جس کا اقتباس یہ ہے :

''... یہ خبریں ہم کو اسی طرح پہنچتی ہیں جس طرح شکار کے موسم میں یہ خبریں پہنچتی ہیں کہ فلاں صاحب نے آج ایک ہرن یہاں سے مارا ، دوسرے صاحب نے ایک ہرن وہاں سے مارا؛ چناں چہ فلر صاحب کے مقدمہ کے بعد ایک خبر توپ خانہ کے صاحب کی پہنچی ، جنھوں نے پنکھا قلی کو مارے لاتوں کے جان سے مار ڈالا ۔ دوسری خبر آن صاحب کی پہنچی ، جنھوں نے ایک ملاح کو رہ‌گزائے عالم بقا کیا ۔ تیسری خبر لکھنؤ کے چوکی دار کی پہنچی ، جس کو شوقین گوروں نے بندوق سے شکار کیا ۔ چوتھی خبر کرانچی کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ محکمہ ٹیلی‌گراف کی پہنچی ، جنھوں نے ایک شخص کو مار ڈالا ۔ پانچویں خبر گورکھ پور کے ایک تماشہ والا صاحب کی پہنچی ، جنھوں نے ایک شخص کو سرائے میں لٹھ مار کر ہلاک کیا ۔ چھٹی خبر جہلم کے ایک صاحب ایلچی نامی کی ہے ، جو ملازم ریلوے ہیں اور انھوں نے ایک پنکھا قلی کے سر میں ایک ضرب شدید پہنچا کر اس کو ہلاک کیا ، غرض کہ یہ چھ خبریں قتل کی ہیں ، جن میں چھ ہندوستانی مقتول اور چھ صاحب بہادر قاتل ہیں اور ان جملہ مقدمات میں اب تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ قاتلوں سے کیا مواخذہ ہوا ۔

''ہم کو ان تمام درد ناک خبروں کو سننے سے نہایت افسوس

ہوا ہے اور وہ افسوس کچھ صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ بے چارے غریب ہندوستانی ایسی بے رحمی کے ساتھ مارے گئے اور اُن کا خون ایک جان ور کے خون بلکہ پانی سے بھی زیادہ بے قدری کے ساتھ بہایا گیا اور باوجود اس کے ہندوستانیوں کی فریاد کی کچھ شنوائی نہیں ہے بلکہ بڑا سبب افسوس کا یہ ہے کہ ہندوستان میں جس طرح ہندوستانیوں کی فریاد شنوائی کے لائق نہیں ہے ، اسی طرح شاید حضور گورنر بہادر کے احکام کی بھی شنوائی نہیں ہوتی ، کیوں کہ اگر ان کی شنوائی ہوتی تو اُن کا اثر یہ ہوتا کہ اگر ہمیشہ کے واسطے نہیں تو چند روز کے واسطے تو ضرور ہی ہندوستانیوں کو اس سختی سے نجات ملتی . . .''

[۱۵ ستمبر ۱۸۷۶ء ، جلد ۱۱ ، نمبر ۴۵]

'تہذیب اور بے تہذیبی' کے عنوان سے ایک مکتوب میں گورے اور کالے کے مسئلے پر جو لکھا گیا ، اُس کا یہ اقتباس دل چسپی سے خالی نہیں :

''جس طرح کل ہندوستانیوں کا سپید رنگ ہو جانا اور ہر ایک ہندوستانی کا کوٹ پتلون پہن لینا اور ہندوستانی عورتوں کو انگریزی لباس زیب بدن کر کے بے پردہ گلی در گلی پھرنا دشوار ہے ، اسی طرح ہندوستانیوں کی تہذیب اور شائستگی صاحبان یورپ کے دل نشین ہو جانا بھی محال ہے - ہندوستانی کتنے ہی علوم و فنون میں کمال حاصل کریں اور کتنے ہی دیانت دار اور خوش کردار ہو جائیں ، مگر وہ انگریزوں کے نزدیک بے ایمان اور غیر مہذب ہی رہیں گے اور انگریز چاہے جتنی بد افعالیاں کریں ، مگر وہ شریف کے شریف ہی ہیں - ایک سڑے سے سڑا گورا آوارہ پھرنے والا بھی جنٹل مین ہے . . . 'ہندو پیٹریاٹ' کا یہ تکیۂ کلام بالکل سچ ہے کہ کالا ہونا بڑا جرم ہے -''

[۲۴ دسمبر ۱۸۷۵ء - جلد ۱۰ ، نمبر ۵۲]

معاشی مسائل پر بھی اظہار رائے ہوتا تھا - جب دیسی ریاستوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے سکے انگریزی علاقے کے سکوں کے ہم وزن بنائیں

تو اس پر اداریہ لکھا گیا ۔ اُدھر مانچسٹر کے تاجروں نے مطالبہ کیا کہ اُن کے کپڑے کی ہندوستان میں درآمد پر ڈیوٹی نہ لی جائے ۔ اخبار سائنٹیفک سوسائٹی نے اس کی شدید مخالفت کی اور لکھا :

''ہندوستان کی دولت انگلستان کو کھنچی چلی جاتی ہے اور کل کے بنے ہوئے کپڑے کے ٹن کے ٹن بہت جلد سونا اور چاندی ہوئے جاتے ہیں ، مگر منچسٹر (مانچسٹر) والے روپیہ کو اس طرح پر کھنچے چلے جانے سے بھی راضی نہیں ہیں ، بلکہ وہ حتی‌الامکان اس سے بھی زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں ہے کہ ہندوستان دولت مند ہے یا غریب ۔''

[۱۰ مارچ ۱۸۷۶ء - جلد ۱ ، نمبر ۱۸]

سر سید ملکی سیاست میں ریاستوں کے حقوق کی حفاظت میں سینہ سپر رہتے تھے ۔ چناں چہ ریاست پٹیالہ اور ریاست حیدر آباد دکن اور بعض اور ریاستوں کے حق میں بھی اکثر اداریے لکھتے تھے اور انگریزی اخبارات کی نکتہ چینی کا جواب دیتے تھے ۔ برار کی واپسی کے مسئلے پر تو کئی اداریے لکھے ۔ بین‌الاقوامی مسائل پر بھی اظہار رائے ہوتا تھا ، بالخصوص ترکی کی ریاست اور ترکیہ و روس کے مناقشات پر اداریے اور مضمون درج کیے جاتے تھے ۔ حالات حاضرہ پر مضامین معاصرین سے نقل بھی کیے جاتے تھے ، مثلاً ان اخباروں سے : اودھ اخبار ، کوہ نور ، لوح محفوظ ، قاصد ، اخبار انجمن پنجاب ، لارنس گزٹ ، نورالابصار ، شعلۂ طور ۔

'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' دیسی صحافت کے وقار کی حفاظت ضروری سمجھتا تھا اور جب انگریزی اخبار اُردو اخباروں پر نکتہ چینی کرتے تھے ، یہ اخبار اُن کا منہ توڑ جواب دیتا تھا ۔ ۱۸۷۶ء کے آغاز میں بعض انگریزی اخباروں نے الزام لگایا ، کہ اُردو اخبار ریاستی حکم رانوں سے روپیہ لے کر اُن کی حمایت کرتے ہیں ۔ سر سید احمد خاں نے اسے ایک ''ایسا ناواجب اور بالکل جھوٹ الزام'' قرار دیا ،

''جس کے سبب سے ہندوستانی اخبار نویسوں کو الزام لگانے والوں کی اخلاقی تہذیب میں نہایت نقص معلوم ہوتا ہے۔'' اسی اداریے میں سر سید نے لکھا :

''انگریزی اخبار نویس ہندوستان میں اس قدر کسی فرقہ سے ناراض نہیں ہیں جس قدر کہ وہ ہندوستانی اخبار نویسوں کی آزادی سے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے کبھی ہندوستانی اخباروں پر خوشامد کا الزام لگایا ہے، کبھی بغاوت کا الزام ثابت کیا ہے، کبھی ہندوستانی راجاؤں کی جھوٹی طرف داری کا خیال خام پکایا ہے۔ مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ الزام اُن کی اُس قلبی حرارت سے پیدا ہوتے ہیں جو اب اُن کے دلوں میں ہندوستانی اخباروں کی نہایت برجستہ اور سچی رایوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں اور ہر چند وہ اپنے ایسے خیالات کو نہایت خوب‌صورت صورت میں ظاہر کرنے کا مقصد کرتے ہیں، مگر اُس قوی حرارت کے سبب سے ایک نوع کی سوختگی اُس اچھی صورت پر بھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔''

[۱۰ مارچ ۱۸۷٦ء۔ جلد ۱۱، نمبر ۱۸]۔

بعض انگریز افسروں کی حماقت اور زیادتی اور دیسی باشندوں کے یورپی باشندوں کے ہاتھوں قتل کے سنگ دلانہ واقعات کے طفیل اُردو صحافت میں اجنبی راج کے خلاف ایک عمومی تلخی سی پیدا ہو گئی، جس سے خود 'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' جیسے متین اور سنجیدہ اخبار کا دامن بھی پاک نہ رہا۔ اس پر 'پاؤنیئر' نے مطالبہ کیا کہ ہندوستانی اخبارات پر پابندی لگائی جائے۔ سر سید نے 'گورنمنٹ اور ہندوستانی اخبارات' کے عنوان سے ایک اداریے میں جہاں اُردو اخبارات کو تلقین کی کہ وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوں، وہاں حکومت سے یہ کہا کہ جو مضرتیں صحافت کی آزادی سے پیدا ہیں وہ پابندی لگانے سے اور بھی بڑھ جائیں گی۔ آپ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندوستانی اخباروں کی اصلاح خود بخود ہو رہی ہے اور لکھا :

"جو حالت پانچ برس پہلے اخباروں کی تھی اس میں اور حال کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ پولیٹیکل باتوں پر رائے دینا اور گورنمنٹ کی کاروائیوں پر ریویو کرنا حال میں شروع ہوا ہے اور اس لیے اس میں غلطی کا ہونا اور خلاف اصول علم اخلاق و قوانین کے مباحثہ کا آ جانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے ۔ علم اصول اخلاق و قوانین اور علم انتظام و سیاست مدن روز بہ روز ہندوستانیوں میں پھیلتا جاتا ہے اور جوں جوں اس کی ترقی ہوگی اخباروں کی رائیں نسبت پولیٹیکل باتوں کے زیادہ تر صائب و صحیح ہوتی جاویں گی اور یہ نقص جو اب دکھلائی دیتا ہے ، از خود رفتہ رفتہ رفع ہو جاوے گا ۔ لیکن اگر گورنمنٹ کی مداخلت ہوگی تو ہماری رائے میں بہت مضرت پیدا ہوگی ۔"

[۲۷ اکتوبر ۱۸۷۶ء ، جلد ۱۱ - ۵۱] -

اسی شمارے میں ایک اور مضمون کے دوران میں ہم عصر اردو اخبارات کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنی یہ رسم چھوڑ دیں کہ پہلے کسی کے نام بغیر فرمائش کے پرچہ جاری کر دیا اور جب اس شخص نے چندہ نہ دیا تو اسے کوسنا شروع کر دیا ۔ اس کے علاوہ یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ "ہندوستانی اخبار با وقعت رہیں اور یار شاطر ہوں ، نہ بار خاطر ۔"

اس سال 'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' نے اعلان کیا ، کہ ۸ ستمبر ۱۸۷۶ء سے اس کا نام یہ ہوگا ، "اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ، جس میں 'پراگرس' مل گیا ہے ۔" یہ اس لیے ہوا کہ راجہ جگت سنگھ بہادر ، رئیس تاج پور نے اپنا اخبار 'پراگرس' اور مطبع اس اخبار کے سپرد کر دیا ۔

'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' یا 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' کے بارے میں ہم نے جو مواد پیش کیا ، وہ یا تو 'حیات جاوید' سے ماخوذ ہے ، یا اخبار کے اس بوسیدہ فائل سے ، جو پنجاب یونیورسٹی

لائبریری میں موجود ہے اور جس میں ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء کے متفرق پرچے شامل ھیں ۔ اس لیے ھم نے جو اندازہ کیا اسی مواد پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ھیں :

''سر سید کی صحافت میں دو باتیں بڑی چمک اور تابانی رکھتی ھیں ۔ اول ، ان کے صحائف کی دیدہ زیبی ، ٹائپ کا حسن اور کاغذ کی علیحدگی ـــ اس لحاظ سے اُن کے اخبار موجودہ ترقی یافتہ یورپ کے اعلیٰ اخبارات اور رسائل سے کسی طرح کم نہیں ۔ دوم ، ان اخبارات کی مقبولیت ـــ اخبارات میں واقعات و معاملات پر بے لاگ رائے ، جس میں بڑی عاقبت بینی ، وسعت معلومات اور تعمیری نقطۂ نظر جھلکتا ہے ۔ یہی اُن کے تبصروں کی خصوصیت ہے ۔ اور مضامین علمی میں سر سید کی مخصوص معقولاتی سپرٹ اور حیات قومی کی تشکیل جدید اور زندگی کی تمدنی اساس کا پورا پورا احساس پایا جاتا ہے ۔ یہ عقلی اور تجزیاتی اُصول صحافت سر سید کی اخبار نویسی کے خاتمے کے بعد آج تک اُردو اخبار نویسی میں پیدا نہ ھو سکا ۔''

سر سید کی بڑی قابلیت یہ تھی کہ وہ عوام کے خیالات کی ترجمانی بے باکی کے ساتھ ، لیکن اس طرح دامن بچا کر کرتے تھے کہ بات بھی بن جاتی تھی اور اجنبی حکومت کے ارباب بھی زیادہ پریشان نہیں ھوتے تھے ۔ اُن کے اخبار کی ایک اور بڑی خوبی خبروں کی صحت اور اختصار ہے ۔ اُس زمانے کے اخباروں میں طویل خبریں چھپتی تھیں ، ترجمہ غلط سلط ھوتا تھا اور خیال آرائی زیادہ کی جاتی تھی ۔ نیز یہ خیال بھی نہیں رکھا جاتا تھا کہ اھم خبروں اور اھم بیانات کا مکمل متن دیا جائے اور خبروں کا تسلسل قائم رکھا جائے ، تاکہ مستقبل کا مورخ ان اخبارات کو اپنی تاریخ کے ماخذی مواد کے طور پر استعمال کر سکے ۔ سر سید کے اس اخبار نے خبروں کے تسلسل اور ترجمہ میں یہ لحاظ رکھا کہ اسے مورخ اپنی بنیاد بنا سکے ۔ بعض مقامات پر ترجمے کی غلطیاں ملتی ھیں ، لیکن اتنی نہیں کہ عبارت کا اصل مطلب

مسخ ہو جائے۔ ان خوبیوں کے طفیل انسٹی ٹیوٹ گزٹ کو ہندوستان کی اردو صحافت میں وہی حیثیت حاصل تھی جو انگلستان میں آج 'دی ٹائمز' کو حاصل ہے۔

پندرھواں باب

سرسید احمد خان—۲

تہذیب الاخلاق

'اخبار سائینٹیفک سوسائیٹی' ایک سیاسی، علمی، اخلاقی اور معاشری اخبار تھا، جو صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ سارے ہندوستانیوں کے لیے نکالا گیا تھا۔ اس میں مسلمانوں کے بارے میں کبھی کبھی خصوصیت سے ذکر آجاتا تھا، لیکن اس اخبار کی ہیئت 'ہندوستانی' تھی۔ دوسرے، یہ 'اخبار' تھا، رسالہ نہیں تھا۔ سرسید نے برعظیم میں جو تعلیمی، معاشری اور مذہبی تحریک شروع کی، اس کا خطاب خاص طور پر مسلمانوں سے تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ قوم کے انداز فکر کو نئے سانچے میں ڈھالا جاتا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا گیا، جس میں خبریں نہیں، ایسے مضامین چھپتے تھے جن سے قوم کا انداز فکر بدلنا مقصود تھا۔

۱۸۵۸ء میں سرسید انگلستان گئے اور ۱۸۷۰ء میں وہاں سے لوٹ کر 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا۔ بہ قول مولانا حالی "انھوں نے اس پرچہ کے نکالنے کا ارادہ ولایت ھی میں کرلیا تھا، کیوں کہ 'تہذیب الاخلاق' کی پیشانی پر جو اس کا نام اور بیل چھپتی تھی، اس کا ٹائیپ وہ لندن سے بنوا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ حقیقت یہ ھے کہ وہ تہذیب الاخلاق کی پیشانی کا بلاک ھی نہیں، اس کے متن کا تصور بھی انگلستان سے ھی لائے تھے۔ غالباً انھیں کسی انگریز دوست نے رچرڈ سٹیل اور جوزف ایڈیسن کے ادبی اور علمی اخبارات The Tatler اور The Spectator کے ان کارھائے نمایاں سے آشنا کیا جو انھوں نے

اٹھارویں صدی کے آغاز میں انگریزوں کے خلاف ، عادات ، رسم و رواج اور قومی خیالات کو بدلنے میں سرانجام دیے ۔ 'تہذیب الاخلاق' نے مذہب سے باہر باقی دوائر میں وہی کام کیا جو انگریزی صحافت میں ان اخبارات نے کیا تھا ۔ دونوں میں لوگوں کے اخلاق و اطوار کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی گئی ۔ دونوں میں ہلکے پھلکے مضامین ظریفانہ امتزاج کے ساتھ شائع ہوئے اور دونوں نے اپنے اپنے ملک کے ادب پر گہرا اثر چھوڑا ۔

'تہذیب الاخلاق' کا پہلا پرچہ یکم شوال ۱۲۸۷ ہجری مطابق ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو شائع ہوا ۔ اس کے دو نام تھے ، اردو میں 'تہذیب الاخلاق' اور انگریزی میں 'دی محمڈن سوشل ریفارمر' ۔ بہر حال یہ اخبار تمام و کمال اردو میں ہوتا تھا ۔ $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۴}$ سائز کے آٹھ یا بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ ہر صفحے پر دو کالم ہوتے تھے ۔ سارا نسخ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے موٹے کاغذ پر چھپتا تھا ۔ 'تہذیب الاخلاق' کے خصوصی معاونین سے ساٹھ روپے سالانہ وصول کیے جاتے تھے اور انھیں ممبر کہا جاتا تھا ۔ ویسے سالانہ چندہ ساڑھے چار روپے تھا ، جس میں ڈیڑھ روپیہ ڈاک کا خرچ شامل تھا ۔ اعلان کیا گیا کہ یہ پرچہ حسب ضرورت مہینے میں ایک بار ، دوبار یا تین بار شائع ہوا کرے گا ۔ بہر حال عام طور پر تین بار ہی نکلتا تھا اور ایک پرچے کی قیمت چار آنے ہوتی تھی ۔ یہ بھی پہلے شمارے میں اعلان کردیا گیا کہ اس پرچے سے جو آمدنی ہوگی وہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوگی ، بلکہ اس پرچے کی بہتری پر صرف کردی جائے گی ۔ یہ رسالہ مطبع علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ ، علی گڑھ میں منشی محمد مشتاق حسین کے اہتمام میں چھپتا تھا اور اس کی ساری کاپیاں سید احمد خان کو بنارس کے پتے پر بھیج دی جاتی تھیں ، جہاں سے ان کی تقسیم عمل میں آتی تھی ۔

پہلے شمارے میں 'تمہید' کے عنوان سے سرسید احمد نے 'تہذیب الاخلاق' کا مقصد یہ بتایا کہ مسلمانان ہند کو کامل درجے کی

تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے، تاکہ اُن کا شمار دنیا کی معزز اور مہذب قوموں میں ہو۔ 'تہذیب' کی تعریف سرسید نے یوں کی:

''اس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقۂ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا؛ جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔'' [جلد ۱، نمبر ۱۴، صفحہ ۱]

اس کے بعد آپ نے لکھا کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں اس کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہے۔ کسی عیسائی مورخ نے ترکیہ کے دور کے بعد اپنے سفرنامے میں لکھا کہ ترک اُس وقت تک مہذب نہیں ہوں گے جب تک وہ مذہب اسلام سے کنارہ کش نہیں ہوں گے، کیوں کہ اسلام انسان کی تہذیب کے مانع ہے۔ اس پر سلطان عبدالعزیز خاں نے علماء کی ایک مجلس بٹھائی کہ اس بیان پر غور کرکے اپنی رائے بتائیں۔ اس مجلس نے یہ رائے ظاہر کی، ''اسلام میں وہ سب کچھ باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحم دلی کو کمال کے درجے پر پہنچانے والی ہیں، مگر ہم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو، جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانے میں نہایت مضر ہوگئی ہیں، چھوڑنا چاہیے۔'' اس کے بعد سرسید نے بعض اور متعصب عیسائی مورخین کے بیانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ ہم......بہ خوبی ہوشیار ہو کر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں، اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں اور کیوں کر خود ہم میں

پیدا ہوگئیں اور اُن میں سے جون جون سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں، اُن کو ترک کردیں اور جو قابل اصلاح ہوں، ان کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسائل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بیضا کے ہیں یا نہیں، تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہے۔

''پس ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بہ ذریعہ اس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہوسکے اُن کے دین و دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں، گو ہم کو نہ دکھائی دیتے ہوں، مگر غیر قومیں اُن کو بہ خوبی دیکھتی ہیں، اُس سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں، اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو رغبت دلائیں۔''

[جلد ۱، نمبر ۱، صفحہ ۳]

'تہذیب الاخلاق' کی چھٹی اشاعت میں سرسید نے اس تحریک تہذیب کا مفصل لائحہ عمل پیش کیا، جس میں بتایا کہ اس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیے۔ یہ ایک جامع مضمون ہے جو مسلمانوں کے مذہب اور معاشرہ ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اندھا دھند تقلید کا راستہ چھوڑ کر آزادیٔ رائے اختیار کرنی چاہیے۔ وہ مشرکانہ عقائد سے کنارہ کش ہوجائیں اور اپنے عقائد کو ہیئت اسلام کے مطابق کریں۔ وہ صدہا خیال اور توہمات چھوڑ دیں جن کو اسلام سے کچھ علاقہ نہیں۔ ہمارے بعض مذہبی مسائل فی نفسہ صحیح اور درست ہیں، لیکن تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب سے علوم عقلیہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی پوری تحقیق اور تدقیق کی جائے۔ بعض ایسے مسائل بھی ہیں، جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو، ان کو بحث میں لانا اور ایک امر منقسم ٹھہرانا ضروری ہے۔ ایک ایسا طریقۂ تعلیم معین کرنا چاہیے جس سے دینی

اور دنیاوی دونوں قسم کے علوم اعلیٰ پائے پر حاصل ہوسکیں اور صرف طریقہ معین کرنا کافی نہیں، بلکہ آپس کی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اس کا سامان بھی مہیا کرنا ضروری ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور ان کو دست کاری سکھانے کے لیے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے۔ قوم میں ہرقسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا اور ترقی دینا قومی تہذیب کا ایک بہت بڑا جزو ہے۔ ان کے علاوہ بیس اور شقوں کا ذکر ہے جن کی اصلاح مقصود ہے۔ ان کے صرف نام ملاحظہ ہوں:

خود غرضی، عزت و غیرت، ضبط اوقات، اخلاق، صدق مقال، دوستوں سے راہ و رسم، کلام، لہجہ، طریق زندگی، صفائی، طرز لباس، طریق اکل و شرب، تدبیر منزل، رفاہ عورتوں کی حالت میں، کثرت ازدواج، غلامی، رسومات شادی، رسومات غمی، ترقی زراعت، تجارت۔

سرسید کے پیغام کی بنیاد معین کرنے کے بعد ہم پہلی جلد کی سات اشاعتوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔ پہلے شمارے میں 'تمہید' کے بعد سرسید کے تین مضمون درج ہیں، جن کے عنوان ہیں: رسم و رواج، تعصب اور تکمیل۔ پہلے مضمون میں انھوں نے مسلمانوں سے بڑی دل سوزی کے ساتھ اپیل کی کہ وہ تمام بری رسمیں چھوڑدیں، جو دین اسلام اور انسانیت، دونوں کے خلاف ہیں اور تہذیب و شائستگی کے بھی منافی ہیں۔ 'تعصب' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لاویں... مذہب اسلام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی ترقی ہوتی جاوے گی اسی قدر اس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی... پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا، مگر تعصب کو، جو ایک بری خصلت

ہے ، چھوڑنا چاہیے - تمام بنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں - ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے - پس اسی کی ہم کو پیروی چاہیے -

[جلد ۱ ، نمبر ۱ ، صفحات ۶ - ۷] -

' تکمیل ' کے زیر عنوان مضمون میں سر سید نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ''کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے'' اور اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہیں تھا جو ہم اس کے علوم اور اس کے فلسفہ اور اس کے الہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں - بو علی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں - جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آئے ہیں اور جو اپنے زمانے میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے ، انھی پر پابند رہنے کے لیے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا - پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بہ روز انسان پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں ، ان کو کیوں نہ دیکھیں ؟'' -

[جلد ۱ ، نمبر ۱ ، صفحہ ۸] -

دوسرے شمارے میں ' مذہب اور عام تعلیم ' کے عنوان سے ایک مفصل مضمون میں سر سید نے تعلیم کے بارے میں اپنے تصورات پیش کیے - آپ نے لکھا : مسلمان تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے - فلسفہ کے بڑے دوست تھے - طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے - شعر و شاعری اور علم و ادب کے عاشق تھے اور ان کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی - اس سلسلے میں آپ نے قرطبہ اور بغداد کے

مدارس اور دھلی میں شاہ عبدالعزیز کے مدرسۂ عزیزیہ کا ذکر کرنے کے بعد اس رائے کا اظہار کیا کہ حکومت کا مذھب مختلف ھے۔ اس لیے وہ اس قسم کی تعلیم کا اہتمام نہیں کر سکتی۔ ضرورت یہ ھے کہ اس کے لیے مسلمان خود جد و جہد کریں۔ اس کی صورت یہ ھو سکتی ھے کہ پہلے چیدہ چیدہ ذی علم اور ذی عقل لوگ باھمی مشورے سے یہ فیصلہ کر لیں کہ زمانے کے حالات اور نئے علوم کی روشنی میں ھمارا نظام تعلیم کیا ھو اور کن خطوط پر قائم ھو۔ اس کے بعد ھر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں کم از کم ایک ایسا مدرسہ قائم کریں جس سے ھر قسم کے مطالب پورے ھو سکیں۔ مثلاً ”اگر کوئی شخص مولوی، محدث و فقیہ بننا چاھے تو مولوی بننے کا بھی اس میں موقع موجود ھو۔ اگر کوئی شخص بڑا ریاضی دان بننا چاھے، تو وہ بھی اپنا مقصد اس میں حاصل کر سکے اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عہدہ ھائے جلیلہ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاھے، وہ بھی کر سکے۔ جب ایسا انتظام اور سلسلہ قائم ھو جاوے گا تب مسلمانوں کی تربیت، اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ھوتی ھے۔“

اسی شمارے میں ’انسان کے خیالات‘ کے زیر عنوان سر سید نے اس رائے کو غلط قرار دیا کہ ایمان اور مذھب کو عقل سے کچھ علاقہ نہیں ھے۔ ایک اور مضمون میں ترکیہ میں پرنس آف ویلز کی دعوت کی داستان درج ھے۔ مضمون نگاری کے ایک انعامی مقابلے کا اعلان کیا گیا ھے۔ تیسرے شمارے میں یہ تین مضامین درج ھیں: ھم دردی، رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات، ھیئت جدیدہ اور معجزۂ قرآنی۔ چوتھے شمارے میں سر سید کا کوئی مضمون نہیں، دوسروں کے یہ مضامین درج ھیں: اسلام (مہدی علی)۔ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال (مرزا عابد علی)۔ توکل (منشی محمد مشتاق حسین)۔

سر سید آزادیٔ رائے کے حامی تھے۔ اس مسئلے پر ’تہذیب

الاخلاق' کے پانچویں شمارے میں آنھوں نے ایک مفصل مضمون لکھا، جس میں اس رائے کا اظہار کیا کہ ''رایوں کا بند رهنا، خواه به سبب کسی مذهبی خوف کے اور خواه به سبب اندیشه برادری و قوم کے اور خواه بدنامی کے ڈر سے اور یا گورنمنٹ کے ظلم سے، نہایت هی بری چیز هے''۔ آنهوں نے آزادیٔ رائے کو کچلنے والی حکومتوں کے اس بہانے کو بہت بڑا دهوکه قرار دیا، که قومی مصلحت اس میں هے که رائے کی آزادی نه دی جائے۔ آپ اس رائے کو 'مرده اور مردار رائے' سمجھتے تھے جس پر بے باکی اور آزادی سے بحث نہیں هو سکتی۔ آپ نے اس امر پر بھی افسوس کا اظہار کیا که مسلمانوں میں کسی حقیقت کو دلیل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے فرضی مباحثے کی کوئی ایسی تدبیر رائج نہیں، جسے سقراط اور افلاطون نے عملی جامه پہنایا تھا۔ آپ نے لکھا:

''مسلمانوں میں هر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یه حال رہ گیا هے که سب کے سب، کیا قصه اور کہانی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گزشته کے روز نامچوں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانے کے جغرافیه کو اور کیا لولی لنجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دقیانوسی بطلیموسی هیئت اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہادیات مسائل دینی کو، جس کو علم فقه کہا جاتا هے، اور کیا علم حدیث اور تفسیر کو، اس ارادے سے مطلق نہیں پڑھتے که هم کو اس کی اصلیت اور حقیقت معلوم هو، بلکه صرف یه اراده هوتا هے که جو کچھ اس کتاب میں لکھا هے، خواه غلط خواه صحیح، وه هم جان لیں۔ اگر مباحثه کیا جاوے تو نه اس بات پر که وه اصول جو اس کتاب میں لکھے هیں، صحیح هیں یا غلط، بلکه اس بات پر که اس کتاب میں یہی بات لکھی هے یا نہیں۔ اس طریقه اور عادت نے آزادیٔ رائے کو کھو دیا اور اس سپر کو، جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی، توڑ دیا۔ ان کے تمام علم و فعل غارت هو گئے۔ ان کے باپ دادا کی کمائی، جس سے توقع تھی که

اُن کی اولاد فائدہ اُٹھاوے گی ، سب ڈوب گئی - اب جو بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور دانا رہ گئے ہیں ، اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے ، کیا مسائل علمی اور کیا عقائد مذہبی ہیں ، کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے -"

[جلد ۱ - نمبر ۵ - صفحات ۴۴ - ۴۵] -

اسی شمارے میں 'خیر دائم' ، کے زیر عنوان یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی بھلائی میں سعی کرنا بہترین عبادت اور بہترین نیکی ہے - 'آپ کام مہا کام' میں منشی مشتاق حسین نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اپنے کرنے کے کام کو گورنمنٹ پر ڈالنا ٹھیک نہیں - چھٹے شمارے میں 'تہذیب الاخلاق' کا وہ لائحہ عمل درج ہے ، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں - ساتویں شمارے میں سر سید کے دو مضمون ہیں ، ایک میں خدیو اسماعیل کے عہد میں مصر کی جدید تہذیب کا جائزہ لیا گیا ہے ، دوسرا مضمون 'تربیت اطفال' پر ہے ، جس میں نظامیۂ سلسلۂ تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ خود سوچیں کہ آیا یہ تعلیم کافی ہے - اسی شمارے میں لندن میں عیدالفطر کی نماز کی خبر دی گئی ہے جس میں دس آدمی شریک تھے اور لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مصر اور ترکی کے مسلمانوں کی طرح تعلیم کی غرض سے غیر ممالک میں بھیجیں -

چھ سال سات ماہ کی زندگی کے بعد 'تہذیب الاخلاق' بند ہو گیا - آخری پرچے میں سرسید نے لکھا :

"سات برس تک ہم نے بہ‌ذریعہ اس پرچے کے اپنی قوم کی خدمت کی - مذہبی بے جا جوش سے جس تاریک گڑھے میں میں وہ چلی جاتی تھی اس سے خبردار کیا - دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اس کو روشنی دکھائی ... قومی ہمدردی ، قومی عزت ، سیلف آنر یعنی عزت کا آپ خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا ، تو ان لفظوں کو ضرور اُردو زبان کے علم و ادب میں داخل کیا - ہم نے کچھ کیا ہو

یا نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سنا ۔ قومی ہم دردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا ، اُردو زبان کے علم و ادب کا ترقی پانا ، یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے بھر پایا ۔ اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو پکارتے ہیں ۔ گو اس وقت ٹیڑھی میڑھی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت آ جانا ہی کافی ہے ۔ پھر وہ خود اپنی پنسال میں چورس ہو کر رہے گا ۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم بس کریں اور پانی کو اپنی پنسال میں آپ چورس ہونے دیں ۔''

[تہذیب الاخلاق ، یکم رمضان ، ۱۲۹۳ ھجری]

اس عرصے میں 'تہذیب الاخلاق' میں ۲۲٦ مضامین چھپے جن میں ایک سو بارہ سرسید کے لکھے ہوئے تھے ۔ تین سال بعد یہ اخبار دوبارہ جاری ہوا ، لیکن دو برس پانچ مہینے کے بعد بند ہوگیا ۔ اس عرصے میں آٹھ مختلف اشخاص نے کل ٦٧ مضامین لکھے ، جن میں سرسید کے ۲۳ مضمون شامل تھے ۔ تیرہ چودہ برس بعد 'تہذیب الاخلاق' کا تیسرا دور شروع ہوا ، جو تین برس بعد ختم ہو گیا ۔ اس عرصے میں زیادہ تر تحریریں سرسید ہی کی تھیں ۔

مولانا حالی لکھتے ہیں ، ''چوں کہ یہ پرچہ اسلام کو ایسی صورت میں ظاہر کرتا تھا جو مسلمانوں کے عام خیالات کے برخلاف تھی اور اُن کے کان میں وہ صدائیں پہنچاتا تھا جو اُنھوں نے پہلے کبھی نہ سنی تھیں ، اس لیے اول اول لوگ اس سے بہت بھڑکے ۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے محدود دائرے میں اس کا اثر پھیل گیا ۔ ان پڑھ مسلمان ، جن کی تعداد ہمیشہ ایک گری ہوئی قوم میں پڑھے لکھوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے ، وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ 'تہذیب الاخلاق' کس جان ور کا نام ہے ۔ مولویوں اور واعظوں پر اس کا منتر نہیں چل سکتا تھا ، کیوں کہ وہ اس کو نہ صرف مذہب کے حق میں ، بلکہ شاید اپنے حق میں بھی مضر جانتے تھے ۔ امراء تک اس کی رسائی ہونا سخت دشوار تھی ، کیوں کہ ان کو مسلمانوں کے تنزل کا یقین دلانا

ایسا ہی مشکل تھا جیسا کہ مرغابی کو طوفان سے خوف دلانا۔ اس لیے 'تہذیب الاخلاق' کا اثر صرف متوسط درجے کے لوگوں میں محدود رہا ، جو نہ محض جاہل تھے اور نہ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور مقدور کے لحاظ سے نہ نہایت پست حالت میں تھے اور نہ اعلیٰ درجے میں۔ پھر خاص کر دلی اور لکھنؤ اور ان کے نواح میں ، جہاں مسلمانوں کی قدیم شائستگی کے کچھ دھندلے نشان باقی تھے ، اس کا اثر بہت کم ہوا۔ باوجود اس کے ، چوں کہ اس کی آواز زمانہ کی گونج کے موافق تھی ، اُس نے توقع سے بہت زیادہ کام یابی حاصل کی۔''

[حیات جاوید ، صفحہ ۲۲۱]

'تہذیب الاخلاق' کا اثر کیا ہوا ؟ اس پر مولانا حالی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اُن کی تحریر کے نمایاں نقوش تلخیص کر کے درج کرتے ہیں :

۱۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو اپنے تنزل کے سبب ڈوبتی ہوئی ناؤ کی طرح کوئی سہارا ڈھونڈ رہا تھا سرسید کی آواز پر اس طرح دوڑا جیسے کسی بے سری فوج کا کوئی سر دھڑ پیدا ہو جائے اور وہ اس کے اشارے پر ادھر اُدھر سے سمٹ کر اُس کے گرد جمع ہو جائے۔ موافق اور مخالف دونوں متوجہ ہو گئے اور موافقت اور مخالفت ، دونوں نے فائدہ پہنچایا۔

۲۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں مدارس اسلامیہ قائم ہوگئے۔

۳۔ کئی علماء سر سید کے مخالف رہے۔ لیکن اپنی جگہ محسوس کرنے لگے کہ انگریزی زبان سیکھنا اور علوم جدیدہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

۴۔ مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں سے با خبر ہوئے ، تو اُن میں ترقی کا جذبہ پیدا ہوا۔

۵۔ یورپی مصنفوں نے اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا تھا ، اُس

کے جواب میں مضامین کی اشاعت سے پڑھے لکھے مسلمانوں کے وہ شکوک دور ہوئے جو انھیں اپنے مذہب کے بارے میں پیدا ہو رہے تھے۔

۶- مسلمانوں میں تعصبات کم ہوگئے اور تقلید کی بندشیں ڈھیلی ہو گئیں اور ان میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اپنے دست و بازو پر بھروسہ کریں۔

۷- مسلمانوں کو مدت کے بعد اسلامی اخوت اور اسلامی قومیت کا احساس پیدا ہوا۔

۸- اردو ادب میں ایک انقلاب رونما ہوا اور اردو شاعری نے نئی کروٹ لی۔

۹- مسلمانوں کے مذہبی ادب میں ایک تموج پیدا ہو گیا اور دینی مسائل پر سادہ اور سلیس زبان میں مضمون لکھے جانے لگے۔

۱۰- سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ محمڈن کالج قائم ہو گیا۔ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم عام ہوئی۔

سرسید کے لائحہ عمل کے مذہبی حصے کے خلاف ہندوستان بھر میں مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور بے شمار اخبار سر سید کی مخالفت پر اتر آئے۔ کان پور سے 'نورالآفاق' اور 'نورالانوار' اور مراد آباد سے 'لوح محفوظ' نکلا۔ آگرہ سے 'تیرھویں صدی' شائع ہوا۔ 'امداد الآفاق' 'شہاب ثاقب' اور 'تائیدالاسلام' صوبہ‌جات شمال مغربی سے اور 'اشاعت السنۃ' پنجاب سے شائع ہوئے۔ جب سرسید کو احساس ہوا کہ ان کے مذہبی خیالات تعلیمی لائحہ عمل اور علی گڑھ تحریک کے دوسرے مقاصد کی تکمیل میں حائل ہیں، تو انھوں نے 'تہذیب الاخلاق' میں مذہبی بحثیں بند کر دیں اور تعلیمی امور پر زیادہ زور دیا۔

اس باب کو ہم 'حیات جاوید' کے اس اقتباس پر ختم کرتے ہیں:

"سب سے زیادہ سر سید کا ذکر پنچ اخباروں میں ہوتا تھا، جن

کے ایڈیٹر اور پروپرائٹر عموماً مسلمان تھے اور گرم بازاری صرف اس بات پر منحصر تھی کہ اپنی قوم کے خیر خواہ اور جاں نثار پر پھبتیاں اُڑائیں ، اس کے کارٹون بنائیں ، اُس کی ھجو میں اشعار شائع کریں ، اُس کی خوبیوں کو عیب بنا کر دکھائیں اور اس طرح نہ صرف آپ کو بلکہ تمام قوم کو ، جس کے مذاق پر اخباروں کی برائی بھلائی کا انحصار ھے ، دنیا میں رسوا اور بدنام کریں - سرسید بھی ان اخباروں کے آوازے توازے سنتے سنتے اُن کے عادی ھو گئے تھے ، یہاں تک کہ جس اخبار میں اُن پر کوئی چوٹ نہ ھوتی تھی ، اُس کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ؛ چناں چہ 'تہذیب الاخلاق' میں ایک جگہ لکھتے ھیں ، "ھمارا حال تو اُس بڑھیا کا سا ھو گیا ھے ، جس کو بازار کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ھوتے ، تو کہتی کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے -"

[صفحہ ۶۳۹]

سولھواں باب

اودھ پنچ کا دور

برعظیم میں مطبوعہ صحافت نے انگریزوں کی بدولت قدم رکھا۔ انگریزی اخبار نکلے، تو اُنھوں نے برطانیہ کے اخبارات کو نمونہ بنایا۔ اُردو اور فارسی اخبار جاری ہوئے، تو انگریزی صحافت کے نقش قدم پر چلے۔ 'اودھ اخبار' نے روزنامے کا روپ لیا، تو لندن کے مشہور اخبار 'دی ٹائمز' کو شمع ہدایت بنایا۔ سرسید نے 'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' (علی‌گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) نکالا، تو اُس میں برطانیہ کے سنجیدہ اخباروں کا شعار اختیار کیا اور 'تہذیب الاخلاق' کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ یہ رچرڈ سٹیل اور جوزف ایڈیسن کے اخبارات 'دی ٹیٹلر' اور 'دی سپیکٹیٹر' کی تقلید میں نکالا گیا تھا۔ اُنیسویں صدی کے وسط میں 'پنچ' (لندن) نے انگریزی صحافت میں مزاح نگاری کو منظم انداز میں شروع کیا، تو اُس سے برعظیم بھی متاثر ہوا اور اُنیسویں صدی کے ربع آخر میں پنچ اخبارات کا وہ غلغلہ ہوا کہ ہرطرف انھی کا طوطی بولنے لگا۔ سنجیدہ صحافت نے پنچ اخباروں کو جعفر زٹلی قرار دیا۔ ان کے خلاف بہت لے دے کی۔ لیکن نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا، اس لیے تیس پینتیس سال تک میدان مزاحیہ صحافت کے ہاتھ رہا۔

پنچ اخباروں کا سر پنچ 'اودھ پنچ' تھا، جس سے اس عہد کے بڑے بڑے جفاوری ادیب اور انشاء پرداز وابستہ تھے۔ اس اخبار کو نہ صرف لندن پنچ کی ہم‌سری بلکہ اُس پر برتری کا بھی دعویٰ تھا،

ملاخطه هو اکبر اله آبادی کی رائے :

هر چند که طرز پنچ لندن
بے شبہ ہے دل‌پسند و پُرفن
لیکن وہ نقش اولیں ہے
نسبت اس سے اسے نہیں ہے
ماشاءاللہ یہ نقش ثانی
بہتر ہے بہ صورت و معانی
وہ پیر مسن و کہن سال
یہ خیر سے نونہال اقبال
وہ اک گل صد بہار دیدہ
یہ غنچہ تازہ نو دمیدہ
وہ سرد برنگ آتش گل
یہ گرم لسبان آہ بلبل
بحث مضمون میں وہ اگر پنچ
یہ حل نکات میں ہے سرپنچ
واں بازوئے تاز سست بنیاد
یاں خامۂ نیزۂ چمن زاد
وہ چہرہ نمائے بزم صورت
یہ پردہ برافگن حقیقت
ہر چند کہ سرمہ درگلو ہے
تا ہم سرگرم گفتگو ہے
رعنا و لطیف و شوخ و بیباک
سرگرم و حریف و چست‌وچالاک
آزادی کا فخر اسے اگر ہے
یاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
یعنی کہ وہ مطلق العنان ہے
بے قید ہر اک سو رواں ہے
واں طبع کو زور لاتخف ہے
دقت تو جو ہے وہ اس‌طرف ہے
زنجیر خرد کی پائے بندی
باقاعدہ شرح درد مندی
تار نظر حسود بد کیش
ہر گام پہ مثل دام در پیش
کوتہ نظران پست فطرت
سرگرم شرارت و عداوت
واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ
یاں دیدۂ دام آشیانہ
کیوں کر نہ ہو ادعائے اعجاز
کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
کی سیر دو عالم اک نفس میں
پھر دیکھیے تو اسی قفس میں
دریا قطرے میں موج زن ہے
غنچے میں بہار صد چمن ہے
[اودھ پنچ - ۱۴ مئی ۱۸۷۸ء]

لیکن اس سے یہ مطلب لینا غیر صحیح ہوگا کہ مزاحیہ اور 'پنچ صحافت' کا آغاز 'اودھ پنچ' سے ہوا - 'اودھ پنچ' سے پہلے بھی کئی اخبار نکلے - مثلاً ۷ جنوری ۱۸۵۵ء کو رام پور سے 'مذاق' نکلا ، جس کے مالک حکیم احمد رضا لکھنوی تھے اور مدیر عبدالجلیل نعمانی -

اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا :

خود ہنسی اور ہنسانے کا پرچہ
چلتا پرزہ مذاق کا پتلا

[اختر شہنشاہی - صفحہ ۲۵۱]

اختر شہنشاہی سے معلوم ہوتا کہ اردو کا دوسرا مزاحیہ اور پہلا پنچ اخبار 'مدراس پنچ' تھا ، جو ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا ، جس کے مالک ، مہتمم اور مدیر کے تخلص ہم قافیہ تھے - مالک کا نام شاہ محمد صادق حسینی شریف ، مہتمم کا نام جعفر حسین حسینی حریف اور مدیر کا اسم گرامی غلام محی‌الدین چشتی حنیف تھے - تعجب ہے کسی نے 'ظریف' کا تخلص پسند نہیں کیا - جنوری ۱۸۷۶ء میں بمبئی سے 'فرحت‌الاحباب' جاری ہوا - اسی سال مراد آباد سے 'روہیل کھنڈ پنچ' نکلا اور پٹنہ سے 'بہارپنچ' اور ان کے بعد جنوری ۱۸۷۷ء میں 'اودھ پنچ' منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ، گویا یہ اردو کا چھٹا مزاحیہ اخبار تھا - نادم سیتا پوری لکھتے ہیں : ''اودھ پنچ اردو کا پہلا مزاحیہ اخبار تو نہیں تھا لیکن یہ یقین کرنے کے وجوہ ضرور ہیں کہ جنوری ۱۸۷۷ء میں جب 'اودھ پنچ' کا پہلا شمارہ نکلا تھا ، تو یقیناً صحافت کے اس میدان میں اس کے سوا کوئی دوسرا نہ ہوگا - اس سے پہلے کے مزاحیہ اخبارات یا تو بند ہوچکے ہوں گے یا اس بستی میں پہنچ گئے ہوں گے جہاں وجود و عدم وجود میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا -''

'اودھ پنچ' کے بارے میں وزیر آغا اپنی کتاب 'اردو ادب میں طنز و مزاح' میں رقم‌طراز ہیں :

''اودھ پنچ اپنے زمانے کی انقلابی تبدیلیوں کے خلاف ردعمل کے طور پر نمودار ہوا تھا - یہ وہ زمانہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے زندگی سے شگفتگی اور آسائش چھین لی تھی اور اس کے چہرے پر سنجیدگی کی تیوریاں پیدا کردی تھیں - سیاسی ، سماجی اور ادبی ماحول میں سنجیدگی اور انہماک کا دور دورہ تھا - انتہا پرستی اپنے جوبن پر تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہر

شخص اس طوفانی بہاؤ کے ساتھ ایک تنکے کی طرح بہتا چلا جائے گا۔ ایسے میں 'اودھ پنچ' نے خرد کو روک کر اس کے ھاتھ میں ایک آئینہ تھما دیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ایک لمحے کے لیے اس آئینے میں اپنی صورت دیکھنے کی تکلیف گوارہ کرے۔ ظاہر ہے کہ جب اسے آئینے میں ایک انتہائی سنجیدہ چہرہ مضحکہ خیز حرکات کرتا نظر آیا تو خرد کو ندامت بھی محسوس ہوئی اور اس کے جوش و انہماک میں اعتدال بھی پیدا ہوگیا۔ چناں چہ 'اودھ پنچ' نے قوم کے طوفانی دریا کو کناروں سے چھلکنے اور یوں تباھی اور بربادی پھیلانے سے بروقت روکنے کی انتہائی کوشش کی اور اس دریا سے طنز و ظرافت کی بے شمار چھوٹی نہریں نکال کر اس کی طغیانی میں دھیما پن پیدا کرنے کا قابل رشک کام سر انجام دیا۔'' [صفحہ ۱۶۳۰۴] -

اس اخبار کی ظرافت کا رنگ کیسا تھا ، اس پر پنڈت برج نارائن چکبست لکھتے ھیں :

''اودھ پنچ ظرافت کا سر چشمہ تھا اور عام طور سے لوگ اس کے فقروں اور لطیفوں پر لوٹ رہتے تھے - جو پھبتی میں نکل جاتی تھی وہ مہینوں زبان پر رہتی تھی اور دور دور مشہور ھو جاتی تھی - مگر قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے ، اس کو دیکھتے ہوئے ھم 'اودھ پنچ' کی ظرافت کو بہ حیثیت مجموعی اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے - لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ہے - اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ہے تو اردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاہیے- اردو نثر کے ان جواھرات میں جہاں اور بہت سی لطافت و رنگینی کے جوھر موجود ھیں وھاں ظرافت کی جھلک بھی کم دل کش نہیں ہے - نہ پھبتیاں ھیں نہ طعن و تشنیع کے جگرخراش فقرے ھیں - محض روز مرہ کی باتیں ھیں مگر طبیعت کی شوخی متین الفاظ کے پردے سے جھلکتی ہے اور پڑھنے والے کے چہرہ پر

مسکراہٹ کا نور پیدا کر دیتی ہے - باریک اور لطیف مذاق کی رنگینی اور بے ساختہ پن پر جس قدر غور کرو اتنا ہی زیادہ لطف آتا ہے - 'اودھ پنچ' کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ہے - ان کے قلم سے پھبتیاں اس طرح نکلتی ہیں جیسے کمان سے تیر - جو مظلوم ان تیروں کا نشانہ ہوتا ہے وہ روتا ہے اور دیکھنے والے اس کی بے کسی پر ہنستے ہیں - ان کے فقرے دل میں سہکی سی چٹکی نہیں لیتے ہیں، بلکہ نشتر کی طرح تیز جاتے ہیں - ان کا ہنسنا غالب کی زیر لب مسکراہٹ سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں - اکثر طبیعت کی شوخی اور بے تکلفی درجۂ اعتدال سے گزر جاتی ہے اور ان کے قلم سے بے تحاشا ایسے فقرے نکل جاتے ہیں جن کو دیکھ کر مذاق سلیم کو آنکھیں بند کر لینا پڑتی ہیں - ایسا ہونا معیوب ضرور ہے، مگر ایک حد تک قابل معافی ہے - 'اودھ پنچ' کے ظریف اس زمانے کی ہوا کھائے ہوئے تھے جب مذاق و بے تکلفی کا دائرہ ضرورت سے زیادہ وسیع تھا اور زبان و قلم کی بہت سی بے اعتدالیاں ہماری نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھیں - اب زمانے کے ساتھ ظرافت کا رنگ بھی بدل گیا ہے اور یہی دنیا کا دستور ہے - ممکن ہے کہ جن باتوں کو ہم آج پھول سمجھتے ہیں وہ آئندہ نسلوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکیں - ظرافت کے رنگ سے قطع نظر کر کے 'اودھ پنچ' کی یادگار خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو نثر کو اس کا مصنوعی زیور اتار کر، جس میں کاغذی پھولوں کے سوا کچھ نہ تھا، ایسے پھولوں سے آراستہ کیا جن میں قدرتی لطافت کا رنگ موجود تھا - 'اودھ پنچ' کے پہلے رجب علی سرور کے طرز تحریر کی پرستش ہوتی تھی - عام مذاق تصنع و بناوٹ کی طرف مائل تھا - اس زمانے میں جو اردو اخبار جاری تھے ان کی زبان ایسی ہوتی تھی جسے ہم محض محبت سے اردو کہ سکتے تھے - آج نثر اردو جس سلیس اور پاکیزہ روش پر جاری ہے اس کی

ایجاد میں 'اودھ پنچ' کا بہت بڑا حصہ ہے۔"

'اودھ پنچ' کے مدیر منشی سید محمد سجاد حسین تھے - ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے - ایف - اے تک تعلیم پائی - فوج میں اردو پڑھانے کی ملازمت کی - جی نہ لگا تو الگ ہو گئے - ۱۸۷۷ء میں 'اودھ پنچ' جاری کیا، جو ۱۹۱۲ء تک جاری رہا - ۲۲ جنوری ۱۹۱۵ء کو وفات پائی - خوش قسمتی سے انھیں بعض اچھے رفیق مل گئے؛ مثلاً رتن ناتھ سرشار، جن سے دو تین سال کے اندر اندر تعلقات کشیدہ ہو گئے؛ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، جن کا اصل نام محمد مرتضیٰ تھا - تخلص عاشق تھا، عام طور پر مچھو بیگ کے نام سے پکارے جاتے تھے اور قلمی نام ستم ظریف تھا - اسی نام سے تینتیس (۳۳) برس تک 'اودھ پنچ' میں مضامین لکھتے رہے - نواب سید محمد آزاد، مشرقی بنگال کی نامور شخصیت نواب عبداللطیف کے داماد تھے - دور بین، آگرہ اخبار، اکمل الاخبار، سفیر لودھیانہ اور اخبارالاخبار میں مضمون نگاری کرتے کرتے جب 'اودھ پنچ' کی محفل میں اپنا ناول 'نوابی دربار' لائے تو مزاحیہ ادب میں نمایاں شہرت کے مالک ہوئے - ان کے علاوہ اکبر الہ آبادی، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی شوق اور منشی احمد علی کسمنڈوی جیسی شخصیتیں بھی 'اودھ پنچ' کے لیے مستقل طور پر لکھا کرتی تھیں -

جس زمانے میں 'اودھ پنچ' کو عروج حاصل ہوا برعظیم میں اخبارات برسات کی کھنبیوں کی طرح نکل آئے تھے - کچھ بند ہوتے تھے، کچھ نئے نکل آتے تھے - حکم ران طبقے کی بوالعجبیوں پر یہ اخبار بڑے محتاط انداز سے رائے زنی کرتے تھے - اکثر اخباروں میں مغربی تہذیب کے حق میں مضامین چھپتے تھے - ادھر سر سید کی تحریک اپنے جوبن پر تھی - مغربی تعلیم اور مغربی معاشرت اور مغربی علوم کی تعریف اس کا طرۂ امتیاز تھی - سر سید کے اخبار ہوں یا اودھ اخبار یا دوسرے اخبار ان کی پالیسی یہ تھی کہ حکم ران طبقے سے بنا کر رکھی جائے - انگریزوں کا حال یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں فتح یابی پر

اُن میں کچھ زیادہ اکڑفوں پیدا ہو گئی تھی - اس زمانے میں گوروں کے ہاتھوں کالوں کے قتل کی کئی وارداتیں ہوئیں جن سے ہندوستان کی سیاسی فضا میں ہل چل پیدا ہوئی - البرٹ بل کے سلسلے میں یورپی آبادی کی شدید ایجی ٹیشن نے ہندوستانیوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور سوچیں کہ اُنھیں کون سی راہ اختیار کرنا چاہیے - اتنے میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہو گئی - سر سید نے مسلمانوں کو اس سے الگ تھلگ رکھنے کی سعی کی اور علیحدگی کی سیاست نے جنم لیا - منشی سجاد حسین کانگریس کے ممبر تھے اور آخری دم تک ممبر رہے - اس دور میں 'اودھ پنچ' کی پالیسی کے نمایاں نقوش یہ تھے :

الف - ہندو مسلم اتحاد اور انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت -

ب - حکم ران طبقے پر بے باکانہ نکتہ چینی ، جس میں نہ صرف انگریزوں کی حکومت بلکہ ریاستی حکم ران بھی شامل تھے -

ج - مغربی تہذیب کی مخالفت اور مشرقی اقتدار کی علم برداری -

بقول چکبست " اودھ پنچ ابتداء سے رعایا کا خادم اور سرکار کا آزاد مشیر تھا - کانگرس کے پہلے جو پولیٹیکل معرکہ آرائیاں پیش آئیں ، ان میں اُس نے ہمیشہ رعایا کا ساتھ دیا - الحاق اودھ ، انکم ٹیکس ، البرٹ بل وغیرہ کے متعلق اکثر مضامین لکھے ، جن کا آج شائع کرنا موجودہ قوانین کے جکڑ بند کو دیکھتے ہوئے مصلحت اور دور اندیشی کے خلاف معلوم ہوتا ہے - اُس نے والیان ریاست کی خوشامد سے اپنا دامن پاک رکھا اور ہمیشہ اُن کی غفلت و عیش پسندی کا پردہ فاش کرتا رہا..... اودھ پنچ ہندو مسلمانوں کے قومی اتفاق کا ہمیشہ سے معین تھا اور اگر دونوں قوموں میں کوئی نزاعی امر پیش ہوتا تھا تو اُسے ہنس کر ٹال دیتا تھا - انڈین نیشنل کانگرس چوں کہ قومی اتفاق کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی لہذا یہ بھی اس پولیٹیکل تحریک کا دل و جان سے مدد گار تھا - اس صوبہ میں منشی سجاد حسین مرحوم کانگرس کے رکن تھے اور باوجود بہت سے انقلابات کے ، جن کے دھچکے سے اکثر قدم ڈگمگا گئے ، منشی صاحب موصوف آخر دم تک اپنی وضع پر قائم رہے -

ابتداء میں جب سر سید مرحوم نے اپنی زبان و قلم کے جادو سے اہل اسلام کا دل کانگرس کی طرف سے پھیر دیا تھا ، اس وقت سوائے اودھ پنچ کے کوئی اسلامی اخبار ایسا نہ تھا ، جو علی گڑھ کے پولیٹیکل پیمبر کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔

'اودھ پنچ' سیاست کو ظرافت کا جامہ پہنا کر پیش کرتا تھا اور یہ طریق نہایت مؤثر ہوتا تھا۔ مثلاً

"مبارک وہ کالے جو ستائے جاتے ہیں ، کیوں کہ آسمان کی راحت انھیں کے واسطے ہے۔ مبارک وہ جو سول سروس کے لیے رنجیدہ ہیں ، کیوں کہ سرکار سے زبانی تسلی دی جائے گی۔ مبارک وہ جو قحط کے بھوکے پیاسے ہیں ، کیوں کہ پادریوں کی بدولت مسیحی مذہب سے مشرف ہوں گے۔ مبارک وہ جو سنگ دل ہیں ، کیوں کہ بعض خوشامدی اخبار رحم دل کہیں گے۔ مبارک وہ جو راست بازی کے لیے دھمکائے جاتے ہیں ، کیوں کہ ان کے سچائی کے درخت کی جڑ مضبوط ہو جائے گی۔"
[۱۱ ستمبر ۱۸۷۷ء]۔

دربار قیصری کا نتیجہ کیا ہؤا ؟ اس کے جواب میں 'اودھ پنچ' لکھتا ہے :

"صاحبو ! دربار تو جس طرح ہوا گزر گیا۔ جہاں سرکار نے آنکھ بند کر کے اپنے خطاب قیصری کے تصدق میں ہندوستانی امراء و رؤسا کو بڑے بڑے لمبے چوڑے بے بہا خطاب عطا فرمائے ، تمغے دئے ، جھنڈے پکڑائے ، سلامیاں کسی کی بڑھائیں ، کسی کو تازہ دیں ، وہاں رئیسوں نے بھی جان پر کھیل کر قرض سے ، دام سے ، علاقے رہن رکھ کر خوب دولت صرف کی۔ سونے چاندی جواہرات کی اچھی چمک دکھائی۔ مگر اب طوفان خطاب قیصری تمام ہوا ، دربار کے نشے کا خمار آیا...والئ جودھ پور جو علاقہ رہن رکھ کر روپیہ لائے تھے ، اس کے سوچ میں ہیں۔

سر سالار جنگ بہادر برار کی آس لگائے بیٹھے تھے ، وہ بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ، وہ جدا شکستہ خاطر ہیں - جو لوگ معزز عہدے پانے کے متوقع تھے ان کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی......ہمارے چیف کمشنر صاحب بہادر بھی جب سے آئے ہیں ، پیچش میں مبتلا ہیں - خدا جانے دعوتوں میں کیا بے عنوانی ہوئی - تماشائی نا خواندہ مہمان جو دھلی گئے تھے ، چار آدمیوں کے سامنے تو خوب دوں کی لیتے ہیں...مگر دل کا یہ حال ہے کہ مصارف بے سود کا رنج جدا ، تکالیف مالا یطاق کا غم الگ ، ریل کے دھکوں کا مزہ زبان پر ، دھلی کے خاک پھانکنے کی ندامت دل میں - اپنے جی ہی جی میں شرمندہ ہیں کہ لا حول ولا ، لوگوں کے بھرتے میں آ کر ہم بھی حماقت کر بیٹھے -" [۲۳ جنوری ۱۸۷۷ء] -

'معاونت سرکار' کے عنوان سے ایک شذرہ ملاحظہ ہو :

" کیوں یارو ، کیا ارادہ ہے ؟ سنا ہے روس چڑھا چلا آتا ہے - کہو کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے یا منہ کی کھاؤ گے - یار ہم تو اپنی سرکار پر نثار ہونے کو موجود ہیں - مگر کیا کریں - سپاہ گری کے فن ہم بھول گئے - چند ہتھیاروں کے نام سنے ہیں ، شکل نہیں دیکھی ، کوسنے دینے کو اب بھی موجود ہیں - موئے ، کھوجے پیٹے یہاں کیوں آتے ہیں ؟ الٰہی ان کے پاؤں کٹ جائیں - الٰہی ان کی بندوقوں میں کیڑے پڑیں - الٰہی یہ اپنے جنڈڑے سے جائیں ، جو ہمارے امن میں خلل ڈالنے کو آئیں -"

[. مارچ ۱۸۷۷ء] -

سر سید شائستگی اور زندگی کے ہر شعبے میں تہذیب کے قائل تھے اور ہندوستانیوں کو موافقت زمانہ کی تلقین کرتے تھے - اودھ پنچ نے ایک مضمون میں تہذیب اور موافقت زمانہ کا مضحکہ اڑایا اور لکھا :

"...اس مقولہ کی تہذیب بھی بڑھ گئی ہے ، یعنی زمانہ کی

موافقت ۔ یوں کرو کہ اگر کوئی کہ دے کہ کوا کان لیے جاتا ہے تو کوے کے پیچھے دوڑو اور کان کو نہ ٹٹولو ، یہاں تک کہ کوے کو گرفتار کرو ، اس کی تلاشی لو ۔ جب کان نہ ملے ، تب اور جگہ ڈھونڈو ۔ جب کہیں پتہ نہ لگے ، تب اپنے کان کو ٹٹولو اور پھر اشتہار جاری کرو کہ تجربے سے معلوم ہوا کہ کان کے واسطے کوے کے پیچھے دوڑنا فضول ہے ۔ پہلے اپنے کان ٹٹول لو ، بعد اس کے دوڑو ۔ اس پر تمام دنیا میں تعریف ہو کہ سبحان اللہ کیا حکیمانہ خیالات ہیں ۔ دیکھیے کیا اچھا تجربہ ہاتھ آیا ۔" [۳۱ جولائی ۱۸۷۷ء] ۔

اسی مضمون میں سر سید کا نام لیے بغیر اس بات کا مضحکہ اڑایا گیا ہے کہ وہ برطانوی مصالح کے پیش نظر کبھی ترکوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں ، کبھی زبردست اور کبھی ترکوں کے نظم و نسق پر اعتراض کرتے ہیں اور ان تمام متضاد بیانات کے حق میں میجر فلاں اور کرنل فلاں کے بیانات کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔

'پروفیسر اودھ پنچ کی پولیٹکل اقلیدس' میں پہلے 'حدود' معین کی گئی ہیں ۔ مثلاً "سول سروس وہ میوہ ہے جو سفید رنگ کے لیے مخصوص ہے ۔" "جس کا سر چھوٹا اور کم وزن ہو وہ دیسی ہے ۔" پھر اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ کا تعین کیا گیا ہے ، پھر اس کے بعد شکل اول عملی اس طرح پیش کی گئی ہے :

" دعویٰ : دیسیوں کو باوجود ذی علم اور لائق ہونے کے ذلیل کرو ۔

عمل : ایک قاعدہ مقرر کرو کہ سول سروس کے امتحان کے واسطے بائیس سال کی جگہ انیس برس کی قید لگائی جائے ۔

دیسیوں کو سول سروس یا کوئی معزز عہدہ نہ دیا جائے ۔ جو رائے دیں اس پر تحقیر کے ساتھ مضحکہ ہو ۔

پس ہندوستانیوں کی ذلت ہو گئی ۔

ثبوت: دیسی بوجہ نقص طریقۂ تعلیم سرکاری انیس سال کے سن تک سول سروس کا امتحان دینے کی کامل لیاقت نہیں رکھتے اور اس سول سروس کے میوے کو ہندوستان کی آب و ہوا موافق نہیں ، لہذا یہ ولائیتیوں کے واسطے مخصوص ہے ۔ چوں کہ دیسیوں کا کم وزن ہوتا ہے اور کم وزن اور چھوٹا سر حماقت کی نشانی ہے ، لہذا دیسی احمق ہیں ۔ اس واسطے دیسیوں کی رائے قابل مضحکہ ہے اور مضحکہ چوں کہ ذلیل کرتا ہے ، لہذا دیسی ذلیل ہوگئے۔'' [۲۸ اگست ۱۸۷۷ء]

لارڈ رپن کے عہد میں البرٹ بل پیش ہوا جس پر انگریز آبادی بہت مشتعل ہوئی ۔ بات یہ تھی کہ پچھلے چند سالوں میں کئی ایسے واقعات ہوئے کہ بعض انگریزوں نے اپنے ہندوستانی ملازموں کو قتل کر دیا اور بعد میں معمولی سزا پا کر رہا ہو گئے ۔ اس پر برصغیر کے سنجیدہ اور محتاط ہندوستانی اخباروں نے بھی صدائے احتجاج بلند کی ۔ لارڈ رپن کا بھی یہی خیال تھا کہ جرم کے معاملے میں انگریز اور ہندوستانی میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے ۔ چناں چہ سر کورٹنی البرٹ نے 'البرٹ بل' پیش کیا ، جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کے مقدمات کی سماعت کا اختیار ہندوستانی ججوں کو بھی دیا جائے ۔ اس پر انگریزوں نے بہت ہنگامہ کیا ، یہاں تک کہ ۱۸۸۳ء میں لارڈ رپن شملہ سے کلکتہ آئے ، تو گورنمنٹ ہاؤس کے باہر انگریزوں نے اُن کی سخت توہین کی ، بلکہ کلکتہ کے بعض انگریز باشندوں نے یہ سازش بھی کی کہ اگر بل اسی صورت میں منظور ہو جائے ، تو گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ بول کر لارڈ رپن کو گرفتار کر لیا جائے اور جہاز میں سوار کر کے انگلستان بھیج دیا جائے ۔ یہ ایجی ٹیشن اتنی بڑھی کہ لارڈ رپن کو مصالحت کرنا پڑی ، جسے کنکارڈٹ (Concordat) کا نام دیا گیا اور اس کے ماتحت فیصلہ ہوا کہ انگریزوں کے مقدمات ہندوستانی ججوں کے سامنے

پیش ہوں تو جو جیوری بیٹھے اُس کے آدھے ممبر ہندوستانی اور آدھے انگریز ہوں۔ اس مسئلے پر منشی جوالا پرشاد برق نے 'اودھ پنچ' میں ایک مضمون لکھا، جس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''لو سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ ایک چھلاوہ تھا، جو چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یکایک بلائے آسمانی پھٹ پڑی۔ ایک اینٹ کی خاطر مسجد ڈھائی۔ پیارا بل ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گیا... کلیجہ دھک سے ہوا۔ کیسی کچھ دل پر چوٹ لگی۔ رپن کا زمانہ، ہم تو خوشیاں مناتے، بغلیں بجاتے مست پڑے ہوئے تھے۔ آخر کو پالا ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔ مگر یکایک پردۂ غفلت جو آنکھوں سے اٹھا، تو بھور ہو گیا۔ ان اینگلو انڈین سے خدا سمجھے۔ عین موسم بہار میں ہمارا آشیانہ نوچ کھسوٹ کے پھینک دیا۔ کم بخت 'کنکارڈٹ' نے منحوس شکل دکھائی۔ سخن سازوں نے ملکۂ معظمہ کے پروکلے میشن کے الفاظ میں نئے نئے معنی پہنائے۔ پیارے رپن کو مجبور کیا۔ وہ بھی برے پھنسے۔ کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔ ممبران کونسل کے نقارخانے میں طوطی کی آواز کسی نے نہ سنی۔ آخرش وہ بھی ان ہی کے ساتھ سر ہلانے لگے۔

''اختیار ملا، مگر برائے نام۔ چوری کی پخ بلا کی طرح پیچھے لگی۔ مگر ہمت نہ ہارنا چاہیے۔ پارلیمنٹ میں واویلا ضرور ہو۔ ہندیو! دشمنوں سے سبق لو۔ کچھ کھو کے اب تو سیکھو۔ دیکھو حقوق کے واسطے لڑنا جھگڑنا ہی کام آتا ہے۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ اگر ہم بھی گورنمنٹ ہاؤس پر چڑھ دوڑنے کی فکر کرتے، فتنہ انگیزی پر کمر باندھتے، تلواریں سنبھالتے، تو کچھ مل ہی رہتا۔''

۱۸۸۵ء میں 'انڈین نیشنل کانگرس' قائم ہوئی۔ سرسید نے مسلمانوں کو اس سے الگ تھلگ رکھا، کیوں کہ اُن کے نزدیک مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی اور مجلسی حالت ابھی ایسی نہیں تھی کہ وہ سیاست میں موثر حصہ لے سکتے۔ اُدھر ۱۸۹۳ء میں جو اصلاحات جاری ہوئیں

اُن سے مسلمان پورے طور پر فائدہ نہ اُٹھا سکے ، کیوں کہ ممبری کے لیے دولت درکار تھی - اُنیسویں صدی کے آخر میں کانگریس کا بڑا چرچا تھا - زیادہ تر مسلمان اس کے مخالف تھے ، لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا ، جو کانگریس سے مسلمانوں کے اشتراک ھی میں اُن کا بھلا سمجھتا تھا - ۱۸۹۹ء میں کانگریس نے لکھنؤ میں قدم رکھا ، تو مسلمانان لکھنؤ نے 'انٹی کانگریس' جلسے کا اعلان کیا - اس پر منشی سجاد حسین نے 'انڈے بچے والی چیل چلہاڑ' کے عنوان سے جو مضمون لکھا اُس کا بہت چرچا ھوا - اس کا پہلا پیرا ملاحظہ ھو :

''بھلا یہ کیوں کر ممکن ھے کہ بی کانگریس صاحبہ لکھنؤ مرحوم میں جان تازہ پھونکنے ، چہرے کی رونق بڑھانے خراماں خراماں تشریف لائیں اور بی اینٹی صاحبہ چپ شاہ کی بالکی نو ھی بنی منہ مں گھنگھنیاں بھرے بیٹھی رھیں - اجی توبہ کیجیے ، بولیں اور بیچ کھیت بولیں - اس طرح بولیں جیسے ارھر کے کھیت میں پھندیٹ بٹیر ، بلکہ گلا پھاڑ کے ، غل مچا کے ، سارا شہر سر پر اٹھا کے ، جس میں یہاں سے لندن تک توجہ ھو جائے کہ لکھنؤ میں بھی کچھ اینٹی بھائی ھیں ؛ چناں چہ یوں تو عرصے سے سٹر پٹر جلسے کرتے تھے اور بعض حضرات اپنے نزدیک حق ادا کرتے تھے یا مستحق بننے کی کوشش کرتے تھے ، مگر جب دیکھا کانگریس کا اجلاس سر پر ھی آ پہنچا ، ادھر لیفٹیننٹ گورنر بہادر بھی شہر میں تشریف فرما ھیں ، اُدھر حضور وائس رائے بھی دربار فرمانے والے ھیں ، چھتری سرکس بھی تماشے کر رھا ھے ، الفریڈ کمپنی بھی تماشے کرنے آئی ھے ، ان حضرات کو بھی مثل عارضۂ متعدی پخ پخ چھوٹی ، بےچینی بڑھی ، مادہ ھیجان میں آ ھی گیا اور ایک بار آنکھ بند کر کے ، کچکچا کے عظیم الشان جلسے 'اینٹی کانگریس' کا اشتہار دے ھی دیا -''

منشی سجاد حسین بڑے بڑے لوگوں کو مکتوب مفتوح بھی لکھتے تھے - مثلاً ملکہ وکٹوریہ ، گلیڈ سٹون وزیر اعظم برطانیہ ،

مہاراجہ کشمیر اور نظام دکن کے نام ۔ان مکاتیب میں سیاسی مسائل پر نکتہ آفرینیاں کی گئیں ۔

'اودھ پنچ' کا سائز ۱۲" × ۹½" ہوتا تھا ۔ آٹھ صفحات ہوتے تھے ۔ ہر صفحے پر تین کالم اور ہر کالم میں پینتیس سطریں ہوتی تھیں ۔ صفحۂ اول کے اوپر ایک چھوٹی سی پٹی میں اشتہار کے عنوان سے خریداری کے قواعد درج ہوتے تھے ۔ نیچے ایک اس سے بھی چھوٹی پٹی میں چندہ خریداری کی تفصیل ہوتی تھی ۔ ان دو پٹیوں کے درمیان کارٹون ھی کارٹون ہوتے تھے ۔ حتیٰ کہ انگریزی میں 'اودھ پنچ' اس طرح لکھا جاتا تھا کہ انگریزی کا ہر حرف نہ صرف حرف تھا بلکہ کارٹون بھی تھا ۔ ماٹو بھی انگریزی میں تھا ، (Life is Pleasure) ، یعنی زندگی زندہ دلی کا نام ہے ۔ ان دونوں کے درمیان ایک چھوٹے سے چوکھٹے میں 'آزاد ظریف اودھ پنچ' / ۱۲۹۳ ھجری لکھا ہوتا تھا ۔ سر ورق کے کارٹون سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ لندن پنچ کے سر ورق کی نقل کی گئی ہے ۔ اندر پہلے مضامین اور نظمیں درج کی جاتی تھیں اور پھر 'لوکل' کے زیر عنوان منشی سجاد حسین مقامی خبریں نہایت دل چسپ انداز میں دیتے تھے ۔ آخر میں 'تار برقیاں' کے عنوان سے قومی اور بین الاقوامی خبریں مختصر طور پر درج کی جاتی تھیں ۔ ان کا انداز تحریر مزاحیہ نہیں ہوتا تھا اور زبان نہایت سادہ ہوتی تھی ۔ 'تار برقیاں' میں زیادہ تر غیر ملکی خبریں دی جاتی تھیں ۔ ان کا نمونہ ملاحظہ ہو :

> "انگلستان ان عہد ناموں کو جو اب ہیں ، امن میں رکھے گا اور یورپ کے ملکوں کو مساوی رکھے گا اور روس کو نہ بڑھنے دے گا اور اس کاروائی میں اس کو فرانس اور اٹلی سے اعانت ملے گی ۔
> ۲۵ دسمبر ، لندن ۔ شہنشاہ روس نے کہا ، ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور مجھ کو امید ہے کہ جو کام روس نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کو جنگ حال میں پورا کرے گا ۔
> "وزیر اعظم ٹرکی نے ایک وکیل سے ملاقات کی ، جو کہ

مسلمانان ہندوستان کی جانب سے وہاں گیا ہے ۔''

[جنوری ۱۸۴۸ء]

اندر کے صفحات پر کارٹون دیے جاتے تھے اور بعض اوقات پورے صفحے پر ایک کارٹون ہوتا تھا ۔ اکثر لندن پنچ سے بھی کارٹون نقل کر لیے جاتے تھے ۔

'اودھ پنچ' اردو صحافت میں بہت بڑی اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ :

اول : اس نے مزاحیہ صحافت کو نہایت شوخ انداز میں پیش کیا اور مزاحیہ صحافت ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر گئی ، جس کا اثر سارے برعظیم پر ہوا ۔

دوم : یہ پہلا اردو اخبار تھا جس نے رائے زنی ، کسی چیز کے مضحکہ خیز پہلو کو نمایاں کرنے اور مخالف کو ذلیل کرنے کے لیے کارٹون کا حربہ باقاعدگی سے استعمال کیا ۔

سوم : اس نے سیاسی اور معاشری مسائل اور بین الاقوامی سیاست پر تیز و تند اور بے باک انداز میں تبصرہ کیا ۔

'اودھ پنچ' سے اُردو صحافت کو نقصان بھی پہنچا ۔ اس نے مزاح میں ابتذال اور پھکڑ پن کو فروغ دیا ۔ بڑے بڑے ادیبوں نے یہی رنگ اختیار کر لیا اور پھر اس کی تقلید میں جو پنچ اخبار ہندوستان کے طول و عرض میں نکلے ، انھوں نے پھکڑ پن ، ابتذال اور فحش نگاری میں انتہا کر دی ۔ یہ رنگ صحافت پر تیس پینتیس سال تک مسلط رہا ۔ اس کے بعد اصلاح ہوئی ، لیکن پھکڑ پن کے بعض آثار بہ دستور قائم رہے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ 'اودھ پنچ' کی دیکھا دیکھی ہندوستان بھر میں بے شمار پنچ اخبارات نے جنم لیا ۔ 'اختر شہنشاہی' میں ان اخبارات کا ذکر ہوا ہے ۔ ممکن ہے ان کے علاوہ اور بھی اخبار نکلے ہوں :

مقام اشاعت	اخبار کا نام	تاریخ اجراء
۱- سر پنچ ہند	لکھنؤ	یکم ستمبر ۱۸۷۷ء
۲- اخباروں کا قبلہ گاہ	دھلی	ستمبر ۱۸۷۸ء
۳- پنجاب پنچ	لاہور	۱۸۷۸ء
۴- کلکتہ پنچ	کلکتہ	جنوری ۱۸۷۹ء
۵- انڈین پنچ	لکھنؤ	یکم مئی ۱۸۸۰ء
۶- دھلی پنچ	لاہور	یکم جون ۱۸۸۰ء
۷- بنگال پنچ	کلکتہ	یکم جولائی ۱۸۸۰ء
۸- باوا آدم پنچ	بنارس	۱۲ اکتوبر ۱۸۸۱ء
۹- بنارس پنچ	بنارس	[باوا آدم پنچ کا ضمیر]
۱۰- راجپوتانہ پنچ	اجمیر	[راجپوتانہ گزٹ کا ضمیمہ] ۱۸۸۱ء
۱۱- میرٹھ پنچ	میرٹھ	[میرٹھ گزٹ کا ضمیمہ] ۱۸۸۱ء
۱۲- فتنہ	گورکھ پور	۸ جولائی ۱۸۸۲ء
۱۳- سر پنچ	سید پور	۱۰ ستمبر ۱۸۸۲ء
۱۴- ظریف	بنارس	۲۹ ستمبر ۱۸۸۲ء
۱۵- کشمیر پنچ	بدایوں	یکم مئی ۱۸۸۳ء
۱۶- ابوالظرفاء	بمبئی	یکم جون ۱۸۸۳ء
۱۷- ھریانہ پنچ	جھجر	۲۰ فروری ۱۸۸۴ء
۱۸- کرناٹک پنچ	رائے بیٹھ	یکم اپریل ۱۸۸۴ء
۱۹- دکن پنچ	مدراس	یکم جنوری ۱۸۸۵ء
۲۰- الپنچ	پٹنہ	۵ فروری ۱۸۸۵ء
۲۱- کڑا پنچ	الہ آباد	۱۴ فروری ۱۸۸۵ء
۲۲- ظریف ھند	دھلی	یکم مارچ ۱۸۸۵ء
۲۳- بیربر	دھلی	مارچ ۱۸۸۵ء
۲۴- پرکالۂ آتش (قنوج پنچ)	قنوج	یکم اگست ۱۸۸۵ء
۲۵- فتح گڑھ پنچ	فتح گڑھ	۱۵ اگست ۱۸۸۵ء
۲۶- شیخ چلی	سیال کوٹ	۶ اکتوبر ۱۸۸۵ء
۲۷- طوفان	سیال کوٹ	یکم جنوری ۱۸۸۶ء

اخبار کا نام	مقام اشاعت	تاریخ اجراء	
۲۸- ظریف الہند	میرٹھ	یکم جنوری	۱۸۸۶ء
۲۹- ملا دو پیازہ	لاہور	یکم جنوری	۱۸۸۶ء
۳۰- پاٹے خان	دھلی	جنوری	۱۸۸۶ء
۳۱- تیس مار خان	لاھور	جنوری	۱۸۸۶ء
۳۲- برار پنچ	کولھا پور	مارچ	۱۸۸۶ء
۳۳- بیربر	سیالکوٹ	یکم اپریل	۱۸۸۶ء
۳۴- گجرات پنچ	گجرات	یکم اکتوبر	۱۸۸۶ء
۳۵- فیروز پور پنچ	فیروز پور	۲۴ اکتوبر	۱۸۸۶ء
۳۶- سر پنچ	میرٹھ	اکتوبر	۱۸۸۶ء
۳۷- چلتا پرزہ	دھلی	۱۶ جنوری	۱۸۸۷ء
۳۸- جعفر زٹلی	لاھور	۴ مارچ	۱۸۸۷ء
۳۹- دکن پنچ	حیدرآباد دکن	یکم جون	۱۸۸۷ء
۴۰- شریر	لاھور	۲۴ جون	۱۸۸۷ء

'اختر شہنشاھی' میں اسی تاریخ تک کے اخبارات کا حال درج ہے - اس کے بعد بھی پنچ اخبارات نکلتے رہے - مثلاً

۴۱- ملکی مخبر یعنی پولیٹیکل سپاھی لاھور		۱۸۸۶ء
۴۲- جالندھر پنچ	جالندھر	۱۸۷۷ء
۴۳ آگرہ پنچ	آگرہ	نامعلوم

ان کے علاوہ اور پنچ اخبار بھی ھوں گے ، لیکن اس سلسلے میں مزید معلومات فراھم نہیں ھو سکیں -

ان میں اکثر اخبار ھفت روزہ تھے- دو چار ایسے بھی تھے جو ھر دس روز کے بعد نکلتے تھے اور ایک آدھ پندرہ‌روزہ اخبار تھا - بعض اخبار سنجیدہ اخبار نویسوں نے اس مقصد کے لئے ضمیمے کے طور پر یا کسی اور کی ظاھری ادارت میں نکال رکھے تھے کہ

حریفوں سے لفظی لپاڈگی میں بے تکلفی سے کام لے سکیں ۔ وہ اپنے اصلی اخبار کے صفحات کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے - مثلاً مولوی محرم علی چشتی نے سنجیدہ مباحث کے لیے 'رفیق ہند' جاری کر رکھا تھا اور فحش بیانی اور ہجو و ہزل کے لیے 'ملاں دو پیازہ' ۔ اس پر نام کسی اور کا درج ہوتا تھا ، لیکن تحریر مولوی صاحب ہی کی ہوتی تھی ۔ انھیں اپنی زندگی میں بے شمار مخالفین سے سابقہ پڑا ، اس لیے 'ملاں دو پیازہ' گیارہ برس تک جاری رکھا ۔

ان اخبارات میں ریاض خیر آبادی کا 'فتنہ' خاص اہمیت کا حامل تھا ۔ اس کے بارے میں عقیل احمد جعفری لکھتے ہیں :

" فتنہ ، آہ چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار جو مزاق کی شگفتگی ، شستگی اور پختگی اور تخیل کی جدت ، ندرت اور نزاکت کی گویا کھنچی ہوئی روح تھا ۔ ہلکے رنگ سے رنگے ہوئے اور کٹے ہوئے ورق گویا ورق گل ، پاکیزہ خفی خط ، حسین سیاسی کارٹون ، دل چسپ اسکیچ ، منتخب اشعار اور چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے ادبی سیاسی ظریفانہ مضامین ــ یہ تھا فتنہ . . . وہ فصل گل کے سے فصلی مضامین ، ہر فصل و موسم کے اعتبار سے جدید اور لذیذ ، وہ ہلکی ہلکی مذہبی چوٹیں ، وہ رندانہ سرمستانہ کیفیتیں ، وہ نثر شاعرانہ ، وہ نظم ناقدانہ ، وہ عنوان کی جدت ، وہ خبروں کی لطافت اور وہ زبان کی نزاکت کہ

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

وہ نازک خیالیاں اور وہ لفظوں کے آلٹ پھیر سے شاہد معنی کی گرفتاریاں ۔ اور سنیے فتنہ میں خبریں بھی ہوا کرتی تھیں ، مگر صرف وہ خبریں جن میں کوئی نہ کوئی ظرافت کا پہلو پیدا ہو سکتا تھا ۔

یہ ہے مختصر سی داستان 'اودھ پنچ' کے دور کی جس نے اردو صحافت

کو بے حد متاثر کیا ، لیکن انیسویں صدی کے ختم ہونے کے بعد اس کا زور بھی ٹوٹ گیا ۔ نئے تقاضوں نے نئی قسم کی صحافت کو جنم دیا ۔ مزاحیہ اخباروں میں سے چند جاری رہے ، لیکن وہ 'اودھ پنچ' کے شباب والی بات پیدا نہ ہوئی ۔

سترھواں باب

اخبار انجمن پنجاب

انقلاب ۵۷ء کے چند سال بعد پنجاب میں علم و ادب کا چرچا زور شور سے ھوا ۔ السنۂ شرقیہ کے نامی گرامی ھم درد ڈاکٹر لائیٹنر (Leitner) کی صدارت میں ایک انجمن قائم ھوئی ، جس کا نام 'انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب' تھا ۔ اس میں پنجاب کی مشہور ھندو ، مسلم اور سکھ شخصیتیں شامل تھیں ۔ اسی انجمن کے زیر اھتمام پنجاب یونیورسٹی کالج قائم ھوا اور اسی کی پیہم مساعی سے پنجاب یونیورسٹی بنی ۔ یہ الگ بات ھے کہ انجمن صرف علوم شرقیہ کی یونیورسٹی قائم کرنا چاھتی تھی اور نتیجہ اس کے برعکس نکلا ۔

'انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب' کا عام پسند نام 'انجمن پنجاب' تھا اور اس قسم کی انجمنیں ھندوستان بھر میں کئی مقامات پر قائم تھیں ۔ ۱۸۶۴ء میں انجمن کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۸۶۵ء میں اس کے مقاصد کو فروغ دینے اور اس کی کاروائی ارکان انجمن تک پہنچانے کے لیے ایک رسالہ جاری ھوا ، جس کا نام 'رسالہ انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب' رکھا گیا ۔ اس کا ۱۸۶۷ء کا فائل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ھے ۔ اس رسالے کی ادارت مولانا محمد حسین آزاد بھی کرتے تھے ، جو یونیورسٹی کالج کے شعبۂ عربی سے منسلک تھے ۔ نیز شعبۂ قانون وراثت پر لیکچر دیا کرتے تھے ۔ اس رسالے میں ایک تو انجمن کی مفصل کاروائی درج ھوتی تھی ، دوسرے علمی اور ادبی مضامین شائع ھوتے تھے ۔ کبھی کبھی کچھ مواد انگریزی زبان میں بھی چھپتا تھا ۔ چند مضامین

ھندی اور گورمکھی میں بھی درج ھوتے -

۱۸۷۰ء میں رسالہ بند ھو گیا اور اس کی جگہ 'اخبار انجمن پنجاب' معرض وجود میں آ گیا - اس کا انگریزی نام The Journal of the Anjaman-i-Punjab تھا - لیکن اس میں انگریزی زبان کا مواد نہیں دیا جاتا تھا - معلوم ھوتا ھے کہ اسے نہ صرف بڑے بڑے انگریز افسروں کی سرپرستی حاصل تھی بلکہ حکومت کی تائید و حمایت بھی اس کی پشت پر تھی - یہی وجہ تھی کہ اس کی پالیسی اپنے ھم عصر اخبارات کے مقابلے پر نہایت محتاط اور معتدل تھی -

اسے حکومت کی سرپرستی کیوں حاصل ھوئی ؟ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس وقت تک 'سرکاری اخبار' بند ھو چکا تھا اور حکومت کو کسی ایسے اخبار کی ضرورت تھی جس پر سرکاری ٹھپہ نہ ھو اور اس کے باوجود وہ سرکار کے مقاصد کو فروغ دے - 'سرکاری اخبار' یکم مئی ۱۸۵۸ء کو جاری ھوا اور اس کی ادارت محکمۂ تعلیم کے مترجم پنڈت آجدھیا پرشاد کے سپرد ھوئی - اس کے اخراجات پورے کرنے کے لیے پنجاب بھر میں ایک فی صدی سکول Cess لگایا گیا - سالانہ چندہ پہلے صرف بارہ آنے تھا - پھر ایک روپیہ ھو گیا - یہ پرچہ نمبرداروں اور پٹواریوں اور سکولوں کے ھیڈ ماسٹروں کو بھیجا جاتا تھا - اس لیے اس کی اشاعت ابتداء ھی میں ایک ھزار چھ سو گیارہ ھوگئی - ۱۸۶۳ء میں اس کی تقطیع بڑھا دی گئی - اس میں سرکاری اعلانات ، عمومی دل چسپی کی خبریں اور اردو زبان اور ادب پر مضامین شائع ھوتے تھے - بیان کیا جاتا ھے کہ 'کوہ نور' کے بعد لاھور میں اردو کا بہترین اخبار یہی تھا اور یہ پہلا اخبار تھا جو دیہات میں بھی پڑھا جاتا تھا - یہ اخبار ۱۸۶۹ء میں بند ھو گیا -

سرکاری اخبار کے مدیر منشی پیارے لال آشوب تھے اور نائب مدیر مولانا محمد حسین آزاد - جب یہ بند ھوگیا ، تو حکومت نے 'اتالیق پنجاب' کے نام سے ایک ماھانہ رسالہ جاری کیا اور یہ دونوں حضرات اس کے

مدیر بن گئے ۔ 'اختر شہنشاہی' میں درج ہے کہ یہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۷۰ء میں نکلا ۔ سول سیکریٹریٹ کے مطبع میں چھپتا تھا ۔ اس میں علمی مضامین شائع ہوتے تھے اور آٹھ چھوٹے اوراق پر مشتمل ہوتا تھا (صفحہ ۱۲) ۔

آدھر انجمن پنجاب اپنے رسالے سے مطمئن نہیں تھی ۔ وہ اپنے مقاصد کو فروغ دینے کے لیے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کرنا چاہتی تھی ۔ چناں چہ بہ قول 'اختر شہنشاہی' (صفحہ ۲۱۷) انجمن پنجاب نے یکم اپریل ۱۸۷۰ء کو 'ہمائے پنجاب' جاری کیا اور اس کا اہتمام پنڈت مکند رام کے سپرد ہوا اور ادارت پنڈت گوپی ناتھ کو تفویض کی گئی ۔ 'اختر شہنشاہی' ہی اس بیان کی ذمہ دار ہے کہ 'اخبار انجمن پنجاب' پیرزادہ محمد حسین کی ادارت میں جنوری ۱۸۷۰ء میں جاری ہوا ۔ یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ انجمن پنجاب کو بہ یک وقت دو ہفت روزہ اخباروں کی ضرورت کیسے ہو سکتی تھی؟ اگر گارساں دتاسی کے ۱۸۷۱ء کے لیکچر کی طرف رجوع کیا جائے ، تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ 'اخبار انجمن پنجاب' ۱۸۷۱ء میں جاری ہوا اور اُس نے 'ہمائے پنجاب' کی جگہ لی ۔

چند سال بعد منشی نثار علی شہرت اس اخبار کے مدیر مقرر ہوئے ۔ وہ ایک اچھے شاعر اور مضمون نگار تھے ۔ 'کوہ نور' ، 'پنجاب پنچ' اور 'خیرخواہ عالم' (دہلی) کے عملۂ دارت میں شامل رہے ۔ بہ قول امداد صابری ''کئی سال تک لاہور میں مضمون نگاری کرتے رہے ۔ دیسی ریاستوں کے معاملات پر خامہ فرسائی کا ملکہ تھا ۔ ۱۹۲۰ء کے قریب لاہور میں انتقال کیا ۔'' حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ منشی نثار علی شہرت کب 'اخبار انجمن پنجاب' سے منسلک ہوئے ۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ ۱۸۷۹ء میں وہ اس اخبار کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے ، کیوں کہ اس سال کے ایک پرچے میں کسی خبر میں ایڈیٹر کی حیثیت سے اُن کا نام درج ہے ۔

انجمن پنجاب کا مکمل نام 'انجمن اشاعت علوم مفیدہ پنجاب' تھا ۔

اس کے مقاصد یہ تھے :

اول : قدیم مشرقی علوم کا احیاء

دوم : دیسی زبانوں کے وسیلے سے عام علمی ترقی

سوم : حکومت کو رائے عامہ سے آگاهی کرنے کے لیے علمی ترقی ، معاشری مسائل اور نظم و نسق کے مسائل پر تبادلۂ خیالات ۔

چہارم : پنجاب اور هندوستان کے دوسرے ممالک کے درمیان تعلقات آستوار کرنا ۔

پنجم : ملک کی عام ترقی اور شہری نظم و نسق کی درستی کے لیے کوشاں رهنا ۔

ششم : حاکم و محکوم میں رابطۂ اتحاد و موانست کا ترقی دینا ۔

'اخبار انجمن پنجاب' کے مقاصد یہ تھے :

''اس اخبار کا اجراء انجمن پنجاب کی طرف سے ہے ۔ اس سے مقصد اصلی یہ ہے کہ همارے هم وطن خیالات انگریزی اور منشائے سرکار اور سرگزشت زمانہ سے واقف هوں اور سرکار کو دیسی لوگوں کے خیالات ظاهر هوں ، تاکہ اس سے حاکم اور محکوم دونوں کو فائدہ پہنچے اور بہبودیٔ ملک هو ۔ اس میں اپنے اپنے موقعہ پر مضامین مفصلہ ذیل درج هوتے هیں :

۱۔ آرٹیکل یعنی جو امور وقتاً فوقتاً غور طلب هوں ، آن پر اپنی اور اهل ملک کی رائے ۔

۲۔ ایضاً دیگر انگریزی اور دیسی اخباروں کی رائے ۔

۳۔ مضامین علمی و بیان عیب و صواب کتب وغیرہ نو تصنیف شدہ ۔

۴- حالات ممالک غیر اور ذکر رسم و رواج مختلف اقوام یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ کا، جو اب تک اس ملک کے لوگوں کو معلوم نہیں اور حال اُن ممالک کی تاریخ قدیم کا۔

۵- خطوط اور خبریں۔

۶- خلاصۂ قوانین و احکامات تبدیلی و تقرری وغیرہ عہدہ داران و ملازمان سرکاری۔

۷- اشتہارات مفید عام و مفید خاص۔

'اخبار انجمن پنجاب' ہر جمعے کو چھپتا تھا۔ تقطیع $\frac{۲۶ \times ۱۸}{۴}$ تھی اور سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر صفحے پر تین کالم ہوتے تھے۔ کتابت اور طباعت عمدہ ہوتی تھی۔ صفحۂ اول پر نام کی پٹی کے نیچے اخبار کے مقاصد اور قواعد درج ہوتے تھے اور باقی صفحات پر مضامین علمی، منقولات، مراسلات، کارسپانڈنس، مختلف واقعات، ترجمہ اخبارات عربیہ، ترجمہ اخبارات انگریزی، موکل اور احکام نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب کے عنوان کے ماتحت دلچسپ مواد اکٹھا کردیا جاتا تھا۔ ہمارے پیش نظر اس اخبار کا وہ فائل ہے جس میں ۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۹ء تک کے متفرق پرچے موجود ہیں۔ ان سے اخبار کے خدوخال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مضامین کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل میں کچھ مضامین کے عنوان دیے جاتے ہیں:

''مجموعہ ہیولیٰ، قانون کشش و حرکت کا بیان۔ پالا، برف، یخ کا بیان۔ کرۂ باد، بیان چلنے والی ہوا کا۔ بخارات، ابر و مینہ کا بیان۔ دریا کا بیان۔

علم بدیع، ادب، مضمون نویسی کے آداب، علم قیافہ، علم کے واسطے تجربہ ضروری ہے، اہل چین کی زبان اور اُن کی علمیت کا بیان، شعر و سخن کے اصطلاحات، فوائد علوم مختلف، علم تاریخ، خدا کا ہونا ثابت ہے، حل سوالات علمی، حل سوالات اقلیدس، صحبت کے اثر، فغان مخلوقات، حفظ صحت روحانی، کثرت ازدواج

اور اس کے مضر نتیجے ، شاعری اور اس کے اصول ، مضمون فوائد صبر ، سزائے مجرمان ، قومی ترقی ، آدمی کو کیا کرنا چاہیے ، فضول خرچی بر موقعہ شادیات ، ہمارے تعلیم یافتوں کی حالت ، خوشی ، نابردہ رنج گنج میسر نمی شود ، قومی ہمدردی ، اصلاح رسوم اہل ہنود ، چھوٹی عمر کے قیدیوں کے لیے مدارس حرفت ، خیرات خانے ، مجرموں کی اصلاح ، کیوں کر ہم ہم پلہ یورپ کے ہوسکتے ہیں ؟ فاحشہ عورتوں کے متفرق جگہ شہر میں رہنے سے بہت بڑے نقصانات ۔

دریائے نیل کا بیان ۔ وجہ تسمیہ بندر کھمبایت ۔ حالات ملک روس ۔ ملک منگولیا کا حال ۔ حالات قصبہ نجف گڑھ ۔ عبدالکریم پاشا ۔ احمد مختار پاشا ۔ دریائے ڈینیوب ۔ مصلحات بلگیریا ۔ زار روس ۔ ٹرکی کی حالت ۔ مصر کی بھول بھلیاں ۔ حالات حکمائے سلف ۔ دنیا کے سات عجائبات ۔ روئے زمین کی بڑی بڑی معلومات ۔ ہرزگووینا کی بغاوت ۔ بغداد استنبول ریلوے ۔ صیغۂ زراعت و تجارت ۔ طریقۂ طبابت ، جو بالفعل جاری ہے، کس قدر اور نقصان مریضوں کو اس سے پہنچتا ہے ۔ ہیضہ ۔ رعایا کیوں تنگ دست ہوتی جاتی ہے ۔ بعض دیسی مدرسوں کی حالت ۔ ایک پیسے کا ٹکٹ ۔ تخفیف کا مسئلہ ۔ رؤسائے تعلیم یافتہ میں لکھنے والے ۔ ہندوستانی اخبارات ۔ رائل ٹورسٹ ۔

اس فہرست کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے موضوعات میں کتنا تنوع موجود تھا ۔ سائنس ، علم و ادب ، معاشرہ ، جغرافیہ ، تاریخ ، سیاست ، طب ، معیشت ، معلومات عامہ ، غرض ہر موضوع پر مضامین شائع ہوتے تھے ۔ اسی طرح خبروں میں بھی تنوع تھا ۔ مقامی خبریں بالالتزام چھپتی تھیں ۔ قومی خبریں زیادہ تر 'پاؤنیئر' اور 'انڈین پبلک اوپینین' سے لی جاتی تھیں ۔ جب موخرالذکر بند ہوگیا ، تو 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' سے خبریں اخذ کر لی جاتی تھیں ۔ غیر ملکی خبریں انگریزی اخبارات کے علاوہ استنبول کے عربی اور فارسی اخبارات

سے بھی ترجمہ کی جاتی تھیں - جن دنوں ترکیہ اور روس کے درمیان بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اور پھر جنگ چھڑ گئی ، غیر ملکی خبروں کا تناسب بہت بڑھ گیا اور خبروں کا پس منظر سمجھانے کے لیے مضامین اور نقشوں کی اشاعت ہونے لگی - ملکی خبروں کے بارے میں اس پرچے میں یہ مختلف بات دیکھی گئی ہے کہ یہ اپنے ہم عصر اردو اخباروں سے خبریں نقل نہیں کرتا تھا - البتہ مضامین حوالے دے کر کبھی کبھی نقل کر لیتا تھا -

خبروں پر عموماً عنوان نہیں دیے جاتے تھے - عام طور پر شہر کا نام جلی خط میں لکھ دیا جاتا تھا - بہ ہر حال کبھی کبھی دل چسپ عنوان بھی دیے جاتے تھے - نمونے کے طور پر دو تین دل چسپ خبریں درج ذیل ہیں :

''انصاف

بنگال کے ایک افسر ضلع نے آنریبل ایشلی ایڈن صاحب بہادر لیفٹننٹ گورنر بہادر بنگال سے یہ فریاد کی تھی کہ دیسی منصف ہماری کوٹھی پر سلام کو نہیں آتے - یہ امر ان کی گستاخی میں داخل ہے - تو اب لیفٹننٹ گورنر بہادر نے اس شکایت کا جواب حسب ذیل دیا - 'ادب و تعظیم بالارادہ ہونی چاہیے ، نہ بالجبر - اگر منصف آپ کی ملاقات کو نہیں آتے تو شاید اس کا سبب یہ ہو کہ آپ کے اخلاق اچھے نہیں - اگر آپ تعظیم و ادب حاصل کرنا چاہتے ہیں ، تو آپ کو کوشش کرنی چاہیے کہ آپ اس کے لائق ہوں -' اہل بنگال نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کے اس انصاف سے نہایت خوش ہیں -''

[۱۱ مئی ۱۸۷۷ء ، جلد ۸ ، نمبر ۱۹]

''ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

ایک اہلِ فرنگ نے ایک ہندوستانی کو گولی سے مار ڈالا تھا -

اُس کا مقدمہ چیف کورٹ لاہور میں کئی روز تک دائر رہا اور ایک جیوری مقرر ہوئی تھی کہ وہ دریافت کرے ، آیا شخص ملزم واقعی مجرم ہے یا نہیں ۔ بعد "قیقات جیوری وغیرہ کے عدالت مذکور سے ملزم بری کیا گیا ۔''

[۲۰ جون ۱۸۷۹ء ، جلد ۱۰ ، نمبر ۲۵]

پنجاب یونیورسٹی کالج کے بارے میں ذیل کی خبریں دل چسپی سے خالی نہیں :

''پنجاب یونیورسٹی کالج کے بجٹ ۱۸۷۶ء سے پچھلے اجلاس ممبران سینٹ میں چوبیس سو روپے کی رقم ، جو انگریزی لٹریچر اور تاریخ کے پروفیسر کے لیے تھی ، خارج کی گئی ۔ اس کے اخراج کی تحریک اور تائید دیسی ممبروں کی طرف سے ہوئی اور بنیاد اُن کی تحریک کی یہ تھی کہ یونیورسٹی کا روپیہ اشاعت علوم مشرق کے لیے ہے اور اُسی میں صرف ہونا چاہیے ۔

[۱۰ دسمبر ۱۸۷۵ء ، جلد ۶ ، نمبر ۴۹]

۱۸۷۷ء کے آغاز میں لارڈ لٹن کا دربار ہوا ۔ انجمن پنجاب کی طرف سے ڈاکٹر لائیٹنر کی قیادت میں ایک وفد نے لارڈ لٹن سے ملاقات کی ۔ اس وفد میں نواب آف لوہارو ، نواب نوازش علی قزلباش ، سردار محمد حیات خاں ، نواب عبدالمجید خان ، خان بہادر محمد جان ، خان بہادر محمد برکت علی خان ، سردار عطر سنگھ ، سردار هربنس سنگھ ، رائے بہادر پنڈت موتی لعل وغیرہ شامل تھے ۔ وفد نے ایک سپاس نامہ پیش کیا ، جس کے جواب میں لارڈ موصوف نے کہا :

''... ہمارا منشاء یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک مسودۂ قانون کونسل واضع قوانین میں اس غرض سے پیش ہو کہ آپ کے یونیورسٹی کالج کو ، جس کی بنیاد انجمن نے ڈالی ، پورا منصب یونیورسٹی کا دیا جاوے اور اسے اختیارات عطائے مدارج علمی عطا کیے جائیں ۔ یہ امر ، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ،

بدوں وضع قانون کے ظہور میں نہیں آ سکتا ۔ الّا جو وعدہ اب کیا گیا ہے مجھے یقین ہے کہ بہ غور تکمیل ضوابط ضروری کے وفا کیا جاوے گا ۔''

[۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء ، جلد ۸ ، نمبر ۲]

'اخبار انجمن پنجاب' ملکی مسائل پر بھی اظہار رائے کیا کرتا تھا ۔ اس ضمن میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

''اندیشۂ قحط

. . . گذشتہ آٹھ یا سات ماہ تو انتقال غلہ کا پنجاب سے اس قدر زور رہا ہے کہ اس کا کچھ حد و پایاں نہیں ۔ اگر یہاں کا غلہ یہیں رہتا اور مدراس وغیرہ میں نہ جاتا تو نہ صرف گزشتہ سات آٹھ ماہ میں غلہ یہاں ارزاں ہوتا بلکہ اس موسم امساک باراں میں غلہ کی طرف سے لوگوں کو تکلیف نہ ہوتی ۔ سر جارج کوپر صاحب بہادر لیفٹننٹ گورنر اضلاع شمال مغرب نے حکم تحقیقات اس امر کا دیا ہے کہ تمام ملک میں ذخیرہ ہائے غلہ کہاں کہاں ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے ۔ ایسا ہی پنجاب میں بھی ہونا چاہیے اور آفت قحط ، جس کے نمودار ہونے کا سخت اندیشہ ان ممالک میں ہے ، رفع کرنے کی تدبیریں ابھی سے کرنی چاہئیں ، ورنہ اس میں شک نہیں کہ قحط کا بد اثر نہ صرف رعایا پر ہوتا ہے بلکہ گورنمنٹ پر بھی ضرور ہوتا ہے ۔''

[۳۱ اگست ۷۷ء ، جلد ۸ ، نمبر ۳۵]

۱۸۷۹ء میں حکومت ہند نے جنگ افغانستان کے بے پناہ اخراجات کے پیش نظر ملکی نظم و نسق پر خرچ گھٹانے کا فیصلہ کیا اور تخفیف کا مسئلہ بہت سے اخبارات میں زیر بحث آیا ۔ 'اخبار انجمن پنجاب' نے اس پر نہایت معقول رویہ اختیار کیا ۔ اس نے ایک اداریے میں اس بات پر زور دیا کہ ایک تو فوج کے اخراجات میں کمی کی جائے ، کیوں کہ اب سب طرف امن و امان ہے اور دوسرے چھوٹے ملازمین کی چھانٹی نہ ہو

بلکہ بڑے افسروں کی تعداد گھٹائی جائے ۔ اُس نے لکھا :

''تخفیف کا ایک بڑا گر یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے عہدہ دار بے سبب نہ موقوف کیے جائیں ۔ ۔ ۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک عہدہ دار، جس کی تنخواہ زیادہ ہو، موقوف کر دیا جائے ۔ مثلاً محکمہ بندوبست میں اگر پچاس محرر بر طرف کر دیے گئے تو اب کام کون کرے ۔ پچاس آدمیوں کی کارگزاری ہاتھ سے گئی اور صرف پانچ سو روپیہ کی تخفیف ہوئی ۔ اگر برعکس اس کے ایک بڑا افسر بندوبست معرض تخفیف میں آئے تو چھ سات سو روپیہ بچ رہے اور پچاس محرروں کی کارگزاری میں فرق نہ آنے پائے ۔ اسی طرح اور محکموں کو بھی قیاس کیجیے ۔

[۲۷ جون ۱۸۷۹ء ۔ جلد ۱۰ ۔ نمبر ۲۶]

ایک اور موقعہ پر برطانوی راج اور اس سے پہلے کے نظام حکومت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا :

''... بہ عہد سابق دیسی ارکان کے کام اور انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ سرحدیں مستحکم تھیں ، رعایا خوش حال تھی اور صرف تیس کڑور آمدنی ملک میں تھی ۔ دس لاکھ فوج تھی اور اس پر شاہی خزانہ اور کارخانہ معمور رہتے تھے ۔ عجب ہے کہ اب ترپن کروڑ میں صرف دو لاکھ ساٹھ ہزار فوج اور سرکار پر باوجود اجرائے نوٹ کے از حد قرض ۔

بہ بیں تغاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

سالانہ بجٹ خوب بنتا ہے ، مگر جب بچت نہیں تو محض لفافہ ہے ۔ بارک ماسٹری اور کمسریٹ اور مہم وغیرہ میں کروڑوں پر پانی پھر جاتا ہے ، جس کا حال سن کر حیرت ہوتی ہے ۔ سرکار ایسی لکھ لٹ ہے کہ پنڈارہ کی لوٹ بھی اُس صیغہ نے مات کر دی ۔''

[۲۴ نومبر ۷۶ء ۔ جلد ۷ ، نمبر ۴۷]

'رعایت رعایا' کے زیر عنوان مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری مدارس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، ڈاک بنگلوں میں ہندوستانیوں کو رہنے کی اجازت دی جائے، محصول چنگی گھٹایا جائے، عدالتی سٹیمپ کی رسم ختم کی جائے، ٹیکسوں میں کمی کی جائے، مزید ہسپتال کھولے جائیں اور پولیس کی دار و گیر کا علاج کیا جائے۔ ایک اور مضمون میں حکومت کو مشورہ دیا گیا کہ نظام دکن کو برار واپس کیا جائے۔ اسی طرح دوسرے دیسی حکمرانوں کو بھی اُن کے علاقے لوٹائے جائیں۔ 'اخبار انجمن پنجاب' اپنے ہندوستانی ہم عصر جرائد کی طرح اس امر کی بہت شد و مد سے تائید کرتا تھا کہ ہندوستانیوں کو ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا جائے۔ اُن دنوں الہ آباد کا اینگلو انڈین اخبار 'پاؤنیئر' ہندوستانیوں کے خلاف بہت زہر اُگلتا تھا اور بڑے عہدوں پر ہندوستانیوں کے تقرر کی سخت مخالفت کرتا تھا۔ 'پاؤنیئر' کے اس پروپیگنڈے پر 'اخبار انجمن پنجاب' نے لکھا:

"غرض پاؤنیئر کی ایک بات کے ہم قائل ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت سڑتے بہت ہیں۔ کوئی موقع ہندوستانیوں کی بہبود کا ہوتا ہوگا کہ اُس میں آپ دراندازنہ ہوتے ہوں گے۔ یہ وہی مثل ہے کہ داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھوٹے۔ اب اس خاص موقع پر بھی قدیم عادت کے مطابق دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، حالاں کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے ممکن نہیں کہ حضرت اپنا سا منہ لے کر خاموش بیٹھ رہیں، کیوں کہ ہماری دانا اور منصف مزاج گورنمنٹ تو وہی کرے گی جو وہ بہ دانست خود مقتضائے انصاف سمجھے گی۔"

[۲۹ اکتوبر ۷۵ء۔ جلد ۲، نمبر ۴۳]

بین الاقوامی مسائل کے سلسلے میں یہ اخبار صرف ترکیہ کے معاملات پر کبھی کبھی اظہار رائے کرتا تھا۔ جب قسطنطنیہ میں یورپی ممالک کے سفیروں نے ایک اجلاس میں ترکیہ کے سامنے بعض ایسی تجاویز رکھیں جن سے ترکیہ کی آزادی پر حرف آتا تھا، تو انہیں مسترد کر دیا گیا۔

اس پر 'اخبار انجمن پنجاب' نے لکھا :

''کوئی ایمان دار آدمی ، جو معاملات ٹرکی سے واقف ہے ، یہ نہ کہے گا کہ ٹرکی نے ان تجاویز کو مسترد و نامنظور کرنے میں برا کیا اور وہ نہ کیا جو شایان وقت و مناسب حال تھا ۔ نہ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان تجاویز کے نامنظور کرنے سے یورپ کی طاقتوں کی ھتک ہو گئی یا آن کہ ٹرکی کو استحقاق ان کے مسترد کرنے کا حاصل نہ تھا ۔ ہمارے نزدیک صورت حال اس سے زیادہ نہیں کہ سلطنت ھائے یورپ (مع انگلینڈ) بہ ظاہر دوستانہ طریق پر ٹرکی کو ایک امر سمجھاتی تھیں اور اپنی رائے پر لانا اور اپنے راستے پر ڈالنا چاھتی تھیں (اور اس میں ان کی اپنی اپنی غرضیں ملحوظ تھیں ، خواہ بعید یا قریب ، کہ ٹرکی نے ان سب کو جواب دے دیا اور کہ دیا کہ ہم تمہاری ایک بات بھی نہ سنیں گے ۔ ملک ہمارا ، رعایا ہماری ، زر ہمارا ، طاقت ہماری —— تم ناصح و دل سوز کاہے کو بنتے ہو ۔ ہم جانیں ہمارا کام ۔ جیسی ہمارے سر پر بنے گی ، ہم آپ بھگت لیں گے ۔ آپ اپنے گھر راضی رہیے ، ہم اپنے گھر اور ہماری قسمت میں اگر یوں ہی لکھا ہے تو بھی ہم تقدیر پر شاکر ہیں ۔ جان ہتھیلی پر لیے بیٹھے ہیں ، دشمنوں سے دو دو ھاتھ ضرور کریں گے ۔ فتح و شکست خدا کے اختیار ہے لیکن بے عزتی سے موت بہتر ہے ۔''

[۹ فروری ۱۸۷۷ء جلد ۸ ، نمبر ۶]

معلوم ہوتا ہے پنڈت برج موہن دتازیہ کیفی نے 'اخبار انجمن پنجاب' کے ۱۸۷۵ء سے پہلے کے شمارے بھی دیکھے تھے ۔ چناں چہ انھوں نے اس اخبار کے ادبی کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ،''ضمیمہ اخبار انجمن پنجاب بابت جون ۱۸۷۴ء کی تاریخی حیثیت ہمارے اردو ادب کی تاریخ میں نہایت اعلیٰ ہے ، کیوں کہ اس میں ادارۂ انجمن پنجاب کے اس مشاعرہ یا مناظمہ کی مفصل روداد درج ہے ، جو ۳۰ جون ۱۸۷۴ء کو انجمن مذکور کی سرپرستی میں ہوا تھا ۔ مقررہ موضوع 'زمستان' تھا ۔

شاہ انور حسین ھما ، مرزا اشرف بیگ خاں اشرف ، مولوی علاءالدین محمد کاشمیری ، مولوی الٰہی بخش رفیق ، مولوی محمد حسین آزاد ، مولوی محمد مقرب علی زائر ، مولوی امور جان دلی ، مولوی قادر بخش اور مولوی عطاء اللہ نے مقررہ موضوع پر نظمیں پڑھیں ... اگلے مناظمہ کے لیے 'امید' موضوع مقرر ھوا -،، اس کے بعد غالباً یہی مناظمے یا مشاعرے 'پنجاب ڈی بیٹنگ کلب' کے اہتمام میں ہونے لگے ، جس کے سیکرٹری پنڈت جواہر لال تھے - ٦ اپریل ۱۸۷۷ء کے شمارے سے معلوم ھوتا ھے کہ ایک مناظمہ 'صبح کی سیر' پر ھوا اور اگلے مہینے کے لیے 'شب مہتاب' موضوع قرار پایا -

'اخبار انجمن پنجاب' کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہ بعض مسائل پر رائے عامہ معلوم کرنے میں خاص اہتمام کرتا تھا - مثلاً ۱۸۷۹ء میں اس مسئلے پر بے شمار معززین سے رائے لی گئی کہ دیہات میں پنچائتی نظام کا احیاء کیا جائے یا نہ اور بعد میں ان آراء کو کتابی صورت میں مرتب کر لیا گیا - اسی سال 'اودھ اخبار' کے تعاون سے اس مسئلے پر مقالات کا سلسلہ شروع ھوا کہ ملک میں صنعت و حرفت کو فروغ دیا جائے اور ۲۷ جون ۷۹ء کے شمارے میں ان اخبارات سے خاص درخواست کی گئی کہ وہ بھی اس مسئلے پر اظہار رائے کریں - اخبارات کے نام یہ ھیں :

کوہ نور - رہبر ھند - آفتاب پنجاب - پنجاب پنچ - وکیل ھندوستان ، امرتسر - نصرت الاخبار ، دھلی - لارنس گزٹ ، میرٹھ - پرنس اف ویلز گزٹ - اخبار عالم - سہیل ھند - اودھ پنچ - مشیر قیصر - اردو گائڈ ، کلکتہ - علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ - کشف الاخبار ، بمبئی - سفیر ، مدارس - افضل الاخبار -

اس اخبار کے فائل کے مطالعہ سے اس زمانے کی صحافت کے بارے میں بھی بعض معلومات حاصل ھوتی ھیں - مثلاً ۱۸۷۵ء میں لاھور میں ایک انگریزی اخبار 'پنجاب انٹیلی جنسر' (Punjab Intelligencer) کے نام سے موجود تھا - پرنس آف ویلز کے دورے کے خلاف قلم بند

کرنے کے لیے انگریزی زبان میں رائل ٹورسٹ (Royal Tourist) کے نام سے ایک سہ روزہ اخبار چھ ماہ کے لیے جاری ہوا ، جس کا چندہ پچیس روپے اور اشاعت پانچ ہزار تھی - ہوشیار پور کے ایک شخص نرائن داس نے 'اتالیق زمینداراں' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا - سائنسی موضوعات پر مضامین کے لیے لاہور سے ایک ماہانہ رسالہ 'آریا سماچار گنپت رائے میگزین' کے نام سے نکلا - معاشری اصلاح کے لیے پنڈت شو نرائن اگنی ہوتری نے لاہور سے 'ہندو باندھو یعنی برادر ہندو' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ شائع کیا - حافظ محمد اکبر نے مظفر نگر سے 'افضل الاخبار' جاری کیا - اصغر حسین نے 'عمدۃالاخبار' پہلے بھوپال سے شائع کیا ، اس کے بعد ۱۸۷۷ء میں فرخ آباد سے جاری کیا - پادری رجب علی نے ایک نیا اخبار نکالا - مولوی غلام محمد خان تپش سابق مدیر 'اودھ اخبار' نے بنارس سے 'مشیر قیصر' نکالا - ۲ ستمبر ۷۵ء کو رام پور سے 'تاج الاخبار' جاری ہوا - ۱۸۷۵ء میں امرتسر سے رسالہ 'مرأۃالطبابت' نکالا گیا - خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ امان نے اپنا اخبار 'اردو اخبار' (دھلی) بند کردیا -

اس زمانے میں رومن رسم الخط کا چرچا بھی بہت تھا - مڈل میں رومن حروف کا مطالعہ لازمی تھا - اس پر منشی محمد الدین نے 'رسالہ رومن کیریکٹر' لکھا - 'پنجابی اخبار' کا ایک ضمیمہ رومن میں نکلتا تھا - ٦ اگست ۱۸۷۹ء کو مولوی فتح الدین صاحب بسمل مالک اخبار 'پنجاب پنچ' نے ایک ھفت روزہ 'رومن اخبار' جاری کیا ، جو آٹھ صفحات پر مشتمل ھوتا تھا - ھر صفحے پر دو کالم تھے - ایک کالم میں اردو متن چھپتا تھا ، دوسرے کالم میں اس کے عین بالمقابل وھی عبارت رومن رسم الخط میں درج ھوتی تھی - اور مولوی فتح الدین نے ۲۵ جولائی ۱۸۷۹ء کے 'اخبار انجمن پنجاب' میں اس کا جو اشتہار چھاپا اس میں بیان کیا کہ رومن اخبار کو 'ایک شریف سخن پرور اور نہایت فیاض حاکم کی امداد حاصل ھے -

'اخبار انجمن پنجاب' نے اردو صحافت کے مسائل پر بھی کچھ مضمون چھاپے۔ ۱۰ دسمبر ۷۵ء کے شمارے میں طالب بنارسی نے اردو اخباروں کی کم اشاعت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا :

"....لیکن اخبار والے بھی ملزم ہیں۔ کتنے لوگوں نے ایک شغل کے واسطے اخبار نکال دیا۔ جس کے پاس پریس موجود تھا، انھوں نے کہا بیٹھے سے بیگار بھلی۔ اصول اخبار نویسی کو انھوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا اور انھوں نے اچھوں کو بدنام کیا۔"
[۱۰ دسمبر ۷۵ء، جلد ۶، نمبر ۴۹]

۱۸۷۵ء میں ایک شخص نے اردو صحافت کے پست معیار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا :

"ھند میں جس کو کوئی پیشہ نہیں ملتا وہ اخبار نویسی کرنے لگتا ھے، حالاں کہ اخبار نویسی کرنا یا اخبار نکالنا ان کو چاھیے جو مہاجن یا کوٹھی وال یا راجہ بابو ھوں، جیسے کہ منشی نول کشور مالک اخبار ھیں یا جس کی معاون کوئی نامی گرامی انجمن ھو، جیسے کہ 'سائینٹیفک سوسائٹی' یا 'انجمن پنجاب' ھے۔"
[۳۱ دسمبر ۷۵ء، جلد ۶، نمبر ۲]"

اسی مضمون میں بتایا گیا کہ "گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی نے اکثر اخبارات کی خریداری و اعانت موقوف کرادی۔" پہلے رسم یہ تھی کہ جب کوئی نیا اخبار جاری ھوتا، حکومت اس کے سو ڈیڑھ سو پرچے خرید لیتی۔ اس پر لوگوں نے دھڑا دھڑ اخبار نکالنے شروع کردیے اور بعض اخبار کسی کام کے بھی نہیں تھے۔ اس مضمون میں حکومت کے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا ھے، کیوں کہ مقالہ نگار کو امید ھے کہ آئندہ صرف اچھے اخباروں کو امداد ملے گی۔

دوسرے جماعتی اخبار اور رسالے

جس طرح 'اخبار انجمن پنجاب' ایک جماعت کی نمائندگی اور

ترجمانی کرتا تھا ، اسی طرح اور اخبار بھی موجود تھے ۔ ہندوستان بھر میں تعلیمی ، معاشرتی ، دینی اور ادبی مجالس قائم تھیں اور انھوں نے اپنے اخبار اور رسالے جاری کر رکھے تھے ۔ 'اختر شہنشاہی' میں اس قسم کے کئی جرائد کا ذکر موجود ہے ، جن کی فہرست یہ ہے :

۱۔ اخبار انجمن ہند ، لکھنؤ :	۱۸۲۲ء میں جاری ہوا ۔ اس انجمن کے صدر راجہ امیر حسن خان رئیس محمود آباد تھے ۔
۲۔ رسالہ انجمن اسلامی ، کلکتہ :	جنوری ۱۸٦۳ء میر جاری ہوا ۔ ٹائپ میں چھپتا تھا ۔ انجمن کے صدر آنریبل عبدالطیف خان آنریری مجسٹریٹ تھے ۔
۳۔ رسالہ انجمن رفاہ ، گونڈہ :	۱۸۷۰ء میں جاری ہوا ۔ ماہانہ رسالہ تھا ۔ منشی گلاب رائے سیکریٹری انجمن رفاہ کے زیر اہتمام چھپتا تھا ۔
۴۔ رسالہ انجمن مناظرہ ، دھلی :	۱۸۷۱ء میں ماہانہ رسالے کے طور پر اجراء ہوا ۔ اس کے مہتمم عبدالرزاق بیگ تھے ۔
۵۔ اخبار انجمن شاہ جہان پور :	ہفت روزہ تھا ۔ ۱۸۷۳ء میں جاری ہوا ۔ سید محمد طاہر آنریری مجسٹریٹ اس کے مہتمم تھے ۔
٦۔ رسالہ انجمن مذاکرۂ علمیہ ، پٹنہ :	۱۸۷۴ء میں اجراء ہوا ۔ مجلس کے صدر نواب سید ولایت علی خاں اور مہتمم حسن علی تھے ۔
۷۔ رسالہ انجمن مفید عام ، قصور :	۱۸۷۴ء میں جاری ہوا ۔ مرزا فتح محمد بیگ مہتمم تھے ۔

۸۔ رسالہ انجمن اسلام، لکھنؤ :	۱۸۷۵ء میں شروع ہوا۔ منشی سید امتیاز علی علوی انجمن کے صدر تھے۔
۹۔ رسالہ انجمن تہذیب، کان پور :	۱۸۷۵ء میں جاری ہوا۔ سہ ماہی رسالہ تھا۔ اس کے مہتمم مولوی سید حافظ عبداللہ بلگرامی تھے۔
۱۰۔ رسالہ انجمن اسلام، جبل پور :	چھوٹے سائز کا ماہانہ رسالہ تھا۔ ۱۸۸۱ء میں اجراء ہوا۔
۱۱۔ رسالہ انجمن علمی، بدایوں :	ماہانہ رسالہ تھا۔ ۱۸۸۲ء میں نکلا۔ اس کے مہتمم 'اختر شہنشاہی' کے مصنف حاجی سید محمد اشرف تھے۔
۱۲۔ رسالہ انجمن پشاور :	۱۸۸۳ء میں اجراء ہوا۔ سالانہ نکلتا تھا۔
۱۳۔ اخبار انجمن عقل افروز، رتلام :	ہفت روزہ تھا۔ ۱۸۸۳ء میں نکلا۔ مولوی قادر بخش مالک تھے۔
۱۴۔ رسالہ انجمن رفاہ عام، لدھیانہ :	ماہانہ رسالہ تھا۔ ۱۸۸۴ء میں جاری ہوا۔ مرزا عبداللہ ایڈیٹر تھے۔ انجمن دری اور قالین کی صنعت کی نمائندگی کرتی تھی۔
۱۵۔ رسالہ انجمن زراعت، بجنور :	۱۸۸۴ء میں ماہانہ رسالے کی حیثیت سے جاری ہوا۔ حافظ کریم اللہ مہتمم تھے۔
۱۶۔ رسالہ انجمن فیضان عام، گوجرانوالہ :	۱۸۶۶ء میں شروع ہوا۔ منشی دیوان چند مہتمم تھے۔
۱۷۔ رسالہ انسٹی ٹیوٹ، مظفرنگر :	۱۸۶۷ء میں اجرا ہوا۔ محمد ذکریا مہتمم تھے۔

۱۸- اخبار انسٹی ٹیوٹ ، پٹنہ	: پٹنہ محمڈن ایجوکیشنل کمیٹی کا ہفت روزہ تھا - ۱۸۸۶ء میں جاری ہوا -
۱۹- اخبارالاخبار، مظفر پور	: ۱۸۶۸ء میں منشی قربان علی خان کی ادارت میں نکلا - یہ سائنٹیفک سوسائٹی بہادر کی ترجمانی کرتا تھا -
۲۰- اتحاد ، مدراس	: انجمن احباب کا ہفت روزہ اخبار تھا- ۱۸۸۳ء میں جاری ہوا -
۲۱- ارمغان ، بمبئی	: انجمن درخشاں کی طرف سے ۱۸۸۱ء میں ہفتے میں تین بار نکلنے لگا -
۲۲- اسلام ، میرٹھ	: مجلس اسلامیہ میرٹھ کا ہفت روزہ ، جو ۱۸۸۲ء میں جاری ہوا -
۲۳- حمایت الاسلام ، لاہور	: ۱۸۸۵ء میں ماھانہ رسالے کی صورت میں نکلا - انجمن حمایت الاسلام کی ترجمانی کرتا تھا -

وغیرہ وغیرہ

اٹھارھواں باب

انیسویں صدی کے چند نمایاں اخبار

انیسویں صدی کے چند اخبار پر ہم نے الگ الگ باب لکھے، کیوں کہ خیالات یا ہیئت یا فن کے لحاظ سے ہر اخبار اپنی اپنی جگہ پر اتنا اہم تھا کہ اُس نے ہم عصر صحافت پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہی اخبار اہمیت کے حامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی بر عظیم کے طول و عرض میں ایسے اخبار موجود تھے جو اپنے اپنے دائرۂ اثر میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ زیر نظر باب میں انھی اخباروں کا جائزہ لیا جائے گا۔

مہذب ــ لکھنؤ

یکم اگست ۱۸۹۰ء کو مولانا عبدالحلیم شرر نے لکھنؤ سے ہفت روزہ 'مہذب' جاری کیا جو مواد خیالات، طباعت اور کتابت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ پائے کا اخبار تھا۔ اس کا غالب حصہ اداریوں اور مضامین پر مشتمل ہوتا تھا اور قومی و بین‌الاقوامی خبریں مختصر انداز میں دی جاتی تھیں۔ مولانا شرر سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے حامی نہیں تھے، لیکن ملکی سیاست کے بارے میں اُن کی پالیسی یہی تھی کہ کانگریس سے مسلمانوں کو الگ تھلگ رکھا جائے، حکومت کی خیرخواھی کا دم بھرا جائے اور دیسی ریاستوں کے بارے میں ذرا کھل کر لکھا جائے۔ ہندومسلم چپقلش پر شرر نے جو شذرات وقتاً فوقتاً لکھے، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دو قومی نظریہ

کسی ایک شخص یا ایک جماعت کی ایجاد نہیں تھا ، بلکہ ایک شذرے میں تو پاکستان کے تصور کی طرف بھی ایک ہلکا سا اشارہ ملتا ہے ۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان شذرات کا ایک مختصر سا جائزہ لیا جائے ۔

یکم اگست ۱۸۹۰ء کے شذرے میں بتایا گیا ہے کہ امام باڑہ ہگلی کے پاس ایک بنگالی بابو مسلمانوں کو محض چھیڑنے کی خاطر سنکھ اور گھنٹے بجا کر ان کی عبادت میں مخل ہوتا ہے ۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس اشتعال کو فرو کرے ، ''ورنہ یہ اشتعال بڑھتے بڑھتے تمام بنگال میں اور پھر تمام بلندی ہند میں پھیل جائے گا ۔'' ۱۵ اگست کے شمارے میں آریہ سماج سبھا کی خدمت میں گزارش کی گئی کہ وہ مسلمانوں سے لڑائی جھگڑا مول نہ لے ۔ ۲۳ اگست کے پرچے میں عید اضحیٰ کے فسادات کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جو لوگ یہاں کی قوموں کو ایک بتاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ۔ بعض مقامات پر ہندوؤں نے مسلمانوں کا معاشی مقاطعہ بھی کیا ۔ اس پر شرر رقم طراز ہیں :

''ہمارے خیال میں اگر ایسا ہی وقت آ گیا ہے کہ کسی کی مذہبی رسوم بغیر دوسرے کی توہین و دل شکنی کیے نہیں پوری ہوتیں اور نہ اتنا صبر و تحمل ہے کہ دوسرا فریق ان باتوں کو طرح دے ، تو ہندوستان کے اضلاع کو ہندو مسلمان باہم تقسیم کر لیں اور اپنی اپنی آبادی علیحدہ کر لیں ۔''

یکم ستمبر ۱۸۹۰ء کے پرچے میں 'ہندو مسلمان' کے عنوان سے ایک اور مضمون درج ہے جس میں متحدہ قومیت کے تخیل کو ان الفاظ میں نا ممکن بتایا گیا ہے :

''ہندوستان کی پولیٹیکل قوت کا دار و مدار ان دونوں مذکورہ قوموں کے اتفاق پر ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ اس وقت تک متواتر کوششیں کی گئیں کہ دونوں فریقوں میں ایک مضبوط اور ضروری

نیشنیلٹی پیدا ہو ۔ لیکن تجربہ روز بہ روز بتاتا جاتا ہے کہ وہ سب کوششیں خاک میں مل گئیں اور کوئی نتیجہ نہیں پیدا ہوا ۔''

اسی مضمون میں لکھا ہے کہ جب سے کانگریس کا وجود عمل میں آیا ہے ہندو مسلم فساد شروع ہو گئے ہیں ۔ ۲۳ اگست کے شمارے میں لکھا ہے کہ کانگریس کے ''بعض ریزولیوشن ایسے ہیں جو مسلمانوں کے قومی اغراض کے سخت مخالف ہیں اور اس وجہ سے مسلمانوں کو اس سے اختلاف ہے ۔''

'مہذب' میں ادبی ، علمی ، تاریخی ، سیاسی ، معاشرتی اور دینی ، ہر قسم کے مضامین بھی چھپتے تھے ۔ ہر پرچہ $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۴}$ سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور سارا پرچہ پڑھنے کے قابل ہوتا تھا ۔

ہندوستانی ــ لکھنؤ

۱۸۸۳ء میں لکھنؤ سے 'ہندوستانی' جاری ہوا ۔ پہلے ہفت روزہ تھا ، پھر ہفتے میں دو بار اور اس کے بعد تین بار شائع ہونے لگا ۔ یہ اخبار بلند معیار کا حامل تھا ۔ حالات حاضرہ اور سیاسی مسائل پر سنجیدہ اور متین انداز میں تبصرہ کرتا تھا ۔ چکبست کا بیان ہے کہ 'ہندوستانی' نے اخبار کو محض تجارت کا ذریعہ نہ سمجھا بلکہ مغربی اصولوں پر اخبار نویسی کی شان پیدا کی اور اپنا خاص مسلک قائم کیا ۔ ''جس پولیٹیکل رشی کے دماغ کا یہ اخبار کرشمہ تھا ، اس نے اسے بھی اپنی ذات کی طرح پولیٹیکل خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا ۔ اس صوبے میں 'ہندوستانی' کانگریس کا چراغ سمجھا جاتا تھا ۔'' ۱۸۸۸ء میں جب سر آک لینڈ کالون ، سر سید احمد خان اور راجہ شیو پرشاد نے کانگریس کے خلاف مہم کا آغاز کیا ، تو لکھنؤ میں 'اودھ پنچ' اور 'ہندوستانی' نے کانگریس کی تائید کی ۔ اسی طرح ۱۸۹۹ء میں جب کانگریس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہونے لگا اور مسلمانوں نے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی ، تو 'ہندوستانی' اور اس کے ہم عصر 'ایڈووکیٹ' میں پند و نصائح

کے دفتر کھل گئے ۔

قیصر الاخبار — الہ آباد

یہ ہفت روزہ منشی سراج الدین احمد خان نے جنوری ۱۸۷۷ء میں الہ آباد سے نکالا ۔ اس میں مضامین اور خبریں زیادہ ہوتی تھیں اور انگریزی اخبارات کے علاوہ عربی ، فارسی اور ترکی زبان کے اخباروں سے بھی خبریں ترجمہ کی جاتی تھیں ۔ نوے فی صدی خبریں غیر ملکی ہوتی تھیں ۔ باقی دس فی صدی میں سے آدھی ہندوستان کی سرحد کے بارے میں ، مثلاً افغانستان ، آزاد قبائلی علاقہ ، بلوچستان اور ناگا قبائل کے ہنگاموں کے متعلق ہوتی تھیں اور باقی اندرون ملک کی ۔ الہ آباد کی مقامی خبریں شاذ ہی دی جاتی تھیں ۔ خبروں کی ادارت میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ مقامات اور شخصیتوں کا پس منظر دے دیا جائے ۔ بین الاقوامی مسائل پر معلوماتی مضامین اور کبھی کبھی نقشے بھی چھاپے جاتے تھے ۔ اندرون ملک کے سیاسی مسائل پر طنزیہ اشارات میں تبصرے کیے جاتے تھے جو زیادہ مؤثر رہتے تھے ۔ ایک میم صاحبہ کی ٹم ٹم کے نیچے آ کر نو ہندوستانی عورتیں اور بچے زخمی ہو گئے ۔ اس پر 'قیصر الاخبار' نے لکھا :

> ''اچھی طرح انصاف تو شاید ہی ہو ، کیوں کہ ایک میم صاحبہ مدعا علیہا ہوں گی ۔ سوائے اس کے دس یا بارہ عورتیں اور بچے ہندوستانی زخمی ہوئے ہیں ۔ دس پانچ ہندوستانیوں کا خون تو ہر انگریز کے لیے مباح ہے اور اس موقعہ پر تو کوئی ہلاک نہیں ہوا ۔
> [۱۰ جنوری ۱۸۷۸ء]

۱۸۷۷ء میں ہندوستان کے اینگلو انڈین اخبارات نے اردو صحافت کے خلاف ایک مہم شروع کی ۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ اردو اخباروں کو پابند کرنے کے لیے ایک قانون نافذ کیا جائے ، کیوں کہ وہ فساد اور بغاوت کی ترغیب دیتے ہیں ۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے 'قیصر الاخبار ہند' نے لکھا :

''اب ہم مشتے نمونہ از خروارہ چند واقعات اور ان پر اردو اخباروں کی بحث کا ذکر کرتے ہیں جس کو یہ انگریزی اخبار ترغیب فساد اور بغاوت خیال کرتے ہیں ۔ کیا یہ امر لائق اس کے نہیں ہے کہ اردو اخبار اس پر حرف گیری کریں کہ جب ہندوستانی سول سروس کا امتحان دیں اور پاس ہو جائیں تو ان کو عہدے نہ ملیں اور جب عہدے بھی بہ ہزار دقت ملیں تو وہ بعد چند ہی عرصے کے ان سے خواہ مخواہ الگ کیے جائیں ۔ اگر ضلع کے حکام چند در چند زیادتیاں اور صریح بے رحمیاں غریب بے کس ہندوستانیوں پر کریں اور اردو اخبار اس پر نکتہ چینی کریں تو کیا یہ فساد انگیزی ہے ؟ ہاں یہ البتہ فساد انگیزی ہے کہ سبیل داد خواہی کا انسداد کیا جائے ، باب عدالت رعایا پر بند کیا جائے ، داد خواہی سرکشی سمجھی جائے ۔ انگریزی اخباروں کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستانی انگریزوں کو دیوتا سمجھیں ؛ تابع داری میں اس قدر مبالغہ ہو کہ انسانیت سے گزر جائیں ۔ بڑے بڑے رئیس عالی خاندان صاحب حکومت چھوٹے چھوٹے انگریزوں سے سخت سخت تکلیفیں اور ذلتیں اٹھائیں مگر دم نہ ماریں ، ورنہ سرکشی اور بے تہذیبی کا الزام ان پر قائم ہو ۔''

[۱۶ ستمبر ۷۷ء]

۲۷ اکتوبر ۷۷ء کو 'پاؤنیئر' نے 'ہندوستانی اخبارات کی سرکشی' کے عنوان سے ایک اور شذرہ درج کیا ۔ اس کے جواب میں ۴ نومبر ۷۷ء کو 'قیصرالاخبار ہند' نے ایک مضمون شائع کیا جس میں 'پاؤنیئر' کی اس روش پر شدید نکتہ چینی کی کہ وہ ہندوستانی نامہ نگار نہیں رکھتا اور لکھا کہ اس طرح یہ اخبار عوام کی رائے سے بے خبر رہتا ہے اور حکومت کو گم راہ کرتا ہے ۔ ۲۴ مارچ ۷۸ء کو نئے قانون کے نفاذ کے خلاف احتجاج کیا اور 'پاؤنیئر' کی اس رائے کی سخت تردید کی کہ اردو اخباروں کے ایڈیٹر صرف گلستان اور بوستان پڑھے ہوتے ہیں ۔

'قیصر الاخبار ہند' کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس میں

غیر ملکی خبریں زیادہ تر ترکوں کے بارے میں ہوتی تھیں اور اس نے ترکوں کے حق میں رائے عامہ پیدا کرنے میں حصہ لیا اور یہ عوام کو ترکوں کے مسائل سے با خبر رکھنے کا جذبہ ہی تھا جس نے اس اخبار کو آمادہ کیا کہ وہ ایک روزانہ ایڈیشن بھی شائع کرے ۔ یہ ایڈیشن ۱۱ نومبر ۷۷ء کو شروع ہوا اور چند ماہ جاری رہا ۔

احسن الاخبار ـــ اله آباد

ہفت روزہ 'احسن الاخبار' ۶ جنوری ۱۸۷۸ء کو حاجی محمد کبیر الحق نے الہ آباد سے جاری کیا ۔ گویا یہ اخبار 'قیصر الاخبار ہند' کے پورے ایک سال بعد نکلا ۔ اس کی تقطیع ، صفحات کی تعداد اور رنگ ڈھنگ بالکل اپنے مقامی ہم عصر کی طرح تھا ۔ البتہ کتابت اور طباعت بہتر تھی - اس کے دس بارہ شماروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پالیسی اپنے ہم عصر کے مقابلے پر زیادہ معتدل تھی ۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۷۸ء کا ورنیکلر پریس ایکٹ نافذ ہو چکا تھا - یہ اخبار تبصرے سے حتی الوسع پرہیز کرتا تھا اور خبروں میں دنیائے اسلام کی خبریں غالب تھیں ۔

'احسن الاخبار' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوری ۱۸۷۸ء تک ہندوستانی مسلمان ترک زخمیوں کی امداد کے لیے پانچ لاکھ ستر ہزار روپے بھیج چکے تھے - ترکوں نے جب ہندوستان میں قحط کی خبریں سنیں تو انھوں نے پچیس ہزار سکہ فرانس کی رقم چندے کے طور پر فراہم کی ۔ ہندوستان میں تین اداروں کی طرف سے چندہ جمع ہوتا تھا ۔ اول ، قونصل خانہ دولت عثمانیہ (بمبئی) ۔ دوم ، سرسید احمد خاں۔ سوم ، مولوی عبداللطیف (کلکتہ) ۔ موخرالذکر کو سلطان کی طرف سے تیسرے درجے کا تحفۂ مجیدیہ بھی عطا ہوا ۔ اس اخبار کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے عامہ کس طرح اور کس حد تک ترکیہ کے حق میں تھی ۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے :

''سچ تو یہ ہے کہ ترکوں کی ہم دردی کا اثر دو سال سے جو

ہندوستانیوں میں ہوا ، خود ہندوستانی اس کی کیفیت اور اس کے منشاء کے دریافت کرنے میں متحیر ہیں . . . اگر ہم مشرح اپنے ایک خیال کو بھی بیان کریں تو ایک کتاب ہو جاوے ۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دنوں ہر ہندوستانی ایک غیر مسلح ترک ہے ۔

[۱۳ جنوری ، ۱۸۷۸ء]

ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ بہار کے مسلمان ترکوں جیسا لباس پہنتے ہیں اور ان کے طور طریقوں کی بھی نقل کرتے ہیں ۔ ۳۱ مارچ کے شمارے میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ ہندوستان میں مقیم ترکوں کی ایک فوج تیار کی جائے ۔ نیز ساری دیسی ریاستوں سے ایک ایک دستہ طلب کیا جائے اور ان سب کو محاذ پر والنٹیئرز کے طور پر لڑنے کے لیے بھیج دیا جائے ۔

۳۱ مارچ ہی کے شمارے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو اخباروں اور چھاپہ خانوں کے خلاف قانون کی زد سے بچنے کے لیے ایک اردو اخبار نے اپنا نصف حصہ انگریزی میں کر دیا اور ایک انگریزی زبان میں نکلنے والے دیسی اخبار نے تمام اردو اخباروں کو یہی مشورہ دیا کہ وہ اپنا آدھا آدھا حصہ انگریزی میں کر دیں ۔ اسی پرچے میں یہ خبر دی گئی کہ سورت میں لائسنس ٹیکس کے خلاف تاجروں نے ہنگامہ کیا ۔ ٹیکس کے اشتہار اتار کر کنوؤں میں پھینک دیے ، پولیس کو بے دست و پا کر دیا اور سات ہزار اشخاص نے مظاہرہ کیا ۔ ۱۴ مارچ کو 'ٹائمز آف انڈیا' کے حوالے سے یہ اطلاع دی کہ چار روز تک شہر میں مکمل ہڑتال رہی ۔ ایک انگریز اسسٹنٹ مجسٹریٹ کی توہین کی گئی ، ایک آدمی ہلاک ہوا اور کچھ زخمی ۔ یہ خبر اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس زمانے میں ایسے مظاہرے نہیں ہوا کرتے تھے ۔

مصنوعی سیاروں کے اس دور میں 'احسن الاخبار' کی یہ خبر خصوصی دل چسپی کی حامل ہے :

سب سے بڑا غبارہ: نمائش گاہ پیرس، دارالحکومت فرانس میں ایک اتنا بڑا غبارہ اڑنے کا بنایا گیا ہے جس میں پانچ آدمی بیٹھ کر آسمان کی سیر کر سکتے ہیں۔ یہ غبارہ سب غباروں سے بڑا بنا ہے، اس لیے عجائبات میں داخل ہے۔''

[۷ اپریل ۱۸۷۸ء]

اکمل الاخبار — دھلی

یہ اخبار انقلاب ۵۷ء کے تھوڑے عرصہ بعد دھلی سے جاری ہوا۔ پنڈت برج موھن دتاتزیہ کیفی کے قول کے مطابق ''یہ اپنے وقت کے نہایت ثقہ اخباروں میں سے تھا'' اور زبان کے لحاظ سے 'اودھ اخبار' اور 'اکمل الاخبار' اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ اس کے مالک حکیم محمد محمود خان اور مدیر منشی بہاری لال مشتاق تھے۔ پنڈت کیفی نے اس اخبار سے کئی اقتباس دیے ھیں جن میں سے دو تین ملاحظہ ھوں۔ 'سالانہ حساب سلطنت ھند' کے عنوان سے یہ اخبار بجٹ پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''بے شک جو لوگ گورنمنٹ کے خیرخواہ اور رعایا کے طالب فلاح ھیں وہ ھرگز اس بجٹ کو پسند نہیں کریں گے، کیوں کہ ایسا نظام کس کام کا، کہ بے جنگ و جدال کے سال میں بھی خزانۂ شاھی پر اختلال اور پے در پے انکم ٹیکس دیتے دیتے ریاعائے شکستہ بال کا برا حال ہے۔ جب سال گزشتہ کا بجٹ نکلا تھا اس وقت تمام لوگ اس سبب سے ناخوش ہوئے تھے کہ باوجودیکہ سرکار دولت مدار کی طرف سے ولسن صاحب نے بڑے شد و مد کے ساتھ اقرار کیا تھا کہ پانچ برس کے بعد یہ انکم ٹیکس نہیں لیا جائے گا پھر سر رچرڈ ٹمپل صاحب نے ایک روپیہ انکم ٹیکس مقررہ کیا۔ اس کے بعد آسی سال کے اندر اس کو دونا کیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ بھی لوگوں نے طوعاً و کرھاً اس کو مان لیا اور

زو پیٹ کر چھ مہینے ایک روپیہ کے حساب سے جملہ ڈیڑھ روپیہ کے ادا کیا اور یہ سمجھا کہ اب کوئی لڑائی بھڑائی جدال قتال نہیں ھے ۔ سو آئندہ سال ، جیسا کہ جناب گورنر جنرل وائس رائے بہادر نے وعدہ فرمایا ھے ، اور انکم ٹیکس دینا نہیں پڑے گا ۔ سو جناب سر رچرڈ ٹمپل صاحب بہادر مشیر مال کے حسن تدبیر کے سبب یہ ھوا کہ ایک روپیہ کے بدلے تین روپیہ دو آنہ سینکڑہ دینا پڑا ۔ سر رچرڈ ٹمپل صاحب بہادر نے اپنے حساب کتاب اور منصوبے کو ایسا چھپا رکھا کہ گویا اس کے فاش ھونے میں بالکل نظام بگڑ جاوے گا ، حالاں کہ اگر اس قدر نہ چھپاتے اور خرچ کی تفصیل شرح و بسط کے ساتھ لوگوں کو سنا دیتے ، تو غالب تھا کہ لوگ اتنے برھم نہ ھوتے اور اس ٹیکس کے ادا کرنے کو اتنا ناگوار نہ سمجھتے ......''

[۲۰ اپریل ۱۸۷۰ء]

اسی موضوع پر ایک لطیفہ ملاحظہ ھو :

''پایونیئر الہ آباد ناقل ھے کہ ممالک مغربی و شمالی میں یہ مشہور ھے کہ یہ نیا ٹیکس بہ سبب تشریف آوری ڈیوک آف ایڈن برا کے لگا ھے اور دعا کرتے ھیں کہ ملکہ معظمہ کو خدا اپنے لڑکوں سے اتنی محبت دے کہ آئندہ اپنے بچوں کو ھندوستان میں نہ بھیجیں ۔''

[۳ اگست ۱۸۷۰ء]

اس سے اگلے شمارے میں ایک مضمون کا عنوان ھے ، 'ھندوستان کی کمائی ، انگلستان نے کھائی' ۔ اس میں اعداد و شمار کی تفصیل دینے کے بعد لکھا ھے :

''من جملہ ان اخراجات کے ایک یہ ھے کہ جناب ڈیوک آف ایڈن برا نے ھندوستان کے رؤسا کو ھدیہ دینے کے لیے جن چیزوں کو مول لیا تھا اور اُن کی خدمت میں حاضر ھونے کے لیے جتنے عہدے دار سب لندن سے کلکتہ آئے تھے ، اُن کے جہاز کے کرائے

میں مبلغ ایک لاکھ آٹھ سو اسی روپیہ خرچ ہوا تھا۔''

انکم ٹیکس پر اپریل فول بھی منایا گیا۔ 'ناک پر ٹیکس' کے عنوان سے یہ خبر دی گئی :

''یکم اپریل کو گورنر جنرل نے بہ اجلاس کونسل یہ ایکٹ پاس کیا کہ جو لوگ کسی قسم کا ٹیکس نہیں دیتے اُن سے بھی ٹیکس لیا جائے گا۔ اس ایکٹ کا نام ناک ٹیکس ہوگا۔ جو لوگ نکٹے یا چپٹی ناک والے ہوں گے وہ اس ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ مگر جو ٹیکس سے بچنے کے لیے اپنی ناک کٹائیں گے یا بگاڑ دیں گے وہ بہ موجب دفعہ ۱۰۲ تعزیرات ہند سزا پائیں گے۔''

[۱۰ مئی ۱۸۷۱ء]

بین الاقوامی خبروں میں فرانس اور پرشیا کی جنگ کی خبریں نمایاں تھیں۔ ایک دل چسپ خبر یہ ہے :

''فرانسیسیوں کی چالاکی میں شک نہیں۔ جب غنیم نے اُنھیں زمین پر چین نہ دیا تو غباروں میں بیٹھ کر آسمان کی طرف اُڑنے لگے۔ مگر پرشیا والے اُن کو پورے استاد ملے۔ آسمان پر بھی اُن کا جا تعاقب کیا ...''

[۱۶ نومبر ۱۸۷۰ء]

پنجابی اخبار — لاہور

'پنجابی اخبار' کے بانی منشی محمد عظیم تھے، جنھوں نے ۱۸۴۹ء میں 'لاہور کرانیکل' جاری کیا۔ وہاں سے بے دخل ہو کر ۱۸۵۶ء میں 'پنجابی اخبار' نکالا۔ یہ کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔ ۱۸۶۵ء میں اسے دوبارہ جاری کیا گیا۔ اس کے مدیر حافظ عمر دراز فائض تھے۔ دور ثانی میں یہ ۱۸۹۰ء تک جاری رہا۔ 'پنجابی اخبار' ۱۳ × ۱۰ کے دس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر صفحے میں تین کالم ہوتے تھے اور ہر کالم

میں تیس سطریں - مسٹر انور اللہ قریشی لکھتے ہیں : ''پنجابی اخبار ایک سنجیدہ مذاق کی ترجمانی کرتا تھا - اس کی پالیسی مذہب اور ذاتیات سے بالا تھی - یہ اخبار اپنے نامہ نگاروں کے خطوط کو نمایاں مقام پر چھاپتا تھا - اس میں نیم سیاسی مضامین ، انگریزی اخبارات کے ترجمے ، مقامی اور بیرونی خبریں ، تار کی خبریں ، موسمی حالات ، غرض کہ سب ہی کچھ ہوتا تھا ... خبریں شائع کرنے کا انداز بہت سادہ اور عمدہ تھا -''

رفیق ہند ــ لاہور

یہ اخبار ۵ جنوری ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا - اس کے مالک و مدیر مولوی محرم علی چشتی تھے - پرچے کے مقاصد یہ تھے :

''یہ پرچہ انگریزی اخبارات کے پورے نمونے پر محض آزادی سے اپنے قومی حقوق کے اظہار کے لیے جاری کیا گیا ہے - یہ حتی المقدور قوم میں عمدہ خیالات اور عام اتحاد کی اشاعت میں سعی کرتا ہے اور پورے طور پر آن خلاف قانون زیادتیوں کو ظاہر کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو خصوصاً بیرون جات میں بعض سرکاری عہدہ داروں کے ہاتھ سے سرزد ہوتے ہیں ، جہاں لوگ اپنے حقوق سے اچھی طرح واقف نہیں - عدالتوں کے خلاف قانون فیصلوں پر نکتہ چینی بھی اس کا ضروری فرض ہے - مستعد عماید ملک کی خدمات گورنمنٹ پر خاص طور سے ظاہر کرتا ہے - ہمیشہ مختلف سرکاری محکموں کے ملازموں کی ، عام اس سے کہ سول ہوں یا ملٹری ، میڈیکل یا صیغہ پولیس یا سر رشتۂ تعلیم وغیرہ ، تکلیفات گورنمنٹ تک پہنچانے کے لیے ہمیشہ آمادہ ہے - چوں کہ پورا بے لاگ اور بے رعایت سچا خادم قوم ہے اس لیے کوئی ناجائز ذریعہ معاش کا ، مثل بعض خوشامدی اخباروں کے اس کے لیے کھلا نہیں رہ سکتا - پس اہل ملک سے امید ہے کہ اس کو اپنی ایک جائیداد مشترکہ تصور کر کے اپنے قلم کا اس پر پورا اختیار سمجھیں اور دلی شوق سے اس کی ترقیٔ حیثیت میں مدد دیں ،

تا کہ کمی امداد کے باعث جو دقتیں پیش آیا کرتی ہیں اُن کا
منحوس منہ اسے بھی دیکھنا نصیب نہ ہو۔"

[اختر شہنشاھی ۔ صفحات ۳۷ - ۱۳۶]

مولوی محرم علی چشتی نے 'کوہ نور' کی ادارت سے اپنی صحافت کا آغاز کیا۔ وہ اعلیٰ پائے کے صحافی، وکیل اور مقرر تھے۔ آنھوں نے منشی ھرسکھ رائے کے ساتھ مل کر انڈین نیشنل سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور پنجاب کی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں اتنے نمایاں ہوئے کہ آگے چل کر پنجاب کی قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

'رفیق ھند' مسلمانوں کے حقوق کا علم بردار تھا اور ۱۸۸۸ء تک وہ سرسید احمد خاں کی تحریک کی نہایت شد و مد سے تائید کرتا رھا۔ لیکن جب سرسید کے مذھبی عقائد سے اختلاف ھوا، تو 'رفیق ھند' پنجاب میں سرسید کی مخالفت کا سب سے بڑا اڈا بن گیا۔ اس دور میں سرسید اور مولوی نذیر احمد کے خلاف فحش قسم کے مضامین بھی چھاپے گئے۔ چناں چہ مولوی نذیر احمد سے مقدمہ بازی بھی ھوئی اور آخرکار ۱۹ جون ۱۸۹۳ء کو مولوی محرم علی صاحب نے مولوی نذیر سے معافی مانگی۔ اس ساری چپقلش کی مفصل داستان 'صفحات و مطائبات سرسید' کی جلد دوم میں درج ھے۔ اور ھم عصروں سے بھی مقدمہ بازی رھی۔ آخر ۱۹۰۴ء میں 'رفیق ھند' بند ھو گیا۔ تنازعات سے قطع نظر 'رفیق ھند' ایک اعلیٰ پائے کا اخبار تھا، جس میں خبروں اور ٹھوس مضامین کی اشاعت کا بندوبست موجود تھا اور اس لحاظ سے تو اس کی اھمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس نے علیحدگی کی سیاست کے ابتدائی دور میں نمایاں حصہ لیا۔

آفتاب پنجاب ــ لاھور

یہ اخبار یکم جولائی ۱۸۷۳ء کو دیوان بوٹا سنگھ نے جاری کیا اور اس کی ادارت مولوی نبی بخش کے سپرد ھوئی۔ ابتداء میں اس کی پالیسی رواداراںہ تھی۔ لیکن صدی کے آخری سالوں میں یہ ایک خالص

فرقہ پرست ہندو اخبار بن گیا۔ جب ہندو مسلم فساد ہوتے، یہ اخبار سارا قصور مسلمانوں پر ڈال دیتا۔ ایک اسی قسم کے موقعہ پر 'رہبر ہند' نے 'آفتاب پنجاب' کو بتایا کہ ''اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ نہ مسلمانوں نے ہندوستان سے نکل جانا ہے نہ ہندوؤں نے۔'' اس مضمون میں درج ہے:

''ہاں اگر اُن کی یہ مرضی ہے کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر جائیں یا مسلمان ہندوستان کو اپنے آباء و اجداد کا مفتوحہ ملک سمجھ کر ہندوؤں کو نکال دیں، تو علیحدہ بات ہے۔ آج کل کے اخبارات کا عندیہ تو یہی معلوم ہوتا ہے، جیسا اخبار 'بھارت سدھار'۔ کوئی پرچہ اس کا مسلمانوں کی برائی سے خالی نہیں ہوتا۔ گویا ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں سے جنگ کرنا اس کا کام ہے۔

[رہبر ہند۔ ۳۱ اکتوبر، ۱۸۹۵ء جلد ۲۱ - نمبر ۷۹]

کشف الاخبار — بمبئی

اس اخبار کی ادارت منشی امان علی لکھنوی کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۶ مئی ۱۸۶۱ء سے ساتویں جلد شروع ہوتی ہے۔ غالباً ایک جلد چھ ماہ کی ہوتی تھی۔ گویا یہ پرچہ ۱۸۵۸ء میں نکلا۔ ایک پرچے میں آٹھ صفحے ہوتے تھے اور قیمت فی پرچہ چھ آنے تھی۔ اس اخبار کا ایک دلچسپ پہلو یہ تھا کہ صفحۂ اول پر اخبار کا ایک منظوم اشتہار درج ہوتا تھا جس میں ۴۲ اشعار شامل تھے۔ اس میں پہلے حمد باری تعالیٰ، پھر نعت رسول، اخبار کا نام، اخبار کی شان میں قصیدہ، مقاصد، چندہ خریداری، اشتہارات کے نرخ اور اخبار نکلنے کا دن، غرض ساری معلومات منظوم تھیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

نام اخبار اب کروں اظہار — کشف الاخبار کاشف الاسرار
کیوں نہ اُلٹوں نقاب شاہد فکر — نو عروس خبر کا ہوگا ذکر
ہیں ورق رشک بوستان ارم — ہوئی لکھنے میں سبز شاخ قلم
کل اخبار جتنے ہاتھ آئے — اُن کا گل دستہ باندھ کر لائے

صفحہ ہے صفحۂ رخ جاناں　　جدول اس کی ہے نہر باغ جناں
کیا قیامت ہے اس کی صورت خوب　　ہے الف سرو قامت محبوب
دائرہ ماہ ہے تو نقطہ زحل　　آسماں صفحہ کہکشاں جدول

اہل مطبع سے کچھ نہیں درکار　　کریں اخبار سے بدل اظہار
بدھ کو اخبار چھاپ لیتا ہوں　　پنج شنبہ کو بانٹ دیتا ہوں

شمس الاخبار ۔ مدراس

یہ اخبار ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ جاری رہا ۔ اس کی تقطیع پہلے چھوٹی تھی ، پھر 'سٹیٹسمین' کی تقطیع سے کچھ بڑی تقطیع کے چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا ۔ پہلے عشرہ وار تھا ، پھر ہفتہ وار ہوگیا ۔ مدراس کے ڈاکٹر عبدالحق اپنے مقالے میں لکھتے ہیں :

"اس اخبار کی عنان ادارت مدارس کے ایک مشہور علمی خاندان کے ایک ممتاز فرد کے ہاتھ میں تھی ۔ اس کے پہلے ایڈیٹر سید عبدالستار صاحب سینن تھے ... ان کے زیر اہتمام 'شمس الاخبار' نہایت کامیابی سے نکلتا رہا ۔ کچھ مدت کے بعد اس اخبار کی ادارت شاہ محمد عزیزالدین صاحب گھٹالہ کے فرزند محمد نصیرالدین گھٹالہ کے سپرد ہوئی ۔ یہ بھی عربی فارسی کے قابل عالم تھے اور ان کے مددگار کارکنوں میں بھی عربی اور فارسی جاننے والوں کی ایک خاص جماعت تھی ۔ اس وجہ سے اس اخبار میں عربی ، فارسی اور ترکی اخبارات سے بہت سی خبریں ترجمہ کرکے شائع کی جاتی تھیں ۔ پندرہ بیس سال کے عرصے میں اس اخبار کی شہرت ہندوستان سے نکل کر بیرون ہند تک پہنچ گئی ۔ ۱۸۷۸ء میں جنگ روم و روس کے زمانے میں اس اخبار نے حکومت ترکیہ کی امداد کی ترغیب دلائی اور اسی اخبار کی ترغیب و تحریص پر ہندوستان کے ہر گوشے سے ہزارہا روپیہ چندہ فراہم ہوا اور اسی کے مطبع کے

ذریعے سے سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں روانہ کیا گیا اور اسی خدمت کے صلے میں سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے تمغۂ مجیدیہ مرحمت فرمایا۔ اخبار کے لیے یہ اعزاز باعث فخر و ناز تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد سے 'شمس الاخبار' کے سر ورق پر ہمیشہ شکل تمغۂ مجیدیہ ہوا کرتی تھی۔ مدراس کا، بلکہ شاید ہندوستان کا، یہ سب سے کثیرالاشاعت اخبار تھا اور آج بھی، جب کہ اخبار کو بند ہوئے ایک عرصہ گزرا ہے، جام بازار مدراس میں اس کے دفتر کی عمارت شمس الاخبار ہی کے نام سے مشہور ہے۔

جریدۂ روز گار — مدراس

۱۸۷۵ء میں جاری ہوا اور اتنا مقبول تھا کہ اس کے اقتباسات ہندوستان بھر کے اردو اخباروں میں چھپتے تھے۔ اس کے مہتمم پہلے سید مرتضیٰ شاہ قادری تھے اور بعد میں محمد عبدالطیف۔ تقطیع درمیانی تھی اور سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس اخبار کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مملکت آصفیہ کی خبریں خاص اہتمام سے چھپتی تھیں۔ وہاں کی حکومت سے امداد ملتی تھی اور خریدار بھی زیادہ تر حیدرآباد، دکن میں تھے۔ اس کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ اخبار ترکوں کے بارے میں خبروں کی اشاعت میں 'شمس الاخبار' سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ ۱۸۷۷ء میں، جب حکومت برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ جنگ روم و روس میں غیر جانب دار رہے گی، تو 'جریدۂ روزگار' نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

> "مگر ہم مسلمان رعایائے سلطنت قیصریہ، جو ترکی سلطنت کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں، اس کا باعث یہ ہے کہ سلطان روم اہل اسلام کے پادشاہ ہونے کے سوا جتنے متبرک و مقدس مقامات و مواضعات مذہبی ہیں، ان کے متولی و مجاور یہی سلطان ہیں اور ہم سب مسلمان اس شہنشاہ اسلام کو مذہبی طور سے اپنا پیشوا و امیر المومنین و امام المسلمین سمجھتے ہیں۔"

[جلد ۳- نمبر ۲۴ - ۱۸۷۷ء]

کسی شخص نے انگریزی اخبار 'ٹروتھ' میں یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانی نوجوانوں کو سرکاری عہدے ملیں۔ وہ لبستان فرنگ سے رشتۂ ازدواج استوار کرلیں، تاکہ 'امور مملکت میں موافقت و موانست، رہے اور انگلستان کی محبت کا نقش مرتسم ہوجائے۔ 'جریدۂ روزگار' نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ صرف عدل و انصاف سے لوگوں کو سرکار کا مطیع بنایا جاسکتا ہے۔

مدراس کے دوسرے اخبار

انیسویں صدی میں مدراس سے یہ اخبار بھی جاری ہوئے:

۱۔ 'اخبار صبح' ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا۔ اس کے مدیر عبدالرحمن شفاف تھے۔

۲۔ اسی سال 'طلسم حیرت' (مدراس پنچ) غلام محی‌الدین حریف کی ادارت میں نکلا۔

۳۔ ۱۸۶۳ء میں شاہی 'عمدۃ الاخبار' جاری ہوا۔ اس کے مدیر محمد اکبر تھے۔

۴۔ ۱۸۶۵ء میں مشہور تاجر، حاجی محمد قاسم کی سرپرستی میں 'اخبار کرتان' شائع ہوا۔

۵۔ ۱۸۷۱ء میں 'یادگار زمانہ' منشی محمد عبدالرزاق کی ادارت میں شروع ہوا۔

۶۔ ۱۸۷۶ء میں سید محمد مرتضیٰ شاہ قادری کے اہتمام میں ایک پندرہ روزہ مذہبی رسالہ 'ظہیرالاسلام' جاری ہوا۔

۷۔ ۱۸۷۹ء میں مولوی سلطان محمود حنفی حمد نے 'مظہرالعجائب' جاری کیا، جس کی تحریک پر مجلس علمائے اسلام بھی قائم ہوئی۔

۸۔ ۱۸۸۴ء میں مولوی ذکی‌الدین احمد نے 'تحفہ' کے نام سے ایک پندرہ روزہ ادبی رسالہ جاری کیا۔

۹- ۱۸۸۱ء میں حکیم محمد حسین نے 'احسن الجرائد' نکالا - اس کے ساتھ 'حدیقۂ شعراء' نامی گل دستہ بھی جاری تھا -

۱۰- ۱۸۸۶ء میں محمد انور نے 'حاکم' نکالا -

۱۱- ۱۸۹۴ء میں 'الحاس' نکلا ، جس کی ادارت مولوی نوراللہ حسین کے سپرد تھی -

۱۲- ۱۸۹۵ء میں سید عبدالقادر نے 'مخبر دکن' جاری کیا جو اچھے اخبارات میں شمار ہوتا تھا -

۱۳- ۱۸۹۸ء میں 'نیر آصفی' جاری ہوا جس کے مدیر حکیم محمد سعید چودھر تھے -

۱۴- ۱۹۰۰ء میں سید جلال الدین گھائل نے 'آفتاب دکن' نکالا -

باقی اخبارات میں یہ بھی شامل تھے :

مراۃالاخبار ، قاصد مدراس ، اتحاد ، دبیر مدراس ، کرناٹک پنچ ، دبیر ہند ، دکن پنچ ، عزیزالاخبار - روزانہ اخبار 'اتفاق' کا ذکر ایک الگ باب میں موجود ہے -

قاسم الاخبار — بنگلور

۱۸۶۵ء میں بنگلور کے مشہور شاعر منشی محمد قاسم نجم نے 'قاسم الاخبار' جاری کیا - بقول ڈاکٹر عبدالحق (مدراس) ''کیا بہ لحاظ طباعت اور کیا بہ لحاظ مضامین یہ اخبار اپنی آپ نظیر تھا -'' یہ بڑی تقطیع کے آٹھ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا - دوسرے رسائل اور اخبارات سے اہم مضامین نقل بھی کر لیتا تھا - مثلاً اخبار سائنٹیفک سوسائٹی سے - اس کے ادارے بھی ٹھوس قسم کے ہوتے تھے - مثلاً ۲ اگست ۱۸۷۵ء کے شمارے میں تعلیم یافتہ بے کاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا :

''چوں کہ روز بہ روز انگریزی مدرسے ہی اجراء ہوتے ہیں ، اس لیے لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ سرکار کا ارادہ ہم سب کو زبان انگریزی میں تعلیم کر کے سرکاری خدمتیں دینے کا ہے - اس

خیال سے خاص و عام انگریزی پڑھنا شروع کرتے ہیں - پھر ہنر سیکھنے سے باز رہتے ہیں - جب کہ انگریزی پڑھنے میں آن کے اوقات صرف ہوتے ہیں ، ہنر نہیں سیکھتے - پھر جب کہ سرکاری خدمتیں ان کو نہیں ملتی ہیں غریب اور مفلس ہو جاتے ہیں - ہم کو یاد ہے کہ چند روز پیشتر ایک افسر صاحب کہتے تھے کہ ان دنوں انگریزی پڑھے ہوئے لوگ جس آسانی سے کہ ملتے ہیں گھوڑے کا کام کرنے کے لیے اس آسانی سے سائیس نہیں ملتے - جب کہ ابھی یہ حالت ہے تو آئندہ کیا ہوگی ؟''

میسور اخبار — بنگلور

یہ اخبار ۱۸۷۳ء میں جاری ہوا اور زبان کے لحاظ سے اپنے ہم عصر 'قاسم الاخبار' سے بہتر تھا اور تقطیع ، طباعت اور کتابت کے لحاظ سے ہم پلہ - چوں کہ اس کی قیمت کم تھی اس لیے یہ زیادہ مقبول تھا - ''نامہ نگاروں کے علمی اور قومی مضامین کے علاوہ اس اخبار کے ایڈیٹوریل پر از معلومات ہوتے تھے -'' ۲ جون ۱۸۷۵ء کے شمارے میں آزادیٔ صحافت پر ایک اداریے کا اقتباس ملاحظہ ہو :

''اخباروں اور مطابع کو آزادی کا عنایت کرنا ، یہ بھی سرکار وقت کی ایک بڑی دانائی کی دلیل ہے - اس سے چنداں اخبار نویسوں کو فائدہ نہیں - ہاں سرکار و رعایا کے لیے یہ بڑے فائدہ کی بات ہے - سچی سچی باتوں کا اظہار ، حکام ماتحت کی کارروائیوں کا افشاء ، رعایا کی مصیبتوں اور سرکار کی بعض غلطیوں کا اظہار بہ جز اس کے ہو نہیں سکتا کہ اخباروں کو آزادی ملے - اگر اخباروں کو آزادی عنایت نہ کی جائے تو جو فائدے اب اخباروں کی بدولت سرکار و رعایا کو حاصل ہیں وہ ہرگز حاصل نہ ہوں گے - اخباروں سے عدم آزادی میں کیا توقع ہو سکتی ہے ؟ یہی کہ سچی باتوں کا اخفاء جائز رکھا گیا - سارا اخبار خوشامد سے بھرا ہوا ہے - کام کی بات ایک نہ لکھی گئی ہزاروں ظلم رعایا پر اور لاکھوں سازشیں رعایا سے عمل میں آئیں - مگر اخبار

نویس نے اُن کو ایسا ظاہر کیا کہ ظلم کو عدل اور سازشوں کو قومی ہمدردی کے جلسے بتلا دیا ۔ جب یہ صورت جائز رکھی گئی تو پھر سلطنت کو ترقی معلوم'' ۔

بنگلور کے ان دونوں اخباروں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ اشتہار نہیں چھاپا کرتے تھے ۔ گویا اخبار کا سارا خرچ خریداروں کے چندے سے پورا کیا جاتا تھا ۔ یہ توقع کرنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی اشاعتیں خاصی تھیں ۔

منشور محمدی ۔ بنگلور

۱۸۷۲ء میں محمد شریف نے جاری کیا ۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ شمالی ہند میں عیسائیوں کے اخبار 'نور افشاں' اور 'کوکب ہند' دین اسلام کے خلاف جو زہر اُگلتے تھے، اُس کا جواب دیا جائے ۔ مستقل مضمون نگاروں میں شیخ رحیم بخش رئیس بٹالہ ، مرزا غلام احمد (قادیان) ، مولوی میرزا موحد جالندھری اور محمد علی کان پوری بھی شامل تھے ۔ یہ اخبار فل سکیپ تقطیع کے بارہ صفحات پر چھپتا تھا ۔ ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں : ''اس اخبار میں مذہبی مضامین کے علاوہ خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ اسلامی ممالک کی اور بالخصوص حکومت ترکیہ کی خبریں شائع ہوں ۔ چناں چہ جنگ روم و روس کے سلسلے میں مختلف اخبارات سے مسلسل خبریں نقل کی جاتی تھیں اور ترکوں کی مالی امداد کے لیے متعدد مضامین اور فتوے شائع ہوتے تھے ۔ 'الجوائب' اور اخبار 'دارالخلافہ' استنبول سے مضامین اور خبریں ترجمہ کر کے شائع کی جاتی تھیں ۔''

انیسویں صدی میں بنگلور سے اور اخبار بھی نکلے ۔ مثلاً 'محافظ بنگلور' جو انجمن 'زمرۂ احباب' کی طرف سے محمد عبدالمجید نکالتے تھے اور جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی شکایات حکام تک پہنچائی جائیں ۔ اس میں برقی خبروں کے خلاصے اور ملکی اور غیر ملکی دل چسپ خبریں چھاپی جاتی تھیں اور اکثر ہم عصر اخباروں سے دل چسپ لطائف اور اقتباسات

نقل کیے جاتے تھے - بہر حال یہ اخبار اپنے ہم عصر مقامی اخبارات کا مقابلہ نہ کر سکا اور جلد ہی بند ہو گیا - ۱۸۸۵ء میں محمد ابراهیم طیش نے 'باد صبا' نکالا ، جو پندرہ سولہ برس تک جاری رہا - ابتداء میں پندرہ روزہ تھا - بعد میں ہفت روزہ ہوگیا - آخری دور میں اس کے مدیر طیش کے فرزند محمد اسماعیل تھے- بنگلور کا پہلا سہ روزہ اخبار 'بنگلور اخبار' کے نام سے جاری ہوا -

[مدراس اور بنگلور کے اخبارات پر زیادہ تر معلومات ڈاکٹر عبدالحق کے مقالہ مندرجہ 'اردو' اپریل ۱۹۳۱ء سے اخذ کی گئی ہیں]

دکن میں صحافت کا آغاز

حیدرآباد دکن میں صحافت کا آغاز علمی مجلوں سے ہوا - ۱۸۵۹ء میں ایک طبی رسالہ جاری ہوا ، جس کی ادارت میڈیکل کالج کے پرنسپل کے سپرد تھی - ۱۸۷۳ء میں 'مخزن فوائد' کے نام سے ایک علمی رسالہ جاری ہوا جس کی ادارت کے فرائض مولوی سید حسین بل گرامی (نواب عمادالملک) تھے - اردو کا سب سے پہلا اخبار 'خورشید دکن' تھا جو ۱۸۷۷ء میں جاری ہوا اور ایک سال بعد بند ہو گیا - اس کے ایڈیٹر مرزا کاظم غازی تھے اس کے بعد انیسویں صدی میں گیارہ ہفت روزہ اخبار اور چار روزانہ اخبار نکلے اور دو فارسی اخبار جاری ہوئے - روزناموں کا ذکر ایک الگ باب میں موجود ہے - باقی اخباروں کے نام تاریخ اجراء اور ایڈیٹروں کے نام درج ذیل ہیں :

آصف الاخبار	۱۸۷۸ء	نارائن راؤ
ہزار داستان	۱۸۸۰ء	محمد سلطان عاقل
شوکت الاسلام	۱۸۸۳ء	جامی کرتان
معلم شفیق	۱۸۸۳ء	محب حسین
اخبار آصفی	۱۸۸۵ء	محمد سلطان عاقل
دکن پنچ	۱۸۸۷ء	کشن راؤ
افسرالاخبار	۱۸۸۷ء	مشتاق احمد

خیال بوب	۱۸۸۷ء	عبدالسلام عرشی
محبوب القلوب	۱۸۸۹ء	عبدالسلام
ملک و ملت	۱۸۹۵ء	سید احمد ناطق
نظارۂ عالم	۱۸۹۶ء	قدرت اللہ مضطر
فارسی اخبار		
شفق	۱۸۸۰ء	سید حسن رضوی
سیدالاخبار	۱۸۹۵ء	آقائے سید آقائے شیرازی (بعد میں) سید محمد علی شوستری

شوکت الاسلام

یہ اخبار پہلے بمبئی سے نکلتا تھا، پھر حیدرآباد دکن میں آ گیا۔ ۲۴×۳۰ کے بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ آزاد خیال تھا اور حکومت پر کڑی نکتہ چینی کرتا تھا۔ جب ریاستی حکومت نے فیصلہ کیا کہ ہر اخبار سے یہ اقرار نامہ لیا جائے کہ وہ کسی سرکاری افسر پر نکتہ چینی نہیں کرے گا تو اس اخبار نے اسے 'ھلاکو خانی احکام' قرار دیا اور ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان 'سلطنت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ' تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ذی عقل اور ذی شعور طبقے کا بچہ بچہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی انقلابی کارروائی آج کل کے زمانے میں چلا چلا کر کہ رہی ہے کہ شائستگی اور اقبال مندی چاھنے کی حالت میں ملک کو علمی اور ادبی کارناموں اور گل دستوں اور آزاد اخباروں سے مزین کرنا چاہیے۔ ورنہ اختیار ہے۔ اس کے خلاف ہو کر جہاں تک جی چاھا کم سمجھی، قابو پرستی اور خود غرضی کی پیروی کر کے تباھی اور بربادی پھیلانے میں دل چسپی لی جائے۔ ہوتی ہوئی کام یابی اور ملتی ہوئی سعادت پر لات ماری جائے اور اس طرح قوموں اور ملکی ترقی کا بیج مار کر دنیا میں انسان .....

[جلد نمبر ۳۵ - ۱۸۹۱ء]

استنبول میں اُردو صحافت

۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۹ء تک کا عرصہ ترکیہ کے لیے بحرانی دور تھا۔ اُس دوران میں ترکیہ کے اخبار 'الجوایب'، 'اختر روم' اور 'دارالخلافت' ہندوستان کے اردو اخبارات کے دفاتر میں برابر آتے رہے اور ہمارے اخبار ان سے بہت سا مواد لے کر چھاپتے رہے تاکہ اپنے قارئین کو ترکیہ کے حالات سے باخبر رکھا جائے، نیز ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکوں کے لیے ہمدردی اور دوستی کے جذبات کو فروغ دیا جائے۔ ان میں 'دارالخلافت' فارسی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ لیکن اس میں کبھی کبھی اردو زبان میں بھی خبریں اور مضامین درج کیے جاتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے 'منشور محمدی' (مدراس) سے نقل کر کے 'دارالخلافت' کی اردو خبر نویسی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"در زبان اردو از دارلخلافہ"

"سبحان اللہ یہ کیا عجیب حال ہے، جس کے دیکھنے سے آدمی دریائے حیرت میں مستغرق ہوتا ہے۔ ان دنوں میں دارالخلافہ استنبول کے محلوں میں مرکب ہمایوں کے واسطے لوگوں کا نام دفتر نظام یعنی دفتر لشکر میں لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ قاعدہ اور اصول اس کا یہ ہے کہ بیس برس سے چالیس برس تک جن کی عمر ہو انہیں کو دفتر عسکر میں قید کرتے ہیں، مگر ہر ایک کو ایسا ہی شوق پیدا ہوا ہے کہ جس کی عمر پچاس برس کی ہو وہ ایسا کہتا ہے کہ میری عمر ابھی چالیس کو نہیں پہنچی ہے، مجھے بھی عسکر میں داخل کرو۔ اور جو بارہ تیرہ برس کے ہیں، وہ بھی ایسا کہتے ہیں کہ ہماری عمر ابھی بیس کو پہنچی ہے، پھر کس واسطے ہم کو بھی سپاہیوں میں داخل نہیں کرتے ہو کہ ہم بھی جا کر دشمن سے لڑیں۔ سرکاری مامور ان کو تسلی کے واسطے کہتے ہیں، ابھی کچھ احتیاج نہیں، جب کچھ لزوم ہو تم کو بھی بلائیں گے۔ اب تم آرام کرو۔ مگر وہ روتے ہیں اور

کہتے ھیں ، عجیب بات ، دشمن ابھی ھمارے وطن میں ھو اور ھم آرام کریں - ھم ضرور جنگ کرنے کو جاویں گے - یا تو دشمن کو مار کر وطن سے نکالیں گے یا شہید ھو کے ثواب پاویں گے - اب استنبول میں دن رات قواعد ھو رھی ھے اور ھر روز بہت سے مجاھدین اب استنبول میں آ کے میدان جنگ کو جا رھے ھیں - وزرائے دولت بھی رات دن جمع ھو کے مشورت کر رھے ھیں -''

اس کے بعد قسطنطنیه سے ایک پندرہ روزہ اردو اخبار 'ترجمان مشرق' کے نام سے جاری ھوا - اس کا اعلان قیصر الاخبار ھند (اله آباد) نے ۷ جولائی ۱۸۷۸ء کے شمارے میں ان الفاظ میں چھاپا :

''ان دنوں ایک اخبار 'ترجمان مشرق' کے نام سے قسطنطنیه میں ھمارے معزز ھم عصر مدیر و مہتمم اخبار دارالخلافت قسطنطنیه کے حسن اھتمام اور سعئی بلیغ سے اردو زبان میں شائع ھونے لگا ھے - اس اخبار میں تازہ حوادث ممالک اسلامیه ، سلطنت عثمانیه اور نیز یورپ کے ، جو صحیح اور سچے ھوں گے ، شائع کیے جائیں گے - اس مطبع کے مالک و منصرم مہربان آفندی اور جناب اسکندر آفندی خبروں کی اشاعت میں یه التزام کریں گے که اھل ھند کو ممالک عثمانیه کے صحیح واقعات سے ، جن کو اور اخبارات خلط مبحث کر کے شائع کرتے ھیں ، مطلع کریں - اس لیے شائقین اخبار اردو زبان کو چاھیے که اس اخبار کی خریداری اور مطالعه سے حظ کافی حاصل کیا کریں - اس اخبار کا مقام اشاعت جادۂ باب عالی ، مطبع مہران آفندی (عدد نمبر ۲۸) ھے -''

اس اخبار سے بھی ھندوستانی اخبارات اقتباس لے لیتے تھے - ترکوں کی لکھی ھوئی اردو زبان کا ایک نمونه 'دارالخلافت' سے پیش کیا جا چکا ھے ، ایک 'ترجمان مشرق' سے ملاحظه ھو :

''حکومت اوستریا (آسٹریا) به خلاف رائے کانگرس (برلین کانگرس)، جو که ھیئت مجموعه یورپ سے عبارت ھے ، اس کام کو اجراء

کرنے میں کس طرح پر جسارت کرتی ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ دولت اوستریا اس کام میں تنہا نہیں ھے بلکہ یا کانگرس نے مخفی طور پر اس کو ایسے افعال شنیعہ کے اجراء کرنے کے لیے امر دیا ھے یا سب سے بڑی ایک دولت کے معاونت سے کام کر رھی ھے ؛ چوں کہ کسی طرف سے اس پر اعتراض بھی نہیں ھوتا ھے - جب کہ ایسا ھو ، پس اظہر من الشمس ھے کہ دولت اوستریا اور بھی بہت سے کام ، جو کہ عہد نامۂ برلین میں محرر نہیں ھیں ، ان کو بھی کرنا چاھتی ھے...''

اُن دنوں ترک اخبارات ھندوستانی کی آراء بھی چھاپا کرتے تھے ، بلکہ جب 'ترجمان مشرق' کے اجراء کی تجویز ھوئی ، تو اس کے ساتھ یہ تجویز بھی زیر غور تھی کہ ترکی زبان میں ایک اخبار خاص اس مقصد سے جاری کیا جائے کہ وہ ترکوں کو ھندوستانی مسلمانوں کے خیالات اور تاثرات سے با خبر رکھے -

انیسواں باب

روزناموں کی ابتداء

اس سے پہلے ہم 'اودھ اخبار' کا ذکر تفصیل سے کر چکے ہیں، جو بلاشبہ انیسویں صدی کا بہترین اردو روزنامہ تھا ۔ لیکن محققین صحافت کا یہ بیان درست نہیں کہ وہ اردو کا پہلا روزنامہ تھا ۔ یہ شرف کلکتہ کے اخبار 'اردو گائیڈ' کو حاصل تھا، جو ۱۸۵۸ء میں مولوی کبیرالدین احمد خاں بہادر نے جاری کیا ۔ اس کے مہتمم عزیزالباری تھے اور یہ اخبار مطبع مظہرالعجائب میں چھپا کرتا تھا ۔ 'اختر شہنشاہی' کا بیان ہے کہ یہ دو ورق کلاں پر مشتمل ہوتا تھا اور ٹائپ میں طبع ہوتا تھا ۔ چوں کہ 'اودھ اخبار' ۱۸۷۴ء میں روز نامہ ہوا اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ 'اودھ اخبار' اردو کا دوسرا روزنامہ تھا ۔

اردو کا تیسرا روزانہ اخبار 'روزنامچۂ پنجاب' تھا، جو یکم جنوری ۱۸۷۵ء کو لاہور سے جاری ہوا ۔ 'اختر شہنشاہی' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مالک خواجہ احمد حسن تھے، مطبع روزنامچۂ پنجاب میں طبع ہوتا تھا، چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور اس کا دفتر حویلی کابلی مل میں واقع تھا ۔ 'روزنامچۂ پنجاب' لاہور کا پہلا روزنامہ تھا ۔ چند سال بعد لاہور سے یکے بعد دیگرے تین اردو اخبار جاری ہوئے ۔ ۱۸۸۴ء میں منشی مہر بخش نے 'شفیق ہند' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا اور یہی ہفت روزہ ایک 'زنجیر' کی صورت اختیار کر گیا اور اس کے ساتھ 'شام وصال' اور 'نسیم صبح' کے نام سے دو روزنامے

نکل آئے ۔ ان سب اخباروں کی ادارت مولوی سیف الحق ادیب دہلوی کے سپرد تھی ، جو اس دور کے ایک مانے ہوئے ادیب ، شاعر اور انشاء پرداز تھے ۔ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے ۔ مڈل تک تعلیم حاصل کی ۔ شعر کا شوق تھا ۔ پہلے مرزا یوسف علی خان عزیز کے شاگرد تھے ۔ پھر مرزا غالب کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۔ صحافت میں دل چسپی پیدا ہوئی ، تو 'نیو گزٹ' کے نام سے ایک اخبار نکالا ۔ وہ بند ہوا ، تو مختلف اخبارات میں لکھنے لگے ۔ پھر انجمن قصور کے سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے اور 'رسالہ انجمن' کی ادارت کرنے لگے ۔ اس کا ایک فائل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سرسید کے خیالات سے بے حد متاثر تھے ۔ وہاں سے لاہور آ کر 'کوہ نور' کی ادارت سنبھالی اور بڑے بڑے ادیبوں سے قلمی معرکہ آرائی رہی ۔ مولوی محرم علی چشتی نے 'رفیق ہند' جاری کیا تو سیف الحق ادیب نے 'شفیق ہند' نکلوایا ۔ اسی سال 'شفیق ہند' کے ضمیمے کے طور پر دو روزانہ اخبار نکلے ۔ 'اختر شہنشاہی' (صفحہ ۱۵۵ و ۲۷۰) میں لکھا ہے کہ 'شام وصال' دو چھوٹے ورقوں پر مشتمل ہوتا تھا اور ہر روز شام کو نکلتا تھا ۔ یہ بھی بیان کیا ہے کہ 'نسیم صبح' چار چھوٹے اوراق پر مشتمل تھا اور یہ بھی شام کے وقت شائع ہوتا تھا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے یہ صبح کو نکلتا تھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دونوں اخباروں کے نام ظاہر کرتے ہیں کہ ایک صبح کو اور ایک شام کو نکلتا تھا اور دوسرے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک ہی ادارے سے دو روزنامے شام کے وقت کیوں نکلیں ۔ امداد صابری لکھتے ہیں : ''ان پرچوں کا ایک ایک فقرہ شوخی سے بھرا ہوا اور مذاق میں ڈوبا ہوتا تھا ، جس سے ان کی قابلیت کا ڈنکا بج گیا تھا اور پنجاب کے نام ور لیڈروں نے ان کی ذہانت و فراست کا لوہا مان لیا تھا ۔ آپ بلا کے جدت پسند تھے ۔ جو سوجھتی تھی ، غضب کی سوجھتی تھی ۔'' آخری عمر میں نظام حیدر آباد نے ساڑھے چار سو روپے ماہانہ پر گورنمنٹ رپورٹر مقرر کر دیا ۔ آخر دق کا مرض ہوا اور پنتالیس برس کی عمر میں ۱۸۹۱ء میں وفات پائی ۔

مولوی سیف الحق ادیب کے ہم عصر سید نادر علی سیفی نے بھی روزانہ صحافت میں قدم رکھا ۔ امداد صابری لکھتے ھیں : ''پہلے آپ ضلع سکول ھوشیار پور میں مدرس رہے ۔ 'کوہ نور' کے بعد آپ کا پٹیالہ اخبار سے تعلق ھو گیا ۔ پنجاب کی ابتدائی اخبار نویسی کے زمانے میں مشہور اھل قلم اور کام یاب مضمون نگار تھے ۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے ۔ شعر بھی کہتے تھے ۔'' 'اختر شہنشاھی' کے مطابق یکم دسمبر ۱۸۷۵ء کو موصوف نے 'رھبر ھند' کے نام سے ایک اخبار نکالا ، جو ھفتے میں دو بار نکلتا تھا ۔ جنوری ۱۸۸۵ء میں دو چھوٹے اوراق پر روزانہ بھی نکلنے لگا ۔ اس کا ماٹو یہ تھا :

''ملک اور قوم کا خیر خواہ بننا چاھیے کہ اس میں اپنی بہتری شامل ھے ۔ ھندوستان کی عام رائے کا آئینہ ، جو ملکی اور قومی معاملات پر پوری آزادی اور راست بازی کے ساتھ بحث کرتا ھے ۔''

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی اسے 'لاھور کا پہلا روزانہ اخبار' قرار دیتے ھیں ، جو صحیح نہیں ۔ بہرحال انھوں نے 'رھبر ھند' کا ۱۸۸۵ء کا فائل دیکھا ھے اور اس پر جو مضمون لکھا ھے ، وہ قابل قدر ھے ۔ ھماری دسترس صرف ۱۸۹۵ء کے فائل تک ھے ، جب یہ اخبار ھفتے میں دو مرتبہ چھپتا تھا ۔ اس لیے روزانہ 'رھبر ھند' کے بارے میں جو معلومات اور اقتباسات پیش کریں گے وہ شیخ صاحب موصوف کے مضمون سے اخذ کیے ھوئے ھیں ۔

شیخ صاحب لکھتے ھیں : ''اس کے صفحہ کا طول ساڑھے دس انچ اور عرض آٹھ انچ ھوتا تھا ۔ صفحہ میں دو کالم ھوتے تھے اور فی کالم ستائیس سطریں لکھی جاتی تھیں ۔ اتوار تعطیل ھوتی تھی ۔ کفایت شعار اصحاب کے واسطے جمعہ کے روز ایک ھفت گانہ پرچہ چھپتا تھا اور ادنیٰ درجہ اور کم حیثیت اشخاص اور طالب علموں وغیرہ کے لیے ایک چھوٹا پرچہ منگل کے روز شائع ھوتا تھا...اس وقت یہ عام قاعدہ تھا کہ اخبار کی قیمت لوگوں سے ان کی مالی یا سرکاری حیثیت کے مطابق اصول کی جاتی تھی ۔ 'رھبر ھند' کے ھاں بھی وصولیٔ قیمت کی یہی

شکل تھی - خبروں کا انداز تحریر سمجھنے کے لیے یہ تین اقتباس ملاحظہ ہوں :

''حکام پشاور نے امیر معظم (امیر عبدالرحمن والئی کابل) کے واسطے مع ہم راہ یاں یہ رسد فراہم کی ہے : چار ہزار گوسفند ، سات سو ساٹھ من چاول ، دو ہزار سات سو بیضۂ مرغ اور چھ سو چوزۂ مرغ ، پچیس من شکر ، تین سو تینتیس من گھی ، تین سو بہتر من آٹا ، چار ہزار من ایندھن -''[۸ اپریل ۱۸۸۵ء]

''پنجاب یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس میں سات سو دو طلبہ شریک ہوئے ہیں - [۱۹ مئی ۱۸۸۵ء] -

''ایک عورت نے صاحب میجسٹریٹ گوجرات (گجرات) کو اس مضمون کی عرضی دی کہ چوں کہ میں بالغ ہوگئی ہوں اور میرے والدین شادی نہیں کرتے ، اگر اجازت ہو تو شادی کرلوں ، جس پر یہ حکم ہوا کہ عدالت اس میں کچھ حکم نہیں دے سکتی ، سائلہ کو اختیار ہے -''

تبصرے کا رنگ ملاحظہ ہو :

''کلکتہ یونیورسٹی میں کتاب لذت النساء کو بنگالی زبان میں ترجمہ ہو کر باتصویر چھپنے سے چھپوانے والوں اور بیچنے والوں کو عدالت سے سزا ملی ، مگر مہذب ملک سے ربڑ کی عورات وغیرہ بنانے والے اور بیچنے والے صاحبان کو تو کچھ قانونی مواخذہ نہیں ہوا - شاید یہ امر بھی صیغۂ صنعت میں داخل سمجھ کر قابل تعریف ٹھہرتا ہوگا -'' [۳۰ جنوری ۱۸۸۵ء] -

دسمبر ۱۸۸۴ء میں گورنر پنجاب نے پنجاب پبلک لائبریری کے قیام کی تجویز پیش کی ، تو 'رہبر ہند' نے لکھا :

''ہم اس معینہ تجویز کی وجہ سے سر ایچی سن صاحب کی بہ صدق دل مدح کرتے ہیں - لیکن چاہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل تجاویز کو

بھی کتب خانہ کی عمدگی کے لیے اختیار کیا جائے :

(۱) ہندوستانی لائق اشخاص کی تعداد ممبروں میں بڑھائی جائے ۔

(۲) مغربی علم و ادب کی کتابیں بھی کتب خانہ میں داخل ہوں۔

(۳) مختلف علوم و فنون کی کتابیں بھی جمع کی جاویں ۔"
[۵ جنوری ۱۸۸۵ء]

چند ماہ بعد ایڈیٹر نے اعلان کیا کہ اگر خریداروں کی تعداد دو سو نہ ہوئی تو ہم روزانہ اشاعت بند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔ جب اتنی تعداد نہ ہوئی تو ۳ جنوری ۱۸۸۵ء کو روزانہ اشاعت بند کردی گئی اور رہبر ہند ہفتے میں تین بار نکلنے لگا اور عرصے تک جاری رہا ۔ یہ بھی ایک 'زنجیرہ' کی صورت میں تھا ، کیوں کہ اس کے زیر اہتمام ایک ہفت روزہ اخبار 'سیلف گورنمنٹ' نکلتا تھا ، جس میں بلدیاتی اداروں کی روداد چھپتی تھی ۔ اس کے علاوہ ایک سہ ماہی رسالہ 'فہرست عہدہ داران پنجاب' میں پنجاب سول لسٹ کا ترجمہ دیا جاتا تھا ۔

ڈاکٹر بول چند کا بیان ہے کہ ۱۸۸۸ء میں 'کوہ نور' بھی روزانہ ہوگیا ، لیکن یہ محض ایک تجربہ تھا جو نا کام رہا ۔ چناں چہ تین ماہ بعد روزانہ اشاعت بند کردی گئی ۔

کلکتہ کے روزانہ اخبار

۱۵ دسمبر ۱۸۸۳ء کو تین ماہ کے لیے آئینۂ نمائش' کے نام سے کلکتہ سے ایک روزنامہ جاری ہوا ۔ 'اختر شہنشاہی' کے مطابق یہ ایک بڑے ورق پر مشتمل ہوتا تھا ۔ اس کے مالک مولوی غلام ہمدانی تھے اور چندہ ماہانہ ایک روپیہ دو آنے ۔

۲۶ اپریل ۱۸۸۵ء کو 'پیک صبا' کے نام سے عمر محمد ناخدا نے

اوسط تقطیع کے دو اوراق پر ایک روزانہ اخبار نکالا - اس کی ادارت سید عبدالرحیم کے سپرد تھی اور ماہانہ چندہ چھ روپے تھا -

'پیک صبا' کے اجراء کے چار دن بعد یکم مئی ۱۸۸۵ء کو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان علی اصغر ایم-اے نے 'روزنامچہ ملک' جاری کیا - یہ بھی دو اوراق پر مشتمل ہوتا تھا اور مطبع خیر خواہ خلائق میں چھپتا تھا -

لکھنؤ کے روزانہ اخبار

لکھنؤ میں 'اودھ اخبار' کے علاوہ دو اور روزنامے نکلے - ایک کا نام 'روزنامچۂ لکھنؤ' تھا اور دوسرے کا 'روزانہ' - 'اختر شہنشاہی' میں بتایا گیا ہے کہ 'روزنامچۂ لکھنؤ' یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا - اس کے مالک خدا بخش خان بنارسی اور مدیر منشی سید عبدالبصیر حضور بلگرامی تھے - یہ مطبع گلزار اودھ میں چھپتا تھا اور اوسط تقطیع کے دو اوراق پر مشتمل ہوتا تھا -

'روزانہ' پہلے ہفت روزہ تھا - ۱۱ جون ۱۸۸۵ء کو روزانہ ہوا اور دو بڑے اوراق پر چھپتا تھا - اس کے مالک منشی حاجی تیغ بہادر تھے - مہتمم کے عہدے پر مولوی فتح محمد نائب فائز تھے اور ادارت منشی محمد علی خان عرشی کے سپرد تھی - ہفت روزہ کی صورت میں اس کا نام 'انوارالاخبار' تھا -

الہ آباد کے روزانہ اخبار

یکم نومبر ۱۸۷۷ء کو سراج الدین احمد خان نے 'قیصرالاخبار ہند' کا ایک روزانہ ایڈیشن الہ آباد سے جاری کیا ، جو اتوار کے سوا ہر روز چھپتا تھا - اس میں رائٹر کی دی ہوئی خبروں کے علاوہ غیر ممالک کے جرائد سے بھی خبریں ترجمہ کی جاتی تھیں - اخبار کے مالک و مدیر نے دعویٰ کیا کہ اس کے ذرائع خبر رسانی 'پاؤنیئر' اور 'انگلش مین'

کے برابر ہوں گے اور انگریزی نہ جاننے والوں کو اس اخبار سے اسی طرح خبریں ملیں گی جس طرح انگریزی سے واقف حضرات کو 'پاؤنیئر' سے ملتی ہیں۔ اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ ہم بہت بڑی رقم صرف کرکے روزانہ اخبار جاری کر رہے ہیں۔ فی الحال اسے جنوری کے آخر تک جاری رکھا جائے گا۔ اگر تجربہ کامیاب ہوا تو مستقل کردیا جائے گا۔ بہر حال یہ تجربہ کامیاب نہ ہوا اور ۱۵ مارچ ۱۸۷۸ء کو اخبار بند کردیا گیا۔ لیکن ہفتہ وار اخبار برابر جاری رہا۔

یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء کو مولوی شیخ ریاض الدین احمد نے 'روزنامچۂ عالم' نکالا۔ موصوف انجمن اسلامیہ کے سیکرٹری، ہائی کورٹ کے مترجم اور 'خیر خواہ اسلام' کے ایڈیٹر تھے۔ اس پرچے کی قیمت ایک پیسہ تھی اور دو اوراق پر مشتمل ہوتا تھا۔

[اختر شہنشاہی صفحہ ۱۳۲]۔

دکن کے اُردو روزنامے

شمالی ہند کے علاوہ جنوبی ہند میں بھی اردو صحافت ترقی پذیر تھی۔ حیدر آباد دکن اور مدراس میں تو اخبار بہت بڑی تعداد میں نکلے۔ حیدرآباد دکن کا پہلا روزنامہ 'پیک آصفی' تھا، جس کے بارے میں 'اختر شہنشاہی' میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اخبار جنوری ۱۸۸۳ء میں جاری ہوا۔ اس کے مالک مولوی سعید احمد زید بلگرامی اور مہتمم منشی سید حسن جشن بلگرامی تھے۔ مطبع ہزار داستان میں چھپتا تھا۔ ہر پرچہ اوسط تقطیع کے دو اوراق پر مشتمل ہوتا تھا اور سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ محمد سلطان عاقل دہلوی کا ہفت روزہ 'ہزار داستان'، جو ۱۸۸۳ء میں نکلا، بعد میں روزنامہ ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 'ہزار داستان' اور 'پیک آصفی' ایک ہی 'زنجیر' کے اخبار تھے۔ ہفت روزہ کا نام برابر 'ہزار داستان' رہا اور روزنامے کا نام 'پیک آصفی' رکھا گیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ 'اختر شہنشاہی' میں دونوں اخباروں کے مالک اور مہتمم بالترتیب سید احمد بلگرامی اور سید حسن بلگرامی بتائے گئے ہیں۔

۱۸۸۸ء میں ایک صاحب نے 'سفیر دکن' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا، جس کی ادارت مشہور صحافی، مورخ اور مصنف سید امجد علی اشہری کے سپرد ہوئی۔ جناب حبیب اللہ اوج اپنے مقالہ بہ عنوان 'دکن کی قدیم و جدید صحافت' میں سید امجد علی اشہری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شمالی ہند سے آئے تھے، اس لیے وہ حیدرآباد میں شمالی ہند کے عہدہ داروں کی تعریف میں اپنا زور قلم صرف کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب کسی عہدہ‌دار یا برطانیہ کے خلاف کچھ لکھنے سے اخبار بند ہوجاتا تھا اور انسپکٹر جنرل پولیس کا اخبار کے ایڈیٹر کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کرنا معمولی بات تھی۔ ایڈیٹر اس امر کا مجاز نہ تھا کہ وہ اس طرز عمل پر لب کشائی کرسکے۔''

انیسویں صدی کا اہم ترین روزنامہ 'مشیر دکن' تھا، جو اب بھی جاری ہے۔ یہ ۱۸۸۷ء میں 'دکن پنچ' کے نام سے ایک ہفت روزہ کی صورت میں پنڈت کشن راؤ نے نکالا تھا۔ پا ' سال بعد اسے 'مشیر دکن' کا نام دے کر روزانہ کر دیا گیا۔ اس کے عملۂ ادارت میں پہلے مولوی مجیب اللہ تمنائی نے عرصے تک کام کیا، پھر سید سردار علی اور علی اختر بھی کام کرتے رہے۔ جناب اوج لکھتے ہیں: ''مشیر دکن اپنی معتدل پالیسی کی وجہ سے ہر زمانے میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور حیدر آباد کا واحد اُردو اخبار تھا جو بلا لحاظ مذہب و ملت، ملک و قوم کا ترجمان تصور کیا جاتا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک 'مشیر دکن' میں طویل اداریے کی بجائے مختصر نوٹ اداریے کے طور پر شائع ہوتے تھے۔ یہ ادارتی نوٹ مختلف امور پر ہوتے تھے۔ ملک کی تعلیمی حالت، معاشرتی حالت اور اُن کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انگریز عہدہ داروں اور اُن کی بد انتظامی اور اُن کی وجہ سے اخراجات کی بیشی پر اظہار خیال ہوتا تھا۔ بعض اداریوں کے عنوان یہ تھے: تلبیسی سکہ، آزادی، بے پردگی کے لچھن، بیوی کی خاوند سے بے وفائی، مسلمان اور نیشنل کانگریس، رعایائے ہند کی وفا شعاری اور اطاعت گزاری، تخفیف کا اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، اعلیٰ عہدہ داروں کا الاؤنس، پولیٹیکل گھنگھور گھٹا، گورنمنٹ نظام اور اعلیٰ عہدہ داروں کا

اخراج وغیرہ ۔" اداریوں کے نمونے ملاحظہ ہوں :

"اب احتیاط اسی میں ہے کہ جو صاحب بہادر ملا کرے اُس کو سلام کر لیا جائے ۔

"پرسوں ترسوں کا ذکر ہے کہ آنریبل کرنل بار رزیڈنٹ بہادر صبح کے وقت اس سڑک پر سے خراماں چلے آ رہے تھے ، جو کچھ عرصہ ہوا ، ان ہی کے حکم سے گھوڑے گاڑیوں کی آمد و رفت کے لیے بالکل بند کر دی گئی ہے اور پیادہ آدمی 'چکر' کو گھما کر اب بھی اُس میں سے آ جا سکتے ہیں ۔

"جب کرنل صاحب 'چکر' سے باہر نکل آئے ، تو آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی ، جو حشمت گنج کی طرف سے شہر کی طرف جا رہا تھا ۔ اُس کو آپ نے بلایا اور اُس کا حال دریافت کیا ۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ علاقہ پائے گاہ کا سپاہی ہے ۔ آپ نے اُس سے پوچھا ، "کیا تو ہم کو نہیں جانتا جو بغیر سلام کیے چلا جا رہا ہے ؟" اُس نے لا علمی ظاہر کی ۔ صاحب بہادر نے اُس کو اُسی وقت حوالۂ رزیڈنسی پولیس کر دیا ۔ سنا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ رزیڈنسی پولیس سے متعلق پولیس کے حوالے کیا گیا ۔ معلوم نہیں آخر اس غریب کا حشر کیا ہوا ۔

"یہ واقعہ رائے دینے پر مجبور کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کو ابتدا سے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب راستے پر کسی صاحب بہادر کے سامنے سے یا پاس سے پھر کر گزریں ، تو اس کو سلام کریں ۔ [یکم نومبر ۱۹۰۲ء]

"ہم کو یہ سن کر افسوس ہوا کہ مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ بہادر کی ناک میں بائیسکل پر سے گرنے سے جو زخم نیل‌گری میں آیا تھا وہ ابھی مندمل نہیں ہوا ہے اور اس کے صدمے سے آپ کو بخار آ رہا ہے ۔ صاحب رزیڈنٹ بہادر کو اگر رزیڈنس کے مقابلے

میں اپنی ناک پیاری ہے تو وہ کیوں نہیں ولایت جا کر ناک کا علاج کراتے ؟ منہ پر ناک کا ہونا اس سے بہتر ہے کہ رزیڈنسی کی اعلیٰ خدمت کے مزے لوٹے جائیں ۔ عجب نہیں کہ اگر چندے اور آپ کی ناک کی یہی حالت رہی تو آپ کو مجبوراً سفر ولایت اختیار کرنا پڑے ۔ بہر حال ہم کو صاحب بہادر کی ناک سے دلی ہم دردی ہے اور آپ کی سلامتی کے لیے ہم دست بہ دعا ہیں ۔" [فروری ۱۸۹۸ء]

"ڈاکٹر لاری کی ہمشیرہ صاحبہ ، جو آج کل افضل گنج ہسپتال کی سپرنٹنڈنٹ آف نرسز ہیں ، وہ رخصت پر لندن تشریف لے جا رہی ہیں ۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اُن کو پھر یہاں واپس آنے کی تکلیف نہ دی جائے اور اُن کی جگہ کوئی دوسری لیڈی کم تنخواہ کی رکھی جائے ۔"

[۶۷ اپریل ۱۸۹۸ء]

ایک اور اداریے میں 'مشیر دکن' نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اعلیٰ عہدوں پر جو انگریز مقرر ہوتے ہیں ، وہ اس ملک کی زبان بھی نہیں سیکھتے ۔ یہ لکھتے ہوئے کہ "گورنمنٹ نظام میں گورے چمڑے اور نیلی پیلی آنکھوں کی ہر طرح قدر ہوتی ہے" ، اس اخبار نے مطالبہ کیا ، کہ کمشنر بلدیات کے عہدے پر کوئی دیسی افسر مقرر کیا جائے اور اُس انگریز کو نہ لایا جائے جو اُردو زبان سے بالکل کورا ہے ۔

اتحاد ۔ مدراس

مدارس کا پہلا روزنامہ 'اتحاد' تھا ۔ یہ ۱۸۸۴ء میں سہ روزہ تھا اور ۱۸۸۵ء میں روزانہ ہوا ۔ اس اخبار کو مدراس کے امراء اور انجمن اسلامیہ کی سر پرستی حاصل تھی ۔ انجمن اسلامیہ کے صدر میر ہمایوں جاہ بہادر تھے ، جنھیں مسلمانوں کی قومی اور سیاسی تحریکوں سے بے حد

دل چسپی تھی - اُنھوں نے یہ ضرورت بھی محسوس کی کہ مسلمانوں کا کوئی انگریزی اخبار جاری ہو - چناں چہ اُنھی کی تحریک پر احمد محی الدین خان نے 'محمڈن' کے نام سے ایک انگریزی ہفت روزہ جاری کیا، جسے بعد میں نصیر الدین گھٹالہ مدیر 'شمس الاخبار' کے سپرد کر دیا گیا اور عرصے تک جاری رہا - میر ہمایوں جاہ بہادر نہایت با اثر آدمی تھے - ۱۹۱۳ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا جو سالانا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا، اُس کی صدارت آپ ہی کے فرزند نواب سید محمد بہادر نے کی -

حدیقۂ روز گار ــ رنگون

'سوانح عمری اخبارات' (اختر شہنشاہی) کے صفحہ ۱۰۳ پر ذکر کیا گیا ہے کہ ۹ جنوری ۱۸۸۳ء کو رنگون سے ایک روزنامہ 'حدیقۂ روزگار' کے نام سے جاری ہوا، جو دو ورق پر مشتمل ہوتا تھا - اس کا سالانہ چندہ بارہ روپے تھا - مطبع محمودی میں چھپتا تھا، اور اس کے منیجر حکیم شیخ فرید تھے -

خادم ہند ــ بمبئی

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر 'خادم ہند' بمبئی کا ذکر ہے، جو ۱۷ مارچ ۱۸۸۳ء کو جاری ہوا - دو ورق پر مشتمل ہوتا تھا - سالانہ چندہ امراء سے بارہ روپے، عوام سے سات روپے مع محصول ڈاک چار روپے چودہ آنے وصول کیا جاتا تھا - اس کے مالک منشی کشن سروپ اور مہتمم لالہ اندر سروپ تھے -

انیس بہار ــ پٹنہ

'بہار پٹنہ' اردو کا چوتھا روزنامہ تھا، جو بقول 'اختر شہنشاہی' (صفحہ ۵۱) پٹنہ سے ۱۸۷۶ء میں جاری ہوا - یہ دو بڑے اوراق پر نکلتا تھا - مطبع مہدی میں چھپتا تھا - اس کے مالک سید اصغر علی تھے اور مہتمم سید فضل کریم - سالانہ چندہ اٹھارہ روپے تھا -

آردو کی روزنامہ صحافت کے اس ابتدائی دور کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تجارتی نقطۂ نگاہ سے صرف 'اودھ اخبار' کام یاب ہوا، یا 'مشیر دکن'۔ 'اودھ اخبار' کی کام یابی کی وجہ یہ تھی کہ اسے تجارتی بنیادوں پر چلایا گیا اور اس میں سرمایہ لگایا گیا۔ نیز اس کی ادارت کہنہ مشق اخبار نویسوں نے کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اخبار اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور بیسویں صدی کے وسط تک جاری رہا۔ باقی سب کوششیں غیر سنجیدہ تھیں۔ نہ کافی سرمایہ لگایا گیا، نہ ادارت پر توجہ کی گئی، نہ خبروں کی فراہمی پر زور دیا گیا۔ اس لیے ان روزناموں کی زندگی مختصر رہی۔

بیسواں باب

جدید صحافت کے علم بردار۔
اخبار عام اور پیسہ اخبار

انیسویں صدی کے نصف آخر میں برطانیہ میں جدید صحافت نے جنم لیا اور اخبارات عوام تک پہنچنے لگے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اخباروں پر ٹیکس منسوخ ہو گئے ۔ اخباری اشتہاروں پر ٹیکس بھی باقی نہ رہا ور کاغذ پر محصول بھی ختم ہو گیا ۔ لکڑی کے گودے کے استعمال کی وجہ سے کاغذ کی قیمت کم ہو گئی ۔ اس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ اخبار کی قیمت صرف ایک پنس رکھی جائے ۔ آدھر ایک طرف ۱۸۷۰ء کے تعلیمی قانون کی بدولت قارئین کی ایک نئی نسل پیدا ہو گئی ۔ دوسری طرف صنعتی انقلاب کی وجہ سے شہروں کی آبادی بڑھ گئی اور قومی مسائل میں عوام کی دل چسپی میں بے حد اضافہ ہوا ۔ چناں چہ اخبارات کی اشاعتوں میں اضافہ ہوگیا ۔ صنعتی انقلاب کے زیر اثر بے شمار نئی صنعتیں جاری ہوئیں ۔ کارخانے دھڑا دھڑ کھلنے لگے اور صنعتی مقابلے نے اخبارات میں اشتہار دینے کی ضرورت پیدا کر دی ۔ گویا ٹیکسوں کی تنسیخ ، کاغذ کی قیمت میں کمی ، قارئین کی تعداد میں اضافے اور اخباری اشتہاروں کی کثرت جدید صحافت کی تخلیق کا باعث ہوئے۔

بر عظیم پاک و ہند میں بھی حالات نے نئی کروٹ لی ۔ ایک طرف تعلیم کا چرچا ہوا اور نئے انداز میں تعلیم یافتہ افراد کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ۔ دوسری طرف سیاست کا دور دورہ ہوا ۔ سر پھرے

گوروں کی کارستانیوں ، سول سروس میں ہندوستانیوں کے حقوق کے اتلاف ، البرٹ بل ایجی ٹیشن ، انڈین نیشنل کانگرس کے قیام اور مسلمانوں کی طرف سے اس کی مخالفت ، ایسے عناصر تھے جنھوں نے خواندہ طبقے کو مجبور کیا کہ وہ حالات معلوم کرنے کے لیے اخبارات کی طرف رجوع کریں - کاغذ کی بین الاقوامی پیداوار بڑھی اور لکڑی کے گودے کے استعمال سے اس کی قیمت کم ہو گئی اور اس کا اثر یہاں بھی ہوا - لارڈ رپن کے عہد میں ورنیکلر پریس ایکٹ منسوخ ہوا اور اس طرح دیسی زبانوں کی صحافت کو موقعہ ملا کہ وہ پہلے سے ذرا زیادہ واشگاف انداز میں عوام کے خیالات کی ترجمانی کریں - پہلے اخبار پر دو پیسے کا ٹکٹ لگتا تھا ، اب ایک پیسے کا ٹکٹ لگنے لگا - اس سے بھی اخبارات کو فائدہ ہوا - برطانوی فرموں نے سوس کیا کہ اپنے مال کی کھپت کے لیے انھیں دیسی اخباروں میں اشتہار دینے چاہئیں - پھر ملک کے اندر بھی تجارت اور صنعت میں اضافہ ہوا اور اخباری اشتہار بازی کا ذوق پیدا ہونے لگا - ان تمام عناصر نے مل کر ایسی صورت پیدا کر دی کہ جدید صحافت کا جنم ممکن ہو گیا اور اشاعتوں میں اضافہ ہوا -

برعظیم میں جدید صحافت کے علم بردار دو اخبار تھے - اول ، 'اخبار عام' ، دوم ، 'پیسہ اخبار' - یہ ابتداء میں ہفت روزہ اخبار تھے ، پھر ہفتے میں تین مرتبہ نکلنے لگے اور صدی کے آخری سالوں میں روزانہ ہو گئے - 'اخبار عام' کے مالک پنڈت کلندر رام تھے اور مدیر پنڈت گوپی ناتھ - اور 'پیسہ اخبار' کے مالک و مدیر منشی محبوب عالم تھے ، جن کے کاروبار نے اتنی ترقی کی کہ وہ اخبارات و رسائل کے ایک 'زنجیرہ' کی رہ نمائی کرنے لگے اور اس کے ساتھ ہی کتابوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا - ان دونوں اخباروں میں اشتہارات کثرت سے ہوتے تھے اور دونوں کی قیمت صرف ایک پیسہ تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اشاعت خاصی ہو گئی - یہ درست ہے کہ یہ اخبار مستقل طور پر 'روزانہ اخبار' نہ رہے - لیکن اس کی وجوہ مختلف تھیں - اتنی بات واضح ہے کہ یہ تجارتی لحاظ سے کام یاب

ادارے تھے اور ساٹھ ستر سال تک ان کا طوطی بولتا رہا۔

اخبار عام

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں 'اخبار عام' کے مالک پنڈت کلندر رام تھے اور ایڈیٹر پنڈت گوپی ناتھ۔ ان دونوں نے تین اخبار جاری کیے: اول، 'ھمائے پنجاب' جو یکم اپریل ۱۸۷۰ء کو جاری ہوا۔ 'اختر شہنشاھی' کے مطابق ۱۸۷۰ء میں ان دونوں حضرات نے ایک ھندی اخبار 'متر بلاس' کے نام سے جاری کیا، جو کم و بیش بیس سال جاری رھا۔ یکم جنوری ۱۸۷۱ء کو 'اخبار عام' نکلا۔ پہلے ھفت روزہ تھا، پھر ھفتے میں تین بار نکلنے لگا۔

پنڈت کلندر رام کا اصل پیشہ کتابت تھا۔ اخبار نکالنے سے پہلے وہ 'کوہ نور' میں کتابت کرتے تھے۔ وھیں اخبار جاری کرنے کا خیال آیا۔ چناں چہ کتابت کے پیشے کو خیر باد کہا اور پنڈت گوپی ناتھ کے تعاون سے میدان صحافت میں مالک اور مہتمم کی حیثیت سے قدم رکھ دیا۔ 'اخبار عام' کا سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا اور قیمت فی پرچہ صرف ایک پیسہ۔ اس کا اعلان ملاحظہ ہو جو اس کے مقاصد واضح کرتا ھے:

"اردو پڑھنے والوں کے لیے اس سے بہتر اخبار ھندوستان میں کوئی نہیں۔ جو عنوان مضامین کے مقرر ھیں وہ سب نگینے کی طرح جڑے ھوئے ھیں۔ یہ اخبار اس خوبی کا ھے کہ روزانہ ھونا بہتر ھے۔ قدر اور منزلت اس کی ملک میں بہت پائی گئی ھے۔ اس کا مختصر اور درست احوال اور فصیح عبارت پڑھنے کا سب کو بہت شوق ھے۔ اس اخبار کو، یقین جانیے، جو کوئی دیکھتا ھے محبت کی نظر سے دیکھتا ھے اور اس کا ڈھنگ بہت سے دیسی اخباروں بلکہ انگریزی پر بھی ترجیح کے قابل ھے۔ یہ اخبار اپنے منصب کو پورا کرکے ایک پیسہ صرف چاھتا ھے۔ اخبار عام اس لحاظ سے قابل تعریف ھے کہ وہ شاہ اور گدا سے ایک قیمت مانگتا ھے۔ عام

لوگوں اور مختصر خبروں کے شائقوں کے لیے اس اخبار سے بہتر واقعی اور کوئی اخبار پنجاب میں نہیں ، بلکہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام ہندستان میں دوسرا کوئی اردو اخبار ایسا نہیں ہے - اس امر میں 'اخبار عام' نہایت افضل ہے کہ تازہ حالات معلوم کرنے کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں - خاص اور سچی صفت اس اخبار کی یہ ہے کہ کم خرچ بالا نشین - مندرجہ بالا فقرات 'اخبار عام' پر عام رائے کا خلاصہ ہیں - مہتمم کو اپنی طرف سے مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں - تازہ بہ تازہ اخبار کی بہار و مضامین آب‌دار سے یہ سراپا پر - اس لیے صاف‌گو اور راست باز اخبار گورنمنٹ کے اعلیٰ مشیروں اور خاص و عام کے چیدہ وکیلوں کے نازک کام اول درجے کی صفائی اور ایمان داری سے پورا کرتا ہے-" [اختر شہنشاہی ، صفحات ۸-۷] -

اس وقت ہمارے سامنے 'اخبار عام' کا ۱۸۸۳ء کا فائل موجود ہے - اس زمانے میں یہ ہفتے میں دو بار نکلتا تھا - ماہانہ چندہ چار آنے تھا اور مع محصول چھ آنے - اس کی تقطیع $6\frac{1}{2}$" × ۱۰" تھی - کل آٹھ صفحے ہوتے تھے - چھوٹا موٹا اشتہار اسی میں شامل ہوتا تھا - لیکن اکثر اشتہارات کے لیے چار صفحے کا ضمیمہ نکال دیا جاتا تھا - اشتہاری نرخ دوسرے اخباروں کے مقابلے پر زیادہ تھے - اس کے جواز میں اعلان کیا گیا کہ دوسرے اخباروں کی اشاعت سو دو سو ہوتی ہے اور ہماری اشاعت تقریباً دو ہزار ہے - اور یہ دعویٰ غلط نہیں تھا - اشتہار دینے کے جو قواعد درج کیے گئے ان میں تین قاعدے دل چسپی کے موجب ہیں :

ا - فحش اور واہیات اشتہار آجرت پر بھی نہیں چھاپے جائیں گے -

ب - دوائیوں کے اشتہار اگر شائستہ عبارت میں لکھے ہوں گے تو ایک چوتھائی زیادہ نرخ ہوگا -

ج - جن سوداگروں کا مال پسندیدہ اور کارآمد ہوگا ان سے اشتہار کی آجرت کے بدلے مال ہی خرید لیا جائے گا -

ہر صفحے پر دو کالم ہوتے تھے اور ہر کالم کی لمبائی نو انچ ہوتی تھی جس میں اٹھائیس سطریں ہوتی تھیں ۔ مختلف قسم کے مواد کو کتنی جگہ دی جاتی تھی ؟ اس کے لیے ذیل کا گوشوارہ ملاحظہ ہو ، جو ۲ مئی کے پرچے پر مبنی ہے :

کل صفحات	بارہ	کالموں کی تعداد	چوبیس
نام کی تختی		سات کالم انچ	
اخبار کی بہار		گیارہ کالم انچ	
اداریے		اکسٹھ کالم انچ	
بجٹ		آنیس کالم انچ	
خبریں		تینتیس کالم انچ	
اشتہار		پچھتر کالم انچ	
میزان		دو سو سولہ کالم انچ	

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھنے چاہیئں :

۱ ۔ 'اخبار کی بہار' صفحۂ اول پر درج ہوتا تھا ۔ اس میں چونتیس مختصر خبریں اس طرح درج ہوتی تھیں کہ ہر خبر ایک سطر میں آتی تھی ۔

۲ ۔ اداریے باقاعدہ نام کی پٹی کے نیچے درج ہوتے تھے ۔ ان پر عنوان نہیں ہوتے تھے اور لکیر دے کر اگلا اداریہ درج کر دیا جاتا ۔ اداریے زیادہ تر خبروں کی حیثیت بھی رکھتے تھے ۔

۳ ۔ اندرونی صفحات پر دی جانے والی خبریں بھی اختصار سے دی جاتی تھیں ۔ عام طور پر کسی خبر کو سات آٹھ سطروں سے زیادہ نہیں دیا جاتا تھا ۔

۴ ۔ اشتہارات میں Display کا عنصر شامل تھا اور بعض اشتہار جلی حروف میں دیے جاتے تھے ۔

اس اخبار کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ خبریں اختصار سے دی

جاتی تھیں اور بہت بڑی تعداد میں ۔ اداریے مختصر ہوتے تھے اور تحریر کا انداز سادہ اور واضح اور کسی قدر شوخ ہوتا تھا ۔ غیر اخباری مضامین درج نہیں ہوتے تھے ۔ یہی حال غزلیات وغیرہ کا تھا ۔ گویا یہ صحیح معنوں میں 'اخبار' تھا ۔ اب ہم 'اخبار عام' کے ۱۸۸۳ء کے فائل سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں تاکہ مواد کے مختلف عناصر کا اندازہ ہو سکے ۔ پہلے 'اخبار کی بہار' سے چند یک سطری خبریں ملاحظہ ہوں :

'بابو سریندر ناتھ کے قید ہو جانے سے ملک میں عام ناراضی پھیل رہی ہے ۔

۱۱ تاریخ کے جلسہ کامنز میں مسٹر گلیڈ سٹون نے لارڈ رپن کی نہایت تعریف کی ۔

پونا کے لوگوں نے بذریعہ تار اپنی ہمدردی بابو سریندر ناتھ پر ظاہر کی ۔

الہ آباد کے لوگوں نے بھی اسی غرض سے ایک عام جلسہ کیا ۔

بابو لال موہن گھوش لندن کو روانہ ہوئے ۔

شاہ برہما اپنا سفیر فرانس میں بھیج رہے ہیں ۔

امیر کابل ہرات جانے کے لیے کمر بستہ ہو رہے ہیں ۔

ہرات میں امیر عبدالرحمان کے خلاف بغاوت ہو پڑی ۔

آفریدیوں نے درۂ خیبر بند کر دیا ۔

سویز میں دوسری نہر بنانے کے لیے سوداگران انگلینڈ نے اجازت مانگی ہے ۔

سریندر ناتھ کے قید ہو جانے کے غم میں کلکتہ کے ہزاروں طلبہ نے ایک ایک سیاہ نشان پہن لیا ہے ۔''

[۱٦ مئی ۱۸۸۳ء ۔ جلد ۱۳ ۔ نمبر ۳۰]

چند سال بعد 'اخبار کی بہار' میں یہ جدت پیدا کی گئی کہ ایک طرف خبر بےحد اختصار سے دی جاتی تھی، دوسرے اس پر ایک یا دو لفظوں میں دل چسپ تبصرہ کر دیا جاتا تھا جو کبھی کبھی بے معنی بھی ہوتا تھا - مثلاً ''شملہ میں کل سات انچ بارش ہوئی۔ کیا خوب!'' جب تک 'اخبار عام' زندہ رہا یہ فیچر مستقل طور پر صفحۂ اول کی زینت تھا -

عام خبروں میں بھی کبھی طنز و مزاح کا عنصر موجود ہوتا تھا - مثلاً

''پنجاب کے محسن جناب ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر (Leitner) کی کلکتہ میں بڑی تعریف ہو رہی ہے کہ جن کی عالی شان کوششوں نے اس خوش قسمت صوبے کی علمی ترقی کو بڑھانے میں یہاں تک کوشش کی ہے کہ پنجاب کے کالج میں سے جہاں ۸۱ء میں چھ آمیدوار امتحان بی - اے میں کام یاب ہوئے تھے ۸۲ء میں فقط دو ہوئے اور اس سال ایک بھی نہیں -''

اور یہ خبر بھی پڑھنے کے قابل ہے :

''لاہور - لاء کلاس کے صاحب لیکچرار صاحب نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ کوئی دیسی جوتا پہن کر آن کے دربار میں نہ آوے -''
[۱۴ اپریل ۸۳ء]

خبروں کی تحریر کا اسلوب سمجھنے کے لیے یہ دو اقتباس دیے جاتے ہیں :

''ٹانک کی ریاست ایک عجیب آفت میں گرفتار ہے - بے چاری نے حسب التحریک گورنمنٹ آف انڈیا اور تائید رؤسائے ریاست اپنی سلطنت کی بہبودی اور ترقی کے اسباب بہم پہنچانے کی غرض سے رعایا پر ایک ٹیکس قائم کیا تھا جو رعیت کو اس قدر ناگوار گزرا کہ آس کے برخلاف آس نے شاہی قلعہ کے سامنے کے میدان میں جمع ہو کر نواب صاحب پر اپنا زبانی غصہ ظاہر کیا - شہر میں اڑھائی روز تک ہڑتال کر دی، جس سے ہر ایک کو سخت تکلیف

اُٹھانی پڑی اور اپنی بات کی یہاں تک پخ کی کہ نواب صاحب کو آخر لوہا ماننا پڑا ۔ لاچار ٹیکس معاف کیا گیا اور ترقی کی تدابیر معطل ۔''

[۲۰ جنوری ۸۳ء - جلد ۱۳ - نمبر ٦]

اس زمانے میں البرٹ بل کے سلسلے میں متعصب انگریزوں کی تائید کرنے پر ہندوستان بھر میں راجہ شیو پرشاد پر لعن طعن ہو رہی تھی ۔ اس سلسلے میں ایک خبر ملاحظہ ہو :

''گذشتہ اتوار کو راجہ شیو پرشاد کا بت بڑی دھوم دھام سے جلایا گیا ۔ یہ پتلا بانس اور کاغذ اور پھوس کا بنایا گیا تھا اور اس پر ایک پرانی کلسی کا سر رکھا گیا تھا ۔ کلسی کے اوپر یہ لکھا تھا ۔ 'راجہ شیو پرشاد نمک حرام جگت سیٹھ کے خاندان کا ۔' پتلے کی کمر میں بھی ایک کاغذ پر بنگلا زبان میں بہت سی باتیں لکھی گئی تھیں ۔ بیچ بازار میں اس کو جلانے کی تجویز کی گئی تھی ۔ شام کے وقت اس جگہ پر بہت سے آدمی جمع ہوئے اور میونسپل سہتر نے پتلے کی جھاڑو سے پہلے خوب پوجا کی اور پھر جلا دیا ۔

[۴ اپریل ۸۳ء - جلد ۱۳ - نمبر ۲۸]

'اخبار عام' کے اداریوں کی خوبی یہ تھی کہ اول وہ مختصر ہوتے تھے ۔ دوم ، ہر بات سیدھے سادے انداز میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کہہ دی جاتی تھی ۔ تیسرے ان کی زبان سادہ ہوتی تھی ۔ نمونے کے طور پر دو تین اداریے درج کیے جاتے ہیں :

''ہم سنتے ہیں کہ یونیورسٹی پنجاب زبان فارسی سے دست بردار ہوتی ہے ۔ ممبروں کا اس معاملہ میں اختلاف ہے ۔ ممالک ایشیا میں جب فارسی زبان سے دست بردار ہوئے ، تو وہ کون سی زبان باقی رہی جو دیسی لوگوں کو کارآمد ہو اور اس کے لیے یونیورسٹی سعی مبذول کرے ؟ اگر ایسا ہوا ، تو ہمیں اس باب میں بہت کچھ

لکھنا پڑے گا۔"

[۲۳ جنوری ۸۳ء - جلد ۱۳ - نمبر ۷]

"لارڈ لٹن صاحب ہندوستان کے انگریزوں کے ساتھ اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ البرٹ بل پاس ہونے سے اُن انگریزوں کو سخت بے عزتی ، شرم ، مصیبت اور بربادی برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن ہم لوگ اُن سے ہاتھ جوڑ کر ، ٹوپی اُتار کر ، اپنے گالوں میں تھپڑ مار کر ، اپنا سر پیٹ کر ، اپنا گلا پھاڑ کر عرض کرتے ہیں کہ یہ آپ کا سراسر خیال خام ہے !!! کیوں کہ انگریز لوگ کئی مقامات اور علاقہ جات میں ہندوستانیوں کے ماتحت ہیں۔ انگریز لوگوں کے کل دیوانی مقدمات ہندوستانی فیصل کرتے ہیں۔ انگریز لوگ برابر ہندوستانی حاکموں کے اجلاس میں کام پڑنے پر ٹوپی اُتار کر جاتے ہیں۔ انگریز لوگ کتنے ہی راجہ مہاراجاؤں کے یہاں نوکر ہیں۔ انگریز کتنے ہی بڑے آدمیوں کے پہرہ دار کوچ بان ہیں۔ انگریز لوگ لاکھوں روپے کے ہندوستانیوں کے قرض دار ہیں۔ انگریز لوگ دو دو آنہ میں ہندوستانی لوگوں کو تماشے دکھاتے ہیں۔ ان باتوں میں انگریز لوگ بے عزت نہیں ہوتے۔ وہ بے عزتی اب فقط عدالت میں ہندوستانی حاکموں کے جسم میں جا چمٹی ہے۔ ہندوستانی کالے جنگلی ، دھوکہ باز ، حاسد سب ہیں اور انگریز گورے ، سولائیزڈ ، بہیتر ، باھر سے ایک سے ، انصاف کے ، ایمان کے ، خود خدا کے اوتار سہی ، لیکن عدالت تو دونوں کے ماننے کے لائق ہے ... ہاں اگر انگریز لوگ عدالتوں میں جانے کو ہی بے عزتی سمجھتے ہیں تو ہم انہیں صلاح دیتے ہیں کہ آج سے کبھی ایسا کام مت کرو جو عدالت میں جانا پڑے۔ ہندوستان میں بھی ایسے بھلے آدمی بہت سے ہیں جو مر جانے پر بھی عدالت میں جانا منظور نہ کریں گے۔ کیا ایسی صاف باطنی اور پاکیزہ مزاجی انگریز لوگوں میں نہیں ہو سکتی۔"

[۱۲ مئی ۸۳ء جلد ۱۳ نمبر ۳۹]

''مسٹر البرٹ کی ترمیم ضابطۂ فوجداری کے بارے میں انگریز لوگ پاگل ہو گئے تھے - اب میم صاحب بھی ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہیں - کلکتہ میں میم لوگوں کی ایک کمیٹی بیٹھنے والی ہے - سب عورتیں مل کر اس بل کے خلاف ایک درخواست حضور قیصر ہند کی خدمت میں بھیجنے کو تیار ہوئی ہیں - میم اور صاحب تو ہو چکے - اب لڑکوں کی باری کب آوے گی ؟ انگلش مین کو اب اس بل کا نام ھوّا رکھ کر سادہ اور معصوم باوا لوگوں کو اس سے ڈرانا چاہیے - ہم امید کرتے ہیں کہ زمانۂ آئندہ میں لڑکوں کو ڈرانے کے لیے ھوّے کی بجائے البرٹ صاحب کا نام لینے کے لیے آیاؤں سے کہ دیا جاوے گا -''

[۴ اپریل ۸۳ء - جلد ۱۳ - نمبر ۲۸]

'اخبار عام' کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر بول چند اپنے انگریزی مقالے میں رقم‌طراز ہیں : ''اخبار عام نے پنجاب کی اردو صحافت کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا - میں نے اس کے چند فائل دیکھے ہیں اور میں ایک بات سے بے حد متاثر ہوا ہوں کہ اس میں خبریں بہت بڑی تعداد میں دی جاتی تھیں - یہ اخبار نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک کی بھی تازہ ترین خبریں چھاپتا تھا - زیادہ تر مقامی اخبار خبروں کے سلسلے میں اسی پر انحصار کرتے تھے - چناں چہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۸ء کے شمارے میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ شمالی ہند کے سب سے بڑے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے ہمارے اخبار سے مکتوب چین نقل کیا - سچ پوچھیے تو یہ ایک اُردو اخبار کے لیے واقعی فخر کا مقام تھا ، بالخصوص اس لیے ، کہ اُس وقت آج کے خبر رساں اداروں میں سے بعض موجود نہیں تھے - 'اخبار عام' صحت زبان کے لحاظ سے مشہور نہیں تھا ، بلکہ پنجاب کے کسی اُردو اخبار کو ایسی شہرت نصیب نہیں ہوئی - ایک شمارے میں اخبار عام صحیح زبان کے جواز میں دلیل پیش کرتا ہے کہ ہمارا اخبار سب سے پہلے اخبار ہے اور زبان و ادب کا معیار ثانوی حیثیت رکھتا ہے - اس دلیل پر معاصرین نے مضحکہ اُڑایا ، کیوں کہ اُن دنوں زبان کی صحت کو اور رنگین نثر کو بہت

اہمیت دی جاتی تھی - بہر حال میرے نزدیک یہ دلیل نہایت مناسب ہے، کیوں کہ آج کے دور میں اخبار کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ حالات کو اس طرح واضح انداز میں پیش کرے کہ غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے -"

ابتدائی دور میں 'اخبار عام' کی زبان اچھی تھی - غالباً ڈاکٹر بول چند بعد کے دور کا ذکر کرتے ہیں، جب اس اخبار کا پرانا ٹھاٹھ باٹھ ختم ہو چکا تھا - بہر حال 'اخبار عام' خبروں اور تبصروں کے لحاظ ہی سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے بھی اردو صحافت کے جدید دور کا نقیب اول تھا کہ اس نے ایک پیسہ قیمت رکھ کر اور سادہ زبان استعمال کر کے اخبارات کو عوام تک پہنچانے کی سعی کی -

انیسویں صدی کے آخر میں 'اخبار عام' روزانہ ہو گیا - چند سال بعد سہ روزہ ہو گیا - ۱۹۲۰ء میں پھر روزانہ ہو گیا - لیکن ایک سال کے بعد محسوس ہوا کہ روزانہ اخبار نہیں چلے گا - چناں چہ پھر سہ روزہ ہو گیا اور آخر کار ۱۹۳۰ء میں بند ہو گیا - گزیٹیر آف دی لاہور ڈسٹرکٹ (۱۸۹۳-۹۴ء) میں بتایا گیا ہے کہ اس سال اس کی روزانہ اشاعت دو ہزار تین سو اٹھاون تھی - اس کے مقابلے پر 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کی اشاعت چودہ سو تھی اور لاہور میں یہی دو روزانہ اخبار موجود تھے - پنجاب گورنمنٹ نیوز پیپرز لسٹ (۱۸۹۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال 'اخبار عام' کی اشاعت دو ہزار چھ سو تک پہنچ گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار کا دائرۂ اثر کتنا وسیع تھا اور یہ کہ اس کی اشاعت برابر بڑھ رہی تھی -

پیسہ اخبار

جب 'اخبار عام' اپنی زندگی کے سترہ سال گزار چکا، تو 'پیسہ اخبار' وجود میں آیا، جس کے بانی منشی محبوب عالم تھے - انھوں نے صحافت کی دنیا میں بڑی ہمت اور استقلال سے کام کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اخباری 'زنجیرہ' کے مالک بن گئے، جس نے اردو

صحافت کو بے حد متاثر کیا۔

منشی محبوب عالم فروری ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ ضلع گوجرانوالہ میں فیروز والہ کے مقام پر رہتے تھے - ۱۸۸۵ء میں اسی مقام پر مطبع خادم التعلیم قائم کیا ۔ زراعت میں دل چسپی تھی ۔ انجمن ترقی زراعت کے سیکرٹری بھی تھے ، اس لیے آنھوں نے جنوری ۱۸۸۶ء میں ایک ماہانہ رسالہ 'زمیندار' جاری کیا ۔ 'اختر شہنشاہی' کے مطابق یہ پچیس چھوٹے اوراق پر مشتمل ہوتا تھا ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے : "فن زراعت و فلاحت و باغ بانی و علاج المویشی و نخل بندی و صنعت و حرفت و تجارت کا یہ ماہ وار رسالہ جو ملک میں ترقی دولت کا ایک آلہ ہے اور زمینداروں کے لیے حکم آب حیات کا رکھتا ہے ۔" [۱۴۵ صفحہ] ۔

'اختر شہنشاہی' ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی محبوب عالم نے فیروز والہ سے ایک هفت روزه اخبار 'همت' جاری کیا ۔ یہ یکم جنوری ۱۸۸۷ء کا ذکر ہے ۔ ہر پرچہ اوسط تقطیع کے چار اوراق پر مشتمل ہوتا تھا اور اس کا سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ 'اختر شہنشاہی' میں لکھا ہے ، "ملک میں اس خوبی کا پہلا اخبار ہے ۔ اس کے دو صفحوں پر دو تین سو خبریں درج ہوتی ہیں ۔ کسی ایک اخبار میں اس قدر مجموعہ خبروں کا نہیں مل سکتا ۔ خوبی دیکھنے پر منحصر ہے ۔"
[صفحات ۲۸۹-۹۰]

فیروز والہ ہی سے اسی سال ۱۸۸۷ء میں منشی محبوب عالم نے 'پیسہ اخبار' جاری کیا ۔ یہ ہر ہفتے آٹھ چھوٹے صفحوں پر نکلتا تھا ۔ اس کا سالانہ چندہ صرف بارہ آنے تھا ، البتہ محصول ڈاک کے لیے تیرہ آنے مزید وصول کیے جاتے تھے ۔
[اختر شہنشاہی صفحہ ۷۷]

یہی 'پیسہ اخبار' فیروز والہ سے لاہور منتقل ہوا اور صدی کے آخر میں روزنامہ بن گیا اور اس کی ہر دل عزیزی اتنی بڑھی کہ 'اخبار عام' بھی ماند پڑ گیا اور جب تک 'زمیندار' منظر عام پر نہ آیا صحافت کی

دنیا میں اس کا چرچا رہا ۔

منشی محبوب عالم کی ابتدائی زندگی بقول بدر شکیب بڑی غربت اور افلاس میں بسر ہوئی اور جب پہلے پہل اخبار نکالا تو اس کی کتابت اور سنگ سازی خود ہی کرتے تھے ۔ بمبئی کے ایک آرڈر کی وجہ سے انھیں دو ہزار روپے ملے جس سے کچھ خوش حالی نصیب ہوئی ۔ رفتہ رفتہ انھیں اتنی ترقی ملی کہ لاہور میں ایک عالی شان مطبع تھا، جس میں سترہ مشینیں نصب تھیں ۔ اخبارات کا ایک زنجیرہ قائم تھا ۔ روزنامہ 'پیسہ اخبار' کے علاوہ اس کا ہفت روزہ ایڈیشن بھی نکلتا تھا ۔ لندن کے 'ٹٹ بٹس' کی تقلید میں 'انتخاب لاجواب' نکلا جس میں لطائف، دل چسپ اقتباسات، سائینسی معلومات وغیرہ شائع ہوتی تھیں ۔ بچوں کے لیے 'بچوں کا اخبار' جاری تھا ۔ عورتوں کے لیے 'شریف بی بی'، زراعت کے فروغ کے لیے رسالہ 'زمیندار' اور بعد میں رسالہ 'باغ بان' نکلا ۔ ایک رسالہ 'کلید امتحان' کے نام سے جاری تھا ۔ مختلف موضوعات پر سات سو کتابیں چھاپیں، جن کے کئی کئی ایڈیشن نکلے ۔ ان میں پچاس کے قریب کتابوں کے وہ خود مصنف تھے ۔ عروج کے زمانے میں ان کے چھاپہ خانے اور دفتر میں آگ لگ گئی جس سے تقریباً دو لاکھ کا نقصان ہوا ۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن سے ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہوا، جو بیس سال تک جاری رہا ۔ منشی محبوب عالم نے مئی ۱۹۳۳ء میں وفات پائی ۔ روزانہ 'پیسہ اخبار' تو مدت سے بند تھا، لیکن باقی اخبار اور رسائل بھی زوال پذیر ہوئے ۔ پہلے 'انتخاب لاجواب' بند ہوا، پھر پیسہ اخبار ۔ تقسیم کے بعد مولوی صاحب کی صاحب زادی فاطمہ بیگم، منشی فاضل نے 'خاتون' کے نام سے ایک اردو روزنامہ خاص عورتوں کے لیے جاری کیا جو دو تین سال بعد بند ہو گیا ۔ یہی اخبار پہلے ہفت روزہ کی صورت میں بمبئی میں نکلتا تھا ۔

۱۹۰۰ء میں منشی محبوب عالم انگلستان گئے ۔ سر سید کے بعد وہ اردو کے دوسرے اخبار نویس تھے جنھوں نے یورپ کا سفر کیا ۔ سر سید وہاں سے ایڈیسن اور سٹیل کے اخبارات کی تقلید میں

'تہذیب الاخلاق' کے اجراء کا تخیل لے کر آئے - منشی محبوب عالم چوں کہ ہر دل عزیز صحافت کے علم بردار تھے ، اس لیے لندن کے ہفت روزہ 'ٹٹ بٹس' سے متاثر ہوئے اور یہاں آ کر انھی خطوط پر 'انتخاب لاجواب' جاری کیا - یورپ کے تاثرات کو انھوں نے 'سفر نامۂ یورپ' کی شکل دی اور حکومت پنجاب نے اس پر انھیں چار سو روپے کا انعام دیا - بہر حال ڈاکٹر بول چند کا یہ کہنا ، کہ اردو صحافیوں کے لیے انگریزی زبان کے علم کی ضرورت منشی محبوب عالم کی ایجاد تھی ، غلط ہے - جب سے اردو صحافت کی ابتداء ہوئی ہے اردو صحافی انگریزی زبان کی اہمیت سے واقف رہے ہیں اور وہ خبریں اور مضامین انگریزی اخباروں سے ترجمہ کرتے رہے ہیں - یہ بھی غیر صحیح ہے کہ 'پیسہ اخبار' سے پہلے اردو اخبارات سردی اور گرمی کی مدح اور قلم اور تلوار کے منظوم معرکوں سے لبریز ہوتے تھے اور 'پیسہ اخبار' نے انھیں صحافت کی مبادیات سے آگاہ کیا - اسی طرح ڈاکٹر بول چند کا یہ قول بھی درست نہیں کہ ایک پیسہ فی پرچہ قیمت 'پیسہ اخبار' سے شروع ہوئی ، کیوں کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ 'اخبار عام' کی قیمت بھی ایک پیسہ تھی -

بہر حال یہ واضح ہے کہ اردو صحافت کی ترقی میں 'پیسہ اخبار' ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا - اس کی وجوہ یہ ہیں :

۱- 'کوہ نور' کے بعد لاہور میں 'پیسہ اخبار' پہلا اخبار تھا جہاں مستقبل کے کئی صحافیوں نے اولین تربیت حاصل کی یا اس میں نمایاں کام کیا - مثلاً لالہ دینا ناتھ ، جنھوں نے بعد میں 'ہندوستان' جاری کیا - حکیم غلام نبی جو بعد میں 'الحکماء' کے مدیر ہوئے - منشی احمد دین ، جنھوں نے 'غم خوار عالم' جاری کیا - منشی محمد دین فوق ، جنھوں نے 'کشمیری میگزین' نکالا اور بے شمار اچھی کتابیں تصنیف کیں اور مولوی شجاع الدولہ ، جنھوں نے بعد میں 'ملت' کی ادارت سنبھالی -

ان سب سے زیادہ نمایاں شخصیت میر جالب دہلوی کی تھی جو 'پیسہ اخبار' کے مدیر رہے ۔ مولانا سالک اپنی 'سرگزشت' میں جالب کو 'وسعت معلومات اور روانیٔ تحریر کے اعتبار سے اردو اخبار نویسی کے اکابر' میں شمار کرتے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں : ''معلومات کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ میں ان کے ساتھ اکبری دروازے کے باہر جا رہا تھا ۔ آپ ایک دکان پر حقے کی چلم خریدنے کھڑے ہوگئے ۔ بڑی دیکھ بھال کے بعد ایک چلم پسند کی اور اس کے ساتھ ہی چلموں کی تاریخ بیان کرنے لگے ۔ اکبر بادشاہ کے درباری حکیم ابوالفتح گیلانی کے زمانے سے لے کر حقے کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے پنجاب کے چھوڑے تک پہنچ گئے اور ہندوستان کے مختلف حصوں کی چلموں کی شکل صورت اور اُن کے ارتقاء کی داستان ایسے تسلسل سے بیان کی کہ اگر میں چاہتا تو گھر پہنچ کر چلم پر ایک چھوٹی موٹی کتاب لکھ ڈالتا ۔ اس زمانے میں 'پیسہ اخبار' کے افتتاحیے نہایت پرمغز ہوتے تھے ، کیوں کہ میر صاحب کی معلومات اور اُن کا بے نظیر حافظہ سطر سطر میں جلوہ‌گر نظر آتا ۔ لیکن جب رئیس الاحرار مولانا محمد علی نے دہلی سے 'ہمدرد' جاری کیا ، تو میر جالب پر اُن کی نظر انتخاب پڑی اور آپ میر صاحب کو 'ہمدرد' میں لے گئے ۔ 'پیسہ اخبار' میں میر صاحب کو بہ مشکل نوے روپے ملتے تھے ، 'ہمدرد' میں ڈھائی سو ملنے لگے ۔ پھر وہاں سے میر صاحب لکھنؤ جا کر مہاراجہ صاحب محمود آباد کے اخبار 'ہمدم' کو مرتب کرنے لگے اور سال ہا سال تک اس میں اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے رہے ۔ آخری عمر میں اپنا روزنامہ 'ہمت' جاری کیا جو آپ کے انتقال کے بعد بند ہو گیا ۔

۲- 'پیسہ اخبار' کی دوسری خصوصیت اس کی متانت اور سنجیدگی

تھی ۔ اس پر سرسید کی صحافت کا پرتو تھا ، اس لیے تبصروں میں ہمیشہ توازن نمایاں تھا ۔ پنچ اخبارات سے قطع نظر یہ اس عہد کی اردو صحافت کی عام خصوصیت تھی جس میں 'پیسہ اخبار' ممتاز تھا ۔ جب 'زمیندار' جاری ہوا اور مولانا ظفر علی خان کی بگولہ صفت تیز و تند صحافت کا آغاز ہوا تو یہی سنجیدگی 'پیسہ اخبار' کو لے ڈوبی ، کیوں کہ عوام کا مذاق بدل گیا تھا ۔ وہ اخباری تبصرہ میں رکھ رکھاؤ اور اعتدال پسند نہیں کرتے تھے ۔

۳۔ 'اخبار عام' ایک غیر فرقہ وار اخبار تھا ، اگرچہ کبھی کبھی ہندوؤں کے حق میں بھی لکھتا تھا ۔ اس کے مقابلے پر 'پیسہ اخبار' اسلامی اخبار تھا ۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کا علم بردار تھا - اسلامی تحریکوں کا حامی تھا ۔ مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے کی کوشش کرتا تھا ، لیکن سیاست میں انتہا پسند نہیں تھا ۔

۴۔ اردو صحافت میں ابتداء سے ادب کا عنصر غالب رہا تھا ۔ 'پیسہ اخبار' میں 'اخباریت' غالب تھی ۔ مضامین اور اداریے ان موضوعات پر لکھے جاتے تھے جن کا لوگوں کی روز مرہ زندگی کے مسائل سے تعلق تھا ۔ چوں کہ سنسنی خیز صحافت اور رنگ آمیزی کا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا اس لیے مقالے ٹھوس ہوتے تھے ۔

۵۔ 'پیسہ اخبار' نے صحافت کو تجارت کے اصولوں پر چلایا ۔ قیمت کم رکھی ، اشتہارات کی فراہمی پر زور دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں بے شمار اور اخبار سسک سسک کر مر گئے وہاں 'پیسہ اخبار' نصف صدی سے زیادہ عرصہ زندہ رہا ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہے ۔

۶۔ اپنے معاصرین کے مقابلے پر اس اخبار کی اشاعت زیادہ تھی ۔ اس سلسلے میں اعداد و شمار ملاحظہ ہوں :

سال	هفت روزه	روز نامه
۱۸۹۴ء	۵۱۰۰	—
۱۸۹۷ء	۱۱۰۰۰	۱۰۰۰
۱۹۱۵ء	۵۷۶۰	۱۶۵۰
۱۹۱۷ء	۳۵۰۰	۱۰۹۹

۱۹۲۴ء میں روزانہ پرچہ بند ہو گیا اور بیسویں صدی کے تقریباً وسط میں 'پیسہ اخبار' کے زنجیرہ سے وابستہ کوئی اخبار یا رسالہ باقی نہ رہا ۔ البتہ پیسہ اخبار سٹریٹ کا نام اس کی یاد دلاتا رہتا ہے ۔

وکیل

انیسویں صدی کے اواخر میں امرتسر سے هفت روزہ 'وکیل' جاری ہوا جو اصابت فکر ، بیان کی متانت اور مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کے لیے سارے ہندوستان میں ایک عرصے تک مشہور رہا ۔ مولانا محمد علی لکھتے ہیں : ''وکیل آردو صحافت کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے ۔ اس کے خیالات ہمیشہ دانش مندانہ اور پر وقار رہے ہیں ۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ ذہنی رواداری کا مظہر تھا اور یہ وہ خوبی ہے جو اس دور کے بہتر انگریزی اخباروں میں بھی شاذ ہی ملتی ہے [کامریڈ - ۱۷ فروری ۱۹۱۲ء] ۔ اس کے مالک شیخ غلام محمد تھے جن کا ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا ۔ آنھوں نے اپنی قوم کی حالت سدھارنے کے لیے یہ هفت روزہ جاری کیا جو بعد میں سہ روزہ ہو گیا ۔ اس اخبار سے بڑی بڑی شخصیتیں وابستہ رہیں ۔ مثلاً مولانا عبداللہ العمادی ، مولانا ابوالکلام آزاد ۔ آخری دور میں مولانا عبداللہ منہاس ایڈیٹر مقرر ہوئے ۔ شیخ غلام محمد مرحوم نے اخبار جاری کر۔ ہوئے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا ۔ اسلامی ادب اور اسلامی تار پر بے شمار پمفلٹ اور ٹریکٹ چھاپے جو بے حد مقبول ہوئے ۔

اکیسواں باب

انیسویں صدی میں قوانین صحافت

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد 'قانون زبان بندی' کالعدم ہو گیا - گویا اصولی طور پر صحافت آزاد ہو گئی - عملاً یہ بات غلط تھی، کیوں کہ اجنبی راج کی دہشت اتنی تھی کہ عرصے تک اخبارات کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ کھل کر حکومت پر نکتہ چینی کریں - صدی کا تیسرا ربع گزرا، تو حالات میں تبدیلی واقع ہوئی اور دیسی زبانوں کے اخباروں کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اجنبی حکومت کے ماتحت کلیدی عہدے دیسی باشندوں کو نہیں ملتے تھے، اور جب ملتے تھے، تو ذرا سے بہانے سے چھن جاتے تھے - ہندوستانیوں کے ساتھ انگریز افسروں کا رویہ بہت تحکمانہ اور فرعونی تھا اور کالے اور گورے کے لیے انصاف کا ترازو مختلف تھا - بے شمار کالے گوروں کے ہاتھوں مارے گئے اور مجرم یا تو بری کر دئے گئے، یا ھلکی سی سزا پا کر چھٹ گئے - اس سے حاکم اور محکوم میں تلخی ہوئی - دیسی اخباروں نے ان مسائل پر ذرا تیزی سے لکھا - بعض اخبار حدود سے بھی تجاوز کر گئے - نتیجہ یہ ھوا کہ ارباب اقتدار نے سوچا، اگر اخبارات اسی انداز میں اظہار خیال کرتے رہے، تو اس سے انگریزی راج کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی - چناں چہ تجویز ہوئی کہ دیسی صحافت کو پابند کرنے کے لیے قانون بنایا جائے - اس سلسلے میں وائسرائے کی کونسل کے ایک رکن سر جے - اے - آربتھ ناٹ (Arbuthnot) نے دیسی اخباروں کی غلط بیانیوں اور اشتعال انگیزیوں کے ثبوت میں یہ اقتباس پیش کیے، جو ہم انگریزی سے آردو

میں ترجمہ کر رہے ہیں:

"انگریز حکام نے نمک پر ٹیکس میں اس لیے اضافہ کیا ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو اس قابل بنائیں کہ وہ انگلستان سے اس ملک میں نمک درآمد کریں اور دیسی باشندوں کے نقصان پر خود دولت مند بن جائیں۔"

"تمام قانون صرف ہندوستانیوں پر حاوی ہیں۔ انگریز ان سے آزاد ہیں۔ یورپی باشندوں کو اجازت ہے کہ وہ بغیر تامل کے دیسی باشندوں کو قتل کریں۔"

"حکومت برطانیہ ایک حسین دوشیزہ کی طرح ہے، جس کی ادائیں پر کشش ہیں، لیکن وہ نہایت چالاک، مکار اور سنگ دل ہے۔ سب لوگ اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔ وہ کبھی ایک عاشق سے پیار کرتی ہے، کبھی دوسرے سے محبت کی پینگیں بڑھاتی ہے۔ اس طرح رقیبوں میں جنگ ہوتی ہے اور وہ ختم ہو جاتے ہیں۔"

۱۸۷۸ء میں لارڈ لٹن کی حکومت نے ورنیکلر پریس ایکٹ نافذ کیا اور کہا کہ دیسی اخباروں کی باغیانہ روش نے حکومت کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ 'غیر معمولی رواداری' میں کمی کرے۔ آزادیٔ صحافت ایک ایسی رعایت ہے جسے نہایت عقل و دانش کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے۔ یہ کوئی مقدس مجسمہ نہیں، جس کی پرستش ہر حال میں مذہبی فریضہ سمجھا جائے۔ اس قانون کی رو سے صرف دیسی زبانوں میں چھپنے والے اخبار پابند کیے گئے تھے، اس لیے اس کی زد سے بچنے کی غرض سے کلکتہ کے بنگالی اخبار 'امرت بازار پترکا' نے فوراً انگریزی زبان میں نکلنا شروع کر دیا۔ یہ اخبار اب بھی جاری ہے۔ اس قانون کے ماتحت ہر دیسی اخبار کے پرنٹر اور ناشر کو اس امر کی ضمانت دینے پر مجبور کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی ایسا مواد نہ چھاپے گا جس سے حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات

پیدا ہوں، یا برطانوی رعایا کے مختلف طبقات میں باہمی مخالفت اور حقارت زور پکڑے۔ اگر کوئی اخبار ایسا مواد چھاپتا تھا، تو پہلے اسے انتباہ کیا جاتا تھا۔ اگر وہ دوسری مرتبہ اسی جرم کا ارتکاب کرتا، تو اس کا چھاپہ خانہ ضبط کر لیا جاتا تھا۔ بہر حال جو اخبار چاہتے مجوزہ طریقے پر اپنا مواد چھپنے سے قبل سنسر کرا کے قانون کی زد سے بچ سکتے تھے۔

ہر طرف سے اس قانون کی مخالفت ہوئی۔ صرف نوکر شاہی اس کی حامی تھی۔ خود برطانوی پارلیمنٹ میں اسے غیر ضروری، نا مناسب اور سخت گیر قرار دیا گیا۔ اس قانون پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ صرف دیسی اخباروں کو پابند کرنا خلاف انصاف ہے، اگر پابند ہی کرنا تھا تو سارے اخباروں کو کیا جاتا۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ قانون حقیقی معنوں میں مؤثر ثابت نہیں ہوگا۔ اور یہ درست بھی تھا۔ چار سال کے عرصے میں ایک بار بھی ورنیکلر پریس ایکٹ کسی اخبار کے خلاف مکمل طور پر استعمال نہ کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں پنجاب میں کل چونتیس چھاپہ خانے موجود تھے، جن میں سے صرف پانچ بند کیے گئے۔ بہر حال اس کا مجموعی اثر اچھا نہ ہوا اور اخباروں کی ترقی قدرے رک گئی اور تحریر کی آزادی سلب ہونے سے اخبارات کی دل چسپی گھٹ گئی اور اس عرصے میں نئے اخبار کم نکلے۔ ۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن نے یہ قانون منسوخ کر دیا اور آزادیٔ صحافت پھر سے تسلیم ہو گئی۔ لارڈ رپن ہی کے عہد میں دیسی اخباروں پر دو پیسے کی جگہ ایک پیسے کا ڈاک کا ٹکٹ لگنے لگا۔ البرٹ بل ایجی ٹیشن، کانگرس کے قیام اور اس کی مخالفت نے اخباروں میں زیادہ دل چسپی پیدا کی اور اس طرح صحافت میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

۱۸۸۹ء کا ذکر ہے۔ 'امرت بازار پترکا' نے کشمیر کے بارے میں دفتر خارجہ کی ایک خفیہ دستاویز چھاپ دی۔ اس پر حکومت ہند نے 'راز ہائے سرکاری کا قانون' نافذ کر دیا۔ اس کے ماتحت ہر اس شخص کو جرم کی نوعیت کے مطابق حبس دوام یا پانچ سال کے لیے

عبور دریائے شور کی سزا یا دو سال تک قید کی سزا دی جا سکتی تھی جو کسی ایسے مقام پر گیا ہو جہاں سے سرکاری راز حاصل ہو سکتے ہوں اور جہاں اُسے جانے کی اجازت نہ ہو، یا جس نے کوئی سرکاری راز حاصل کر کے کسی اور تک پہنچایا ہو یا اُسے شائع کیا ہو۔

۱۸۹۴ء میں لارڈ الگن گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کے عہد میں بمبئی میں پہلے قحط پڑا، پھر طاعون کی وبا پھیلی۔ وبا کی روک تھام کے لیے حکومت نے نیک نیتی سے بعض ایسے قدم اٹھائے جن کا مقصد یہ تھا کہ طاعون پھیلنے نہ پائے۔ اس سلسلے میں مریضوں کا پتہ لینے کے لیے فوجیوں نے بعض مکانوں کی تلاشی لی۔ اس پر تلک کی قیادت میں لوگوں نے ایجی ٹیشن کی اور اس نے متشدد صورت اختیار کر لی۔ نیز ہندوستان کے دوسرے مقامات پر بھی حکومت کے خلاف ہنگامے ہوئے جو اُس عمومی سیاسی بے چینی کا نتیجہ تھے جو ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا اثر اخبارات پر بھی پڑا۔ چناں چہ حکومت نے ۱۸۷۰ء کے قانون بغاوت کو زیادہ واضح صورت دے دی۔ یہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۴۔الف کہلاتی ہے۔ اس کا مکمل متن ملاحظہ ہو:

''کوئی شخص جو بہ ذریعہ تقریر یا تحریر، علامات یا شبیہات مرئیہ یا اور طرح پر حکومت کے خلاف جو برطانوی ہند میں از روئے قانون قائم ہے، خیالات نفرت، حقارت یا بد خواہی پیدا کرے یا پیدا کرنے کی کوشش کرے، اُس کو حبس دوام یا کسی کم تر مدت کی سزا دی جائے گی۔ حبس میں جرمانے کا بھی اضافہ کیا جائے گا، یا قید کی سزا دی جائے گی جس کی مدت تین سال تک ہو سکے گی، جس میں جرمانے کا اضافہ بھی کیا جا سکے گا، یا جرمانے کی سزا دی جائے گی۔

تشریح: ۱۔ 'بد خواہی' میں غیر وفادارانہ طرز عمل اور دشمنی کے تمام احساسات شامل ہوں گے۔

۲ - اگر ایسی نکتہ چینی کی جائے جس میں حکومت کے اقدامات پر اس نقطۂ نگاہ سے اظہار ناپسندیدگی کیا جائے کہ قانونی ذرائع سے کام لے کر اُن میں تبدیلی کرائی جائے اور اس میں نہ نفرت اور بدخواہی پیدا کی جائے ، نہ اس کی کوشش کی جائے ، تو یہ جرم نہ ہوگا ۔

۳ - بغیر نفرت اور بدخواہی پیدا کرنے یا اس کی کوشش کے اگر انتظام سرکار پر نکتہ چینی یا اظہار ناپسندیدگی کیا جائے ، تو یہ جرم نہ ہوگا ۔"

اس کے علاوہ تعزیرات ہند میں دفعہ ۱۵۳ - الف کا اضافہ کیا گیا ، جس کا متن یہ ہے :

"کوئی شخص جو بہ ذریعہ تحریر یا تقریر یا علامات یا شبیہات مرئیہ یا اور کسی طرح ملک معظم کی رعایا کے مختلف فرقوں کے مابین عداوت یا حقارت پیدا کرے ، یا پیدا کرنے کی کوشس کرے ، اُس کو سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو سال تک ہو سکے گی ، یا جرمانہ ہوگا ، یا سزائے قید اور جرمانہ دونوں ہو سکیں گے ۔

تشریح : اس دفعہ کے مقاصد کے لیے اگر بغیر کینے کے اور دیانت داری کے ساتھ ایسے معاملات کی اصلاح کے لیے کوئی قدم اُٹھایا جائے جن سے ملک معظم کی رعایا کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت یا حقارت پیدا ہو رہی ہو ، یا اس کے پیدا ہونے کا امکان ہو ، تو یہ جرم نہ ہوگا ۔"

تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۵ میں ترمیم کی گئی اور اس کی نئی صورت یہ ہو گئی :

"کوئی شخص جو کوئی بیان یا افواہ یا خبر شائع کرے یا پھیلائے ۔

الف : اس نیت سے یا اس امر کے احتمال سے کہ ملک معظم کی

بحری یا بری افواج کا کوئی افسر یا سپاہی یا ملاح بغاوت کرے ، یا اور طریقے پر اپنے فرائض کو انجام نہ دے یا اُن کی انجام دہی میں قاصر رہے - یا

ب : اس نیت سے یا اس امر کے احتمال سے کہ عامۂ خلائق یا کسی فرقے میں خوف یا گھبراہٹ پیدا ہو، یا اس کے ذریعے سے کسی شخص کو کسی جرم خلاف سرکار یا امن عامہ کے ارتکاب کی تحریک ہو - یا

ج : اس نیت سے یا اس امر کے احتمال سے کہ کسی فرقہ یا جماعت اشخاص کو کسی دوسرے فرقہ یا جماعت اشخاص کے مقابلے میں کسی جرم کے ارتکاب کی تحریک ہو ، اس کو قید کی سزا دی جائے گی ، جس کی میعاد دو سال تک ہو سکے گی یا جرمانے کی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی -

استثناء : اس دفعہ کی اغراض کے لیے کوئی ایسا فعل جرم نہیں ہوگا جب وہ شخص کسی بیان یا افواہ یا خبر کو شائع کرے یا پھیلائے یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھتا ہو کہ وہ بیان یا افواہ یا خبر سچ ہے اور اس کو مذکورہ بالا نیت کے بغیر شائع کرے یا پھیلائے -''

ان قوانین نے جہاں صحافت کو پابند کیا ، وہاں ان کی تشریحات اور مستثنیات نے صحافیوں پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ نکتہ چینی میں کہاں تک آگے بڑھ سکتے ہیں اور ذہین اور چابک دست صحافیوں نے ان سے پورا فائدۂ اُٹھایا اور وہ عوام میں بیداری پیدا کرنے کے کام میں ہمہ تن مصروف رہے -

بائیسواں باب

بیسویں صدی کا آغاز—۱

سیاسی پس منظر

جب انیسویں صدی ماضی کا جزو بن گئی اور بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو بر عظیم کی سیاست اور رائے عامہ نے بھی نئی اور انقلابی کروٹیں لیں۔ نئی جماعتیں بنیں، نئی تحریکیں پروان چڑھیں اور ان کی کوکھ سے ایک نئی صحافت نے جنم لیا اور آناً فاناً طول و عرض ہند میں محمد علی، ظفر علی خان اور ابوالکلام آزاد کا طوطی بولنے لگا جو سیاست دان بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان کے جلو میں کئی اور اخبار بھی جاری ہوئے۔ معتدل مزاج اخبار عوام کی نظروں سے گرنے لگے اور تیز و ترش صحافت مقبول ہو گئی۔ اشاعتیں بڑھیں، داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تا آں کہ پہلی جنگ عظیم نے ایک سکوت طاری کر دیا اور جونہی جنگ ختم ہوئی مدت سے دبا ہوا لاوا پھوٹ پڑا۔ سیاست نے نیا رنگ اختیار کیا اور صحافت نے بھی چولا بدل لیا۔

پہلی جنگ عظیم سے قبل کی طوفانی صحافت کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پس منظر میں جو سیاست تھی اس کے خدوخال کا اندازہ کیا جائے اور یہ اندازہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم انیسویں صدی کے اواخر سے سیاسی حالات کا جائزہ نہیں لیں گے۔

پون صدی گزری ایک انگریز افسر مسٹر اے۔ او۔ ہیوم کی تحریک پر انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی۔ ہیوم اسے معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ ادھر حکومت ہند نے یہ سوچا کہ اس جماعت کی پیٹھ ٹھونکی جائے تاکہ یہ بہ ظاہر 'اپوزیشن' اور

حقیقت میں اجنبی راج کی پشت پناہ بن سکے ۔ ہندوستانی رائے عامہ کے بڑے بڑے ترجمانوں نے یہ سوچ کر کانگریس کی تائید و حمایت کا بیڑہ اٹھایا کہ انگریز کی حفاظت میں اگر سیاسی پلیٹ فارم ملتا ہے تو اسے استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ۔ چناں چہ کانگرس کا سالانہ اجلاس ہونے لگا ۔ ہر اجلاس میں پہلے اجنبی راج سے غیرمتزلزل وفاداری کا پیمان باندھا جاتا اور اس کے بعد بڑے مؤدب انداز میں درخواست پیش کی جاتی تھی کہ پارلیمانی اداروں کی توسیع عمل میں لائی جائے اور نظم و نسق کی مشینری سے زیادہ ہندوستانیوں کو وابستہ کیا جائے ۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سر سید کانگرس میں مسلمانوں کی شمولیت کے خلاف تھے ۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اصلاح معاشرہ اور تحصیل علم میں مصروف رہیں تاکہ برادران وطن نے جو ترقی اُن سے پہلے کر لی تھی اس سلسلے میں وہ اپنی کمی پوری کر لیں ۔ سر سید کی اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور مسلمان من حیثیت القوم انڈین نیشنل کانگرس سے الگ تھلگ رہے ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ مسلمان رہنما کانگرس میں شامل ہوئے اور اس کی سرگرمیوں میں عملی حصہ لیتے رہے اور کانگرس نے بھی کسی حد تک اپنا 'قومی' رنگ برقرار رکھا ۔

بیسویں صدی کے آغاز میں حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ کانگرس کے قومی کردار اور قومی ہیئت میں فرق آ گیا اور مسلمانوں کو اپنے علیحدہ سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے سوامی دیانند اور اُن کے ساتھیوں نے مغربی دنیا کی اقدار پر ہندو مذہب کی روحانی اقدار کی بہتری اور برتری پر زور دے کر ہندوؤں میں عصبیت پیدا کی ۔ ہندوؤں میں بال گنگا دھر تلک جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو اگرچہ نیک نیتی سے ملک کو آزاد کرانے کی قائل تھیں لیکن وہ عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لیے ہندو نعروں پر انحصار کرتی تھیں ۔ چناں چہ تلک ہی نے سیوا جی کو قومی ہیرو قرار دیا اور دوربین مسلمان بھانپ گئے کہ تلک کس قسم کے نیشنلزم کا قائل ہے ۔ اس سے کانگرس میں مسلمانوں کی دل چسپی گھٹنے لگی، یہاں تک

کہ ۱۹۰۵ء میں بنارس کے مقام پر کانگرس کا جو سالانہ اجلاس منعقد ہوا اُس کے سات سو چھپن مندوبین میں مسلمانوں کی تعداد صرف سترہ تھی۔گویا مسلم لیگ کے معرض وجود میں آنے سے قبل ھی کانگرس کا قومی کردار اور قومی ھیئت بدل گئی اور وہ عملاً ایک ھندو جماعت بن گئی، حالاں کہ اس وقت تک کانگرس پر تلک اور اس کے رفقاء کا انتہا پسند گروپ برسر اقتدار نہیں آیا تھا۔

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مغربی بنگال، جس کا دارالحکومت کلکتہ تھا اور مشرقی بنگال، جس کا دارالحکومت ڈھاکہ بنا دیا گیا۔ اس اقدام کی دو وجوہ تھیں: انتظامیہ اور سیاسی۔ انتظامیہ وجہ یہ تھی کہ بنگال کی کل آبادی سات کروڑ تھی۔اتنی بڑی آبادی کے صوبے کا نظم و نسق چلانے میں بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔اس لیے انتظامیہ امور میں سہولت کی غرض سے دو صوبے بنا لیے گئے۔ دوسری وجہ سیاسی تھی۔ بنگال کے ھندو زیادہ تر مغربی بنگال میں تھے اور زیادہ تر ترقی مغربی بنگال ھی نے کی۔ مشرقی بنگال اتنا پس ماندہ رھا کہ آج تک اس کی پس ماندگی کے آثار باقی ھیں۔ سوچا گیا کہ اگر مشرقی بنگال الگ صوبہ بن جائے اور ڈھاکہ اس کا دارالحکومت بن جائے، تو اس سے مشرقی بنگال کے پس ماندہ عوام کو فائدہ ھوگا اور ان میں مسلمان غالب اکثریت میں تھے۔ مسلمانوں میں سیاسی بے داری تو بہت کم تھی لیکن انھوں نے تقسیم بنگال کا خیر مقدم کیا، کیوں کہ اس کے فوائد ظاھر تھے۔

بنگال میں ھندوؤں نے اس کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا۔ تقسیم بنگال کے بارے میں اُن کا نعرہ یہ تھا کہ مادر وطن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے ھیں۔ انھوں نے اس فیصلے کی تنسیخ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ دھشت انگیزی اور قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جا بہ جا بم پھٹنے لگے۔ انگریز افسر موت کے گھاٹ اترنے لگے۔ بنگالی زبان کے اخباروں نے انگریزوں اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی مہم جاری کر دی۔ تلک اور بپن چندر پال

اور آربندو گھوش نے تقسیم کی مخالفت کی اس تحریک سے پورا فائدہ اٹھایا ۔ کانگرس نے دھشت انگیزی کی تو مذمت کی ، لیکن تقسیم کی تنسیخ کا مطالبہ کر دیا اور بدیشی مال کے مقاطعہ کی تحریک پر صادر کر دیا ، تاکہ حکومت برطانیہ کو مجبور کر دیا جائے ۔

مسلمانوں اور کانگرس کے درمیان اس سے مزید بُعد پیدا ھوا اور مسلمانوں کو بھی اپنی سیاسی تنظیم کا خیال آیا ۔ انھوں نے یہ بھی سوچا کہ لبرل پارٹی کے بر سر اقتدار آنے پر اصلاحات نافذ ھوں گی اور ان میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لیے سیاسی تنظیم ضروری ھے ۔ چناں چہ انھوں نے دو اھم قدم اٹھائے ۔ اول سر آغا خان کی قیادت میں مسلمان رہنماؤں کے ایک وفد نے ۱۹۰۶ء میں نئے وائس رائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی اور اُن سے کہا کہ اگر حکومت کے نیابتی اداروں میں توسیع ھو ، تو مسلمان کو مناسب تحفظات دیے جائیں ۔ مرکزی اور صوبائی قانون ساز مجالس اور بلدیاتی اداروں کے انتخابات میں جداگانہ انتخاب رائج کیا جائے ، یعنی مسلمان اپنے مخصوص حلقوں سے اپنے نمائندے منتخب کریں ۔ لارڈ منٹو نے اس سے اتفاق کیا ۔ چناں چہ ۱۹۰۹ء میں جب مارلے منٹو اصلاحات نافذ ھوئیں ، تو جداگانہ انتخاب کا اصول عمل میں آگیا ۔ ۱۹۰۶ء ھی میں نواب وقار الملک اور نواب ڈھاکہ نے ھندوستان بھر کے مسلمان رہنماؤں کا ایک اجتماع ڈھاکہ میں منعقد کیا ، جہاں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی ۔ اس کے مقاصد یہ تھے :

(ا) مسلمانان ھند میں حکومت برطانیہ سے وفاداری کے جذبات و احساسات کی تخلیق ۔

(ب) مسلمانان ھند کے سیاسی حقوق و مفادات کے تحفظ و فروغ کی سعی اور ادب کے ساتھ ان کی ضروریات اور خواھشات کی توجہ مبذول کرانا ۔

(ج) اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف کیے بغیر مسلمانان ھند میں دوسرے فرقوں کے خلاف احساسات کی روک تھام ۔

اب ایک طرف کانگرس تھی اور دوسری طرف مسلم لیگ ۔ دونوں

جماعتیں معتدل اور نرم سیاست کی قائل تھیں ۔ ان دونوں کے درمیان انتہا پسند طبقہ تھا ، جس کی رہنمائی آربندوگھوش ، بپن چندر پال ، بال گنگا دھر تلک اور پنجاب میں لالہ لاجپت رائے کے ہاتھ میں تھی ۔ بنگال میں دہشت انگیزی کا دور دورہ تھا ۔ بمبئی اور مہاراشٹر میں فساد ہو رہے تھے ۔ پنجاب کے کسانوں میں شدید بے چینی کئی خونیں ہنگاموں کی صورت میں ظاہر ہوئی ۔ ۱۹۰۷ء میں حکومت نے لالہ لاجپت رائے کو جلا وطن کر دیا اور یوں بے چینی میں مزید اضافہ کیا ۔ انتہا پسندوں کے اس گروہ میں نمایاں ترین مسلمان شخصیت مولانا حسرت موہانی کی تھی ، ورنہ عام طور پر مسلمان انتہا پسند تحریکوں سے الگ تھلگ رہے ۔

کانگرس نے مطالبہ کیا کہ نئی اصلاحات جلد نافذ کی جائیں ۔ مجالس قانون ساز قائم کی جائیں ۔ ان میں منتخب شدہ ارکان کی اکثریت ہو ۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں تین ہندوستانی ممبر مقرر کیے جائیں ۔ ایک مطالبے میں یہ بھی کہا گیا کہ قلم رو برطانیہ کی خود مختار نو آبادیات میں جو نظام رائج ہے وہی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ ہندوستان میں نافذ کیا جائے ۔ حکومت برطانیہ کا مفاد اب اسی میں مضمر تھا کہ وہ اصلاحات جاری کر کے کم از کم اعتدال پسند طبقے کو راضی کر لیتی ۔ چناں چہ ۱۹۰۹ء میں مارلے منٹو اصلاحات نافذ ہوئیں ۔ ان کے ماتحت قانون ساز مجالس میں منتخب شدہ ارکان کا تناسب بڑھا دیا گیا ۔ ممبروں کو اختیار دیا گیا کہ وہ عمومی مفاد عامہ کے معاملات پر قرار دادیں پیش کریں ۔ بجٹ پر بحث کریں ۔ عام سوالات کے علاوہ ضمنی سوالات بھی پوچھیں اور وائس رائے کی کونسل میں ایک ہندوستانی ممبر بھی مقرر کیا گیا ۔ نیز مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب رائج ہوا ۔ اعتدال پسندوں نے اسے قبول کر لیا اور انتہا پسندوں نے مسترد کر دیا ۔ اس پر اکثر انتہا پسند لیڈر جیلوں میں بند کر دیے گئے ۔

انتہا پسندوں کی تحریک کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ

ایشیا کی اُس عمومی بے داری کی صدائے بازگشت تھی، جو بیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئی اور اُس کے نتیجے میں ہندوستان میں برطانوی سامراج کے خلاف رائے عامہ منظم ہوئی، جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصے میں اپنے نصف النہار پر تھی۔ صدی کے آغاز تک ایشیائی قومیں اسی خیال میں تھیں کہ یورپی طاقتیں اتنی مضبوط ہیں کہ اُن کی قوت کو للکارنا ایشیائی عوام کے بس کا روگ نہیں۔ اتنے میں جاپان اور روس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ گویا ایشیا اور یورپ کے درمیان محاربہ شروع ہوا۔ اس جنگ میں روس کی عبرت ناک شکست کو ایشیا کے مقابلے پر یورپ کی شکست سے تعبیر کیا گیا۔ ایشیائی عوام نے محسوس کیا کہ اگر جاپان جیسا چھوٹا سا ایشیائی جزیرہ روس جیسی بڑی اور وسیع اقتدار کی حامل یورپی قوت کو ہرا سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ منظم اور مسلسل جد و جہد سے ایشیائی قومیں یورپی تسلط کا جؤا اُتار پھینکنے میں کام یاب نہ ہوں۔ اُدھر مغربی طاقتوں کے بھی کان کھڑے ہوئے اور وہ نئی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئیں۔

۱۹۰۷ء میں روس اور برطانیہ نے ایران پر قبضہ کر کے اسے اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں بانٹ لیا۔ اس بٹوارے نے ایرانی قوم پرستوں میں نئی قوت پیدا کر دی۔ اُنھوں نے 'مشروطہ' یعنی آئین کی تحریک شروع کی اور ایک سال کے اندر اندر خاندان قاچار کا تختہ اُلٹ دیا۔ اگلے سال ترکیہ میں انقلاب برپا ہوا۔ اس کی قیادت انجمن اتحاد و ترقی کے ہاتھ میں تھی، جو ایک عرصے سے زیر زمین رہ کر سلطان عبدالحمید کے آمرانہ نظام حکومت کے خلاف برسرپیکار تھی۔ سلطان عبدالحمید کو تخت سے اُتار دیا گیا اور جمہوری انداز کی حکومت قائم ہوئی، اگرچہ خلافت اور سلطانی کے ادارے برقرار رہے۔ چوں کہ یہ انقلاب حقیقت میں ترکیہ کی نشاۃ ثانیہ کا مظہر تھا اس لیے مغربی طاقتیں اسے ختم کرنے کے درپے ہو گئیں۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا، جو خلافت عثمانیہ کے زیر نگیں تھا۔ عربوں اور ترکوں نے مل کر مقابلہ کیا اور اگرچہ طرابلس اُن کے ہاتھ سے چھن گیا، لیکن اُنھوں نے بہادری اور شجاعت کی جو مثالیں قائم کیں، اُن سے ساری دنیائے اسلام میں اُن

کا نام عزت سے لیا جانے لگا ۔ اب ایک طرف روس نے ایران پر ایک اور ضرب لگائی اور مشہد مقدس پر گولہ باری کی ۔ دوسری طرف بلقانی ریاستوں نے مغرب کی بڑی طاقتوں کی شہ پر ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء میں ترکیہ کے خلاف دوبارہ جنگ کا اعلان کیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکیہ سے زیادہ تر یورپی مقبوضات چھن گئے ۔

دنیائے اسلام پر جو آفتیں آئیں ، اُن سے ہندوستان کے مسلمان بہت متاثر ہوئے ۔ جو لوگ سیاست کو ابھی تک شجر ممنوعہ سمجھتے تھے اب سامراج کے خلاف میدان میں اُتر آئے ۔ محمد علی ، ظفر علی خاں اور ابوالکلام آزاد اسی زمانے میں عوام میں زیادہ مقبول ہوئے اور طول و عرض ہند میں اُن ہی کے اخباروں اور تقریروں کا غلغلہ رہا ۔ یہ تینوں دنیائے اسلام سے ہم دردی اور مغربی سامراج کی دشمنی میں ہم خیال تھے ، لیکن ملکی سیاست میں ان کے راستے مختلف تھے ۔ محمد علی مسلمانوں کے مطالبات منظور کرائے بغیر مشترکہ جد و جہد میں کانگرس کا ساتھ دینے سے محترز تھے ۔ ابوالکلام آزاد مسلمانوں کو بغیر تصفیۂ حقوق کانگرس میں شامل ہو کر تحریک آزادی میں حصہ لینے کی تلقین کرتے تھے اور ظفر علی خاں ان دونوں کے بین بین تھے ۔

۱۹۱۲ء میں جب دہلی دارالسلطنت بنایا گیا اور لارڈ ہارڈنگ (وائسرائے) پہلی بار اس شہر میں داخل ہوئے ، تو چاندنی چوک میں اُن پر بم گرایا گیا ۔ چند ماہ بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اپنے روائتی نرم لہجے میں دنیائے اسلام کے بارے میں اپنے آپ کو رائے عامہ سے ہم‌آہنگ کر لیا اور ملکی سیاست میں بھی لیگ اور کانگرس کے درمیان قرب پیدا ہونے لگا ۔ اسی دور میں دو مذہبی تحریکیں اٹھیں جو حقیقت میں سیاسی مقاصد پر مبنی تھیں ۔ مولانا شوکت علی نے انجمن خدام کعبہ کی بنیاد رکھی ، جس کا مقصد یہ تھا کہ مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے برصغیر کے مسلمانوں کو منظم کیا جائے ۔ دوسری طرف مولانا عبیداللہ سندھی نے 'نظارۃ المعارف القرآنیہ' کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا تاکہ غیرممالک کی تائید حاصل کر کے

برطانوی سامراج کے خلاف ایک عالمی محاذ قائم کیا جائے۔

۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا حادثہ سارے ہندوستان کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ بات یہ ہوئی کہ کانپور میں ایک سڑک چوڑی کرنے کے لیے گورنر کے حکم سے ایک مسجد کا کچھ حصہ گرا دیا گیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی تو اُن پر گولی چلا دی گئی اور کئی مسلمان شہید اور زخمی ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا اور سارے ملک میں ایجی ٹیشن ہوئی۔ بڑی مشکل کے بعد ایک سمجھوتہ ہوا، لیکن مسلمانوں کے سینے پر جو زخم لگا وہ مندمل نہ ہوا۔

اسی سال کے آخر میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا، تو اس میں مظہرالحق، فضل الحق، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، محمد علی اور حکیم اجمل خان نمایاں تھے اور سر ابراہیم رحمت اللہ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا اس میں موصوف نے نرم سے لہجے میں جنگ بلقان کے سلسلے میں برطانیہ کی پالیسی پر نکتہ چینی کی اور پہلی مرتبہ آزادی کے حصول کے لیے متحدہ محاذ کا ذکر کیا۔ گویا آل انڈیا مسلم لیگ بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہو رہی تھی۔

اس زمانے میں مسلمانان ہند کے سامنے ایک بڑا نزاعی مسئلہ مسلم یونیورسٹی کا تھا۔ اس کا کانسٹی ٹیوشن بننے لگا، تو حکومت نے اس میں ایسے قواعد داخل کرنے چاہے جن کا مقصد یہ تھا کہ یونیورسٹی پر حکومت کاملاً حاوی ہو جائے۔ دوسری طرف مسلمان رہ نماؤں کا تصور یہ تھا کہ مسلم یونیورسٹی اسلامی تہذیب و شائستگی اور تعلیم کا ایسا مرکزی ادارہ ہوگی جس سے برعظیم کے تمام اسلامی تعلیمی ادارے ملحق ہوں گے۔ اس مسئلہ پر مسلمان رہ نماؤں میں آخرکار اختلاف پیدا ہوا اور ہوا وہی جو حکومت چاہتی تھی۔

جنگ عظیم سے ذرا پہلے کو، 'گاٹو مارو' کا تاریخی ہنگامہ ہوا۔ بات

یہ تھی کہ جب حکومت پنجاب کے نئے قوانین نے لوگوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا ، تو بابا گوردت سنگھ کی رہ نمائی میں ۳۷۶ اشخاص نے کوما گاٹو مارو نامی جہاز کرائے پر لیا اور کینیڈا کو روانہ ہوئے۔ جب جہاز وہاں پہنچا ، تو کینیڈا کی حکومت نے انھیں ساحل پر اترنے نہ دیا اور واپس کر دیا ۔ جب یہ جہاز ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد کلکتہ پہنچا ، تو حکومت نے سب کو نظر بند کر دیا ۔ اس پر بلوہ ہوا ، پولیس اور فوج نے گولی چلائی ، کئی جانیں ضائع ہو گئیں ، ہندوستان بھر میں لوگوں میں اشتعال پیدا ہوا اور پنجاب میں پکڑ دھکڑ کا بازار گرم ہو گیا ۔

اتنے میں جنگ عظیم شروع ہو گئی اور بقول قاضی عبدالغفار ''ساتھ ہی ساتھ ہندوستانیوں کے جذبات وفاداری کے مظاہروں کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا ۔ ہندوستان کے مسلم اور غیر مسلم طرابلس کو بھول گیے ؛ بلقان کو بھول گیے ؛ مسجد کانپور کو بھول گیے اور کوما گاٹو مارو کو بھی بھول گیے ۔ وفاداری اور خیر سگالی کے نقارے پٹنے لگے...... ۱۶ اگست کو دھلی کے ٹاؤن ہال میں اظہار وفاداری کے لیے جو جلسۂ عام منعقد ہوا ، اس میں حکیم اجمل خاں ، مولانا محمد علی اور ڈاکٹر انصاری نے اپنے اہل ملک کو وفاداری اور تعاون کی تلقین فرمائی ۔ اس طرح پہلی جنگ یورپ کا آغاز ہندوستان میں ان لوگوں کی وفاداری کے اعلان سے ہوا ، جو چند روز بعد اس شیوۂ وفاداری اور نیازمندی سے باز گشت کرنے والے تھے ۔ اس وقت وفاداری کے اس عہد و پیمان کی صبح اپنی شام سے بے خبر تھی ۔''

یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو ترکی بھی جنگ میں شامل ہو گیا ۔ اب مسلمانوں پر آفات کا سلسلہ شروع ہوا ۔ 'ہمدرد' اور 'کامریڈ' کی ضمانتیں ضبط ہوئیں ۔ قانون تحفظ ہند نافذ ہو گیا ۔ ظفر علی خاں ، محمد علی ، شوکت علی اور سینکڑوں دوسرے مسلمان رہ نما قید یا نظر بند کر دیے گئے ۔

تئیسواں باب

بیسویں صدی کا آغاز-۲

نئی سیاست، نئے اخبار

بیسویں صدی کے آغاز میں اردو کے صرف تین روز نامے موجود تھے؛ اول، 'پیسہ اخبار'۔ دوم، 'اودھ اخبار'۔ سوم، 'صلح کل'۔ تینوں نرم سیاست کے قائل تھے۔ صدی کا رخ پلٹنے کے ساتھ جب سیاست نے انقلابی کروٹیں لیں تو نئے اخبار جاری ہوئے۔ ان میں سر فہرست 'زمیندار'، 'الہلال' اور 'ہم درد' تھے، لیکن یہ محض اخبار ہی نہیں قومی ادارے بھی تھے اور ان کی ادارت پر جو شخصیتیں فائز تھیں وہ محض اخبار نویس ہی نہیں تھیں، سیاسی شخصیتیں بھی تھیں۔ جو کردار ان کا تھا اس کے برابر اس دور میں کسی کا کردار نہیں تھا۔ اس لیے ان کے بارے میں ہم الگ ابواب پیش کر رہے ہیں۔ باقی اخبارات کا تذکرہ اس باب میں ہوگا۔

وطن

۱۹۰۲ء میں مولوی انشاءاللہ خان نے لاہور سے ہفت روزہ 'وطن' جاری کیا۔ آپ ایک مانے ہوئے ادیب، انشاء پرداز اور صحافی تھے۔ کئی سال 'وکیل' کی ادارت کرتے رہے۔ نصف درجن کے قریب کتابوں کے مصنف تھے۔ ملکی اخباروں میں مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھتے تھے۔ جب آپ نے 'وطن' جاری کیا تو اسے پہلے پہل 'وکیل' کے انداز میں چلانا چاہا، لیکن زمانے کے سیاسی تقاضوں نے مجبور کیا کہ اس اخبار کو خالص سیاسی خطوط پر چلایا جائے۔ چناں چہ چند

سال کے اندر اندر اس کا انداز بدل گیا ۔ بہر حال اس کا مطلب یہ نہیں کہ 'وطن' انتہا پسند سیاست کا قائل تھا۔ یہ اخبار تینتیس سال تک جاری رہا ۔ کسی زمانے میں اس کی اشاعت چار ہزار تک پہنچ گئی جو بہت بڑی اشاعت سمجھی جاتی تھی ۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں جب یہ اخبار بند ہوا تو اس کی اشاعت صرف چھ سو تھی ۔ یہ اخبار ۱۹۱۵ء میں روزانہ بھی ہوا لیکن ہم عصروں کے مقابلے پر دال نہ گلی ، اس لیے پھر ہفتہ وار ہو گیا ۔

ہندوستان

۱۹۰۴ء میں لاہور سے 'ہندوستان' جاری ہوا ۔ اس کے بانیوں میں لالہ دینا ناتھ اور رام بھج دت شامل تھے ۔ دونوں قومی کارکن تھے اور دونوں نیشنلسٹ تھے ۔ رام بھج دت فوت ہوئے تو ان کی جگہ پرچے کی ادارت کی نگرانی ان کی بیوہ شری متی سرلادیوی چودھری کرنے لگیں ۔ موصوفہ بنگال کی رہنے والی تھیں ؛ گریجویٹ تھیں اور علم و ادب کا ذوق رکھتی تھیں ۔ ابتداء میں حالات بے حد حوصلہ شکن تھے ، آہستہ آہستہ اشاعت بڑھنے لگی اور ایک ایسا وقت بھی آیا جب اس اخبار کی اشاعت دس ہزار سے تجاوز کر گئی ۔

دیپک

کچھ عرصہ بعد 'ہندوستان' کا ایک روزانہ ایڈیشن 'دیپک' کے نام سے جاری ہوا ۔ ۱۹۱۵ء میں اس کی اشاعت چار ہزار سے زیادہ تھی۔ اس کے مدیر بھی لالہ دینا ناتھ تھے ۔ موصوف نے پہلے 'پیسہ اخبار' میں کام کیا تھا ۔ ۱۹۰۷ء کے ہنگاموں میں پکڑے گئے۔ پہلے باغیانہ تقریر کرنے کے جرم میں پانچ سال قید کی سزا ہو گئی پھر اپیل کرنے پر گھٹ کر دو سال رہ گئی ۔ عوام میں مقبولیت کی وجہ سے آپ جس اخبار میں آتے اس کی اشاعت بڑھ جاتی ۔ 'دیپک' بھی بہت ہر دل عزیز اخبار تھا ، لیکن ۱۹۱۵ء میں جب ہندوستان کی ملکیت بدلی ، تو 'دیپک' بند ہو گیا ۔

دیش

'ھندوستان' سے قطع تعلق ھوا تو لالہ دینا ناتھ نے 'دیش' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔ ابتدائی دور میں اس کی اشاعت گیارہ سو تھی۔ ۱۹۱۸ء میں سوا دو ھزار ھو گئی۔ اگلے سال ساڑھے بارہ سو رہ گئی اور ۱۹۲۴ء میں یہ اخبار بند ھو گیا۔

ھمالہ

'دیش' کے ساتھ ساتھ آریہ سماج کی تحریک کو فروغ دینے کے لیے لالہ دینا ناتھ نے 'ھمالہ' کے نام سے ایک ھفت روزہ جاری کیا۔ جب 'دیش' بند ھوا تو 'ھمالہ' بھی ختم ھو گیا۔ بہر حال اس کی اشاعت خاصی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں تو سات ھزار سے بھی بڑھ گئی۔

زمیندار — ابتدائی دور

جون ۱۹۰۳ء کا ذکر ھے۔ مولانا سراج الدین احمد نے لاھور سے ھفت روزہ 'زمیندار' جاری کیا۔ موصوف ایک ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر تھے۔ علم و ادب سے ذوق رکھتے تھے۔ جب 'تہذیب الاخلاق' کا دوسرا دور شروع ھوا تو آپ اس میں مضامین لکھتے رھے۔ جب 'زمیندار' نکالا تو آپ کے پیش نظر زمینداروں، کاشت کاروں اور کسانوں کی بھلائی تھی۔ چوں کہ سارے مضامین خود ھی لکھا کرتے تھے، اس لیے 'زمیندار' تنہا نگاری کا بھی ایک نمونہ تھا۔ جب مالی پریشانیوں نے تنگ کیا تو آپ نے اس کا دفتر اپنے گاؤں کرم آباد (تحصیل وزیر آباد، ضلع گوجراں والہ) میں منتقل کر دیا اور وھاں لکڑی کا چھوٹا سا پریس لگا لیا۔ اس اخبار کی اشاعت مولوی سراج الدین احمد کے زمانے میں کبھی دو ھزار سے بڑھنے نہ پائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس طبقے کے لیے یہ اخبار جاری تھا وہ بے حد پس ماندہ اور مفلوک الحال تھا۔ اخبار کی مالی حالت بھی سقیم رھی۔ نومبر ۱۹۰۹ء میں مولوی صاحب کا انتقال ھو گیا اور آن کے فرزند مولانا ظفر علی خاں

نے اس کی ادارت سنبھالی ، لیکن اس دور کا ذکر اگلے باب میں ہوگا ۔

'زمیندار' کا ابتدائی دور نہایت پرسکون تھا ۔ لیکن ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب 'زمیندار' کا نام بہت مشہور ہوا ۔ جب نہری نو آبادیوں میں کاشت کاروں پر پابندیاں لگائی گئیں ، تو چودھری شہاب الدین نے اس کے خلاف احتجاج کے لیے پنجابی زبان میں ایک 'ھاڑا' لکھا جس کے آخری بول تھے :

پگڑی سنبھال اوئے جٹا پگڑی سنبھال اوئے

چوں کہ گیت میں کسانوں کے خیالات کی ترجمانی کی گئی تھی ، اس لیے یہ بے حد مقبول ھوا ۔ سکھوں نے اسے گورمکھی رسم الخط میں منتقل کر کے ھزاروں کی تعداد میں چھاپ کر سارے صوبے میں تقسیم کر دیا ۔ لاھور کے 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' اور الہ آباد کے 'پاؤنیئر' نے اس کا انگریزی ترجمہ چھاپا ۔ اسی ایجی ٹیشن میں لالہ لاجپت رائے جلا وطن ھوئے ۔ آخر کار حکومت نے اس قانون کو منسوخ کر دیا اور 'زمیندار' نے اسے اپنی فتح سے تعبیر کیا ۔

کشمیری میگزین

۱۹۰۶ء میں منشی محمد دین نے 'کشمیری میگزین' کے نام سے ایک ماھانہ رسالہ جاری کیا ، جو ۱۹۱۳ء میں ھفتہ وار اخبار بن گیا ۔ منشی محمد دین فوق شاعر بھی تھے اور ادیب بھی ، مورخ بھی تھے اور صحافی بھی ۔ آپ نے ایک زمانے میں 'کوہ نور' میں کام کیا ۔ پھر 'پیسہ اخبار' میں ملازم ہو گئے ۔ ۱۹۰۱ء میں 'پنجۂ فولاد' کے نام سے ایک اخبار نکالا ۔ بقول عبداللہ قریشی ''یہ اخبار اس دور کے بہترین اخبارات میں شمار ھوتا تھا ۔ لکن ایک دوست نما دشمن کی مہربانی سے ۱۹۰۵ء میں بند ھو گیا ۔'' 'کشمیری میگزین کا ذکر کرتے ھوئے موصوف فرماتے ھیں ، ''تیس برس یہ اخبار نکلتا رھا جس نے علم و ادب کی ترویج کے علاوہ معاشرتی اور سماجی خدمات ایک مدت تک انجام دیں ۔ ۱۹۳۴ء میں آخر یہ اخبار بند ھو گیا ۔'' [نقوش ۔ لاھور نمبر ۔ صفحہ ۹۹۹]

حسرت موہانی کا 'اُردوئے معلیٰ'

حسرت موہانی نے صدی کے آغاز میں 'اُردوئے معلیٰ' کے نام سے ایک ماہ نامہ نکالا۔ یہ اگرچہ ماہانہ تھا، لیکن اس کی اہمیت اس لیے تھی کہ اس میں علم و ادب کے ساتھ ساتھ سیاسی مضامین بھی چھپتے تھے اور اس زمانے میں حسرت موہانی واحد مسلمان رہ نما تھے، جو اربندو گھوش، تلک اور بپن چندر پال کی سیاست کے حامی تھے اور اپنے رہ نماؤں کے مضامین بھی چھاپا کرتے تھے۔ تیسرے، اسلامی صحافت معتدل مزاج تھی اور 'اُردوئے معلیٰ' گرمِ سیاست کا علم بردار تھا۔

مولانا حسرت موہانی اجنبی راج کے دشمن تھے اور کامل آزادی کے حامی تھے۔ عدم تشدد پر اُن کی رائے یہ تھی کہ آزادی جن ذرائع سے بھی حاصل ہو سکے، اُنھیں اختیار کر لینا چاہیے اور اگر متشدد تحریک کی کام یابی کے مواقع نہ ہوں، تو غیر متشدد عدم تعاون کی پالیسی اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ برعظیم میں ستیہ گرہ یا Passive Resistance کا نعرہ اُنھی نے سب سے پہلے بلند کیا۔ اس سلسلے میں اُن کے مضمون 'بے چینی کے آثار' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں شورش لاہور و راولپنڈی اور شورش بنگال کے اسباب کی تحلیل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ''ہم لوگوں کا فرض ہے کہ امرِ حق کے اظہار میں باک نہ کریں اور صداقت کی آخری فتح پر یقین کامل رکھتے ہوئے راہ حق میں جو مصائب پیش آئیں، اُن کو بہ کشادہ پیشانی برداشت کریں اور خوب سمجھ لیں کہ آزادی کی دولت آسانی سے نہیں حاصل ہوا کرتی۔ یہ جو حکومت کی جبروت سے بہ ظاہر تحریک حریت کو فاش شکست ہوئی ہے، اس پر افسردہ و مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیوں کہ ابھی تک ہماری نہ قوت مجتمع ہے، نہ منظم اور اس لیے ہم کو ابھی کچھ دنوں تک ایسی ایسی بہت سی ناکامیوں اور شکستوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا پڑے گا اور پھر ہر موقع پر اپنی حالت کے اندازے کے مطابق کام یابی کی نئی نئی تدبیروں پر اکثر اوقات بالکل از سرنو عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ سر دست ہمارے نزدیک ہر محب ملک کو انگریزی تشدد کے

مقابلے میں مزاحمت دفاعی یعنی Passive Resistance کی پالیسی پر کاربند ہو کر انگریزی مال کے خریدنے، بلکہ انگریزوں کو کسی قسم کی مدد پہنچانے سے قطعی انکار کر دینا چاہیے۔''

['اردوئے معلیٰ' - مئی - ۱۹۰۷ء]

اگلے سال مولانا نے ایک اور تیز مقالہ لکھا، جس کے لیے انھیں جیل جانا پڑا اور جیل سے نکلے تو سامراج کے خلاف آن کے خیالات اور بھی پختہ ہو چکے تھے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہ رسالہ اول تو سیاست سے کنارہ کش ہو جائے اور اگر سیاست میں اتنی ہی دلچسپی ہے، تو کانگرس کے آس فریق کا ساتھ دیا جائے جو نرم سیاست کا علم بردار ہے۔ اس پر مولاناؔ نے آردوئے معلیٰ کی پالیسی کے عنوان سے ایک اداریے میں دوستوں کے مشورے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا: ''مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ، عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، ایک ایسی چیز ہے جس کو محض کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں سے ایک بد ترین گناہ ہے، جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ پالیٹکس میں ہم مقتدائے وطن پرستان مسٹر تلک اور سرگروہ احرار بابو آربندو گھوش کی پیروی کو اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔ چناں چہ اس حیثیت سے فیروز شاہی کانگرس سے ہم کو اتنی ہی بےزاری ہے۔ جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ لال چندی کانفرنس سے اور ہمارے خیال میں یہ بے زاری بالکل حق بہ جانب ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی رفتار اور اہل دنیا کے طبائع کا میلان صریحاً حریت کی جانب ہے۔ چناں چہ خوابیدہ براعظم ایشیا میں بھی ہندوستان کے سوا اور کوئی بڑا ملک آزادی کی نعمت سے محروم نہیں ہے۔ پس عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کی قسمت میں محکومئی دوام کی ذلت لکھ دی گئی ہو۔ ایسا گمان بہ ظاہر مشیت ایزدی کے سراسر خلاف نظر آتا ہے۔''

[نومبر، ۱۹۰۹ء]

بحث کو جاری رکھتے ہوئے حسرت موہانی نے اس رائے کا اظہار کیا کہ مسلم لیگ ، ہندو کانفرنس اور کانگرس کا نرم فریق صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ : ''ہم غلام سے ترقی یافتہ غلام یا محکوم سے خوش حال محکوم ہو جائیں ۔'' اس کے برعکس تلک اور آربندو گھوش کامل آزادی کے طلب گار ہیں ، اس لیے ہم اُنھی کے حامی ہیں ۔ اس رائے کے باوجود حسرت موہانی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تصفیۂ حقوق کے قائل تھے چناں چہ انھوں نے 'مسئلہ مسلمانان ہنود' کے عنوان سے بپن چندر پال کا ایک مضمون چھاپا ، جس میں کہا گیا کہ : ''بہ ہر حال وطن پرستان ہند کو کسی نہ کسی روز یہ مسئلہ ضرور حل کرنا ہوگا ۔ ہندوؤں کو تو یہ ماننا پڑے گا کہ سلطنت ہند کی عام زندگی میں مسلمان بھی اُن کے ہم پلہ ہیں اور مسلمانوں کو علیحدگی کا خبط اور افضلیت کا گمان دماغ سے نکالنا ہوگا اور ہندوستان کی قوم الاقوام (وہ قوم جو مجموعہ ہوگی بہت سی قوموں کا) کے ایک جزو کی حیثیت سے اپنے جائز مرتبے کو قبول کرنا ہوگا ۔ غرض کہ ہمیں اس دشواری کا مقابلہ کرنا ہی پڑے گا ، کیوں کہ اس کے حل کرنے میں بہ طور دفع الوقتی چند روزہ التوا بے شک ممکن ہے ، لیکن ہمیشہ کے لیے اس سے پہلو تہی کرنا محالات سے ہے ۔ پس اس مسئلے کے لیے سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ اس کا فیصلہ اسی زمانے میں ہو جائے جب کہ اہل برطانیہ کی زبردست قوت ملک میں موجود ہے ، جس کی وجہ سے ان دونوں قوموں میں جسمانی کش مکش یا خون ریزی کسی طرح نہ ہونے پائے گی ۔''

[نومبر ، ۱۹۰۹ء]

مسلم گزٹ (لکھنؤ)

لکھنؤ کا اخبار 'مسلم گزٹ' اس دور میں ایک نمایاں اور ممتاز اخبار تھا ، جس کی ادارت مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی کے سپرد تھی ۔ جب مولانا ابوالکلام آزاد نے 'الہلال' اور 'صبح اُمید' کے عنوان سے سلسلۂ مقالات کے دوران میں 'اسلامی پریس کا تغیر' کے عنوان سے

'کامریڈ' اور 'زمیندار' کا ذکر کیا، تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا:
''مگر درحقیقت موجودہ تغیرات کے ذکر میں سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ مسلم گزٹ لکھنؤ کا ذکر آنا چاہیے، جس نے موجودہ سیاسی تغیرات خیالات کی تولید میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ لیا اور اس خدا پرستانہ دلیری اور حق گویانہ آزادی کے ساتھ صدا بلند کی کہ فی الحقیقت ''لا یخافون لومۃ لائم'' کے نفوس خاص میں اس کا شمار ہے۔ ہم اپنے مخدوم دوست سے متمنی ہیں کہ اپنے قلمی جہاد کو اور زیادہ محکم و شدید کریں۔ وہ یقین کریں کہ حق اور سچائی کے لیے فتح ہے، باطل اور باطل پرستی کے لیے نہیں کہ ان الباطل کان زھوقا۔''

['الہلال'، ۲۹ دسمبر، ۱۹۱۲ء]

اس کے بعد ایک شذرہ لکھا جو درج ذیل ہے: ''الحمدللہ کہ ہمارے مخدوم دوست جناب مولانا سلیم کے زیر محرری مسلم گزٹ اپنے محاسن معنوی میں روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔ آج کل عربی اخبارات کے ترجمے اور جنگ کی ہر طرح کی خبروں کا جس قدر ذخیرہ اس میں جمع کیا جاتا ہے اس کی نظیر کسی اخبار میں نہیں مل سکتی۔ ایڈیٹوریل نوٹس (ادارتی شذرات) کا حصہ بھی اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ گویا تمام تر ایڈیٹوریل ہوتا ہے۔ اس پر قیمت نہایت معمولی، یعنی صرف دو روپے بارہ آنے۔ ناظرین الہلال میں سے جو صاحب اب تک اس کے خریدار نہیں ہیں انھیں ہم صداقت کے ساتھ مشورہ دیتے ہیں کہ ضرور خریدیں۔''

[۲۲ نومبر، ۱۹۱۲ء]

دکن کے اخبار

حیدر آباد دکن میں بھی نئے روزنامے جاری ہوئے۔ مثلاً 'علم و عمل' جس کی ادارت مولوی محب حسین کے سپرد تھی۔ یہ ۱۹۰۴ء میں نکلا۔ دوسرا اہم اخبار 'صحیفہ' تھا۔ مسٹر حبیب اللہ اوج لکھتے ہیں: ''یہ ۱۹۱۱ء میں مولوی اکبرعلی مرحوم کی ادارت میں شائع ہونے لگا تھا اور غالباً ابھی تک نکلتا ہے۔ یہ پہلے رسالے کی شکل میں نکلتا تھا

اور حیدر آباد کی مشہور درس گاہ دارالعلوم کے قدیم طلبہ کا آرگن تھا اور اس کی ادارت دکن کے مشہور شاعر حضرت کیفی مرحوم کے سپرد تھی - یہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۴ء میں جاری ہوا اور درمیان میں بند ہو گیا تھا - پھر ۱۹۱۱ء میں اسے روزنامہ بنا دیا گیا -'' یہ اخبار چالیس سال تک جاری رہا - اس کی پالیسی سیاست اور معاشرہ، دونوں میں قدامت پسندانہ تھی - ۱۹۱۱ء ہی میں روزنامہ 'معارف' جاری ہوا - پھر 'عثمان گزٹ' کے نام سے ایک روزنامہ شروع ہوا، لیکن یہ دونوں جلد بند ہو گئے -

مدینہ (بجنور)

۱۹۱۲ء میں حامد انصاری کی ادارت میں بجنور سے 'مدینہ' جاری ہوا - یہ ایک ثقہ قسم کا نیشنلسٹ سہ روزہ تھا جو اب بھی جاری ہے - پچھلی نصف صدی کے دوران اس نے کانگرس کا ساتھ نہیں چھوڑا - اس کی ادارت پر جو شخصیتیں فائز رہی ہیں، اُن میں مولانا نصراللہ خان عزیز ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے ایک عرصہ اس اخبار میں گزار دیا - 'مدینہ' کے خیالات سے بہت سے لوگوں کو اختلاف رہا ہے، لیکن اس کی ثقاہت، سنجیدگی اور بلند معیاری سے کسی نے انکار نہیں کیا -

ہمدم (لکھنؤ)

اسی سال مولانا عبدالباری نے 'ہمدم' جاری کیا جس کے مدیروں میں مولانا جالب دہلوی بھی شامل رہے ہیں - یہ اخبار برعظیم کی تقسیم کے وقت تک زندہ تھا -

اس دور کے دوسرے اہم اخبار یہ تھے :

۱- اُردو سوراجیہ (الہ آباد) : ۱۹۰۷ء میں جاری ہوا، نیشنلسٹ پالیسی کا علم بردار تھا -

۲- آزاد (کان پور) : یہ ہفت روزہ مسٹر ایس ایس نگم کی ادارت میں جاری ہوا -

۳۔ پٹنہ اخبار (پٹنہ) : حاجی ساجد احمد جان کی ادارت میں یہ
هفت روزہ ۱۹۱۳ء میں جاری هوا ۔

۴۔ اتحاد (پٹنہ) : یہ اخبار مسلمانوں کی الگ سیاست کا ترجمان تھا ۔

چوبیسواں باب

ظفر علی خان

۹ نومبر ۱۹۰۹ء کو 'زمیندار' کے بانی مولوی سراج الدین احمد اللہ کو پیارے ہوئے ۔ آنھوں نے اپنے فرزند مولانا ظفر علی خان کو وصیت کی کہ "بیٹا ! جو پودا میں نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے وہ میرے بعد مرنے نہ پائے ۔" مولانا ظفر علی خان نے آپ کو یقین دلایا کہ 'زمیندار' انشاءاللہ جاری رہے گا ۔ اور آنھوں نے یہ قول خوب نباھا ۔

ظفر علی خان نے مشن ھائی سکول وزیر آباد سے مڈل کا امتحان پاس کیا ۔ پھر پٹیالہ گئے جہاں آن کے پھوپھا مولوی عبداللہ خان مہندر سنگھ کالج میں عربی کے پروفیسر تھے ۔ وھاں آپ نے دسویں پاس کی اور انہی کے مشورے سے علی گڑھ میں داخلہ لیا ۔ وھاں خوب نام پایا اور ۱۸۹۴ء میں بی ۔ اے کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی ۔ علی گڑھ سے بمبئی پہنچے ۔ نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ھوئے اور نواب کی سفارش سے حیدر آباد پہنچے — پہلے فوج میں ملازمت ملی، پھر دارالترجمہ میں جگہ مل گئی ۔ ھوم سیکرٹری کے عہدے پر عزیز مرزا فائز تھے ۔ آنھوں نے مولانا کی سرپرستی فرمائی اور آپ اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر ھوگئے ۔ عزیز مرزا گئے تو آن کی جگہ جو صاحب ھوم سیکرٹری مقرر ھوئے آن سے نباہ نہ ھو سکا ۔ چناں چہ میر محفوظ علی بدایونی کی معیت میں بمبئی گئے اور ایک تجارتی ادارہ قائم کر لیا ۔ لیکن یہ مولانا کے بس کا روگ نہیں تھا ، اس لیے نقصان اٹھایا ۔

اتنے میں عزیز مرزا پھر ہوم سیکرٹری بنے اور انھوں نے مولانا کو پھر حیدر آباد بلا کر اس دفعہ قانون ساز ادارے کا رجسٹرار بنا دیا۔

ترجمے میں مولانا کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ لارڈ کرزن کی کتاب Gardens of Persia کا ترجمہ 'خیابان فارس' کے نام سے کیا۔ حضور نظام نے تین ہزار روپے کی رقم عطا کی۔ پنجاب یونیورسٹی نے پان سو روپے کا انعام دیا۔ خود لارڈ کرزن نے طلائی دستے کی چھڑی پیش کی۔ اس کے بعد تراجم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ 'فسانۂ لندن'، 'سیر ظلمات' اور 'معرکۂ مذہب و سائنس' اسی زمانے کی یادگاریں ہیں۔ 'جنگ روس و جاپان' کے نام سے ایک ڈراما لکھا۔ اسی دور میں 'دکن ریویو' کے نام سے ایک علمی ماہنامہ نکالا، جو چند سال جاری رہا اور علمی اور ادبی حلقوں میں آپ کی قدر و منزلت اتنی بڑھی کہ مولانا حالی نے بھی آپ کے کلام پر داد دی۔

حیدرآباد دکن میں حالات یوں تو اچھے تھے۔ لیکن ماحول سازشی تھا اور کچھ نہیں معلوم تھا کہ کب حالات بدلتے ہیں۔ آخر مخالفین کو اقتدار حاصل ہوا۔ سب سے پہلے انھوں نے اعتراض کیا کہ سرکاری ملازم ہوتے ہوئے مولانا 'دکن ریویو' کیوں نکالتے ہیں۔ اس پر مولانا نے 'دکن ریویو' کی نہ صرف ادارت چھوڑ دی، بلکہ اس کی ملکیت بھی ایک اور شخص کے حوالے کردی۔ اس کے بعد بھی مخالفین باز نہ آئے۔ انھوں نے الزام لگایا کہ مولانا حضور نظام کو برطانوی اقتدار سے بغاوت پر آمادہ کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ رزیڈنٹ کے عہدے پر سرمائیکل اوڈوائر متمکن تھے۔ انھوں نے حکومت نظام کی توجہ اس طرف دلائی۔ چناں چہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مولانا کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ مولانا سیدھے پنجاب آئے۔ یہاں ان کے والد بیمار تھے جو دو مہینے بعد فوت ہو گئے اور مولانا نے 'زمیندار' کی ادارت سنبھال لی۔

چودھری شہاب‌الدین جو بعد میں پنجاب کی مجلس قانون ساز کی صدارت کے لیے ایک عرصے تک منتخب ہوتے رہے، لاہور کے ایک

مشہور وکیل تھے - اُن کے 'ھاڑے' نے 'زمیندار' کو بڑی شہرت دی تھی اور وہ مولانا ظفر علی خان کے والد مرحوم کے گھرے دوست رہے تھے - ایک دفعہ مولانا لاہور آئے تو چودھری صاحب نے انھیں مشورہ دیا کہ 'زمیندار' کو کرم آباد سے لاہور لے آئیں اور یہاں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائیں - مولانا نے مشورہ قبول کر لیا اور کٹڑی امیر چند، (ٹکسالی دروازہ) کے ایک مکان میں 'زمیندار' کا دفتر قائم کرلیا - لاہور میں اس اخبار کا رنگ ڈھنگ بالکل بدل گیا - اس نے خالص اسلامی رنگ اختیار کیا تو لوگوں نے اسے بے حد پسند کیا اور ھاتھوں ھاتھ لیا - جنگ طرابلس کا آغاز ھوا تو 'زمیندار' نے روزنامے کی صورت اختیار کر لی - طرابلس کی جنگ کے بعد جنگ بلقان شروع ھو گئی - چوں کہ یہ جنگ خلافت عثمانیہ کے خلاف تھی اور ہندوستان کے مسلمان خلیفة المسلمین سے جذباتی تعلق رکھتے تھے اور اُن کا نام خطبہ نماز جمعہ میں بھی پڑھا جاتا تھا، اس لیے مسلمانوں کو ان خبروں سے بے حد دل چسپی تھی - 'زمیندار' واحد اخبار تھا جو دنیائے اسلام کی خبریں خصوصی اہتمام سے چھاپتا تھا - یہ اُردو کا پہلا اخبار تھا جس نے رائٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا سے خبروں کے حصول کا اہتمام کیا - اور اس کے عملۂ ادارت میں مولانا ظفر علی خان کے علاوہ نیاز فتح پوری، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی، منشی وجاہت حسین جھنجھانوی جیسے نام ور ادیب شامل تھے۔ اُس زمانے میں لاہور میں 'پیسہ اخبار' اور 'وطن' موجود تھے، لیکن 'زمیندار' نے بہت جلد ان دونوں کو مات دے دی - 'پیسہ اخبار' عوام کی رائے میں نیم سرکاری اخبار سمجھا جاتا تھا - اس کے مالک منشی محبوب عالم سلامت روی کے قائل تھے اور حتی الوسع ایسے مضامین کی اشاعت سے پرہیز کرتے تھے، جو حکومت کو ناگوار گزریں - 'وطن' کے مدیر مولوی انشاءاللہ خان بھی محتاط بزرگ تھے - ان کا اخبار حجاز ریلوے کی تحریک کو فروغ دینے کے لیے مشہور تھا - مولوی صاحب نے مولانا ظفر علی خان کو دعوت دی کہ آؤ مل کر کام کریں - مولانا نے علامہ اقبال سے اس تجویز کا ذکر کیا تو انھوں نے مشورہ

دیا کہ کسی کو اپنے ساتھ شریک نہ کریں ، کیوں کہ اس سے بعد میں مشکلات پیش آئیں گی ۔

'زمیندار' کے زبردست مقالات ، خبروں کی فراہمی کے اعلیٰ انتظام اور مولانا کی روح پرور اور ولولہ انگیز نظموں نے ہندوستان اور بالخصوص پنجاب کے عوام میں نہ صرف اخبار بینی کا مذاق پیدا کردیا ، بلکہ مسلمانوں کو اتحاد بین المسلمین کا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلایا ۔ 'زمیندار' کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جب 'زمیندار' سرحدی علاقے میں پہنچتا تو پٹھان ایک آنہ دے کر تو 'زمیندار' خریدتے اور ایک آنہ پڑھوائی کے لیے دیتے ۔ کان پور میں جب مچھلی بازار کی مسجد کے انہدام کا واقعہ پیش آیا تو دفعتاً سارے یو۔پی میں مسلمانوں کے جذبات حکومت کے خلاف مشتعل ہو گئے ۔ کان پور کے تاجران چرم نے اپنے ایک خاص قاصد کے ہاتھ 'زمیندار' کی مالی امداد کے لیے دو ہزار روپے کی رقم اس غرض سے بھیجی کہ 'زمیندار' اپنے مطالبے پر ڈٹا رہے ۔ کان پور میں جب 'زمیندار' کا بنڈل پہنچا تو اس کا ایجنٹ اپنی دکان کا دروازہ بند کر لیتا تاکہ گاہک بے صبری کے عالم میں پرچے چھین کر نہ لے جائیں ۔ دس بجے تک تو پرچہ ایک آنے میں مل جاتا ۔ لیکن پچھلے پہر آٹھ آنے کو بھی مشکل سے ملتا ۔ روزانہ اشاعت تیس ہزار تھی اور یہ اشاعت ۱۹۴۷ء تک کسی اردو اخبار کو نصیب نہ ہوئی ۔ اس زمانے میں 'زمیندار' کے دو ایڈیشن نکلتے تھے ۔ صبح کے ایڈیشن کی قیمت ایک آنہ تھی اور شام کے مقامی ایڈیشن کی دو پیسہ فی پرچہ ۔

مولانا ظفر علی خان نے اس زمانے میں اردو صحافت میں جو رول ادا کیا اس کے بارے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی کے اس طویل شذرے سے ایک اقتباس پیش کیا جائے جو انھوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۱۲ء کے 'کامریڈ' میں شائع کیا ۔ چوں کہ یہ ایک ہم عصر کی رائے ہے اس لیے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ محمد علی نے لکھا : ''یہ پرچہ اس لیے عروج کو پہنچا کہ ایک ایسے

شخص نے اس کی ادارت سنبھالی جو نہایت قابل ہے ... علی گڑھ کا گریجویٹ ہے ... ہندوستان کے ایک سے زیادہ صوبوں میں نظم و نسق کا تجربہ رکھتا ہے... جدید تمدن اور سیاست سے آگاہ ہے ... انگریزی کی اعلیٰ قابلیت کا حامل ہے - اُردو نثر میں ایک درخشاں اسلوب کا مالک ہے اور شعر و شاعری پر اُسے کامل عبور ہے - ایسے جامع صفات لوگ پہلے کبھی اس پیشے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس لیے موصوف نے عوام کا دل موہ لیا ہے - اُنھوں نے عوام کو زبان و بیان کے ایک ایسے انداز کا عادی بنایا ہے جو ہماری صحافت میں موجود نہیں تھا اور اب صورت یہ ہو گئی ہے کہ 'زمیندار' کے مقابلے پر دوسرے اخبار پھیکے اور بے مزہ معلوم ہوتے ہیں - ہمیں یقین ہے کہ ہمارے اس خیال کا غلط مطلب نہیں لیا جائے گا کہ 'زمیندار' اگرچہ دل چسپ اخبار ہے لیکن اس میں وہ وقار اور تمکنت بھی موجود نہیں جو 'وکیل' (امرتسر) کا طرۂ امتیاز ہے - بہر حال دوسرے اُردو اخبارات کے مقابلے پر اس کا اسلوب زیادہ مؤثر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مسٹر ظفر علی خان جیسے اہل علم اپنی قابلیت کو قارئین کی ذہنی سطح بلند کرنے میں استعمال کریں گے - جب ترکیہ اور اطالیہ کے درمیان جنگ چھڑی اور روس و ایران کے حالات ایک نازک مرحلے پر پہنچے تو یورپی سیاست کے خلاف اخلاق ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرنے میں موصوف نے اپنی قابلیتوں سے فائدہ اٹھایا - 'زمیندار' کے ایک تو ذرائع وسیع ہیں دوسرے ظفر علی خان ہندوستان کے بہترین مترجمین میں شمار ہوتے ہیں، اس لیے اُنھوں نے انگریزی اخبارات سے اعلیٰ درجے کے مضامین ترجمہ کیے۔ اُنھیں یورپ کے طور طریقوں کا بھی گہرا علم ہے - نثر اور نظم دونوں میں منفرد اسلوب کے مالک ہیں - ان سب خصوصیات نے 'زمیندار' کو اپنے عہد کا بہترین اخبار بنا دیا اور اس کی اشاعت برابر ترقی پذیر رہی -''

سامراج اور مغربی طاقتوں پر بے پناہ یلغار نے جہاں عوام میں 'زمیندار' کو مقبول کر دیا - وہاں حاکم اس سے ناراض ہو گئے اور اُنھوں نے دار و گیر کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جس نے آخرکار

عارضی طور پر اس اخبار کو خاموش کر دیا - مارچ ۱۹۱۲ء میں 'زمیندار' سے ایک ایک ہزار کی دو ضمانتیں مانگی گئیں - ایک ضمانت ہفت روزہ ایڈیشن سے اور دوسری روزانہ ایڈیشن سے - نیز حکم دیا گیا کہ روزانہ ایڈیشن اگر باقاعدہ جاری رکھنا ہے تو اس کا ضابطے کے مطابق ڈیکلریشن داخل کیا جائے - ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سزا کی دو وجوہ بتائیں :

اول : 'زمیندار' کا لہجہ نہایت غیر معتدل اور قابل اعتراض ہے -

دوم : 'زمیندار' نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے کہ اُس کا روزانہ ایڈیشن باقاعدہ ہفت روزہ ایڈیشن کے محض ضمیمے کی حیثیت رکھے گا اور اس میں صرف تار برقی کی خبریں شائع ہوں گی -

۲۰ مارچ کو باغ بیرون موچی دروازہ میں ایک جلسۂ عام ہوا ، جس کی صدارت پشاور کے ایک عالم دین مولوی عبداللہ نے کی - اس جلسے میں 'زمیندار' کو قومی اخبار اور اس کی پالیسی کو ناقابل اعتراض قرار دیتے ہوئے اس پر کامل اعتماد کا اظہار کیا گیا - 'کامریڈ' میں مولانا محمد علی نے 'زمیندار' کے خلاف کارروائی کی شدید مذمت کی اور کہا کہ حکومت کو بتانا چاہیے تھا کہ کون کون سے مضامین غیر معتدل اور قابل اعتراض ہیں - محض لہجے پر اعتراض کر دینا ظلم کے برابر ہے -

دو ہزار روپے قوم نے فوراً جمع کر دیے اور 'زمیندار' بدستور جاری رہا - اگلے سال مسجد کان پور کا ہنگامہ ہوا - 'زمیندار' نے اس میں بھی مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی بڑے زور شور سے کی اور یو-پی کے گورنر سر جیمز میسٹن پر شدید نکتہ چینی کی - اس پر حکومت نے دو ہزار روپے کی ضمانت ضبط کر کے دس ہزار روپے کی مزید ضمانت طلب کر لی ، جو قانون کے مطابق دس دن کے اندراندر جمع کرانی ضروری تھی - مولانا ظفر علی خان نے قوم سے چندے کی اپیل کی تو قوم نے لبیک کہا اور دس ہزار روپے جمع کر دیے - اس طرح 'زمیندار' ایک

اور آزمائش میں سے نکل آیا ۔

انھی دنوں پنجاب کی گورنری پر سرمائیکل اوڈوائر فائز ہوا ۔ حیدرآباد دکن میں مولانا کی اس سے چشمک رہی تھی ، اب اوڈوائر نے دیکھا کہ مولانا نے پنجاب میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے ۔ چناں چہ وہ کسی ضرب کاری کے لیے پر تولنے لگا ۔ صوبے کے سرکاری محکموں میں 'زمیندار' کے خیر خواہ اور بالخصوص مولانا کے حامی موجود تھے ۔ اُنھوں نے مولانا کو اطلاع کر دی اور اس سے پیشتر کہ اوڈوائر مولانا کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کرتا ، مولانا لندن روانہ ہو گئے ۔ اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ پریس ایکٹ کے خلاف برطانوی رائے عامہ کو منظم کیا جائے اور پارلیمنٹ کے ممبروں سے مل کر اُنھیں اس ایکٹ کی تنسیخ پر آمادہ کیا جائے ۔

مولانا لندن پہنچے ۔ پارلیمنٹ کے ممبروں سے ملے ، اخبارات میں مضامین اور خطوط لکھے اور پریس ایکٹ اور اس کے اثرات پر تقریباً تین سو صفحے کی ایک کتاب لکھی جو چھپ نہ سکی ۔ اس کتاب کا ٹائپ شدہ مسودہ مولانا کے بھائی چودھری غلام حیدر خاں کے پاس موجود ہے ۔ قیام لندن کے دوران مولانا نے ایک مقالہ لکھا ، جس کا عنوان تھا :

چار چیز است تحفۂ لندن
خمرو خنزیر و روزنامۂ و زن

یہ مقالہ 'زمیندار' میں چھپا تو اوڈوائر کو غصہ آیا ۔ اُس نے 'زمیندار' کے خلاف فوری کارروائی کا حکم دیا ۔ دس ہزار کی ضمانت ضبط ہو گئی ، چھاپہ خانہ ضبط ہو گیا اور مزید دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی ۔ مولانا کو لندن میں خبر ملی تو اُنھوں نے ایک بیان میں کہا : ''زمیندار کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ پریس کی ضبطی اس کی موت کا سبب نہ بنے گی ۔ اس سے دو بڑی ضمانتیں پہلے مانگی جا چکی ہیں ۔ ایک نئے قومی جذبے سے سر شار قوم نے چندہ جمع کر کے 'زمیندار' کو زندہ رکھا ۔ مجھے اُمید ہے کہ اس دفعہ بھی

’زمیندار‘ کو قوم روپیہ دے گی اور یہ زندہ رہے گا۔“
[کامریڈ ۲۳ جنوری ۱۹۱۴ء]۔

اس دفعہ چندہ فوراً جمع نہ ہو سکا اور ’زمیندار‘ عارضی طور پر بند ہو گیا۔ مولانا نے لندن سے چودھری غلام حیدر خاں (جو ’زمیندار‘ کے منیجر تھے) کو ہدایت فرمائی کہ حکومت کی اس کارروائی کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی جائے اور اس سلسلے میں کلکتے کے مشہور بیرسٹر مسٹر نارٹن کی خدمات حاصل کی جائیں۔ لیکن مسٹر نارٹن نے بے حد مصروفیت کی بناء پر معذرت کر دی۔ اس پر لاہور کے سر بر آوردہ وکلاء نے خود اپیل دائر کر دی۔ اگرچہ انھوں نے وکالت کا پورا حق ادا کردیا، لیکن پریس ایکٹ کی ہمہ گیری کے سامنے جج بھی مجبور تھے، اس لیے اپیل کامیاب نہ ہوئی ۔ اس دوران چندہ بھی جمع ہو گیا اور ضمانت کے ادخال کے بعد ’زمیندار‘ پھر زندہ ہوگیا اور اس نے پھر بے باکانہ حق گوئی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی ترجمانی اور وکالت کے فرائض ادا کرنے شروع کر دیے۔

’زمیندار‘ کے خلاف بغاوت کا الزام تھا۔ مولانا محمد علی نے ’کامریڈ‘ میں اس الزام کی تردید فرمائی اور کہا کہ جس مقالے پر کارروائی ہوئی ہے اس میں بغاوت کی تلقین کہیں نہیں ہوئی، لیکن آپ نے اس کے ساتھ ہی ’زمیندار‘ کے اس مقالے پر ان الفاظ میں نکتہ چینی بھی کی:
”ہمیں اس مقالے میں نہ کوئی واضح دلیل ملتی ہے، نہ منطق اور نہ معلومات باقاعدہ انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ تو افسانہ و حقیقت کے لطائف کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کا اصل حسن ان بڑی شخصیتوں کے اقتباسات میں ہے جو اس میں پیش کیے گیے ہیں اور جنھیں غالباً صحافتی استعمال کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ پھر اس میں ایک جوشیلا خطیبانہ انداز ہے، جو ہمارے لاہوری ہمعصروں کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔ یہی وہ انداز ہے جس نے ان لوگوں کو ’زمیندار‘ سے ہمدردی چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے، جو پہلے اس کے معترف تھے کہ ’زمیندار‘ نے عوام میں اخبار بینی کا ذوق پیدا کر دیا ہے اور اب کہتے ہیں کہ

’زمیندار‘ اس ذوق کو بگاڑ رہا ہے ۔“

[کامریڈ ، ۲ مئی ، ۱۹۱۴ء]

مولوی محمد علی کی یہ رائے ایسی نہیں کہ اس پر جھٹ صاد کردیا جائے ۔ جوشیلے اور خطیبانہ انداز کی اُس زمانے میں ضرورت تھی ، کیوں کہ وہ تحریکوں کا زمانہ تھا ، ہنگاموں کا دور تھا ، عوام میں قومی بیداری اور سیاسی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی ضرورت تھی اور جو عوام مدت سے مردہ ہوں ، اُنھیں زندہ کرنے کے لیے جھنجھوڑنا ضروری ہوتا ہے اور یہ کام جوشیلے اور خطیبانہ انداز کے بغیر ناممکن تھا اور کون تھا ، جو اُس دور میں اس انداز کا مالک نہیں تھا ؟ مولانا آزاد اور خود مولانا محمد علی کی تحریروں میں یہ انداز موجود تھا ۔ فرق اتنا ہی تھا کہ مولانا ظفر علی خان ذرا زیادہ جوشیلے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں آزاد اور محمد علی کے قارئین تعلیم یافتہ تھے ، وہاں ظفر علی خان کے قارئین اگر ان پڑھ تھے ، تو محض سامعین تھے اور جو واقعی قارئین تھے ، اُن میں زیادہ‌تر محض خواندہ تھے ، انھیں متاثر کرنے اور جگانے کے لیے یہی انداز واحد ذریعہ تھا ۔

مولانا ظفر علی خان انگلستان سے لوٹے تو تھوڑا عرصہ بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی ۔ حکومت نے اُنھیں کرم آباد میں نظر بند کر دیا ۔ اب پریس ایکٹ کے علاوہ قانون تحفظ ہند بھی نافذ تھا ، اس لیے حکومت جو چاہے کر سکتی تھی ۔ ’زمیندار‘ رک رک کر اور بہت محتاط رہ کر چلتا رہا ، لیکن ایک مرتبہ کچھ ایسی جنگی خبریں چھپ گئیں جن میں مبینہ طور پر اتنا مبالغہ تھا کہ لوگوں میں خطرے کا احساس پیدا ہونے کا اندیشہ تھا ۔ اس لیے حکومت نے حکم دیا کہ ’زمیندار‘ جنگ کی کوئی خبر نہ چھاپے ۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اخبار جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا ۔ چناں چہ اس پابندی کے خلاف احتجاج کے طور پر ’زمیندار‘ خود بہ خود بند ہو گیا ۔ یہ ۱۹۱۵ء کے آخر کا ذکر ہے ۔ جنوری ۱۶ء میں چودھری غلام حیدر خان ، مولانا اختر علی خان (فرزند مولانا ظفر علی خان) اور مولانا عبداللہ العمادی نے ’لمعات‘ کے نام سے ایک اور اخبار جاری کر دیا ، جو کچھ عرصہ بعد

بند ہو گیا ۔

پنجاب میں سر مائیکل اوڈوائر نے کچھ زیادہ سختی کر رکھی تھی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ میں بھرتی کے لیے یہیں سے زیادہ لوگ جاتے تھے اور حکومت نہیں چاہتی تھی کہ ہندوستان کے 'بازوئے شمشیر زن' پر آنچ آئے ۔ دوسرے صوبوں میں نسبتاً زیادہ آزادی تھی ۔ چناں چہ پنجاب کے بعض اخبار نویسوں نے ایک دل چسپ حرکت شروع کی ۔ وہ کلکتہ جا کر اخبار جاری کرتے ۔ مقامی طور پر فروخت معمولی ہوتی لیکن پنجاب میں آتے ہی پرچہ دھڑا دھڑ بکتا ۔ پریس برانچ کی کارروائی میں کچھ دیر لگ جاتی اور اس کے بعد جب اس پرچے کا داخلہ بند کر دیا جاتا ، تو اس کی جگہ کلکتے سے ایک اور اخبار نکل آتا ۔ اس کام میں دو صحافی پیش پیش تھے : اول ، چودھری غلام حیدر خان ۔ دوم ، مولانا سید حبیب ۔ چودھری صاحب نے 'ترجمان' اور 'صداقت' کے نام سے یکے بعد دیگرے دو اخبار نکالے اور سید حبیب نے 'نقاش' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا ۔ ان تینوں اخباروں کا پنجاب میں داخلہ بند ہوا ، تو یہ بند ہی ہوگیے ، کیوں کہ کلکتے میں ان کی مانگ بے حد کم تھی ۔

اُدھر مولانا ظفر علی خان کرم آباد میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گیے ، تو اُنھوں نے سر مائیکل اڈووائر کے نام ایک عرض داشت بھیجی کہ میں سیاست سے کنارہ کش ہوں اور رہوں گا ۔ علمی کام کا شوق ہے ، اگر آپ اجازت دیں تو کرم آباد سے 'ستارۂ صبح' کے نام سے ایک غیر سیاسی اور علمی ہفت روزہ جاری کر لوں ۔ حکومت نے اس کی اجازت دے دی ۔ چناں چہ مولانا نے یہ ہفت روزہ جاری کر دیا ۔ اس کا ہر مضمون چھپنے سے پہلے سنسر ہوتا تھا پھر اوڈوائر سے ملاقات ہوئی اور اخبار کو روزنامے کی حیثیت سے لاہور سے جاری کیا گیا اور مولانا حکومت کی تعمیری مساعی کی تعریف میں رطب‌اللسان ہو گئے ۔ لیکن اب ایک نئی مشکل آن پڑی ۔ مولانا کو صحافت میں مثبت تحریر میں مزا ہی نہیں آتا تھا ۔ آخر انھوں نے منفی انداز تحریر کا ایک موضوع ڈھونڈ نکالا اور برعظیم کے صوفیوں اور پیروں پر برس پڑے اور زبردست مہم

چلا دی اور اس میں اُن کی تحریر کے جوہر خوب کھلے ۔ نظم و نثر دونوں میں اُنھوں نے نام نہاد صوفیاء کی خرابیوں کا پردہ چاک کیا ۔ اس میں کبھی کبھی زیادتی بھی ہو گئی ، لیکن اس کا ایک پہلو خاص طور پر قابل تعریف تھا کہ مولانا نے مخصوص مفادات پر کاری ضرب لگائی اور بڑے بڑے بت توڑ دیے ۔

پہلی عالمی جنگ ختم ہوئی تو 'زمیندار' کا تیسرا اور مولانا ظفر علی خاں کی صحافت کا دوسرا دور شروع ہوا ، لیکن اس کی داستان کسی آئندہ باب میں بیان ہوگی ۔ فی الحال ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی صحافت کے پہلے دور کی خصوصیات کا ایک مختصر جائزہ لے لیا جائے ۔

اُردو صحافت کے کئی دور آئے اور گزر گئے ۔ سرسید نے اسے سنجیدگی اور متانت اور صحت واقعات کی خوبیوں سے نوازا ۔ 'اخبار عام' اور 'پیسہ اخبار' نے سیاسی واقعات پر رائے زنی میں شوخی اور تیکھا پن پیدا کیا ۔ سیاسی شاعری کی ابتداء بھی ان ہی دو اخباروں سے ہوئی ۔ لیکن مولانا ظفر علی خاں نے اُردو صحافت میں ایک وجاہت پیدا کی ، اس کی نوک پلک درست کی ، افتتاحیہ نگاری اور شذرہ نویسی میں ایک نئے اسلوب کی تخلیق کی ، دلیل کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کے تبصرے کو رواج دیا ، موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور سیاسی شاعری اس گھن گرج سے شروع کی کہ لوگ یہی سمجھنے لگے کہ اس کا آغاز مولانا کے قلم سے ہوا ۔ انھی نے ادارتی صفحے کا نیا نقشہ مرتب کیا ، اسے زیادہ دل چسپ بنایا اور اس طرح زیادہ قارئین کو اپنی طرف متوجہ کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے سچ مچ کا 'اخبار' تیار کیا ، یعنی خبروں کی فراہمی کو باقاعدہ بنایا ۔ اُن سے پہلے اخبار خبریں چھاپتے تھے ، لیکن یہ خبریں باسی ہوتی تھیں ۔ انگریزی اخبارات سے ترجمہ کی جاتی تھیں اور اس طرح اُردو اخبارات کے قارئین کو انگریزی اخباروں کے قارئین سے چوبیس گھنٹے بعد خبریں معلوم ہوتی تھیں ۔ کسی اُردو اخبار کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ رائٹر اور

ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا کی خبریں پیسے دے کر حاصل کرے۔ 'زمیندار' پہلا اخبار تھا، جس نے خبروں کی باقاعدہ سروس حاصل کی اور خبروں کی فراہمی میں انگریزی اخباروں کا مقابلہ کیا۔ بین الاقوامی سیاست پر معلوماتی مقالے 'زمیندار' سے پہلے بھی اخباروں میں چھپتے تھے، لیکن نہایت معمولی قسم کے۔ 'اودھ اخبار' 'لندن ٹائمز' سے بعض مضامین ترجمہ کر کے چھاپ دیتا تھا، لیکن غیر منظم صورت میں اور پھر آن کا ترجمہ بھی اچھا نہیں ہوتا تھا۔ 'زمیندار' پہلا اخبار ہے جس نے بڑے بڑے غیر ملکی اخباروں سے اعلیٰ پائے کے مقالوں کا اعلیٰ درجے کا ترجمہ کیا اور اس طرح اپنے قارئین کا زاویۂ نگاہ وسیع کیا۔ 'زمیندار' کو یہ بھی معلوم تھا کہ رائٹر برطانوی خبر رساں ایجنسی ہے اور یہ برطانوی زاویۂ نگاہ سے خبریں پیش کرتی ہے۔ چناں چہ تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے کے لیے اس اخبار نے دنیائے اسلام کے اخبارات سے باقاعدہ اقتباسات درج کیے اور اس سے بھی قارئین کو فائدہ پہنچا۔ آردو اخباروں کا 'میک اپ' 'زمیندار' سے پہلے بہت بے رنگ ہوتا تھا۔ عام طور پر یک کالمی سرخی کا رواج تھا، اس لیے قاری کو خبروں کی صحیح اہمیت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ 'زمیندار' میں دو کالمی اور بڑی سرخیاں زیادہ تعداد میں دی جاتی تھیں۔ اس سے ایک تو خبروں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا، دوسرے مصروف قاری سرخیاں دیکھ کر تھوڑے سے وقت میں حالات کا اندازہ کر لیتے تھے۔ گویا 'زمیندار' نے 'پاپولر جرنلزم' یعنی، ہر دل عزیز صحافت کو فروغ دیا اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں اخبار بینی کا ذوق پیدا کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت تھی، صحافت کی بھی اور عوام کی بھی۔ چناں چہ 'زمیندار' کی اشاعت اتنی بڑھی کہ آنے والے تیس پنتیس سال میں بھی کسی آردو اخبار کو اتنی اشاعت کا فخر حاصل نہ ہو سکا۔ خود 'زمیندار' کی اشاعت بھی آس منزل پر کبھی نہیں پہنچی جس پر وہ خود آس طوفانی دور میں پہنچ چکی تھی۔

حسرت موہانی کے بعد مولانا ظفر علی خان غالباً پہلے نمایاں گریجویٹ تھے جو آردو صحافت میں داخل ہوئے۔ اس سے آردو صحافت کا وقار بلند ہوا اور لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ صحافت ایک آونچا پیشہ ہے

جس میں اونچی قابلیت کے لوگوں کی ضرورت ہے ۔ وہ انگریزی اور اردو ، دونوں میں کمال دسترس رکھتے تھے ۔ اس طرح وہ معاشرے کے ہر گروہ میں تبادلۂ خیالات کرنے پر قادر تھے اور غیروں کو بھی معلوم ہوا کہ اردو صحافت نے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے ۔ انھیں زبان پر جو محیرالعقول عبور حاصل تھا اس کی بدولت انھوں نے اردو کی صحافتی زبان کو بے شمار سیاسی اصطلاحات اور نئے الفاظ سے آشنا کرا دیا ۔ آج وہ الفاظ ہم عام طور پر استعمال کرتے ہیں اور ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ نصف صدی قبل ان کا وجود ہی نہیں تھا ۔

مولانا ظفر علی خان کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کے دلوں سے اجنبی راج کا خوف نکال دیا ۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ حاکم کے منہ پر سچی بات کہی جا سکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان اخباروں کا چراغ گل ہو گیا جو ڈر ڈر کر لکھتے تھے ۔ سچی بات منہ پر آتی تھی ، لیکن آتے آتے رہ جاتی تھی اور اس بزدلی کو وہ سلامت روی اور دور اندیشی اور احتیاط کا نام دیتے تھے ۔ ظفر علی خان اپنی صحافت کے ابتدائی دور میں دار و رسن کی آزمائش سے یوں کام یاب نکلے کہ سب عش عش کر اٹھے ۔ اس دور میں بائیس ہزار روپے ضمانتوں کی صورت میں جمع کرائے اور چار مشینوں پر مشتمل پریس ضبط کرا لیا ، لیکن جو راستہ اختیار کیا اس سے سرمو انحراف نہ کیا اور قوم نے بھی ان کی قدر کی اور ضمانتوں کا سارا روپیہ اپنا پیٹ کاٹ کر دیا ۔ ظفر علی خان آزادیٔ صحافت کے علم بردار تھے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے وہ انگلستان بھی گیے ۔ انگریزی زبان کی اعلیٰ قابلیت ان کے آڑے آئی اور انھوں نے پارلیمنٹ کے کئی ممبروں کو اپنے خیالات سے متاثر کر لیا ۔ کاش ان کی وہ کتاب چھپ سکتی جس میں انھوں نے پریس ایکٹ کے ہمہ گیر اثرات پر اپنے تاثرات قلم بند کیے تھے ۔

پچیسواں باب

محمد علی

مولانا محمد علی آکسفورڈ کے گریجوایٹ ، مشاق صحافی ، اردو اور انگریزی دونوں پر بہ‌یک وقت قادر ، اعلیٰ پائے کے مقرر اور سیاسی بصیرت کے حامل تھے ۔ اس دور میں اُن کے انگریزی ہفت روزہ 'کامریڈ' اور اردو روزنامہ 'ہمدرد' نے تکنیکی اعتبار سے صحافت کا نیا نمونہ پیش کیا اور کمال بے باکی اور خلوص و دیانت کے ساتھ رائے عامہ کو ایک نئے سانچے میں ڈھالا اور اس کے اصل اثرات اُس وقت معلوم ہوئے جب جنگ عظیم کے بعد قانون کے بند ٹوٹے اور تحریک آزادی کے سیلاب نے اجنبی راج کے قصر عالی شان کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں ۔

محمد علی ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے ۔ دو سال کے تھے کہ والد فوت ہو گئے ، لیکن اُنھیں ایک ایسی مادر شفیق کی آغوش نصیب تھی جس نے اُن کی تربیت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا ۔ اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر پائی ، پھر بریلی کے ھائی سکول میں داخل ہوئے اور بورڈنگ ھاؤس میں قیام کیا ۔ وھاں سے فارغ ہوئے ، تو علی گڑھ پہنچے ۔ آپ ایک اچھے اور ذہین طالب علم ، کرکٹ کے رسیا اور بلا کے مقرر تھے۔ ۱۸۹۶ء میں بی ۔ اے کا امتحان دیا اور یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی ۔ یہاں سے انگلستان گئے تا کہ آئی ۔ سی ۔ ایس کا امتحان دیں ، لیکن اس میں ناکامی ہوئی ۔ اس پر والدہ نے واپس بلایا ، شادی کر دی اور اس کے بعد پھر انگلستان بھیجا ، تاکہ آکسفورڈ سے بی ۔ اے کریں ۔ آپ اس امتحان میں کام یاب ہوئے اور آکسفورڈ سوسائٹی

کے پہلے ہندوستانی سیکرٹری کی حیثیت سے وہاں بھی خوب نام پیدا کیا - واپس آئے تو پہلے ریاست رام پور میں ایک اعلیٰ ملازمت پر فائز ہوئے - چند سال ریاست بڑودہ میں بسر کیے - اس دوران قلمی ناموں سے ملک کے اعلیٰ انگریزی اخبارات میں مقالہ نگاری کرتے رہے - ۱۹۱۰ء میں ملازمت چھوڑ کر خار زار صحافت و سیاست میں داخل ہوئے اور مرتے دم تک اسی دشت کی سیاحی میں مصروف رہے -

'کامریڈ' اور 'ہمدرد' کیسے وجود میں آئے ؟ ان کے مقاصد کیا تھے ؟ ان سوالات کے جواب محمد علی سے سنیے : ''میں نے جب ۱۹۱۰ء میں ریاست بڑودہ کی ملازمت سے اس نیت سے علیحدگی اختیار کی تھی کہ اس سے زیادہ وسیع دائرے میں قدم رکھ کر ملک و ملت کی خدمت کیا کروں ، تو 'کامریڈ' نکالنے کے لیے کلکتہ گیا تھا - اس وقت سے یہ خیال میرے دل میں تھا کہ انگریزی ہفتہ وار تو حکومت کی خدمت میں عرض حال کرنے کے لیے ہو اور ہندوستان کی دوسری ملتوں کو بھی ملت اسلامیہ کے افکار و مطامح سے اس کے ذریعے سے با خبر رکھا جائے اور ایک حد تک ہندوستان کی باہر کی اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کو بھی ان افکار و مطامح سے آگاہ کیا جاتا رہے ، لیکن سوائے ان مسلمانان ہند کے جو اردو سے نا واقف اور نا آشنا ہیں ، باقی مسلمانان ہند کی خدمت کے لیے ، جو اس ملت مرحومہ کا سواد اعظم ہیں ، ایک روز نامہ اردو میں بھی شائع کیا جائے - جب کامریڈ کی اشاعت شروع ہونے کے ایک ہی سال بعد حکومت نے کلکتے کو چھوڑ کو دہلی میں پھر دارالحکومت بنانے کی ٹھانی اور کامریڈ کے لیے اس اجڑے دیار میں اسی وقت قارئین کرام کو اس پر آمادہ کیا کہ 'ہمدرد' کو بھی جاری کرنے میں میری مدد فرمائیں ، تاکہ کامریڈ کے ساتھ ساتھ اس مطبع سے ٹائپ کے حروف میں روزانہ ہمدرد بھی شائع ہو سکے اور انھوں نے بیس پچیس ہزار روپے Debenture میری استدعا پر پندرہ سال کے لیے خرید فرمائے اور میں کامریڈ ہمدرد پریس ۱۹۱۲ء میں قائم کر سکا اور ۱۹ ستمبر ، ۱۹۱۲ء کو دہلی پہنچ گیا - وہاں آتے ہی ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ، یعنی جس وقت دہلی سے کامریڈ کا پہلا پرچہ نکلا ،

ترک ، جو ابھی جنگ طرابلس کی مصیبت سے نہ نکلنے پائے تھے ، جنگ بلقان کی تازہ مصیبت میں گرفتار ہوگئے - بیروت سے نسخ کا جو ٹائپ منگایا گیا تھا ، وہ دیر میں آیا اور اس پر بھی ضرورت سے کم آیا ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصے تک ہمدرد نہ نکل سکا اور اس کا اڈیٹوریل عملہ اس تمام عرصے میں بےکار رہا اور مصارف برابر جاری رہے - لوگوں کے اصرار پیہم سے مجبور ہو کر جو کچھ ٹائپ موجود تھا اسی سے کام لیا گیا اور ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء سے ایک ایک ورقہ 'نقیب ہمدرد' بن کر آنے والے 'ہمدرد' کی منادی کرنے لگا - اس وقت اس ایک ورقہ نے اپنا تعارف قارئین کرام سے ان الفاظ میں کرایا تھا :

ہماری شرم ساری اور جوبی کا یہ عالم ہے کہ چلمن سے پردے کی نوبت پہنچ جاتی ہے ، تاہم خیریت ہے کہ ہم‌سر اور ہم چشم احباب کے شکووں میں ایک طرح کی تلخ شیرینی ہوتی ہے - یہ اگر جاری رہیں تو مزا آتا ہے ، اگر بند ہو جائیں تو یاد آتی ہیں، مگر قوم کے بزرگ مخدوم کی شکایت سننے کا زہرہ نہیں - ہم اپنے احباب کو طوعاً کرہاً راضی تو کر ہی لیتے ، لیکن قبلہ و کعبہ وقارالملک بہادر مدظلہ کا والہ نامہ جو ابھی موصول ہوا ہے ، ایک ایسی زبردست تحریک ہے جس نے صبر و شکیبائی کے آخری بند توڑ ڈالے اور 'ہمدرد' کو بنیان اور شلوار ہی پہنے خلوت کدے سے ویسے ہی نکل کر برہنہ پا دوڑنا پڑا -

''جب بالآخر بیروت سے کافی ٹائپ آ گیا تو ہمدرد کی بسم‌اللہ ہوئی - اس وقت 'ہمدرد' نے جن الفاظ میں اپنا تعارف کرایا تھا انہیں بھی اختصار کے ساتھ آج پھر دھرائے دیتا ہوں - میں نے عرض کیا تھا کہ 'ہمدرد' آج اخباری دنیا میں قدم رکھتا ہے ، مگر سہما ہوا ، کہ ننگ وجود ثابت نہ ہو - عالم فکر سے عالم ذکر میں آتے آتے کم و بیش دو سال لگے تھے تو عالم ذکر سے عالم عمل میں آتے آتے ایک سال سے کچھ زیادہ ہی لگ گیا - جو حضرات 'ہمدرد' کے جلوس کا تماشا دیکھنے لب بام آگئے تھے، انھوں نے

نقیب ہمدرد کی آواز بھی سنی ہو گی اور انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمدرد کی سواری اس قدر دیر میں کیوں آئی کہ آہستہ خرام کے حکم پر عمل کرتے کرتے اس نے اپنے تماشائیوں کو جھلا کر مخرام کہنے پر مجبور کر دیا ۔ اسی داستان گو نے دوسری اور تیسری شب کی کہانی میں ساری آپ بیتی سرگزشت سنا دی ہے ، اس لیے ازسرنو معذرت غیر ضروری ہوگئی ہے۔ اگر ہماری مجبوریوں کا یقین نہ آتا ہو تو ایک بار خود سوچ لیجیے کہ اس نووارد کے اس قدر انتظار دکھانے میں صرف شماتت ہمسایہ ہی نہ تھی ، بلکہ نقصان مایہ کو بھی بہت کچھ دخل تھا ، مگر کار فرمائے حقیقی کی اس میں بھی کوئی مصلحت ہو گی ۔ سلطنت عثمانیہ پر جو طوفان نازل ہوا ہے اس نے اخباری دنیا میں بالعموم ابر نیساں کا کام دیا اور بہت سی کھیتیاں آج اسی کے طفیل لہلہا رہی ہیں ۔ ممکن ہے کہ ہماری خشک سالی ہی ہمارے لیے باعث رحمت ہو اور شاعر کا وعدہ پورا ہو کہ ع

آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

''اخباروں کی گرم بازاری عاشق کے گھر کی رونق سے کسی طرح کم نہیں ۔ دونوں ایک ہنگامہ پر موقوف ہیں اور دونوں کے لیے ، ع

نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

''چوں کہ 'ہمدرد' کے نکلنے تک جنگ بلقان کا خاتمہ ہو چکا تھا اور چوں کہ کم از کم مسلم اخبارات کے خریدار زیادہ تر جنگ و جدال اور حرب و قتال ہی کی خبروں سے ظوظ ہوا کرتے ہیں ، ان کا فروخت کرنے والا صحیح طور پر شاعر کی طرح کہ سکتا ہے کہ ع

من قماش فروش دل صد پارۂ خویشم

اس لیے اس وقت 'ہمدرد' کا جاری ہونا ایک منڈی کے بازار میں سودا کرنے کے مترادف تھا ۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ 'ہمدرد' نوحۂ غم سے بھی گھر کی رونق نہیں بڑھا سکتا ۔ اس سے جہاں ہر شخص کو ایک بدیہی نقصان نظر آتا ہے ہمیں ایک بیش بہا فائدے کی بھی

جھلک دکھائی دیتی ہے - یعنی قومی ماتم پر نئی تہذیب کی تحسین و آفرین کا شبہ اور سینہ کوبی پر تالیوں کا دھوکہ نہیں ہو سکتا - جو حضرات قومی اقبال کے جنازے کو کاندھا دینے آئے تھے انھیں ہم اپنا تخت رواں بردار نہیں بنا سکتے - اس لیے تشنہ لب جب کبھی مست ہو سکیں گے تو کہہ سکیں گے کہ

مست ہیں جس مے سے ہم اس مے کا پیمانہ نہیں
منتّ ساقی نہیں غوغائے مےخانہ نہیں

"بیروت کا نسخ کا ٹائپ مسلمان ہند میں مقبول نہ ہو سکا تو سال بھر نقصان اٹھا کر میں نے لیتھو کی دو مشینیں خریدیں اور دور جدید سے رجعت قہقہری کر کے دور حجر کی طرف عود کیا - لیتھو کا خط نستعلیق بے شک مقبول ہوا اور روز اشاعت بڑھنے لگی - اس کے مہینے دو مہینے بعد ہی جنگ عمومی کا افتتاح ہوا اور اب تو 'ہمدرد' کی اشاعت ایک سال کے اندر دس ہزار تک پہنچ گئی مگر ۱۶ مئی ۱۹۱۵ء کو اس کا مالک اور اڈیٹر مع اپنے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کے نظر بند ہو گیا اور اس کے ایک ماہ بعد 'ہمدرد' پر ایک ایسا سنسر بٹھا دیا گیا جس کا فرض منصبی بظاہر یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ جلد سے جلد 'ہمدرد' کو بند کرا دے - 'کامریڈ' ترکوں سے جنگ شروع ہوتے ہی پریس کی ضمانت ضبط کیے جانے پر نومبر ۱۹۱۴ء سے بند ہو چکا تھا - اب اگست ۱۹۱۵ء میں 'ہمدرد' بھی، جس کے لیے ایک اور مطبع خریدا گیا تھا اور از سر نو ضمانت دی گئی تھی، بند ہو گیا -" ['ہمدرد' - ۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء بوساطت 'مضامین محمد علی']

نظریۂ صحافت

جن دنوں محمد علی بڑودہ میں ملازم تھے کسی شناسا نے ایک خط میں اخبار نکالنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے مشورہ طلب کیا - اس کے جواب میں موصوف نے ایک مفصل خط لکھا جو رئیس احمد جعفری نے 'سیرت محمد علی' (صفحات ۳۲ - ۲۳۵) میں درج کر دیا ہے - اس میں

صحافت کا ضابطۂ اخلاق پیش کیا گیا ہے جس کی تلخیص ملاحظہ ہو :

۱ - اخبار کو ذاتیات سے مبرا ہونا چاہیے - نہ کسی دشمن کے خلاف زیادہ لکھا جائے نہ کسی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جائیں اور مخالفت اُصول کے دائرے میں محدود رہے -

۲ - جو کچھ لکھا جائے عبارت آرائی کے خیال سے نہیں، نہ لوگوں کے چٹکیاں لینے کی غرض سے بلکہ متانت سے اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ -

۳ - اخبار کا مقصد یہ ہو کہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچایا جائے - نہ یہ، کہ کسی دوسری قوم کو نقصان پہنچایا جائے - مذہبی مباحث سے بھی اخبار کو مبرا اور معرا ہونا چاہیے -

۴ - اخبار خبروں کا مجموعہ ہوتا ہے - لہذا زیادہ تر خبروں کا حصہ ہونا چاہیے اور ہمیشہ صحیح اور مصدقہ خبریں چھاپنی چاہئیں -

۵ - ایڈی ٹوریل محض بھرتی کے لیے نہیں بلکہ کسی اہم اور تازہ واقعے پر لکھا جائے اور اس کے لیے پوری محنت، تحقیق اور مطالعے سے کام لیا جائے -

محمد علی کے نظریۂ صحافت کو سمجھنے کے لیے 'کامریڈ' سے یہ اقتباس بھی مدد دے سکتا ہے :

''صحافی سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ واقعات کو پوری صحت سے درج کرے - اُسے خیال رکھنا چاہیے کہ واقعاتی صحت کا معیار اتنا بلند ہو کہ مورخ اس کی تحریروں کی بنیاد پر تاریخ کا ڈھانچہ کھڑا کر سکے - صحافی رائے عامہ کا ترجمان ھی نہیں، راہ نما بھی ہوتا ہے - اُسے صرف عوام کے دعاوی کی تائید و حمایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ صحافتی منبر سے عوام کو درس بھی دینا چاہیے -'' ['کامریڈ'، ۶ جنوری ۱۹۱۲ء]

یہ وہ نظریہ ہے جو آج بھی دنیا بھر کے ثقہ اور سنجیدہ صحافیوں کے نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی نظریے کے پیش نظر محمد علی نے اپنے ہم عصر جرائد کی خوبیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لیا۔ مثلاً مولانا ظفر علی خان کے کارہائے نمایاں اور ادبی اور صحافتی قابلیت کو بے پناہ خراج عقیدت ادا کرنے کے باوجود اُن کی چٹپٹی اور سنسنی خیز صحافت کو ہدف تنقید بنایا اور 'وکیل' (امرتسر) کی پالیسی سے اختلاف کے باوجود اُس کی متانت اور سنجیدگی کی ہمیشہ تعریف کی۔

'ہمدرد' کے اجراء سے پہلے مولانا محمد علی کے ذہن میں اس کا تصور کیا تھا؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے 'کامریڈ' میں اُن کے اُس مضمون کا مطالعہ ضروری ہے جو اُنھوں نے 'ہمدرد' کے بارے میں لکھا۔ اس میں اُنھوں نے بتایا کہ میں ایک ایسا اول درجے کا اُردو روزنامہ جاری کرنا چاہتا ہوں جس میں سجاد حیدر یلدرم، عنایت اللہ، مولوی عبدالحق، خواجہ غلام الثقلین، شیخ عبدالقادر، محفوظ علی بلکہ علامہ اقبال بھی ارکان ادارہ ہوں۔ 'پیسہ اخبار' کے سائز پر آٹھ صفحے ہوں جن میں کم از کم چھ صفحے پڑھنے کے مواد پر مشتمل ہوں۔ رائٹر اور ایسوشی ایٹڈ پریس کی سروس لی جائے۔ اس کے علاوہ کئی سفری نامہ نگار مقرر ہوں، جو ملک کے بعض علاقوں میں گھوم پھر کر حالات کا مشاہدہ کریں اور وقتاً فوقتاً ان علاقوں کے عوام کے حالات، ضروریات، شکایات، سیاسی آراء، تجارت، صنعت اور تعلیم وغیرہ پر مکاتیب قلم بند کریں۔ علاوہ اداریوں کے خصوصی مقالے بڑے اہتمام سے ایسے لوگوں سے لکھوائے جائیں جنھوں نے متعلقہ موضوعات کا خاص مطالعہ کر رکھا ہے۔ عوام کا نقطۂ نگاہ وسیع کرنے کے لیے ان موضوعات پر مقالات درج کیے جائیں:

"۱ - یورپ کے سیاسی فلسفیوں کے سیاسی نظریات۔ ۲ - نمائندہ حکومت کی تاریخ۔ ۳ - جدید ریاستوں کے آئین۔ ۴ - بین الاقوامی قانون کا ارتقاء اور موجودہ کیفیت۔ ۵ - دنیا کی افواج اور سمندری بیڑے۔ ۶ - یورپی طاقتوں کے معاہدے اور گٹھ جوڑ اور اُن کے اسباب۔ ۷ - مختلف دبستان ہائے معاشیات کے نظریات۔ ۸ - مختلف ممالک کی تجارت

اور صنعت و حرفت - ۹ - مختلف ملکوں کے بجٹ - ۱۰ - مختلف زبانوں میں ادب کا نشوء و ارتقاء - ۱۱ - مختلف ممالک کے فنون - ۱۲ - اسلامی مملکتوں کے عروج و زوال کی داستانیں - ۱۳ - دنیا کی یونیورسٹیاں - ۱۴ - مختلف ممالک میں عورتوں کی حیثیت -''

['کامریڈ' - ۲۷ اپریل ۱۹۱۲ء]

محمد علی نے 'ہمدرد' جاری کیا تو مشکلات نے دامن تھام لیا - لیکن اپنی طرف سے اُنھوں نے پوری سعی کی کہ 'ہمدرد' اُسی نصب‌العین کے قریب ہو جو اُنھوں نے طے کر لیا تھا -

سیاسی نظریات

افسوس کہ 'ہمدرد' کے اولین دور کے فائل پاکستان میں موجود نہیں ہیں - اس لیے محمد علی کے سیاسی نظریات کے بارے میں ہم 'ہمدرد' سے اقتباس پیش نہیں کر سکتے - محمد علی کے مضامین اور اداریوں کے جو مجموعے ابھی تک دہلی اور حیدرآباد دکن میں چھپے ہیں وہ بھی دور ثانی کا احاطہ کرتے ہیں - دور اول کا کوئی مقالہ اُن میں موجود نہیں - اس لیے دور اول کے سیاسی نظریات کے سلسلے میں ہم 'کامریڈ' کی طرف رجوع کرتے ہیں - اس کے پہلے شمارے میں جو افتتاحیہ درج ہوا اُس سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

''اس نعرے میں ہمارا کوئی اعتقاد نہیں کہ ہندوستان متحد ہے...... ہندوستان کے مسائل تقریباً بین‌الاقوامی مسائل ہیں، لیکن باہمی خیر سگالی سے ایک متحدہ قومیت پیدا ہو سکتی ہے - ہم حب وطن کا وہ جوش و خروش تو پیدا نہ کر سکیں گے جو جاپان کے چار کروڑ باشندوں کی ایک متحدہ قوم میں پیدا ہے لیکن کینیڈا کے انداز کا ایک اتحاد ناممکن نہیں - یہ رومان اور شاعری کی تخلیق کی ہوئی محبت کی شادی نہیں ہوگی - اس شادی کا محرک جذبہ فریقین کی سہولت پر مبنی ہوگا - یہ نکاح اگر عزت سے کیا جائے اور احترام کے ساتھ قائم رکھا جائے تو اسے برا

نہ سمجھنا چاہیے ۔ [’کامریڈ‘ ۔ ۱۴ جنوری ، ۱۹۱۱ء]

چند روز بعد ’جداگانہ انتخاب‘ کے عنوان سے محمد علی نے جو مضمون لکھا اُس میں بتایا :

”ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ ہندوستان کے مسائل کی نوعیت اتنی قومی نہیں جتنی بین‌الاقوامی ہے ۔ بین‌الاقوامی قانون میں کسی ملک کی طاقت پیش نظر نہیں ہوتی ۔ اس قانون کا بنیادی اُصول یہ ہوتا ہے کہ سب قومیں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ مسلمانوں کی حیثیت یورپ کی چھوٹی قوموں کے برابر ہے اور مسلمان ان طاقتوں کی طرح تمام فرقہ دارانہ تنازعات میں کامل برابری کا دعویٰ کر سکتے ہیں ۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر رہے اور اپنے مطالبے کو ایک ایسی نمائندگی تک محدود کرتے ہیں جو اُن کے وجود اور اُن کے وقار کے تحفظ کے لیے کافی اور مؤثر ہو ۔“ [۲۸ جنوری ، ۱۹۱۱ء]

اگلے سال محمد علی نے ایک اداریے میں لکھا :

”آج متحدہ ہندوستان کا کوئی وجود نہیں ۔ ہمیں اسے وجود میں لانا ہے اور اس کی اولین شرط یہ ہے کہ اس امر کو تسلیم کرلیا جائے کہ اس کا کوئی وجود نہیں ۔“ [۶ جنوری ، ۱۹۱۲ء]

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد علی کے نزدیک متحدہ ہندوستان کا وجود ہی نہیں تھا ۔ ہندوستان میں ایک نہیں ، دو قومیں تھیں ۔ وہ ان دونوں کا ملاپ قدرتی نہیں سمجھتے تھے ، بلکہ اسے محض ایک ’نکاح‘ جانتے تھے، جو ظاہر ہے ٹوٹ بھی سکتا تھا اور ان دونوں کو برابر کی حیثیت کا سمجھتے تھے ۔

’کامریڈ‘ میں ایک مزاحیہ کالم بھی ہوتا تھا ۔ اس کا مستقل عنوان ’گپ‘ تھا ۔ یہ کالم کبھی آپ خود لکھتے تھے ، کبھی راجہ غلام حسین اور کبھی ولایت علی بمبوق ۔ یہ دونوں کالم نگار محمد علی کے مزاج اور رائے سے کاملاً آگاہ تھے ۔ بمبوق نے ایک مرتبہ مذاق

میں ایسی بات لکھ دی جو چونتیس سال بعد ایک جیتی جاگتی حقیقت بن گئی - گویا دو قوموں کا نکاح ٹوٹ گیا - وہ نکاح ، جو اجنبی راج نے زبردستی پڑھایا تھا - ملاحظہ ہو ہمبوق کا لکھا ہوا مکالمہ جو عالم خیال میں ہوا :

''سوال : آپ ہندو مسلم مسئلے کو کیسے حل کریں گے ؟
جواب : ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ کر دینا چاہیے - شمالی ہند مسلمانوں کے حصے میں آجائے اور باقی ہندوستان ہندوؤں کے حوالے کر دیا جائے -

جب اُنھیں بتایا گیا کہ غیر روشن خیال لوگ مردم شماری کے اعداد کے پیش نظر آپ کی اس رائے کو جامعیت پر مبنی نہیں سمجھیں گے تو اُنھوں نے بلا تامل کہ دیا :

سکھ اور جین اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ہندوؤں کے ساتھ رہیں گے -'' [۱۰ مئی ، ۱۹۱۳ء]

غالباً یہ کہنا زیادتی نہیں ہوگی کہ ہمبوق نے یہ خیال محمد علی ہی سے لیا ہو کیوں کہ 'کامریڈ' میں جو کچھ لکھا جاتا تھا اُس میں رفقاء کا مشورہ شامل ہوتا تھا -

محمد علی اور اُردو صحافت

محمد علی نے اپنی صحافت کے پہلے دور میں اردو صحافت کو جو کچھ دیا وہ اس کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے - اُس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے اردو صحافت کو لیتھو کی چھپائی سے نجات دلا کر اردو ٹائپ اختیار کرنے کے لیے عملی قدم اُٹھایا - یہ کام سرسید نے بھی کیا تھا اور محمد علی کے ہم عصر ابوالکلام آزاد نے بھی یہی کیا - لیکن روزانہ صحافت میں ٹائپ کی طباعت کو رواج دینے کی ابتداء محمد علی سے ہوئی - اُنھوں نے اپنی انگریزی زبان کی نامکمل آپ بیتی میں لکھا : ''اردو کے لیے نستعلیق رسم الخط رائج ہے ، جو اگرچہ

نہایت خوب صورت ہے اور خطاط اس کی نوک پلک کو درست کر کے انتہائی مسرت محسوس کرتے ہیں، لیکن ٹائپ بنانے والے کے لیے یہ رسم الخط مایوس کن حد تک اُلجھن پیدا کرتا ہے۔ عیسائی مشنریوں نے ان دونوں قسم کے رسم الخط کے درمیان ایک ٹائپ بنایا، جو نہایت بدنما تھا۔ نسخ میں بھی حروف بہت بڑی تعداد میں درکار تھے کیوں کہ یہ رسم الخط حقیقیت میں ایک طرح کا شارٹ ہینڈ ہے۔ سرسید احمد خاں نے کئی امور میں جدتیں پیدا کیں۔ چناں چہ اُنھوں نے بھی نسخ ٹائپ استعمال کیا۔ لیکن اُن کی صحافت ہر دل عزیز صحافت نہیں تھی۔ اس لیے بہت کم لوگ اس سے مانوس ہوئے ... میں درمیانی رسم الخط سے متنفر تھا اور نستعلیق ٹائپ بن نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بیروت سے نسخ ٹائپ منگوایا۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ لوگوں کو نستعلیق رسم الخط سے آزاد کرا کے نسخ سے مانوس کیا جائے۔"

[My Life : A Fragment - صفحات ۷۸ - ۷۹]

اس مقصد میں محمد علی کو کام یابی نصیب نہ ہوئی اور اُنھیں اپنے ہاتھوں اُردو ٹائپ ترک کر کے لیتھو کا طریق طباعت اختیار کرنا پڑا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ اُنھوں نے روزانہ صحافت میں اس کی ابتداء کر کے راستہ دکھا دیا تھا۔

محمد علی نے اُس زمانے میں 'ہمدرد' جاری کیا جب 'زمیندار' کا طوطی بر عظیم کے طول و عرض میں بول رہا تھا۔ اس کے باوجود 'ہمدرد' 'زمیندار' سے مختلف تھا۔ اُس نے سنجیدہ، متین اور مدلل صحافت کا راستہ اختیار کیا۔ صحت واقعات کی طرف خاص دھیان دیا۔ رائے عامہ کی عکاسی ہی نہیں، رہ نمائی بھی کی اور اس میں کبھی اس بات کا خیال نہ کیا کہ کوئی خاص طرز عمل اختیار کرنے سے اشاعت گھٹے گی یا بڑھے گی۔ اگر برطانوی صحافت کے پس منظر میں دیکھا جائے، تو ہم بلا تامل کہ سکتے ہیں کہ جہاں 'زمیندار' نے 'پاپولر جرنلزم' (ہر دل عزیز صحافت) کو ترقی کی منازل سے آشنا کیا، وہاں 'ہمدرد' نے 'کوالٹی جرنلزم' (اعلیٰ پائے کی صحافت) کو رائج کیا اور کسی ملک کی صحافت کو

ترقی دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں دونوں قسم کی صحافت موجود ہو، اس لیے دونوں نے مل کر اس دور کے قارئین کی ضروریات پوری کیں۔

'زمیندار' کی طرح 'ہمدرد' نے بھی رائٹر اور ایسوشی ایٹڈ پریس کی باقاعدہ سروس حاصل کی۔ اس کے علاوہ نامہ نگار بھی مقرر کیے۔ جہاں 'زمیندار' میں نیاز فتح پوری، مولانا عبداللہ العمادی، منشی وجاہت حسین جھنجھانوی اور وحید الدین سلیم پانی پتی جیسی شخصیتوں نے کام کیا وہاں 'ہمدرد' میں بھی سید ہاشمی فرید آبادی، قاضی عبدالغفار، سید جالب دہلوی، عبدالحلیم شرر اور میر محفوظ علی جیسے ادیب اور صحافی موجود تھے۔ اور کچھ لکھنے سے پہلے باہمی مشورہ ہوتا تھا۔ چناں چہ قاضی عبدالغفار لکھتے ہیں: میری زندگی میں وہ یادگار صبح تھی، یعنی وہ پہلا دن جب بہ حیثیت استاد شاگرد میرے اور محمد علی کے مستقل تعلقات شروع ہوئے۔ میں اس زمانہ کو بھول نہیں سکتا۔ کیا زمانہ تھا جب 'ہمدرد و کمریڈ' کے دفتر میں صبح اور شام تمام ممبران اسٹاف اخبار کے متعلق مشورے میں شریک ہوتے تھے۔ شوکت علی، محمد علی، سید محفوظ علی، راجہ غلام حسین، میں اور دو چار اور ہم سب زیر بحث مسائل پر بحث کرتے تھے اور محمد علی صاحب ایک ایک کو اس کے کام کے متعلق ہدایات دیتے تھے۔ ان کے دماغ کی ہمہ‌گیری کا یہ عالم تھا کہ جب ایک چھوٹا سا نوٹ لکھنے کے لیے بحث کے خاص خاص پہلو بتانا شروع کرتے تھے جو اگر سب حیطۂ تحریر میں لائی جاتی، تو 'ہمدر' کے آٹھ دس کالم پر ہو جاتے۔'' [بہ حوالہ 'سیرت محمد علی' - صفحات ۳۳ - ۳۳۳] - یہ گویا اردو صحافت میں 'ایڈی ٹوریل کانفرنس' کی ابتداء تھی۔ انگریزی اخبارات میں ہمیشہ سے یہ رواج رہا ہے، لیکن اردو اخباروں میں ادارتی کانفرنس کے ذریعے سے باہمی مشورہ کی رسم حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔

محمد علی بھی آزادیٔ صحافت کے علم بردار تھے۔ پریس ایکٹ کے خلاف پے در پے مقالے لکھے۔ جس اخبار کے خلاف کاروائی ہوئی اس کی امداد کو آئے۔ 'زمیندار' کے لیے تو چندہ دیتے اور جمع کرتے رہے۔

خود بھی ضمانتیں جمع کرائیں ، ضبط کرائیں بلکہ چھاپہ خانہ بھی ضبط کرایا اور آخرکار خود نظر بند ہو گیے اور اخبار بھی بند ہو گیا ۔ لیکن اس میں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محمد علی نے جذبات میں آ کر خواہ مخواہ اپنے آپ پر حکومت کے حملے کو دعوت نہیں دی ۔ وہ احتیاط سے لکھتے تھے لیکن جب حق بات کا کہنا ضروری ہوتا تھا ، تو بے دھڑک کہہ ڈالتے تھے اور یہی ایک اعلیٰ صحافی کا کردار ہونا چاہیے ۔

محمد علی نے تحریک خلافت کے بعد پھر 'ہمدرد' جاری کیا لیکن یہ ایک الگ کہانی ہے ، جو کسی آئندہ باب میں بیان ہوگی ۔

چھبیسواں باب

ابوالکلام آزاد

جب مولانا ابوالکلام آزاد کی عمر دس برس کی تھی تو انھیں لاہور کے 'اخبار عام' تک رسائی حاصل ہوئی۔ اس کے صفحۂ اول پر 'اخبار کی بہار' کے عنوان سے ایک مستقل فیچر چھپتا تھا جس میں چھوٹی چھوٹی خبریں دے کر ان پر ایک لفظ یا دو لفظ کا مزاحیہ تبصرہ ہوتا تھا۔ آزاد کو اس فیچر سے خصوصی دل چسپی تھی۔ پھر 'اودھ اخبار' (لکھنؤ) اور 'پیسہ اخبار' (لاہور) نظر سے گزرنے لگے۔ کلکتہ کا ہفت روزہ 'دارالسلطنت' بھی مطالعہ میں آیا اور کبھی کبھار 'پنچ' اخبارات بھی پسند آنے لگے۔

اسی کم سنی میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ بمبئی سے 'ارمغان فرخ' کے نام سے ایک گل دستہ نکلتا تھا۔ آزاد نے اس رسالے کے لیے ایک غزل کہی۔ مصرعہ طرح تھا:

پوچھی زمین کی تو کہی آسماں کی

اسی مرحلے پر آزاد کا تخلص اختیار کیا۔ جب یہ غزل چھپ گئی تو شعر و سخن کا شوق اور بڑھا اور وہ بالالتزام تمام گل دستے منگوانے لگے اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ ان میں اشاعت کے لیے کلام بھیجتے رہے۔

نیرنگ عالم کا اجراء

آخر خیال آیا کہ ایک گل دستہ اپنی ادارت میں جاری کیا جائے۔ بہ قول 'آزاد کی کہانی، خود آزاد کی زبانی' مولانا نے کہا: ''گل دستہ بلا

روپے کے نکل نہیں سکتا تھا، مگر اُس وقت کے حالات بھی عجیب تھے۔ ہمارا حساب یہ تھا کہ جس قدر بھی روپیہ کی ضرورت ہے صرف پہلے نمبر کے لیے ہے اور جہاں ایک نمبر نکل گیا تو تمام دنیا اس طرح اس کے انتظار میں ہے کہ فوراً ہزاروں آدمی اس کے خریدار ہو جائیں گے، پھر روپے کی کیا کمی رہے گی؟' چناں چہ صرف پچاس روپے کے سرمائے سے 'نیرنگ عالم' کے نام سے ایک گل دستہ جاری کر دیا، جو ہادی پریس (ہیریسن روڈ، کلکتہ) میں چھپتا تھا۔ پہلے شمارے میں اچھے اچھے شعراء نے غزلیں لکھیں، لیکن تجارتی نقطۂ نگاہ سے یہ گھاٹے کا سودا رہا۔ کہاں تو یہ توقع تھی کہ ہزاروں آدمی خریدار بن جائیں گے اور کہاں یہ کیفیت کہ مشکل سے ڈیڑھ سو درخواستیں آئیں اور اُن میں بھی بہت تھوڑے لوگوں نے پیشگی چندہ بھیجا۔'' آزاد نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ آٹھ مہینے تک گل دستہ جاری رکھا اور جب بالکل مایوسی ہو گئی تو اسے بند کر دیا۔ شعر و سخن کے ساتھ ساتھ قصے کہانیاں پڑھنے کا شوق ہوا۔ عبدالحلیم شرر کا ناول 'ملک العزیز ورجینیا' بہت پسند آیا اور آپ نے ناول منگانے شروع کر دیے۔ اس سے ماہانہ رسائل میں دل چسپی پیدا ہوئی، کیوں کہ ان میں ناول بھی بالاقساط چھپا کرتے تھے۔ چناں چہ آپ 'مرقع عالم' (ہردوئی) اور 'دل گداز' (لکھنو) کے مستقل خریدار بن گئے۔

سر سید سے عقیدت

سنجیدہ ادب کا مطالعہ شروع ہوا تو سر سید کی تصانیف بھی نظر سے گزریں اور ان سے اتنی عقیدت پیدا ہوئی کہ تمام تصانیف منگوا لیں۔ آزاد فرماتے ہیں: ''سرسید کی تصانیف کا شوق بتدریج اس طرح دل و دماغ پر چھا گیا کہ اب کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے سامنے آنکھوں میں نہیں جچتی تھی۔ شوق نے ارادت و عقیدت کی شکل اختیار کر لی اور یہ ہوا کہ ایک عقیدت مند کی طرح اپنے شیخ و مرشد کے ملفوظات کے ایک ایک لفظ کو دل و جان دے کر خریدنا چاہے۔ ان کی تصانیف کا ہر ورق و صفحہ میں نے نہایت جد و جہد کر کے حاصل کیا۔'' یہی نہیں 'تہذیب الاخلاق'، اور 'اخبار سائنٹیفک سوسائٹی' کے پرانے فائل نہایت

گراں قیمت پر خرید کر حاصل کیے ۔ ٹائپ کی طباعت سے آزاد کی دل چسپی آنہی دنوں شروع ہوئی اور آن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ سر سید کی کتابوں کے وہ پہلے ایڈیشن خریدیں جو ٹائپ میں چھپتے تھے ۔

مضمون نگاری کا شوق

نثری تحریر کی ابتداء درسی کتب پر حواشی لکھنے سے ہوئی ۔ والد کے ایک مرید مولوی حبیب الرحمان کی فرمائش پر جلال الدین سیوطی کے ایک مختصر رسالے کا اُردو ترجمہ کیا ۔ آنھوں نے تحفے کے طور پر ایک گنی (اکیس شلنگ) پیش کی ۔ مولانا نے اسے قبول نہ کیا اور کہا ، اس کی جگہ آپ مجھے 'آئین اکبری' لا دیجیے ۔ یہ کتاب گویا مولانا کی پہلی قلمی محنت کے معاوضے کے طور پر ملی ۔ اس کے بعد جلال الدین سیوطی کے ایک اور رسالہ 'خصائص محمدیہ' کو اُردو میں منتقل کیا ۔ امام غزالی کے بعض رسائل کا ترجمہ کیا ۔ بعض ادبی مضامین لکھے ، جو بعض فارسی اور عربی جرائد میں مطبوعہ مقالات سے تلخیص کیے گئے تھے ۔ پھر ندوۃ العلماء کے حق میں دو پمفلٹ لکھے ۔ اب وہ صحافت کے دائرے میں آنے کے لیے بے قرار تھے ۔ فرماتے ہیں : ''اب شاعری سے زیادہ یہ نئی غذا روز بہ روز مرغوب تر ہوئی جاتی تھی اور سب سے بڑا اور بلند مقام جو کسی انسان کے لیے ہو سکتا تھا ، یہ نظر آتا تھا کہ مضامین لکھے جائیں اور وہ ہمارے نام سے شائع ہوں ۔ اس کے بعد اس سے بلند تر مقام یہ تھا کہ کسی اخبار یا رسالے کے ایڈیٹر ہوں ۔''

الصباح

۱۹۰۰ء کے اواخر کا ذکر ہے - ایک شخص محمد موسیٰ نے کلکتہ میں ایک پریس قائم کیا ۔ اس کی خواہش تھی کہ کاروباری نقطۂ نگاہ سے ایک ہفت روزہ جاری کیا جائے ۔ آزاد کے والد کے ہاں اس کی آمد و رفت تھی ۔ جب آزاد نے دیکھا کہ وہ شخص اخبار نکالنا چاہتا ہے ، تو انھوں نے اُسے اور زیادہ ترغیب دی ۔ مصر کے اخبار 'مصباح الشرق' کی رعایت سے اس ہفت روزہ کا نام 'المصباح' تجویز ہوا ۔ یہ پہلا اخبار تھا جو مولانا

نے ایڈٹ کیا - پہلا شمارہ عید نمبر تھا - اس کا مقالۂ افتتاحیہ اتنا پسند کیا گیا کہ اسے کئی اردو اخباروں نے نقل کیا جن میں لاہور کا 'پیسہ اخبار' بھی شامل تھا - 'المصباح' میں ایک صفحہ علمی مضامین کے لیے وقف تھا اور ایک تاریخ و سوانح کے لیے - مولانا نے امام غزالی، نیوٹن اور کشش ثقل جیسے موضوعات پر خامہ فرسائی کی اور حالات حاضرہ پر پہلی مرتبہ صحافتی انداز میں اظہار رائے کیا - بہرحال یہ اخبار تین چار مہینے کے بعد بند ہو گیا -

اس دور کا سب سے زیادہ باوقار اور بلند معیار ادبی ماہنامہ 'مخزن' تھا، جو شیخ عبدالقادر مرحوم کے زیر ادارت لاہور سے نکلتا تھا اور جس نے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کرنے میں نہایت نمایاں حصہ لیا تھا - مولانا آزاد اس کے مستقل خریدار تھے اور اس میں مسلسل لکھتے رہے - ایک مضمون صحافت اور اس کے متعلقات اور فوائد پر بھی تھا - نیز آپ اپنا کلام بھی اس رسالے میں شائع کراتے رہے اور آپ کی دیکھا دیکھی آپ کے بھائی نے بھی 'مخزن' میں مضامین بھیجے -

احسن الاخبار

کچھ عرصہ بعد مولانا کو اردو صحافت میں داخل ہونے کا ایک اور موقع ملا - کان پور کے رسالہ 'تحفۂ احمدیہ' کے سابق مدیر مولوی احمد حسین فتح پوری کلکتے میں مقیم تھے - مقامی مصطفائی پریس کے مالک عبدالغفار نے ان کی شراکت میں 'احسن الاخبار' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا - اس کا دفتر مولانا آزاد کے گھر کے قریب تھا - مولوی احمد حسین اکثر انھی کے گھر بیٹھتے تھے - اگرچہ بہت خوبیوں کے مالک تھے، لیکن صرف اخباری مضامین لکھ سکتے تھے - تخیل، تنوع مطالب اور انشاء پردازی ان کے بس کا روگ نہیں تھی - پھر فطرتاً سست تھے - نتیجہ یہ نکلا کہ 'احسن الاخبار' کی ترتیب میں آزاد کو بہت عمل دخل ہو گیا - آزاد فرماتے ہیں: ''احسن الاخبار کی وجہ سے مجھے ہر طرح کے مضامین لکھنے کا موقعہ ملا - عربی اخبارات کے مضامین،

خبروں وغیرہ کا انتخاب و ترجمہ ، علمی و ادبی مضامین کی ہر نمبر کے لیے ترتیب ، رسالوں اور کتابوں پر ریویو اور اکثر اوقات اخبار و حوادث پر بھی بحث و کتابت ، یہ تمام اقسام قلم سے نکلے ۔''

'احسن الاخبار' نے مصر ، ترکیہ ، طرابلس ، تونس اور الجزائر بلکہ امریکہ کے عربی اخبارات و رسائل سے مبادلہ کر رکھا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دفتر میں اچھے اچھے عربی جرائد کے انبار لگے رہتے تھے ۔ مولانا آزاد کو عربی اخبارات اور دنیائے اسلام کے مسائل سے جو مستقل دل چسپی پیدا ہوئی اس کا سرچشمہ 'احسن الاخبار' کا دفتر ہی تھا ۔ یہیں وہ مصر کے اخبارات 'الہلال' 'المقتطف' اور 'المنار' سے آشنا ہوئے ۔ 'المنار کے بارے میں آزاد کہتے ہیں : ''المنار کیا بہ اعتبار ادب و بلاغت کے اور کیا بہ اعتبار مباحث کے ، میرے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی ۔ مذہبی مباحث میں تو زیادہ دل گرفتگی نہ ہوئی ۔ اس لیے کہ دل و دماغ سرسید کے اسکول سے بہ حد غایت متاثر ہو چکے تھے ، لیکن عربی کتابت و بلاغت کے ایسے صحیح و صادق نمونے کا اس وقت طبیعت پر جو اثر پڑا وہ آگے چل کر عربی علم و ادب کے ذوق میں نہایت کارآمد اور مفید ہوا اور بلاشبہ اس بارے میں 'المنار' کے مجھ پر حقوق ہیں ۔''

'احسن الاخبار' کو مولانا آزاد کی وابستگی کی وجہ سے ایک بڑے حادثے سے دو چار ہونا پڑا اور آخرکار یہی حادثہ اس اخبار کو لے ڈوبا ۔ بات یہ ہوئی کہ انگلستان کے ایک لارڈ اور لندن کے اخبار 'ڈیلی نیوز' کے نامہ نگار نے شیعہ حضرات سے فرمائش کی کہ انھیں رم کے ماتمی جلوس کا نظارہ کرایا جائے ۔ شیعہ حضرات نے اس کا بندوبست کر دیا ۔ ان دونوں انگریزوں نے ماتم کا مذاق اڑایا ۔ ایک نوعمری کا تقاضا ، دوسرے احساس کی شدت اور جذبات کی برانگیختگی ، ان سب کا تاثر ایسا تھا کہ مولانا آزاد نے 'اسلام اور محرم' کے موضوع پر ایک خاصا تیز مضمون لکھ ڈالا ۔ اس پر کلکتہ کی شیعہ آبادی کو بے حد اشتعال ہوا اور معاملات کی نوعیت اتنی شدید ہو گئی کہ مولانا آزاد اور اخبار کے مالک اور مدیر ، تینوں کو جان کے لالے پڑ گئے ۔ آخر بڑی مشکل سے

معاملہ رفع دفع ہوا ، لیکن مالک اور مدیر کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ اخبار بند کر دینا پڑا ۔

اس حادثے سے مولانا کو یہ سبق حاصل ہوا کہ رسوم کے خلاف لڑنے کا طریقہ یہ نہیں کہ عوام کے جذبات مشتعل کیے جائیں ۔ آپ فرماتے ہیں : ''اس واقعے سے مجھ کو بیش قیمت تجربے حاصل ہوئے ، جو شاید دوسری صورتوں میں اس قدر جلد مشاہدے اور علم میں نہ آسکتے ۔ جو رسوم و زوائد عوام کے مذہبی عقائد میں داخل ہوگئے ہیں ان کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم عوام کے جذبات کو مشتعل کریں ۔ اس سے اصلاح نہیں ہو سکتی اور نئی اجتماعی مضرتیں پیدا ہو جاتی ہیں ، بلکہ چاہیے کہ نہایت صبر و تحمل سے کام لیا جائے ۔ ان کے جذبات کو بلا ضرورت ٹھیس نہ لگے ۔ اشتعال انگیز صورت نہ ہو ۔ فریقانہ نزاع کی شکل حتی‌الامکان پیدا نہ کی جائے ۔ بیان میں سختی و گرمی نہیں ہونی چاہیے ۔ بہتر یہ ہے کہ تعین و تسمیہ کے ساتھ رد و طعن بالکل نہ کی جائے ۔ عملاً ایسی فضا پیدا کرنی چاہیے اور ایسے وسائل اختیار کرنے چاہئیں کہ خود بہ خود اُن اعمال کی شگفتگی و رونق و محبوبیت ماند پڑ جائے اور ان میں کشش و دل ربائی باقی نہ رہے ۔''

تحفہ محمدیہ اور خدنگ نظر

مولوی احمد حسین نے کلکتے سے 'تحفۂ محمدیہ' جاری کیا ، جو ایک علمی اور مذہبی رسالہ تھا ۔ اس کی ترتیب مولانا آزاد کے سپرد ہوئی ۔ لکھنؤ سے منشی نوبت رائے نظر 'خدنگ نظر' کے نام سے ایک گل دستہ نکالا کرتے تھے ۔ چند سال بعد اس میں نثر کا حصہ بھی دیا جانے لگا ۔ اس کی ترتیب بھی مولانا آزاد کو تفویض کی گئی ۔ ان دو رسالوں کے علاوہ موصوف ملک بھر کے اچھے اچھے اخباروں اور رسالوں میں مضمون لکھتے تھے ۔ ان مضامین کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے مولانا آزاد کا یہ ارشاد خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے : ''یہ مضامین اگر جمع کیے جائیں ، تو کاتب کے افکار و عقائد کے تقرر و انتقالات کا بھی ان سے درجہ بہ درجہ پتہ چلے گا ۔ ابتدائی زمانہ وہ تھا کہ قدیم خیالات و عقائد

سے دل برداشتہ ہو چکا تھا اور سرسید مرحوم کی تعلیمات نے ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا تھا - لیکن زیادہ دنوں تک طبیعت اس پر قانع نہ رہ سکی ، جیسا کہ ہمیشہ ان حالات میں پیش آیا ہے - سرسید کے مذہبی مسلک سے طبیعت اچاٹ ہو گئی اور جو دروازہ انھوں نے کھول دیا تھا اس نے بالآخر شک و اضطراب کی ایک نئی راہ میں پہنچا کر الحاد و انکار تک پہنچا دیا - ابتداء میں شکوک ، پھر مذہبی تاویلات کا استغراق اور ایک فلسفیانہ مذہب کا ادعا ، پھر مزید اضطراب اور جستجو اور اس سے الحاد و انکار کا ظہور اور بالآخر ایک سخت اضطراب و یاس کا جماؤ - ان مختلف زبانوں کے مضامین میں ان مختلف حالات کے اثرات موجود ہیں- علی الخصوص ان مضامین میں جو مذہبی اور علمی ہیں -''

لسان الصدق

'احسن الاخبار' کے زمانے میں مولانا نے 'الاصلاح' کے نام سے ایک انجمن قائم کی - اس کے ساتھ ہی 'دارالاخبار' کے نام سے ایک ریڈنگ روم کی بنیاد رکھی - اس سلسلے میں کوئی دقت پیش نہ آئی ، کیوں کہ 'احسن الاخبار' کے تبادلے میں بے شمار ملکی اور غیر ملکی اخبار آ جاتے تھے - جب اخبار بند ہوا ، تو یہ اخبار بھی بند ہونے لگے - مولانا نے ریڈنگ روم کے قدیمی معاون مولوی محمد یوسف جعفری (جنھوں نے بعد میں شمس العلماء اور خان بہادر کے خطاب پائے) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ فل سکیپ تقطیع پر 'لسان الصدق' کے نام سے ایک جزو کا پندرہ روزہ رسالہ نکال لیا جائے - کچھ آمدنی خریداروں سے حاصل ہو جائے گی اور ایسا نہ بھی ہو تو اس کی لاگت سینکڑوں اخباروں کی قیمت سے بہ ہر حال کم ہوگی - مولوی محمد یوسف جعفری کو یہ تجویز پسند آئی - انھوں نے اس کی مالی ذمہ داری قبول فرما لی اور 'لسان الصدق' نکل آیا - اس پر معاصرین نے شان دار تبصرے لکھے - ان کا خیال تھا کہ مولانا آزاد ایک معمر اور کہنہ مشق اخبار نویس ہیں ، حالاں کہ اس وقت اُن کی عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہیں تھی - جب شبلی نعمانی کی نظامت میں انجمن ترقیٔ اُردو قائم ہوئی اور 'آزاد' اس کی مجلس عاملہ کے رکن بنائے

گئے تو 'لسان الصدق' کے دو اور مقاصد قرار پائے : اول ، ترقیٔ اردو ۔ دوم ، اصلاح رسوم ۔ انجمن ترقیٔ اردو نے اسے اپنا آرگن بنا لیا اور اس سے 'لسان الصدق' کی خریداری میں خاصا اضافہ ہو گیا اور امرتسر کا اخبار وکیل اور بعض دوسرے اہم اخبار اس کے مضامین باقاعدہ نقل کرنے لگے ۔ چھ ماہ بعد اسے ماہانہ رسالہ بنا دیا گیا اور کتابی صورت میں کم از کم تین جزو کی ضخامت تک پہنچا دیا گیا ۔ سال بھر کے بعد مولانا بمبئی گئے ، تو پرچہ وہیں سے نکلنے لگا ۔ ایک حادثے کی وجہ سے آگرہ میں قیام کیا ، تو 'لسان الصدق' بھی وہیں سے چھپنے لگا ۔ پھر بمبئی گئے ، تو رسالہ بھی وہاں پہنچ گیا اور جب عراق کا سفر پیش آیا ، تو پرچہ بند ہو گیا ۔ یہ ۱۹۰۴ء کا ذکر ہے ۔

'لسان الصدق' کے دور میں سرسید مرحوم سے عقیدت برابر قائم تھی ، بلکہ ان کے رفقائے کار کے بارے میں بھی آزاد کی رائے بہت اچھی تھی ۔ ان دنوں 'حیات جاوید' نکلی ۔ اس پر 'مخزن' میں شیخ عبد القادر مرحوم نے ایک تبصرہ درج کیا ، جس میں دھیمے سے انداز میں کچھ اعتراض بھی کیے تھے ۔ خود علی گڑھ گزٹ میں مولانا حبیب الرحمان شیروانی نے ایک مضمون لکھا ، جس میں کتاب کی تعریف تو کی ، لیکن یہ بھی لکھا کہ سرسید کے مذہبی خیالات کی نسبت بے لاگ رائے نہیں دی گئی ۔ مولانا فرماتے ہیں : ''اس وقت مجھ پر یہ دونوں ریویو بہت شاق گزرے اور ایسا محسوس ہوا کہ گویا ایک بہت بڑی جناب میں گستاخی کی گئی ۔'' چناں چہ آپ نے 'لسان الصدق' میں اس کا جواب لکھا ۔ اس پر اخبارات میں بحث چھڑ گئی ۔ بہ ہر حال مولانا حالی نے اسے پسند کیا اور آزاد کی ہمت افزائی کی ۔

الندوہ

عراق سے واپسی پر آزاد کی شبلی سے ملاقات ہوئی ۔ خط و کتابت تو پان سال سے جاری تھی لیکن ملاقات پہلی مرتبہ ہوئی ۔ دو تین ہفتے کی صحبتوں میں آزاد کے جوہر کھلے اور شبلی انھیں بے حد پسند

کرنے لگے ۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں : ''گفتگو و صحبت سے انھیں میرے علمی شوق کا خوب اندازہ ہو گیا تو وہ بڑی محبت کرنے لگے ۔ بار بار کہتے کہ مجھے ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے ۔'' شبلی حیدر آباد دکن میں ناظم علوم و فنون اور 'الندوہ' کے مدیر تھے ۔ وہ چاہتے تھے کہ آزاد اس رسالے کی ادارت سنبھال لیں ۔ وہ آزاد کی قابلیت سے اتنے متاثر تھے کہ ایک دفعہ ''بار بار تعریف کرتے اور کہتے کہ تمھارا ذہن اور دماغ عجائب روزگار میں سے ہے ۔ تمھیں تو کسی علمی نمائش گاہ میں بہ طور عجوبے کے پیش کرنا چاہیے ۔'' دو تین ہفتے بعد شبلی کو حیدر آباد دکن واپس جانا پڑا ۔ جب وہاں کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر لکھنؤ کو لوٹے ، تو آزاد نے 'الندوہ' کی ادارت سنبھالی اور شبلی سے شب و روز کی یک جائی کا دور آ گیا ۔ جاڑے کے موسم میں صبح چار بجے کی علمی صحبتوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد فرماتے ہیں : ''حقیقتاً وہ ایسی صحبتیں تھیں جن کا لطف و کیف عمر بھر فراموش نہ ہو گا ۔ مجھے ان صحبتوں سے بہت فائدہ ہوا ۔ مولانا مرحوم کے انتقال سے جہاں کتنی ہی خوبیاں اور کمالات ان کے ساتھ مدفون ہو گئے وہاں ایک سب سے بڑی چیز یہ پرلطف صحبت تھی ، جو ان کے بعد ایک مرتبہ بھی مجھے کسی گوشے اور کسی حلقے میں میسر نہ آئی ۔ ان کا علمی ذوق ، جو وسیع اور ہر وادی میں تھا ، ایک ساتھ ہی مدفون ہو چکا ہے ۔''

وکیل سے وابستگی

سات آٹھ مہینے 'الندوہ' کی ادارت کا سلسلہ جاری رہا ۔ اس کے بعد بمبئی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ مولانا کو لکھنؤ سے بمبئی جانا پڑا اور اس طرح شبلی سے یک جائی کا سلسلہ ٹوٹ گیا ۔ امرتسر کے اخبار 'وکیل' کے مالک شیخ غلام محمد صاحب سے مولانا کا پرانا رابطہ تھا ۔ وہ مضامین کے لیے اصرار کرتے تھے اور مولانا وقتاً فوقتاً قلمی اعانت کر دیتے تھے ۔ اچانک معلوم ہوا کہ 'وکیل' کے مدیر حامد علی صدیقی مستعفی ہو گئے ہیں ۔ شیخ غلام محمد صاحب نے اصرار کیا کہ ادارتی ذمہ داری مولانا آزاد قبول فرمائیں اور یہ بھی کہا کہ وہ اس اخبار

میں آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرما سکتے ہیں ۔ مولانا انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہونے کے لیے لاہور آئے، پھر امرتسر پہنچے ۔ کچھ دیر عارضی کام کیا ۔ پھر جی لگ گیا ۔ مولانا فرماتے ہیں : ''زیادہ تر دو خیال اس وقت سامنے تھے، اول یہ کہ اخبار سے بہتر خیالات کی اشاعت اور عام بحث و نظر کا اور کوئی ذریعہ نہیں ۔ دوم اگر خود کوئی اخبار نکالا جائے، تو اس کو ایک وسیع حلقہ پیدا کرنے کے لیے کافی وقت چاہیے برخلاف اس کے وقت کے کسی نامور اور مقبول اخبار کی تحریر اگر اپنے اختیار میں آ جائے، تو پہلے ہی دن سے ایک وسیع اور اچھا حلقہ پڑھنے والوں کا میسر آجائے گا ۔ 'وکیل' اس وقت تمام اردو اخبارات میں سب سے زیادہ متین و سنجیدہ اور قومی مسائل میں صاحب رائے و نظر اخبار تسلیم کیا جاتا تھا اور متعدد معاملات میں اس نے اپنا وقیع درجہ بھی نمایاں کر دکھایا تھا ۔ مثلاً علی گڑھ کالج کے معاملات، جو اس وقت مسلمانوں کی ترقی یافتہ سوسائٹی کا تنہا اور سب سے بڑا مرکز بحث و رائے تھا ۔ ترکی اور مصر کے معاملات سے بھی عام دل چسپی اس نے پیدا کی اور اس بارے میں ہمیشہ آزادانہ رائیں اس کے صفحات پر نکلیں ۔ حجاز ریلوے کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی اس نے بہت حصہ لیا ۔ ایسا سمجھا جاتا تھا کہ ہندوستان میں ترکی کے مسائل پر آزادانہ لکھنے والا صرف یہی ایک اخبار ہے ۔ میں نے خیال کیا کہ وقت کے ایسے بہتر اخبار کو ایڈیٹری میں رکھنا اس سے بہتر ہوگا کہ کوئی نیا اخبار نکال کے جدوجہد اور مقابلے میں وقت ضائع کیا جائے ۔ شیخ غلام محمد مرحوم کے اصرار اور ان کی ذاتی خوبیوں کو بھی اس کشش میں بہت کچھ دخل تھا ۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ میں سرسید کی تقلید میں مخمور اور وہ بھی اس وادی میں اور کسی سے کم نہ تھے ۔''

ان دنوں 'وکیل' ہفتے میں تین مرتبہ نکلتا تھا ۔ دفتر میں صرف ایک مترجم تھا اور اس کی کیفیت بھی یہ تھی کہ اصلاح کیے بغیر مواد درج کرنے کے قابل نہ ہوتا تھا ۔ ایک ڈیڑھ کالم کا افتتاحیہ ہوتا تھا ۔ ایک کالم کے شذرے اور باقی پرچہ مراسلوں اور اقتباسات سے پر ہوتا

تھا - مولانا نے جب مستقل طور پر ادارت سنبھال لی ، تو شب و روز محنت کرنے لگے - افتتاحیے اور شذرات کے لیے چار کالم مخصوص کر دیے - مراسلوں کی اشاعت میں یہ بات پیش نظر رکھی کہ وہ مفید بھی ہوں اور متین بھی - اقتباسات کے انتخاب میں زیادہ احتیاط سے کام لیا - اس کے علاوہ علمی اور تاریخی مقالے بھی درج کرنے لگے - غرض پرچہ ہرلحاظ سے بہتر بن گیا - اشاعت ڈیڑھ گنا ہو گئی - ایک سال کی شدید محنت سے مولانا کی صحت گر گئی - آدھر بھائی کا انتقال ہو گیا - والد نے واپسی پر اصرار کیا - چناں چہ آپ ادارت کو چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے -

دار السلطنت

کلکتہ میں اخبار 'دارالسلطنت' کے احیاء کی تجویز ہوئی کیوں کہ نواب سلیم اللہ خان مرحوم تقسیم بنگال کے سلسلے میں اخبار کی ضرورت محسوس کرتے تھے - مولانا آزاد نے اس کی ادارت قبول کر لی - 'دارالسلطنت' کا پیش رو کلکتے کا فارسی اخبار 'دوربین' تھا ، جس کے خلاف ۱۸۵۷ء میں کارروائی بھی ہوئی - غدر کے بعد مولوی کبیرالدین احمد نے مطبع دوربین خرید کر اس اخبار کو اردو میں جاری کیا - پھر اس کا نام 'اردو گائڈ' ہو گیا اور اس اخبار کو علمی حلقوں میں بڑی وقعت حاصل تھی - مولوی کبیرالدین احمد کی وفات پر مولوی عبدالباری نے اخبار کا انتظام سنبھال لیا - آخر میں اس کا نام 'دارالسلطنت' رکھا گیا - مولوی عبدالباری کا انتقال ہوا تو اخبار بند ہو گیا - اب مرحوم کے فرزند مولوی عبداللطیف نے اخبار کا احیاء کیا ، تو مولانا آزاد مدیر بنے - لیکن یہ دور مختصر رہا ، کیوں کہ مولوی صاحب اخبار کی پالیسی میں بے جا مداخلت کرتے تھے اور مولانا آزاد کو یہ منظور نہ تھا - چناں چہ آزاد علیحدہ ہو گئے اور اخبار بند ہو گیا -

پھر 'وکیل' میں

آدھر شیخ غلام محمد کا اصرار برابر قائم تھا کہ واپس آ جاؤ - چناں چہ مولانا امرتسر کو لوٹے اور 'وکیل' کی ادارت سنبھال لی - یہ اخبار آن

کی تجویز پر ہفتے میں تین بار کی جگہ دو بار چھپنے لگا اور صفحات کی تعداد بڑھا دی گئی ۔ لیکن مولانا کو یہاں سے بہت جلد نکلنا پڑا ۔ اس کی وجہ ان ھی کی زبانی ملاحظہ ہو : ''آٹھ نو مہینے کے بعد میں نے پھر 'وکیل' ھاتھ میں لیا ۔ لیکن اتنے عرصے میں بہت سی باتوں میں تغیر ہو چکا تھا اور تغیرات کا سلسلہ پوری سرعت کے ساتھ جاری تھا ۔ اس مرتبہ میرے پولیٹیکل خیالات میں خالصتاً مسائل ھند کے متعلق وہ تبدیلی ھوئی جس نے آگے چل کر میرے 'عہد الہلال' کے مسلک کی طرف رہ نمائی کی ۔ چوں کہ شیخ غلام محمد نہ اس سے متفق ہو سکتے تھے اور نہ سمجھ سکتے تھے، انھیں صرف ایک ھی راہ کا استغراق رھا تھا اور اس سے انحراف کے معنی یہ تھے کہ وہ اپنی تمام پچھلی اخباری زندگی کے خیالات و اعمال پر قلم کھینچ دیں ، اس لیے نو دس مہینے کے بعد پھر میں دل برداشتہ ھوا اور امرتسر سے بھوپال آگیا ۔ اس زمانے میں میں نے یہ رائے قائم کی کہ جو مقاصد اب پیش نظر ھیں وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک ایک طاقت ور اور وسیع اہتمام و انتظام کے ساتھ اپنا ذاتی اخبار نہ نکالا جائے اور ذاتی پریس نہ ہو ۔''

الہلال

۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کا ذکر ھے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ھفت روزہ 'الہلال' کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا جس نے اردو صحافت میں ایک طرح نو کی بنیاد ڈالی اور اس خواب کی تعبیر ھوئی جو ۱۹۰۶ء کے موسم سرما کی آخری راتوں میں امرتسر کے مقام پر آزاد کی چشم بے داری نے دیکھا تھا اور جس کے لیے وہ مسلسل چھ سال کوشاں رھے ۔ اگر مقصود صرف یہ ھوتا کہ ایک ھفت روزہ جاری کر دیا جائے ، تو شاید اس کے لیے اتنی تگ و دو کی ضرورت نہ ھوتی ، کیوں کہ بہ‌قول آزاد ''ایک زود نویس کاتب کا ارزاں وقت ، چار پتھر اور ایک کاٹھ کا دستی پریس ، یہ تین ضروری اجزاء ھیں جن کے جمع کر لینے کے بعد اردو اخبار کا دفتر بالکل مکمل ہو جاتا ھے ۔'' لیکن آزاد کے تصورات بالکل مختلف تھے ۔ وہ چاھتے تھے ، ایک اعلیٰ پائے کا ھفت روزہ جاری کیا جائے ،

جو ٹائپ میں چھپے ، جس میں تصاویر ہوں ، جس کا مواد ٹھوس اور خالص علمی ہو اور جس کا ایک مشن ہو ۔ گویا اُس میں جلال و جمال کا امتزاج ہو ۔ اس راستے میں اُنھیں جو تکالیف پیش آئیں ، اُن کا ذکر کرنے کے بعد خدا تعالیٰ سے یہ آخری التجا کی کہ ''اگر وہ مجھ میں سچائی اور خلوص کی کوئی سرگرمی دیکھتا ہے ، اگر اُس کی ملت مرحومہ اور اُس کے کلمۂ حق کی خدمت کی کوئی سچی تپش میرے دل میں موجود ہے اور اگر واقعی اس کی راہ میں فدویت اور خود فراموشی کی ایک آگ ہے جس میں برسوں سے بغیر دھوئیں کے جل رہا ہوں ، تو اپنے فضل و لطف سے مجھے اتنی مہلت عطا فرمائے کہ اپنے بعض مقاصد کے نتائج اپنے سامنے دیکھ سکوں ۔ لیکن اگر یہ میرے تمام کام محض ایک تجارتی کاروبار اور ایک دکان دارانہ شغل ہیں ، جس میں قومی خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری پیدا کرنا چاہتا ہوں ، تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ پر سنبھل سکوں ، وہ میری عمر کا خاتمہ کر دے اور میرے تمام کاموں کو ایک دن ، بلکہ ایک لمحہ کے لیے بھی کام یابی کی لذت چکھنے نہ دے ۔ باغوں کے سرسبز و ثمردار درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے ، مگر جنگل کے خشک درختوں کو جلانا ہی چاہیے ۔''

[جلد ۱ - نمبر ۱ - ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء]

الہلال کی نوعیت

'الہلال' کیا ہے ؟ اخبار یا رسالہ ؟ اس مسئلے پر مولانا آزاد نے جو اظہار خیال کیا ، وہ شاید آج کے حالات پر بھی منطبق ہو سکے ۔ اُن کا بیان ہے کہ یورپی صحافت تقسیم عمل کے اصول پر کاربند ہے ۔ ایک طرف روزانہ یا سہ روزہ یا ہفت روزہ 'اخبار' ہوتے ہیں ، جن میں تازہ ترین خبریں اور سیاسی مباحث و افکار ہوتے ہیں ۔ دوسری طرف ہفت روزہ 'رسائل' ہیں جنھیں 'جرنل' کہتے ہیں اور تیسرے ماہانہ یا سہ ماہی رسائل ، جن میں علمی مقالات شائع ہوتے ہیں ۔ ہفت روزہ رسائل یا جرنل ''گویا روزانہ اخبارات اور ماہوار رسائل میں ایک بین بین برزخی قسم ہے ، جو اخبارات کے سیاسی مباحث اور ماہوار رسائل

کے علمی مقالات کا مجموعہ ہوتا ہے ، لیکن روزانہ اخبارات کی طرح تار برقیوں کی مسلسل خبریں اور نامہ نگاروں کے بھیجے ہوئے اخباری حالات کی اشاعت اس کا فرض نہیں ہوتا ، بلکہ یہ فرض کر کے کہ اس کے ناظرین روزانہ اخبارات کی خبروں اور سیاسی افکار سے واقف ہیں صرف اپنے مقاصد کے لحاظ سے اُن کا اہم حصہ اسی مرتب شکل و بحث میں پیش کر دیتا ہے ۔ ترکی اور مصر کے پریس کا بھی بہ لحاظ تقسیم تقریباً یہی حال ہے ۔''

[جلد ۱ ۔ نمبر ۲ ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۱۲ء]

اس کے بعد آزاد نے اُس دور کی اُردو صحافت کی 'طوائف الملوکی' کا ذکر کیا ہے ، جہاں روزانہ اخبارات کی قلت کے پیش نظر ہفت روزہ اخبار دو دو سطروں کی خبروں کے ساتھ ساتھ علمی مضامین اور ناول بالاقساط چھاپتے تھے ۔ مولانا نے 'الہلال' کے قارئین سے کہا کہ ''وہ 'الہلال' سے اُس کے فرائض کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھیں کہ وہ اخبار نہیں ، بلکہ ایک ہفتہ وار رسالہ ہے ۔''

اُردو ٹائپ

اُردو ٹائپ کے مسئلے پر مولانا نے ایک اداریے میں پہلے اس کا تاریخی جائزہ لیا ۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ''اُس زمانے میں اسلامی زبانوں کے پریس کا سب سے بڑا مرکز ایسٹ انڈیا کمپنی کی وجہ سے کلکتہ تھا اور یہاں بلا استثنا گورنمنٹ نے عربی ، فارسی ، اُردو کے جس قدر پریس قائم کر رکھے تھے وہ سب کے سب ٹائپ ھی کے تھے اور من جملہ اُن گراں قدر احسانات کے جو اُردو زبان پر انگریزوں کے ہیں اس میں شک نہیں ایک بہت بڑا احسان اُردو ٹائپ کی ایجاد اور اس کو بہ‌تدر طاقت ترقی دینا ہے ۔'' (۲۰ جولائی ۱۹۱۲ء) ۔ اس کے بعد لیتھو مقبول ہوا ، کیوں کہ اس کی چھپائی سستی تھی ، دوسرے جو نستعلیق ٹائپ ایجاد ہوا تھا ، وہ ایک تو خوب صورت نہیں تھا ، دوسرے اس میں جوڑ کثرت سے تھے ، اس سے مایوسی پیدا

ہوئی اور ٹائپ ترک کر دیا گیا ۔ اس کے بعد آپ رقم طراز ہیں : ''لیکن دوسری غلطی یہ ہوئی کہ نستعلیق خط کے ضروری ہونے پر کچھ وحی و الہام نے مہر نہیں لگا دی تھی ۔ مصر اور ترکی میں نہایت خوب صورت نسخ کا ٹائپ تیار ہو گیا تھا اور جس طرح اس میں ترکی اور فارسی کتابیں اور اخبار چھپتے تھے کوئی وجہ نہ تھی کہ اردو نہ چھپ سکتا ۔ سواد خط کا جو اختلاف نسخ اور نستعلیق میں ہے وہ محض جزئی اور بے اثر ہے اور نظروں کی تلاش بھی محض عادت کی تابع ہے ۔ یہ بے معنی عذرات ہرگز اس درجہ اہم نہ تھے کہ محض ان کی وجہ سے ایک زبان کے پریس پر (کہ آغاز ہی سے دو چار مشکلات ہے) ترقی کی راہیں مسدود کر دی جائیں ۔ علی الخصوص ایسی حالت میں کہ اس کی تمام ہمسایہ اور متقابل زبانیں ٹائپ کا سہارا پا کر برسوں کی راہ آگے بڑھ جانے کے لیے اپنے پر ہلا رہی ہیں ۔''

[۲۰ جولائی ۱۲ء]

صحافت اور دریوزہ گری

جب 'الہلال' شائع ہوا ، تو 'ایک قوم کے مشہور صاحب ریاست اور قومی خدمات میں سربرآوردہ بزرگ' نے مولانا کے نام ایک مکتوب میں لکھا کہ میں اردو اخبار جاری کرنا چاہتا تھا ، الحمدللہ کہ آپ نے اعلیٰ پائے کا اخبار جاری کر دیا ہے ۔ میں آپ کی ذمہ داریوں میں تھوڑا سا تعاون کرنا چاہتا ہوں ۔ ایک چیک ارسال ہے ، آئندہ بھی اتنی ہی رقم ماہانہ پہنچتی رہے گی اور اگر 'الہلال' ایک سال تک اپنا خرچ پورا نہ کر سکا ، تو یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا ۔ مولانا نے اس کا جو جواب لکھا ، وہ پورا درج کرنا تو ممکن نہیں بہرحال اس میں سے دو پارے ملاحظہ ہوں :

''ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں بلکہ تلاش زیان و نقصان میں آئے ہیں ۔ صلہ و تحسین کے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلب‌گار ہیں ۔ عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش و اضطراب کے کانٹے

ڈھونڈھتے ھیں۔ دنیا کے زر و سیم کو قربان کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرنے آئے ھیں ۔ ایسوں کی اعانت کر کے آپ کا جی کیا خوش ھوگا ؟ اور پھر ایسے عقل فروشوں کو آپ کی اعانت فرمائیاں کیا نفع پہنچا سکیں گی ؟

مدہ بشارت طوبیٰ کہ مرغ ھمت ما
بسر آں درخت نشیند کہ بے ثمر باشد

''ھمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ھے وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لیے ایک دھبہ اور سر تا سر عار ھے ۔ ھم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ھیں اور امر بالمعروف و نہی عن‌المنکر کا فرض الٰہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ھیں ۔ ''ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک‌ھم المفلحون'' (۳ : ۱۰۱) ۔ پس اخبار نویس کے قلم کو ھر طرح کے دباؤ سے آزاد ھونا چاھیے اور چاندی اور سونے کا تو سایہ بھی اس کے لیے سم قاتل ھے ۔ جو اخبار نویس رئیسوں کی فیاضیوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی امانت ، قومی عطیہ اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ھیں ، وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نور ایمان کو بیچیں ، بہتر ھے کہ دریوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر اور قلندروں کی کشتی کی جگہ قلم دان لے کر رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں اور ھر گلی کوچہ 'کام ایڈیٹر کا' کی صدا لگا کر خود اپنے تئیں فروخت کرتے رھیں ۔'' [۲۷ جولائی ، ۱۲ء]

صحافتی جھگڑے

جن دنوں 'الہلال' جاری ھوا لاھور میں مسلمانوں کے تین اخبار مشہور تھے ۔ 'زمیندار' ، جس کی ادارت مولانا ظفر علی خان کرتے تھے ۔ 'وطن' ، جس کے مدیر مولوی انشاء اللہ خان تھے اور 'پیسہ اخبا '

جو منشی محبوب عالم نے جاری کر رکھا تھا ۔ جب تک 'زمیندار' میدان میں نہیں تھا ان دونوں اخباروں کا کار و بار اچھا چلتا تھا ۔ دونوں کی پالیسی بہت معتدل ، سنجیدہ بلکہ عافیت کوشی پر مبنی تھی ۔ اتنے میں تقسیم بنگال ، جنگ طرابلس وغیرہ کے ہنگامے ہوئے ۔ 'زمیندار' روزانہ نکلنے لگا اور چوں کہ اس کی پالیسی تیز اور ترش اور بے باک تھی اس لیے لوگ زیادہ تر اسی کو خریدتے تھے ۔ اس سے 'وطن' اور 'پیسہ اخبار' ڈولنے لگے ۔ اتنی جرأت نہیں تھی کہ سلامت روی اور اعتدال کی پالیسی چھوڑ کر اور شمشیر برہنہ بن کر میدان میں آئیں ۔ لہٰذا ان دونوں نے 'زمیندار' سے دو دو ہاتھ کیے ۔ مولانا نے اسے 'اخلاقی تنزل' قرار دیتے ہوئے اس پر بہت لے دے کی اور لکھا :

''کل کی بات ہے کہ 'زمیندار' اور 'وطن' میں باہم جوتم پیزار ہو رہی تھی اور جس طرح پنجاب میں پہلوانوں کے دنگل ہوا کرتے ہیں اسی طرح دونوں پہلوان ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے ۔ 'زمیندار' کا صرف یہ قصور تھا کہ تھوڑے دنوں کے اندر ہی اس کی اشاعت پرانے اخباروں سے کیوں بڑھ گئی اور کیوں وہ لاہور کے چند دولت مندوں کی پرستش سے انکار کرتا ہے ؟ انسان کے تمام قصور معاف ہو سکتے ہیں ، لیکن ایک دکان دار اس شخص کو تو کبھی معاف نہیں کر سکتا جس نے اس کے سامنے کی خالی دکان پر قبضہ کر کے راہ کے خریداروں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو . . . یہ قصہ کئی ماہ تک جاری رہا اور اب تک جاری ہے ۔ کیکر سنگھ نے غلام پہلوان سے عاجز آ کر اس کی کنپٹی پر مکہ کی ایک سخت ضرب لگا دی تھی ۔ اسی طرح یہ قلم و کاغذ کے پہلوان جب عاجز آ جاتے ہیں ، تو ایک دوسرے کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں ؛ فحش و مغلظات سے بھی انہیں دریغ نہیں ۔ ایک اپنے حریف سے پوچھتا ہے کہ وہ زمانہ بھی یاد ہے جب کالج میں پڑھتے تھے ؟ دوسرا کہتا ہے کہ زیادہ باتیں نہ بناؤ ، ورنہ میں تمہارا فلاں راز فاش کر دوں گا ۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کو چور اور ڈاکو بتلاتے ہیں ۔ ایک کہتا ہے کہ تم نے طرابلس کے نام سے روپیہ کھا لیا ۔ دوسرا کہتا ہے کہ فرضی کمپنیاں بنا کر قوم

کو لوٹ لیا ۔ یہ حالت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہے ، بلکہ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں ۔ ہندو اور آریہ اخبارات کو کھولیے ، تو وہ بھی ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے شریفانہ شغل ہی میں خوش ہیں ۔ بد بختو ! صرف تم ہی ذلیل نہیں ہو ، بلکہ تمہاری تمام قوم اور پورا ملک ذلیل ہے ... ہم اپنے معاصرین سے بہ منت التجا کرتے ہیں کہ خدا کے لیے اپنی ملت پر نہیں ، تو خود اپنے اوپر رحم کریں اور مسلمانوں کی موجودہ ذلت و رسوائی پر قناعت کر لیں ۔ نفسانیت اور خود پرستی کی حد ہو گئی ہے اور خدا کی طرف سے سب نے منہ موڑ لیا ہے ۔ تعجب ہے کہ ساری دنیا آپ پر ہنس رہی ہے اور آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے آپ پر رونا نہیں آتا ؟ ملک و ملت کی خدمت شاید اس طریقے سے الگ ہو کر بھی کی جا سکتی ہے ۔ یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ جب تک آپ ایک دوسرے کو چور ثابت نہ کر لیں گے ، اس وقت تک آپ کی زیر اصلاح قوم آپ کو اپنا امین نہ سمجھے گی ۔

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ بہ ما کنی نظیری
بہ خدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن"

[٢٠ اگست ، ١٢ء]

ابو الکلام آزاد کا جو تصور صحافت سطور بالا سے ابھرتا ہے وہ بہت خوش آیند ہے اور انھوں نے اسے عملی جامہ پہنانے کی پوری سعی کی اور اکثر اس میں کام یاب ہوئے ۔ لیکن ایسے مواقع بھی آئے کہ انسانی کم زوری کے پیش نظر انھیں اپنی سطح سے اترنا پڑا اور اپنے مخالفین کے خلاف قریب قریب اسی انداز سے لکھا جس کی وہ ہمیشہ مذمت کرتے رہے ۔

الہلال کا رنگ ڈھنگ

'الہلال' ٣٠×٢٠/۴ کے سائز پر نکلتا تھا ۔ ہر شمارے میں سولہ صفحے ہوتے تھے ۔ کبھی زیادہ بھی دیے جاتے تھے ۔ سرورق کے چار

صفحے اس پر مستزاد تھے - سرورق کے $\frac{3}{5}$ حصہ میں 'الہلال' کے نام کی پٹی ہوتی تھی - اس کے نیچے ایک تصویر اور پھر فہرست مضامین - سر ورق کے باقی صفحات میں اشتہار ہوتے تھے - یہ معلوم کرنے کے لیے کہ 'الہلال' میں کیا کچھ ہوتا تھا ضروری ہے کہ اس کے فائل دیکھے جائیں - لیکن تھوڑے سے اندازے کے لیے ایک شمارے کے مضامین کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے - صفحہ ۱ پر پہلے نام کی تختی اور اس کے نیچے مقالۂ افتتاحیہ - ۲۰ جولائی ۱۹۱۲ء کا شمارہ میرے سامنے ہے ؛ مقالۂ افتتاحیہ میں 'دشواریٔ سفر' کے عنوان سے 'الہلال' کے اجراء کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لیا گیا ہے - ٹائپ کے مسئلے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے - صفحہ ۳ پر رائٹر کی ایک طویل خبر دی گئی ہے - عنوان یہ ہیں : ''قسطنطنیہ میں ہجوم مشکلات اور تصادم احزاب - بالآخر نئی وزارت قائم ہو گئی -'' صفحہ ۵ پر 'احرار اسلام' کے مستقل عنوان کے تحت 'الحریت فی الاسلام' کے عنوان سے ایک مقالے کی پہلی قسط درج ہے - اس کے نیچے ایک چھوٹی خبر کا عنوان یہ ہے ، 'حدود مصر میں اٹالین فوج کا ورود' - یہ 'المؤید' مصر سے ترجمہ کی گئی ہے - صفحہ ۶ پر 'مقالات' کے مستقل عنوان کے تحت السید محمد رشید رضا الحسینی مدیر 'المنار' قاہرہ پر ایک مقالہ درج ہے اور صفحہ ۷ پر اس کے آخر میں قاہرہ کے اخبار 'النیل' سے دو خبریں ترجمہ کی گئی ہیں - عنوان یہ ہیں : 'موسیو کرلیرا کی مفقودالخبری ' اور 'مصری ہلال احمر کی واپسی' - صفحہ ۸ پر 'ناموران غزوۂ طرابلس' کے عنوان سے فرہاد بک اور ڈاکٹر کریم ثباتی بک کی تصاویر دی گئی ہیں اور ان کا تعارف کرایا گیا ہے - صفحہ ۹ پر 'کارزار طرابلس' کے عنوان سے مصر کی ڈاک درج ہے - اس کے اوپر شیخ احمد السنوسی کے اس علم جہاد کی تصویر ہے جو انھوں نے سلطان اعظم کی خدمت میں روانہ کیا - صفحہ دس اور گیارہ پر دو تصاویر درج ہیں - ان کے عنوان ہیں ، 'برقہ کا عثمانی شفاخانہ' اور 'شیخ سلیمان بارونی ، بن غازی کے معرکے میں مع مجاہدین عرب' - اور مضمون کے عنوان ہیں : 'میدان جہاد سے تار المؤید کے نام ، خمس میں

ایک فتح عظیم ، ۲۲۵۰ اطالی مقتول اور ۳۰۰ مجروح ، اور 'النیل' قاهره کے تار' بن غازی میں معرکہ طراباس کے عثمانی کیمپوں کا اتصال ۔' اس کے بعد صفحہ ۱۶ تک خبریں هی خبریں هیں ۔کچھ رائٹر کی ، لیکن زیادہ تر اسلامی ممالک کے جرائد سے ترجمہ کی هوئی ۔ آخر میں 'الہلال' کی قیمت کے بارے میں ادارے کا ایک نوٹ درج ہے ۔

چند هفتے بعد خبروں کا سلسلہ بند هو گیا اور اس کی جگہ مقالات اور اسلامی ممالک کے دارالحکومتوں سے آئے هوئے مکاتیب چھپنے لگے ۔

سیاسی نظریات

مولانا ابوالکلام آزاد سیاست اور مذهب کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے قائل نہیں تھے ۔ رهی یہ بات ، کہ مسلمان کس سیاسی راہ پر چلیں ، تو ''الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالیٹکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد کیجیے اور نہ هندوؤں کے حلقۂ درس میں شریک هوجیے ، صرف اس راہ پر چلیے جو اسلام کی بتائی هوئی صراط مستقیم ہے ۔'' اُن کے نزدیک اسلام کی بتائی هوئی راہ اُصول توحید پر ایمان ، خیرالاسم هونے کا احساس ، عدل و اعتدال، صلح و امن ، نیکی کی حفاظت اور فساد کی روک تھام اور شخصی اقتدار کی مخالفت پر مشتمل ہے ۔ اس سے مولانا نے نتیجہ اخذ کیا کہ ''پس مسلمانوں کا فرض هونا چاهیے کہ وہ جائز آزادی کے حصول کے لیے کوشش کریں اور پارلیمنٹری حکومت اُنھیں جب تک نہ مل جائے اپنے اُصول مذهبی کی خاطر چین نہ لیں ۔'' [۸ ستمبر ، ۱۹۱۲ع]

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا ، ''هماری دعوت در اصل دو حصوں پر مشتمل ہے :

۱ ۔ مسلمان اپنے تمام اعمال میں جب تک کوئی عملی مذهبی تبدیلی پیدا نہیں کریں گے محض سیاسی یا تعلیمی تغیرات و ترقیات ان کے لیے سود مند نہیں هو سکتیں ۔

۶ - تعلیم ، معاشرت اور سیاست میں آن کو بر بنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنا چاہیے ، بلکہ بر بنائے مذہب -''
[٦ نومبر ١٩١٢ء]

'الجہاد فی سبیل الحریت' کے عنوان سے جو سلسلۂ مقالات لکھا ، اس میں مولانا نے ذرا زیادہ کھل کر اپنے نظریات پیش کیے - آنھوں نے سر سید کی تحریک ، مسلم یونیورسٹی کے قیام ، آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام اور 'الہلال' سے پہلے کی ساری اسلامی سیاست کی مذمت کی کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور اس کی تاریخ لکھی جائے گی ، تو سات کروڑ مسلمانوں کے بارے میں

''اس میں لکھا جائے گا ایک بد بخت اور زبوں طالع قوم ، جو ہمیشہ ملکی ترقی کے لیے ایک روک ، ملک کی فلاح کے لیے ایک بد قسمتی ، راہ آزادی میں ایک سنگ گراں ، حاکمانہ طمع کا کھلونا ، دست اجانب میں بازیچۂ لعب ، ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی آمنگوں کو پامال کرنے کے لیے ایک پتھر بن کر رہی -''

''اگر تم کہو کہ تاریخ ہند میں ہمارے لیے بھی شرف و عظمت کا ایک باب ہوگا ، تو تم خاموش رہو اور مجھ سے کہو کہ میں اسے پڑھ دوں - بے شک ایک باب ہوگا ، مگر جانتے ہو کہ اس میں کیا ہوگا ؟

''اس میں لکھا ہوگا کہ ہندوستان ملکی ترقی اور آس کی آزادی کی راہ میں بڑھا - ہندوؤں نے اس کے لیے اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھا ، مگر مسلمان غاروں کے اندر چھپ گئے - آنھوں نے پکارا مگر آنھوں نے اپنے منہ اور زبان پر قفل چڑھا دیے - ملک غیر منصفانہ قوانین کا شاکی تھا ، ہندوؤں نے اس کے لیے جہاد کیا - پھر اس قوم مجاهد نے یہی نہیں کیا کہ صرف چپ رہی ، بلکہ مجنونانہ چیخ اٹھی کہ تمام کام کرنے والے باغی ہیں -''

''شاید ھی دنیا میں کسی قوم نے پالیٹکس کی ایسی صریح تذلیل و توھین کی ھوگی جیسی چھه سال تم نے کی - تم نے اے چاندی اور سونے کو پوجنے والو ! تم نے کی - تمہارا وجود یک سر سیاست کی تحقیر اور تمہارے اعمال اس کی معزز پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکا ھیں -''

''ھندو مسلمانوں کا سوال بھی ایک بازی گر کا کھیل ھے اور بدبختی سے ناچنے والے ناچ رھے ھیں - فوج میں پھوٹ پڑ گئی ھے اور غنیم مطمئن ھے - یه خیال که تم نے ابھی تعلیم میں ترقی نہیں کی اس لیے تمہارا پالیٹکس یہی ھے که پہلے ھندوؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو ، غور کرو که حریف شاطر کی کس قیامت کی چال تھی -''

''اگر مسلمانوں کی آنکھوں کو لیڈروں کے عمل‌السحر نے بند نه کر دیا ھوتا تو وہ اس منظر کو دیکھتے اور خون کے آنسو روتے - وہ دیکھتے که یه کیا بدبختی ھے که ملک کی ترقی و فلاح کا مسئله ھی سرے سے ھندو مسلم مسئله ھو گیا ھے اور مسلمانوں کو من حیث‌القوم اس سے کوئی تعلق نہیں رھا -''

آل انڈیا مسلم لیگ نے چوں که تقسیم بنگال کی تنسیخ کے بعد ذرا زیادہ جان دار پالیسی اختیار کر لی تھی اس لیے مولانا آزاد نے اس میں شرکت پر آمادگی ظاھر کی ، بشرطیکه لیگ ''انگلستان کے ماتحت ھندوستان کی حکومت خود اختیاری'' کو اپنا نصب‌العین بنالے - مولانا تصفیۂ حقوق کے قائل نہیں تھے - چناں چه اسی مقالے میں لکھتے ھیں :

''ھندوؤں کی مجارٹی ، مختلف عناصر کی باھمی رقیبانه کش مکش ، ھندو مسلمانوں کی گزشته تاریخ کے اثرات ، ملک کی عدم تیاری ، مسلمانوں کے لیے ھندوستان میں باھر کی حکومت کی بہتری اور اسی طرح کے وہ تمام وساوس و نزعات نفسانیه ، جو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کیے گئے تھے ، ھمیں حسن ظن ھے که اب بھلائے

جا چکے ہیں...... ہندو مجارٹی کے عفریت کا خوف بھی اب خدا کے لیے دل سے نکال دیجیے - یہ سب سے بڑا شیطانی وسوسہ تھا جو مسلمانوں کے قلب میں القا کیا گیا تھا -،،

مولانا آزاد تقسیم بنگال کی تنسیخ کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے - اُن کے نزدیک اس کی اہمیت صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ انگریز اُن کے خیر خواہ نہیں ہیں - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلے میں وہ چاہتے تھے کہ یہ ادارہ مکمل طور پر حکومت سے آزاد ہو - دنیائے اسلام کی سیاست کے بارے میں اُن کا طرز عمل ظفر علی خاں اور محمد علی کے موقف سے ملتا تھا - البتہ مسجد کان پور کی تحریک جس انداز میں ختم ہوئی مولانا آزاد کو اس پر اعتراض تھا -

آزاد اور اُردو صحافت

آزاد کا نظریۂ صحافت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - اب مختصر طور پر یہ بتانا مقصود ہے کہ اُنھوں نے اُردو صحافت کی کیا خدمت سرانجام دی :

۱ - آپ نے اردو زبان میں پہلا با تصویر سیاسی جرنل جاری کیا ، جو اپنی اعلیٰ ترتیب و تزئین ، ٹھوس مقالوں اور تصاویر کے لحاظ سے صحافتی تکنیک میں ایک زبردست ترقی کا مظہر تھا - ایسا ہفت روزہ اردو میں آج تک نہیں نکلا -

۲ - آپ نے کمال جرأت سے کام لے کر اپنا رسالہ ٹائپ میں چھاپا - 'کمال جرأت' سے اس لیے کہ عام خیال یہی تھا کہ لوگ ٹائپ میں چھپی ہوئی چیز پڑھنا پسند نہیں کرتے - جہاں تک صحافت کا تعلق تھا ، یہ خیال باطل ثابت ہوا ، کیوں کہ 'الہلال' کی اشاعت دس ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی تھی -

۳- آزاد نے پہلی مرتبہ اردو قارئین کو موضوعات کے تنوع سے آشنا کیا - چناں چہ 'الہلال' میں مذہب ، سیاست ، معاشیات ، نفسیات ، جغرافیہ ، تاریخ ، عمرانیات ، سوانح ، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ معیار کے مضامین اور فیچر چھاپے گئے - گویا آنے والوں کو راستہ دکھا دیا کہ یوں بھی ہو سکتا ہے -

۴- اس عہد کے بڑے بڑے ادیبوں کی نگارشات 'الہلال' کے صفحات کی زینت ہوتی تھیں - مثلاً شبلی نعمانی ، اقبال ، حسرت موہانی اور سید سلیمان ندوی - علامہ اقبال نے ۱۹۱۲ء میں 'الہلال' کو دس خریدار مہیا کیے -

۵- مولانا آزاد نے اردو صحافت میں ایک ایسے خطیبانہ اسلوب نثر کو رواج دیا جو ایجی ٹیشن کے زمانے میں بہت مؤثر اور مفید رہا - محمد علی اور ظفر علی خان نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا تھا - لیکن یہ واضح ہے کہ جو تأثر اور خوب صورتی آزاد کی نثر میں ہے ، اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا -

۶- آزاد کے اسلوب تحریر میں ایک پہلو محل نظر ہے کہ پڑھنے والے کو بار بار یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ لکھنے والا بہت اونچی سطح پر ہے - اس طرح مضمون نگار اور قارئین کے درمیان ایک بعد پیدا ہوتا ہے -

۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے الہلال پریس کی دو ہزار کی پہلی ضمانت ضبط کر لی اور ۱۴ ، ۲۱ اکتوبر کا مشترکہ شمارہ ضبط کر لیا - دو مضمون قابل اعتراض قرار پائے - ایک 'حدیث الجنود' اور دوسرا 'سقوط انٹورپ' - بلجیم کی ایک تصویر بھی قابل اعتراض قرار دی گئی - اس کے بعد ۸ نومبر کو 'الہلال' کا آخری شمارہ نکلا - نئی ضمانت دس ہزار روپے کی تھی ، جو جمع نہ کرائی گئی - اگلے سال مولانا نے 'البلاغ' کے نام سے ایک خالص مذہبی ہفت روزہ نکالا ، جو 'الہلال' کے سے ٹھاٹھ کے ساتھ نکلا - لیکن مولانا نظر بند ہو گئے تو یہ بھی بند ہو گیا - ۱۹۲۷ء میں 'الہلال' کا دوسرا لیکن بہت مختصر دور (چھ مہینے) آیا ، لیکن اس کا ذکر کسی آئندہ شمارے میں آئے گا -

ستائیسواں باب

صحافتی قوانین

بیسویں صدی کے آغاز میں تقسیم بنگال سے جو شورش بنگال میں متشدد صورت اختیار کر گئی اور جس طرح پنجاب میں نو آبادیاتی قوانین کے خلاف فسادات اور ہنگامے ہوئے، نیز بمبئی اور مہاراشٹر میں ملک کی تحریک پر بعض جگہ پر تشدد مظاہرے ہوئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبارات میں ایسے مضمون چھپنے لگے جو حکومت بغاوت پر محمول کرتی تھی۔ اس لیے ۱۹۰۸ء میں حکومت نے قانون اخبارات (اشتعال جرائم) نافذ کیا ۔ اس کی رو سے مقامی حکام کو اختیار حاصل ہوا کہ جو اخبار ایسی تحریریں چھاپے جن سے بغاوت کی تلقین ہوتی ہو، اس کے ایڈیٹر کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔ اس قانون کے ماتحت نو مقدمے چلائے گئے اور سات چھاپہ خانے ضبط ہوئے؛ چار بنگال میں، دو پنجاب میں اور ایک بمبئی میں۔ لیکن یہ تمام کارروائی نفاذ قانون کے ایک سال کے اندر اندر ہوئی ۔ اس کے بعد یہ قانون عہد معطل بنا رہا اور گیارہ سال بعد منسوخ ہوا۔

جس قانون کے خلاف اخبارات نے بہت احتجاج کیا اور جسے سینکڑوں مرتبہ صحافت کو کچلنے کے لیے استعمال کیا گیا، وہ ۱۹۱۰ء کا پریس ایکٹ تھا ۔ اس کے خلاف مولانا محمد علی، مولانا آزاد، مولانا ظفر علی خان اور کئی دوسرے قومی رہ نماؤں نے باقاعدہ مہم چلائی۔ اس قانون کے ماتحت ہر نئے اخبار کے اجراء سے پہلے ہی اس سے ضمانت طلب کی جا سکتی تھی۔ نیز اس کی دفعہ ۴ کی ہمہ گیری کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ کوئی اخبار خواہ کتنا ہی محتاط رہے اس کی

زد سے محفوظ رہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا ۔ دفعہ ۴ کا مفہوم یہ تھا کہ اگر اخبار کے کسی مضمون سے لفظاً یا معناً یا کنایتاً یا اشارتاً یا کسی اور طریقے سے یہ پایا جائے کہ حکومت کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات بھڑکائے گئے ہیں یا اس کی کوشش کی گئی ہے یا ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں میں پھوٹ ڈلوائی گئی ہے، تو انتظامیہ ایسے اخبار سے دس دن کی میعاد کے اندر اندر ایک ہزار سے دس ہزار روپے تک کی ضمانت لے گی اور اگر اس کے بعد بھی اخبار میں قابل اعتراض مضمون شائع ہوا تو نہ صرف اس کی ضمانت قابل ضبطی مقصود ہوگی بلکہ اس کا پریس بھی قابل ضبطی قرار دیا جائے گا ۔ غرض مقصود یہ تھا کہ کسی اخبار کو آزادی کے ساتھ حکومت کے خلاف لکھنے کی جرأت نہ پڑے ۔

اس قانون کے خلاف احتجاج کی غرض سے مولانا ظفر علی خان انگلستان گئے ۔ وہاں جلسوں سے خطاب کیا ۔ پارلیمنٹ کے ارکان سے ملاقاتیں کیں ۔ اخبارات میں پریس ایکٹ کے خلاف لکھا اور تقریباً تین سو صفحے کی ایک کتاب بہ زبان انگریزی لکھی جس میں پریس ایکٹ کے تمام مذموم پہلوؤں پر شرح و بست کے ساتھ روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس کس قصور کی پاداش میں کس کس اخبار کے خلاف کارروائی ہوئی ۔ اس سلسلے میں مولانا نے ان اخبارات کے نام درج کیے : 'مسلم گزٹ' (لکھنؤ) ۔ 'توحید' (میرٹھ) ۔ 'حبل المتین' (کلکتے کا فارسی اخبار) ۔ 'یونین گزٹ' (بریلی) ۔ 'مشیر' (بہار) ۔ 'اتحاد' (بہار) ۔ 'الہلال' (کلکتہ) ۔ 'ہمدرد' (دہلی) ۔ 'کامریڈ' (دہلی) ۔ 'رفیق' (دہلی) ۔ کلیمی پریس (کلکتہ) ۔ 'افغان' (پشاور) ۔ 'وکیل' (امرتسر) ۔ 'المعین' (امرتسر) ۔ 'ایڈورڈ گزٹ' (ایبٹ آباد) ۔ 'اردوئے معلیٰ' (علی گڑھ) ۔ 'رفاہ عام سٹیم پریس (لاہور) ۔ 'مسلمان' (امرتسر) ۔ 'اہل حدیث' (امرتسر) ۔ 'پنچ بہادر' و 'سلطان الاخبار' (بمبئی) ۔ 'الحق' (دہلی) ۔ 'شحنۂ ہند' (میرٹھ) ۔ 'المجدد' (لاہور) ۔ 'پنجاب ایڈوو کیٹ' (میانوالی)، 'جھنگ سیال' (لاہور) ۔ 'مشیر صحت' (گجرات) ۔ 'لائل گزٹ' (لاہور) 'ہندو' (لاہور) ۔ [مولانا ظفر علی خان کی اس کتاب کا اصل نسخہ

مولانا کے بھائی چودھری غلام حیدر خان کی تحویل میں ہے] -

اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا - اس مرحلے پر ملکی صحافت نے برطانیہ سے قریب قریب پورا تعاون کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ مطالبہ جاری رکھا کہ جن حقوق اور مقاصد کے لیے برطانیہ دوسرے اتحادیوں کی معیت میں جرمنی سے برسر پیکار ہے انھیں اس ملک کے رہنے والوں کو بھی اپنانے دے - اس سلسلے میں ایک انگریز خاتون مسز اینی بیسنٹ نے نمایاں حصہ لیا - وہ ایک آتشیں مقرر تھی - اسے ہندوستان سے محبت تھی اور وہ یہاں حکومت خود اختیاری کے قیام کے سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرتی رہی - اس نے ایک اخبار بھی 'نیو انڈیا' کے نام سے نکالا - لیکن حکومت نے اسے ۱۹۱۷ء میں گرفتار کر لیا - جنگ شروع ہوتے ہی تمام اخبارات پر خبروں کی اشاعت میں سنسر کی پابندی لگ گئی - نیز قانون تحفظ ہند (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ) نافذ ہو گیا، جس کے ماتحت حکومت کو رائے عامہ کچلنے کے لیے ہر قسم کے وسیع اختیارات حاصل ہو گئے -

پریس ایکٹ کے خلاف جد و جہد بھی جاری رہی - ۱۹۱۶ء میں مسز اینی بیسنٹ کے اخبار 'نیو انڈیا' سے دو ہزار کی ضمانت طلب ہوئی - اس کے بعد اسے ضبط کر کے دس ہزار روپے کی مزید ضمانت مانگ لی گئی - اخبار نے اپیل کی - معاملہ پریوی کونسل تک پہنچا اور اس نے حکومت کے حکم کو ناجائز قرار دیا - ۱۹۱۷ء میں ہندوستان کے مدیران جرائد کا ایک وفد وائسرائے سے ملا اور پریس ایکٹ کی تنسیخ پر زور دیا - وائسرائے نے اس وقت یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں صوبائی حکومتوں سے مشورہ طلب کیا کہ اس ایکٹ میں کس طرح ترمیم کی جائے اور دفعہ ۴ کے خلاف عام اعتراض کیسے دور کیا جائے - چوں کہ جنگ کا زمانہ تھا اس لیے صوبائی حکومتوں نے یہی مشورہ دیا کہ اس مرحلے پر کسی قسم کی نرمی مناسب نہیں ہوگی - اس پر مدیران جرائد کا ایک اور وفد تیار ہوا - اس نے وائسرائے کی کونسل کے رکن سر ولیم ونسنٹ سے ملاقات کی - اس کا مطالبہ یہ تھا کہ طلبیٔ ضمانت کا حکم صرف خاص خاص موقعوں پر دیا جائے اور ضبطیٔ ضمانت

کا اختیار صرف عدالت کو حاصل ہو ۔ حکومت کے احکام کے خلاف عدالت میں اپیل کی جا سکے اور دفعہ ۴ منسوخ کی جائے ۔ سر ولیم ونسنٹ نے ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا لیکن نتیجہ وہی رہا کہ حکومت زمانۂ جنگ کے دوران میں اپنے اختیارات میں تخفیف پسند نہیں کرتی تھی ۔

پریس ایکٹ سے صحافت پر کتنا ظلم ہوا ؟ اس کا اندازہ اُس عرض داشت کے مطالعے سے کیا جا سکتا ہے جو ۱۹۱۹ء میں پریس ایسوسی ایشن آف انڈیا نے مرتب کی ۔ اس میں بتایا گیا کہ ایکٹ کے نفاذ سے پہلے جو اخبارات اور چھاپہ خانے موجود تھے اُن میں سے ۹۹۱ کے خلاف کارروائی ہوئی ۔ دو سو چھیاسی اداروں کو قانون کے مطابق 'انتباہ' کیا گیا جس کا اثر چھوٹے اداروں پر بہت برا ہوا ، کیوں کہ اُن کی ترقی کا راستہ بند ہو گیا ۔ سات سو پانچ اداروں سے ضمانتیں طلب ہوئیں اور ضبط بھی ہوئیں ۔ ایکٹ کے نفاذ کے بعد جو اخبار یا چھاپہ خانے جاری ہوئے اُن میں سے ستر کے قریب اداروں کو طلبئی ضمانت کا سامنا کرنا پڑا ۔ ۱۷۳ نئے چھاپہ خانے اور ۱۲۹ نئے اخبار جاری ہی نہ ہو سکے ، کیوں کہ اجراء سے پہلے ضمانتیں مانگ لی گئیں ۔ ۱۹۱۷ء تک بائیس اخباروں سے ضمانت طلب ہوئی جن میں سے اٹھارہ بند ہو گئے ۔ ۸۸ پرانے چھاپہ خانوں سے ضمانتیں مانگی گئیں اور نصف کے قریب بند ہو گئے ۔ پریس ایکٹ کے نفاذ کے بعد پہلے پانچ سال میں ضمانتوں کی صورت میں حکومت کے خزانے میں تقریباً پانچ لاکھ روپے کی رقم جمع ہوئی ۔

یہ ۱۹۱۹ء تک کی داستان ہے ، آنے والے چند سالوں میں جو کچھ ہوا اُس کی کہانی آئندہ ملاحظہ فرمائیے ۔

اٹھائیسواں باب

جنگ عظیم اور اس کے بعد

سیاسی پس منظر

جنگ عظیم کے دوران میں جب یہ محسوس کیا گیا کہ جنگ کے بعد آئینی اصلاحات کا نفاذ ہوگا، آل انڈیا مسلم لیگ اور نیشنل کانگرس ایک دوسرے کے قریب آگئیں تاکہ تصفیۂ حقوق کے بعد متحدہ محاذ بنایا جا سکے۔ لکھنؤ کے مقام پر ۱۹۱۶ء میں دونوں سیاسی جماعتوں کے سالانہ اجتماع منعقد ہوئے اور اس موقع پر ان دونوں کے درمیان وہ سمجھوتا ہوا جسے 'میثاق لکھنؤ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پہلا اور آخری سمجھوتا تھا اور اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ سوائے ایک آدھ مسلمان رہ نما کے کسی کو یہ احساس نہیں ہوا کہ 'میثاق لکھنؤ' حقیقت میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے لیے بے حد مضر تھا، کیوں کہ سرحد اور بلوچستان اصلاحات سے محروم تھے۔ سندھ بمبئی کا جزو تھا۔ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں بدل دی گئی اور اس کے بدلے جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں انھیں آبادی کے تناسب سے زیادہ حقوق دے دیے گئے، لیکن اقلیت بہر حال اقلیت رہی۔ گویا ہندوستان کے کسی صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت تسلیم نہ کی گئی۔

ادھر عربوں کی بغاوت نے دولت عثمانیہ پر کاری ضرب لگائی، ادھر مسلمانان ہند میں ترکوں سے ہم دردی بڑھنے لگی۔ لیکن ان کے سب بڑے رہ نما مثلاً محمد علی، شوکت علی، حسرت موہانی، ابوالکلام آزاد،

ظفر علی خاں اور مولانا محمود حسن نظر بند یا اسیر تھے - ھوم رول لیگ کے سلسلے میں مسز اینی بیسنٹ اور اُن کے رفقائے کار گرفتار ھو چکے تھے - اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وزیر ھند مسٹر مانٹیگو نے مزید آئینی اصلاحات کا وعدہ کیا اور مسز اینی بیسنٹ رھا ھو گئیں - دھلی میں انجمن نظر بندان اسلام قائم ھوئی تا کہ مسلمان رھنماؤں کی رھائی کے لیے سعی کی جائے - مسٹر مانٹیگو نے ھندوستان آکر اصلاحات کا مژدہ سنایا، لیکن نظربندوں کی رھائی کے مسئلے کو پی گئے - بڑی ایجی ٹیشن کے بعد اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے دو کمیٹیاں مقرر ھوئیں - نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ سو چھ نظر بندوں میں سے آٹھ سو کی نظر بندی جائز قرار دی گئی -

جنگ کا خاتمہ ھوا تو لیگ اور کانگرس، دونوں کے اجتماع دھلی میں منعقد ھوئے اور لیگ نے ایک طرف حق انتخاب حکومت اور ھندو مسلم اتحاد پر زور دیا، دوسری طرف مسئلہ خلافت اور مسئلہ تحفظ اماکن مقدسہ اور جزیرۃالعرب سامنے آئے - مسلمانوں کو خوف تھا کہ ترکیہ کی شکست سے خلافت ختم ھو جائے گی اور جزیرۃالعرب میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ فرنگیوں کے تصرف میں آ جائیں گے - کانگرس نے ان مسائل میں مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور اس طرح ھندو مسلم متحدہ محاذ کو تقویت ھوئی - حکومت چاھتی تھی کہ جو اختیارات دوران جنگ میں اُسے قانون تحفظ ھند کی وجہ سے حاصل تھے وہ بعد میں بھی حاصل رھیں - چناں چہ اُس نے کونسل میں 'رولٹ بل' پیش کیا - عوام نے اسے 'سیاہ قانون' قرار دیا اور طول و عرض ھند میں اس کے خلاف جلسوں اور مظاھروں کا ایک سلسلہ شروع ھوگیا - ادھر رولٹ ایکٹ نافذ ھوا، ادھر مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کا اعلان کر دیا - سارے ملک میں زبردست ھڑتالیں ھوئیں - جا بجا بلوے ھوئے - لوگوں نے کئی انگریزوں کو مار ڈالا - ریلوے سٹیشن جلا دیے - گاندھی جی، ڈاکٹر سیف‌الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال گرفتار ھو گئے - امرتسر میں جلیاں والا باغ کا سانحہ ھوا - جنرل ڈائر نے بے رحمی سے گولی چلوا کر پان سو ھلاک اور ڈیڑھ ھزار زخمی کر دیے - اس سے سارے

پنجاب میں آگ لگ گئی اور مارشل لاء نافذ ہو گیا اور بے شمار معززین جیل میں ڈال دیے گئے ۔ اس مارشل لاء کا ایک بین‌الاقوامی پس منظر بھی تھا ۔ افغانستان کے امیر حبیب‌اللہ خاں کی موت کے بعد امان‌اللہ خاں تخت پر بیٹھا اور اپنی آزادی کے لیے انگریزوں سے بر سر پیکار ہو گیا ۔ اس لیے مارشل لاء کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ محاذ جنگ کا عقب کا حصہ محفوظ رہے ۔

اس سال 'جشن صلح' منایا جانے والا تھا ۔ اس کے مقاطعے کے لیے ہندو اور مسلمان ایک ہو گئے ۔ گاندھی جی نے ہندوؤں سے اپیل کی کہ "وہ اُس وقت تک جشن صلح میں شریک نہ ہوں جب تک انہیں اس بات کا پورا اطمینان نہ دلایا جائے کہ سلطنت عثمانیہ کے بٹوارے اور خلافت کے برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا ۔" حکومت نے عوام کی اشک شوئی کے لیے سانحۂ جلیاں والا باغ کے سلسلے میں ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی ۔ اس نے جنرل ڈائر کے طرزعمل کو غلط ٹھہرا کر اُسے برطرف کر دیا ، نظر بندوں کو رہا کردیا اور نئی اصلاحات کے نفاذ کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ برطانوی پارلیمنٹ میں منظور ہو گیا ۔ لیکن اب عوام کی بے چینی ایسی نہیں تھی کہ اس قسم کے اقدامات سے دور ہو جاتی ۔

۱۹۱۹ء کے اواخر میں امرتسر کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگرس کے سالانہ اجلاس ہوئے ۔ اُن کی صدارت بالترتیب حکیم اجمل خاں اور پنڈت موتی لال نہرو کے سپرد ہوئی ۔ محمد علی، شوکت علی اور ظفر علی خاں نے بھی اس میں شرکت کی ۔ اس بڑے اجتماع میں ہندو مسلم اتحاد کے عدیم‌النظیر مظاہرے ہوئے اور سیاسی جنگ اپنے نصف‌النہار پر پہنچ گئی ۔

۱۹۲۰ء کے آغاز میں ڈاکٹر انصاری کی رہ نمائی میں مسلمانوں کے ایک وفد نے وائسرائے سے ملاقات کر کے صاف کہ دیا کہ اگر ترکیہ پر صلح کی ایسی شرائط ٹھونسی گئیں جو اسلامی جذبات اور مذہب کے خلاف ہوں تو یہ مسلمانوں کی وفاداری پر ایک ایسا بوجھ ہوگا

جو اُن کی برداشت سے باہر ہوگا - محمد علی کی رہنمائی میں ایک وفد انگلستان گیا تاکہ برطانیہ کے وزیر اعظم کو مسلمانان ہند کے جذبات سے آگاہ کردے - اپریل ۲۰ء میں گاندھی جی نے اعلان جنگ کر دیا جس کی پہلی قسط سرکاری اعزازات و خطابات کی واپسی تھی - چناں چہ بے شمار لوگوں نے اپنے خطاب واپس کر دیے -

اسی زمانے میں مولانا عبدالباری نے لکھنؤ سے یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمنوں کے زیر غلامی رہنا پسند نہ کریں وہ کسی آزاد اسلامی ملک کو ہجرت کر جائیں - اس سے 'تحریک ہجرت' کا آغاز ہوا - ہزارہا مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر ، جائداد سستے داموں بیچ کر افغانستان چلے گئے ، لیکن افغانستان بھی مہاجرین کی اس یورش کو برداشت نہ کر سکا اور آخر اس نے انھیں لوٹا دیا اور اس طرح مسلمانوں کے ہزارہا خاندان برباد ہو گئے - لیکن اس سے ترک موالات کی تحریک کو بہت قوت حاصل ہوئی اور دنیا بھر میں انگریزوں کی بے حد بدنامی ہوئی -

مئی میں اُن شرم ناک شرائط صلح کا اعلان ہوا جو اتحادیوں نے زبردستی ترکوں سے منوائی تھیں - اس پر کانگرس اور مجلس خلافت نے وائسرائے کو الٹی میٹم دیا کہ اگر ایک ماہ کے اندر اندر ان شرائط پر نظر ثانی کی کوشش نہ ہوئی تو تحریک ترک موالات شروع کر دی جائے گی (جسے تحریک عدم تعاون کا نام بھی دیا گیا)-

۳۱ - اگست کو سارے ملک میں 'یوم خلافت' منایا گیا - ہر شہر میں مکمل ہڑتال ہوئی اور یہیں سے تحریک ترک موالات شروع ہوئی - اگلے مہینے کلکتے میں کانگرس ، مسلم لیگ ، مجلس خلافت اور جمعیت علماء کے اجلاس ہوئے - ان سب میں ترک موالات کا فیصلہ ہوا اور ایک متحدہ محاذ اور متحدہ لائحہ عمل تیار ہوا جس کے ماتحت عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ سرکاری خطابات واپس کر دیں ، سرکاری ملازمت چھوڑ دیں ، عدالتوں کا مقاطعہ کریں - طالب علم اُن سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل آئیں جن کو سرکاری گرانٹ ملتی ہے ،

بدیشی مال کا مقاطعہ کریں ، کھدر اور سودیشی کپڑا اور سودیشی مصنوعات استعمال کریں اور حکومت سے ہر قسم کی موالات ترک کر دیں ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ کلکتہ کانفرس میں سوائے پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے فرزند جواہر لال نہرو کے کسی نمایاں ہندو لیڈر نے گاندھی جی کی تائید نہ کی ، بلکہ تحریک کی مخالفت کی ۔ مسلمانوں میں صرف محمد علی جناح اس تحریک کے مخالف تھے ، باقی سب نے تائید کی ۔ کانگرس کے اس اجلاس میں مسلمان کثرت سے شامل ہوئے اور بہ قول ڈاکٹر انصاری (بہ حوالہ 'حیات اجمل' ازعبدالغفار) ''کانگرس کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے کانگرس کو ایک دلیرانہ اور جارحانہ پروگرام منظور کرنے پر مجبور کر دیا ۔'' کلکتہ کانفرنس کے بعد مولانا محمد علی انگلستان سے مایوس ہو کر لوٹے اور تحریک میں شامل ہوگئے ۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے چھ سو طلبا باہر نکل آئے ۔ ان کے لیے علی گڑھ ھی میں 'جامعہ ملیہ اسلامیہ' قائم ھوا جو بعد میں دھلی منتقل ھوگیا ۔ بنارس یونیورسٹی سے چار سو طلبا نکلے ۔ ان کے لیے 'کاشی ودیا پیٹھ' قائم ھوا ۔ جب جمعیت علماء نے فتویٰ صادر کیا کہ سرکاری ملازمت ، بالخصوص پولیس اور فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے حرام ہے اور مولانا حسین احمد مدنی ، علی برادران ، ڈاکٹر کچلو اور دوسرے رہنماؤں نے اس فتوے کو جلسوں میں پڑھا تو یہ سب پکڑے گئے ۔ اس کے بعد کانگرس کے ھندو اور مسلمان رہنماؤں نے اس فتوے کو دہرایا ۔

اس دوران میں حکومت نے قومی محاذ میں پھوٹ ڈالنے کی بڑی کوشش کی ۔ مالا بار کے مسلمان موپلوں نے خلافت کے مسئلے پر بغاوت کر دی تھی ۔ حکومت نے ایک تو ان پر شدید ظلم ڈھائے ، دوسرے کچھ ایسی ریشہ دوانیاں کیں کہ کچھ موپلوں نے ھندوؤں کے خلاف فساد کر دیا ، لیکن یہ سازش کام یاب نہ ھوئی اور قومی اذ قائم رہا ۔ حکومت نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ سرکار پرستوں کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے ولی عہد برطانیہ کو بلایا ۔ کانگرس اور خلافت نے اس سلسلے میں تمام تقریبات کا مقاطعہ کر دیا اور ولی عہد کے آنے پر زبردست مظاہرے

ہوئے۔ موتی لال نہرو ، جواہر لال نہرو ، ابوالکلام آزاد ، سی۔آر۔ داس ، اور لاجپت رائے گرفتار ہو گئے ۔ کانگرس نے انفرادی سول نا فرمانی بھی جاری کی اور علاقہ بردولی میں عدم ادائیگی ٹیکس کی مہم بھی چلائی ۔

ہزارہا لوگ گرفتار ہو چکے تھے ۔ قومی تحریک اپنے جوبن پر تھی کہ ضلع گورکھ پور کے مقام 'چوری چوراہ' میں عوام اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا اور عوام نے تشدد کیا ۔ اس پر تحریک کے قائد گاندھی جی نے اعلان کیا کہ ہماری تحریک عدم تشدد پر مبنی تھی ، چوں کہ عوام نے اس اصول سے انحراف کیا ہے اس لیے میں سول نافرمانی اور عدم ادائیگی ٹیکس کی تحریک واپس لیتا ہوں ۔ اس سے ملک بھر میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور مارچ ۲۲ء تک تحریک ختم ہو گئی ۔

برعظیم میں قانون شکنی کی یہ پہلی اور آخری تحریک تھی جس کی ہمہ گیری کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا اور جس میں ساری اقوام کے عوام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہندو مسلم اتحاد کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے جن کی نظیر نہیں ملتی ۔

انتیسواں باب

صحافت جنگ عظیم کے بعد

جنگ عظیم کے بعد جو ہنگامہ خیز سیاسی دور آیا وہ اپنے جلو میں کئی نئے اخبار اور کئی نئے اخبار نویس بھی لایا - اخبارات کے خلاف داروگیر جاری تھی ، ضمانتیں طلب ہوتی تھیں ، ضبط ہوتی تھیں ، چھاپے خانے ضبط کیے جاتے تھے ، ایڈیٹر گرفتار کیے جاتے تھے ، لیکن صحافت کا طوفانی دھارا تھا کہ بہتا چلا جاتا تھا - اس دور میں اخبارات نے عوام کے جذبات کی عکاسی اور ترجمانی جس شدت سے کی اس کی مثال تاریخ صحافت میں بہت کم ملتی ہے - یہی نہیں ، صحافت نے فنی اعتبار سے بھی ترقی کی - اس سے پہلے کہ ہم اس کا جائزہ لیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس دور کے اخبارات کا تذکرہ ہو جائے -

'زمیندار'

۱۹۱۹ء میں ققنس اپنی خاکستر سے پھر ابھرا اور ایک مرتبہ پھر 'زمیندار' اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا - اس دور میں 'زمیندار' کو جس داروگیر کا سامنا کرنا پڑا اس کا ملخص شورش کاشمیری کی زبانی ملاحظہ ہو : "۱۹۱۹ء میں دو ہزار کی ضمانت دے کر دوبارہ نکلا ، لیکن تحریک خلافت کے آغاز میں یہ رقم بھی ضبط ہو گئی اور مزید پانچ ہزار روپیہ بطور ضمانت طلب کر لیا گیا - مولانا ظفر علی خاں حضرو کی ایک تقریر کے جرم میں پکڑے گئے اور پا ' سال کے لیے قید کر دیے گئے - کچھ دنوں بعد مولانا اختر علی خاں اور مولانا عبدالمجید سالک بھی علی الترتیب تین اور ایک سال کے لیے قید ہو گئے - ایک

انگریز ڈی ۔ آئی ۔ جی پولیس مسٹر مونگر کے خلاف میاں فیروزالدین احمد کو زد و کوب کیے جانے کی خبر چھپی تو آنس مونگر نے سرمائیکل اوڈ وائر کے اشارے سے 'زمیندار' کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دیا ۔ اسے پندرہ ہزار روپے کی ڈگری مل گئی ۔ یہ تمام روپیہ ادا کرنا پڑا ۔ ۱۹۲۱ء میں مسلم پرنٹنگ پریس بھی مع ضمانت ضبط کر لیا گیا ۔ اس دوران میں 'زمیندار' کے کوئی ایک درجن ایڈیٹر گرفتار کیے گئے اور دو ہزار ، پا ' ہزار اور دس ہزار کی تین ضمانتیں وقفہ وقفہ سے ضبط ہوتی گئیں ۔'' [ظفر علی خان ۔ صفحہ ۱۰۵]

ضمانتوں کے بارے میں مسٹر ایس فیروز نے کیفیت یوں بیان کی ہے :

'' اس دوران میں زمیندار کی مندرجہ ذیل تین اور ضمانتیں ضبط ہوئیں :

۱ ۔ دو ہزار روپے (مسلم پرنٹنگ پریس) ۱۹۲۰ء میں ضبط ہوئی ۔

۲ ۔ دو ہزار روپے (کانگرس پریس) جنوری ۱۹۲۲ء میں ضبط ہوئی ۔

۳ ۔ دو ہزار روپے (سالک پرنٹنگ پریس) فروری ۱۹۲۲ء میں ضبط ہوئی ۔

[' پریس ان پاکستان ' ، صفحہ ۷۷]

'' زمیندار ہر دل عزیز تو تھا ، لیکن اس کی اشاعت کا وہ رنگ نہ رہا جو جنگ طرابلس و بلقان کے دوران میں تھا ۔ ۱۹۱۵ء میں اس کی اشاعت بارہ ہزار تھی ۔ جب دوبارہ نکلا تو سال بہ سال اشاعت کی کیفیت یہ تھی :

۱۹۲۰ء	-	۶۱۳۵
۱۹۲۱ء	-	۵۱۲۹
۱۹۲۲ء	-	۵۱۵۰
۱۹۲۳ء	-	۵۳۰۰
۱۹۲۴ء	-	۳۰۰۰

[. والہ ' پریس ان پاکستان ' صفحہ ۸۱]

اشاعت پہلے کے مقابلے میں کم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اب میدان میں اور اخبار بھی تھے اور انھوں نے بھی اظہار خیال میں بے باکی کا مظاہرہ کیا - بہر حال اس اخبار کا اثر و رسوخ اور وقار بدستور قایم رہا اور جب اس سے ضمانت طلب ہوئی قوم نے چندہ اکٹھا کر کے ادا کر دی اور 'زمیندار' کو زندہ رکھا -

اس دور میں 'زمیندار' کی ادارت میں تین شخصیتیں نمایاں رہیں! مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش -

عبدالمجید سالک

مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ۱۹۱۴ء میں کیا جب آپ نے 'فانوس خیال' کے نام سے پٹھانکوٹ سے ایک ادبی اور علمی ماہ نامہ جاری کیا - اس میں ملک کے نامور ادیب معاوضے پر لکھتے تھے - یہ رسالہ تقریباً آٹھ مہینے جاری رہا - اس کے بعد آپ دارالاشاعت پنجاب سے منسلک ہو گئے اور مولوی سید ممتاز علی مرحوم نے آپ کو 'تہذیب النسواں' اور 'پھول' کا ایڈیٹر مقرر کر دیا - ۱۹۱۸ء میں سید امتیاز علی تاج نے 'کہکشاں' کے نام سے ایک بلند معیار ادبی اور علمی ماہ نامہ جاری کیا تو اس کی ادارت بھی انھی کے سپرد کی - مولانا سالک اس رسالے میں 'گمنام' کے قلمی نام سے افسانے، غزلیں اور علمی مقالے لکھا کرتے تھے - ایک دن مولانا ظفر علی خاں، مولوی سید ممتاز علی صاحب سے ملاقات کو آئے - وہاں سے فارغ ہو کر مولانا سالک سے ملے اور کہا "آپ جیسا ادیب اور شاعر اور بچوں اور عورتوں کے رسالوں میں محدود ہو کر رہ جائے، یہ دردناک بات ہے - اب ذرا کھلی فضاؤں میں کام کیجیے اور گسستہ مہار ہو کر قلم کے جوہر دکھائیے" دوسرے دن عملۂ ادارت میں شرکت کی دعوت بھیجی - مولانا سالک یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو 'زمیندار' میں آگئے- "پہلے ہی دن سے مقالۂ افتتاحیہ لکھنے اور کسی قدر ترجمہ کرنے کی خدمت تفویض ہو گئی -"

['سرگزشت' صفحہ ۱۰۹، ۱۱۱]

مولانا سالک لکھتے ہیں: ''جب مولانا ظفر علی خاں نے چند روز میرا کام دیکھا اور انھیں احساس ہو گیا کہ میں عملے کی مدد سے بآسانی ادارت کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہوں تو انھوں نے اخبار میرے سپرد کیا... مولانا مطمئن ہو کر اپنے تقریری دورے پر لاہور سے روانہ ہو گئے ... مولانا دو دو تین تین ہفتے باہر رہ کر بیچ میں کبھی کبھی دو چار دن کے لیے آتے ... لیکن مقالہ نگاری اس دوران میں تمام تر میں نے کی۔ شاید دس پانچ مقالے مولانا نے بھی لکھے ہوں لیکن اس سے زیادہ نہیں۔''

[سرگزشت، صفحہ ۱۱۴]

۱۵ اگست ۱۹۲۰ کو مولانا ظفر علی خاں گرفتار ہو گئے اور انھیں پانچ سال قید کی سزا ہوئی۔ سالک رقم طراز ہیں: ''مجھے اب سیاست و صحافت کے سوا کسی اور بات کا ہوش نہ تھا۔ جیل خانہ سامنے نظر آ رہا تھا اس لیے فرصت کو غنیمت جان کر ترکِ موالات کو کامیاب بنانے کے لیے دل و جان سے مصروفِ کار تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کے تین چار ماہ بعد اختر علی خاں بھی گرفتار کر لیے گئے، کیوں کہ حکام نے انھیں ایڈیٹر 'زمیندار' قرار دے دیا۔ میں نے اپنی شہادت میں کہہ بھی دیا کہ اختر علی خاں کا ایڈیٹری سے کوئی تعلق نہیں، لکھنے والا تو میں ہوں، لیکن قانون نے تسلیم نہ کیا اور اختر تین سال کے لیے مرتبہ اسیری پر فائز ہو کر لاہور سنٹرل جیل میں بھیج دیے گئے۔''

[سرگزشت، صفحہ ۱۲۱]

'زمیندار' کے بارے میں آپ نے یہ معلومات بھی فراہم کی ہیں: ''اگرچہ میں زمیندار کا چیف ایڈیٹر تھا لیکن بڑے بڑے لیڈروں کے جلسے کی رپورٹ خود ہی لیا کرتا تھا، کیوں کہ ان لوگوں کے خیالات کو خوش اسلوبی سے مسلمانوں تک پہنچانے کا فرض صرف 'زمیندار' کے ذمے عاید ہوتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے رات کے ایک بجے تک جلسے کی رپورٹ لی، اس کے بعد گھر پہنچ کر اس کو اخبار کے لیے مرتب کیا اور صبح چار بجے تک آٹھ نو کالم روداد مرتب کر کے رکھ دی۔ ان دنوں زمیندار صبح کو نہیں بلکہ تیسرے پہر شائع ہوا کرتا تھا، کیوں

رائٹر اور ایسوشی ایٹڈ پریس کی خبریں براہ راست مہیا نہ کی جاتی تھیں، بلکہ 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' سے لی جاتی تھیں - گویا رات کے جلسے کی پوری کارروائی دوسرے دن تین بجے بعد دوپہر شائع ہو جاتی تھی - اگر کبھی اخبار لیٹ بھی ہو جاتا تو زیادہ سے زیادہ پانچ بجے لاہور کے گوشے گوشے میں تقسیم ہو جاتا تھا -"

[سرگزشت، ۱۲۷]

مولانا سالک ۴ - نومبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کر لیے گئے - ان پر الزام یہ تھا کہ انھوں نے 'زمیندار' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ایسا مضمون لکھا جس سے ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں (ہندوستانیوں اور انگریزوں) کے درمیان نفرت و حقارت پیدا ہوتی ہے - دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت آپ کو ایک سال قید با مشقت کا حکم سنایا گیا - آپ نے ایک تحریری بیان دیا جو بعد میں پمفلٹ کی صورت میں چھپا، لیکن یہ پمفلٹ اب نایاب ہے -

غلام رسول مہر

مولانا سالک کی گرفتاری کے چند روز بعد مولانا غلام رسول مہر 'زمیندار' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے - مولانا مہر نے ۱۹۱۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی - اے کا امتحان پاس کیا - اس کے بعد چند سال حیدر آباد دکن میں انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز رہے - کالج کے زمانے میں 'زمیندار اور 'الہلال' کا مطالعہ شروع کیا - وہ فرماتے ہیں، "یہ مولانا آزاد ہی کا اثر تھا کہ میں نے طالب علمی کے زمانے میں صحافت کا پیشہ اپنے لیے منتخب کیا -" مولانا آزاد نے 'حزب اللہ' کے نام سے جو جماعت قائم کی تھی، مولانا مہر اس کے بھی رکن تھے - مولانا مہر نے راقم الحروف کو یہ دل چسپ بات بتائی کہ 'زمیندار' میں آنے سے پہلے انھوں نے کبھی کسی رسالے یا اخبار کے لیے کوئی مضمون نہیں لکھا تھا - جب پروفیسر سید عبدالقادر شاہ مرحوم نے مولانا مہر کو بلا کر زمیندار کا ایڈیٹر مقرر کرایا تو اس دن انھوں نے جو افتتاحیہ بردولی کی عدم ادائیگی ٹیکس کی مہم پر لکھا وہ ان کا پہلا صحافتی مضمون تھا -

مولانا مہر کو آئے چند روز ہوئے تھے کہ 'زمیندار' کی ایک ضمانت ضبط ہوگئی ۔ اس پر چند دنوں کے لیے اخبار بند رہا۔ ایک بار انھی کی ایک تحریر پر ضمانت ضبط ہو گئی اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعلقہ اداریہ پڑھا تو افسوس ہوا کہ میں نے ایسے انداز میں نہ لکھا کہ اس کے خلاف کارروائی نہ ہو سکتی ۔ اس کے بعد انھوں نے احتیاط سے اداریہ نویسی شروع کی اور تمام عمر ایسی مہارت سے اداریے قلم بند کرتے رہے کہ بات بھی کہ جاتے تھے اور اس کے خلاف کارروائی بھی نہ ہو سکتی تھی اور یہی فن ادارت کا کمال ہے ۔

مہر و سالک کی رفاقت

ایک سال بعد مولانا سالک رہا ہوئے اور 'زمیندار' کے دفتر میں پہنچے۔ مولانا مہر سے تعلق کی ابتدا ، ان کے ساتھ تقسیم کار اور 'افکار و حوادث' کے کالم کے اجراء کی کہانی انھی کی زبانی سنیے : ''جب ان کاموں سے فارغ ہو کر واپس لاہور آیا تو سب سے پہلے دفتر 'زمیندار' میں گیا ، جہاں ان صاحب سے ملاقات ہوئی جن کو غلام رسول مہر کہتے ہیں اور جن کی رفاقت و محبت ۱۰ - نومبر ۱۹۲۲ء سے لے کر الی الآن شامل حال ہے اور جس کو میں ان نعمتوں میں سے سمجھتا ہوں جن کی وجہ سے یہ دکھ بھری زندگی قابل برداشت رہی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک زمیندار قسم کا آدمی کھدر کا کرتا پاجامہ اور صدری پہنے اور ایک کھردرا سا چار خانہ کمبل اوڑھے بنچ پر بیٹھا ہے ۔ بھائی شفاعت اللہ خاں نے ، جو 'زمیندار' کے منیجر اور نگران تھے ، مہر صاحب سے میرا تعارف کرایا ۔ ہم بہت جلد بے تکلف ہو گئے اور چند ہی ملاقاتوں میں مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ زمیندار قسم کا آدمی فارسی اور عربی سے بدرجہ اتم واقف ہے ۔ فلسفہ ، تاریخ اور دینیات کے مطالعے میں بے حد شغف رکھتا ہے اور ادب و شعر میں بھی مذاق سلیم کا سرمایہ دار ہے ۔ اب میں اور مہر صاحب دونوں 'زمیندار' کے ایڈیٹر تھے - میں افتتاحیہ لکھتا تھا ، مہر صاحب نوٹ لکھتے تھے ۔ آقائے مرتضی احمد خان میکش 'زمیندار' کے چیف نیوز ایڈیٹر تھے۔ مولانا ظفر علی خاں

اور اختر علی خاں ابھی تک جیل میں مقیم تھے - 'زمیندار' کی ملکیت کا بوجھ بیگم ظفر علی خاں پر تھا اور شفاعت اللہ خاں ان کے کارندہ و نمائندہ کی حیثیت سے 'زمیندار' کو چلا رہے تھے - اس وقت 'زمیندار' کی تقطیع ۲۲×۱۸ تھی ، جو بہت نا کافی معلوم ہوتی تھی - چند مہینے تو ہم پرانے ہی انداز پر کام کرتے رہے ، لیکن ۱۹۲۳ء میں ہم نے فیصلہ کیا کہ تقطیع ۲۹×۲۲ کر دی جائے ، دوسرا صفحہ ادارتی مقالات کے لیے مخصوص کر دیا جائے جس کے تین کالم تو متین و سنجیدہ صحافت کے لیے وقف رہیں اور ایک کالم مستقل طور پر مزاحی انداز میں لکھا جائے - اس سے قبل 'زمیندار' میں کبھی کبھی میں 'افکار و حوادث' کے عنوان سے مزاحی کالم لکھا کرتا تھا ، لیکن اب وہ کالم مستقل کر دیا گیا اور مستقل طور پر میرے سپرد ہو گیا - چناں چہ میں نے اس پابندی کے بعد افتتاحیہ لکھنا ترک کر دیا بلکہ 'افکار و شذرات' کی ذمہ داری لی اور افتتاحیہ مستقل طور پر مہر صاحب کے سپرد کر دیا گیا -''

[سرگزشت ، ۱۸۴-۱۸۵]

مرتضیٰ احمد خاں میکش

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ۱۹۱۹ء کے اواخر میں 'زمیندار' میں نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے - اگلے سال تحریک ہجرت شروع ہوئی - مولانا نوکری چھوڑ کر مہاجرین میں شامل ہو گئے - اُن کا ارادہ یہی تھا کہ کابل پہنچ کر اردو کا اخبار جاری کر دیا جائے، تاکہ جو مہاجرین وہاں آئیں اُن کی اخباری ضروریات کی تکمیل کا بندوبست ہو سکے - لیکن تحریک ہجرت نا کام ہوئی - مولانا بھی واپس آئے اور پھر 'زمیندار' کے ادارے سے منسلک ہو گئے اور کئی سال تک مدیر مخابرات کے فرائض سر انجام دیتے رہے -

سیاست

۱۹۱۹ء کے آغاز میں لاہور سے روزنامہ 'سیاست' جاری ہوا - اس کے بانی اور مدیر مولانا سید حبیب تھے - آپ جنگ عظیم سے ذرا پہلے

'دارالاشاعت پنجاب' میں منشی کا کام کرتے تھے - ۱۹۱۵ء کے اواخر میں منشی محمد دین فوق کے اخبار 'کشمیری' میں کام شروع کیا ، پھر فوج کے کسی محکمے میں بھرتی ہو کر شنگھائی چلے گئے - ۱۹۱۷ء میں کلکتے پہنچے - وہاں ایک چھوٹے سے اخبار 'ترمذی' کی ایڈیٹری کرنے لگے - اس زمانے میں پنجاب کے اخبار بند ہو چکے تھے اور باہر کے اخبار پنجاب میں دل چسپی سے پڑھے جاتے تھے - چناں چہ 'ترمذی' لاہور میں بکنے لگا - جب اس کا داخلہ بند کر دیا گیا تو مولانا سید حبیب نے ایک اخبار 'رہبر' کے نام سے نکالا - دو تین ماہ بعد اس کا داخلہ بھی پنجاب میں ممنوع قرار پایا - اس کے بعد آپ نے 'نقاش' جاری کیا اور دو ماہ بعد اس کا داخلہ بھی بند ہوگیا - خاتمۂ جنگ پر جب آزادیٔ تحریر کسی قدر بحال ہوئی ، تو مولانا سید حبیب نے لاہور سے 'سیاست' جاری کیا ، جو اٹھارہ انیس سال تک جاری رہا -

یہ اخبار بھی تحریک خلافت اور ترک موالات کا حامی تھا اور اس سے پہلے رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن اور جلیاں والا باغ کے سانحے کے سلسلے میں قومی پالیسی کا حامل تھا ، اس لیے زیر عتاب آیا اور اس پر سنسر لگ گیا - اگلے مہینے اس کا ایک سب ایڈیٹر غلط ترجمے کے لیے پکڑا گیا - ضمانتیں بھی طلب ہوتی رہیں اور ۱۹۲۱ء میں مولانا سید حبیب تحریک خلافت میں گرفتار ہو گئے اور تین سال قید بامشقت کی سزا ملی -

چوں کہ مولانا ادیب نہیں تھے ، اس لیے 'سیاست' میں 'زمیندار' کی سی رونق نہ پیدا ہو سکتی تھی ، نہ اس کی توقع کی جا سکتی تھی - مقالہ نگاری اور اداریہ نگاری کے سلسلے میں بھی اس اخبار کو کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں تھی ، لیکن قومی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے اخبار چلتا رہا - ابتداء میں اخبار کی پیشانی پر ایک طرف ''یا رب رہے سلامت فرماں روا ہمارا'' اور دوسری طرف ''خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا'' لکھا تھا - جب ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی ، تو اول الذکر مصرعے کی جگہ 'بندے ماترم' لکھ دیا گیا - یاد رہے کہ اسی قسم کی تبدیلی 'زمیندار' میں بھی ہوئی - مولانا ظفر علی خاں کے

زیر ادارت پیشانی پر یہ شعر درج تھا :

تم خیر خواہ دولت برطانیہ رہو
سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار

اور جب سیاسی تحریکوں کا زور بڑھا ، تو اس کی جگہ یہ شعر درج کر دیا گیا :

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اور جب 'زمیندار' کے خلاف داروگیر کی مہم اپنے جوبن پر آئی تو یہ شعر مستقل طور پر پیشانی کی زینت بنا :

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

'سیاست' اپنے ہم عصر مسلمان اخباروں کی طرح خبررساں ایجنسیوں کی سروس سے محروم تھا ، اس لیے خبروں کے معاملے میں حسب دستور انگریزی اخبارات پر تکیہ کرتا تھا ۔

پرتاپ

۳۰ ۔ مارچ ، ۱۹۱۹ء کو مہاشے کرشن کی ادارت میں لاہور سے 'پرتاپ' جاری ہوا ۔ مہاشے کرشن ہندوؤں میں پہلی شخصیت تھے جنھوں نے اداریہ نگاری میں کمال پیدا کیا اور نہایت مدلل اداریے لکھے ۔ جس وقت 'پرتاپ' جاری ہوا ، پنجاب میں سیاسی بے چینی کا دور دورہ تھا ۔ 'پرتاپ' بھی قومی زاویۂ نگاہ کی عکاسی کرنے لگا ۔ ابھی اسے نکلے چند دن ہوئے تھے کہ ۱۸ ۔ اپریل ، ۱۹۱۹ء کو مہاشے کرشن گرفتار ہو گئے اور اُن کے ساتھ ہی 'پرتاپ' بھی بند ہو گیا ۔ ۱۹۲۰ء میں رہائی ملی ، تو اخبار پھر جاری ہوا اور دو مہینے بعد اس کی ضمانت ضبط ہو گئی ۔

مہاشے کرشن آریہ سماجیوں کے راہ نما تھے اور سوامی شردھانند کے دست راست ۔ لاھور سے 'پرتاپ' کے علاوہ 'پرکاش' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار بھی نکالتے تھے اور دونوں اخبار آریہ سماج تحریک کے پر جوش ترجمان تھے ۔

بندے ماترم

'بندے ماترم' ۱۹۲۰ء میں ایک لمیٹڈ کمپنی کے زیر اہتمام نکلا ۔ غالباً برعظیم میں یہ پہلا اردو اخبار تھا جو مشترکہ سرمائے سے جاری ھوا ۔ اس کے بانی لالہ لاجپت رائے تھے اور ایڈیٹر سردار موھن سنگھ ساھنی ۔ پنڈت میلا رام وفا بھی اس کے دور ثانی میں مدیر رہے ۔ ابتدائی زمانے میں اس کے عملۂ ادارت میں ملک یوسف العزیز بھی شامل تھے ، جو آج کل ڈپٹی ڈائرکٹر محکمۂ تعلقات عامہ مغربی پاکستان کے عہدے سے ریٹائر ھو کر گوشہ نشینی اختیار کر چکے ھیں ۔ اس اخبار کی اشاعت ابتدا ھی میں چھ ھزار کے قریب ھو گئی ۔ دوسرے سال سات ھزار سے تجاوز کرگئی ، لیکن ترک موالات کے بعد اشاعت گھٹ گئی ۔ جن لوگوں نے اس اخبار کا مطالعہ کیا ھے ، اُن کا بیان ھے کہ فن صحافت کے لحاظ سے یہ اخبار بلند معیار تھا ۔

کیسری

لالہ شام لال کپور کے زیر ادارت عرصے سے ایک اخبار 'گوروگھنٹال' نکلا کرتا تھا ان ھی صاحب نے ۱۹۲۱ء میں روزنامہ 'کیسری' نکالا جس کی اشاعت پانچ ھزار تک پہنچ گئی ۔ یہ اخبار بھی ترک موالات کا حامی تھا ، لیکن ھندوؤں کے مخصوص مفاد کی ترجمانی بھی زور شور سے کرتا تھا ۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ خلاف پیش پیش تھا ۔ اشاعت کے پہلے ھی سال ایک قابل اعتراض مضمون کے سلسلے میں نہ صرف اخبار ضبط ھوا ، بلکہ تین ھزار کی ضمانت بھی ضبط ھو گئی اور حکومت نے پریس پر بھی قبضہ کرلیا ۔ ۱۹۲۴ء تک پرچے کی اشاعت اتنی کم ھو گئی کہ اسے پہلے سہ روزہ بنایا گیا ، پھر بند کر دیا گیا ۔

ملاپ

۱۳- اپریل، ۱۹۲۳ھ کو مہاشے خوش حال چند خورسند نے روزنامہ 'ملاپ' لاهور سے جاری کیا ۔ آپ اس سے پہلے 'آریہ گزٹ' نکالتے تھے اور آریہ سماج تحریک کے نمایاں رهنماؤں میں شامل تھے۔ ابتدائی دور میں اس اخبار کی پالیسی یہ تھی کہ هندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد کے لیے سعی کی جائے اور آزادئی صحافت کے لیے جد و جہد میں حصہ لیا جائے۔ اس اخبار کو بھی داروگیر کا مقابلہ کرنا پڑا ۔

تیج

دهلی سے ۱۹۲۳ء میں 'تیج' نکلا ۔ اس کے بانی سوامی شردها نند تھے اور ایڈیٹر دیش بند هو گپتا ۔ یہ اخبار خالص هندو فرقہ پرست اخبار تھا ۔ شدهی اور سنگٹھن کا حامی تھا ۔ بعد میں کانگرس کی تائید شروع کردی ، لیکن زاویہ نگاہ هندو هی رها ۔

ابو الکلام آزاد اور 'پیغام'

مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتے سے 'پیغام' جاری کیا جس کا پہلا شمارہ ۲۳- ستمبر، ۱۹۲۱ء کو نکلا ۔ اس کے مدیر تو مولانا خود تھے لیکن معاونت کے لیے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی موجود تھے (ان کا مفصل ذکر کسی آیندہ باب میں هوگا) ۔ پہلے شمارے میں محمد علی اور شوکت علی کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے هوئے مولانا آزاد نے لکھا: ''تم سے صرف اتنا چاهتے هیں کہ تھوڑا سا سامان ، تھوڑی سی جسمانی راحت ، تھوڑی سی وهمی اور خیالی آرائش، لیکن تمام تر غفلت و نفس پرستی اسی مقصد کی راہ میں قربان کردو ۔ سودیشی کا عہد، بائیکاٹ کی تکمیل، ترک موالات کی سچی تعمیل، مجاهدین انگورہ کی مالی اعانت، گناہ و معصیت سے دل کی پاکی ، اور خدا اور شریعت سے کامل اطاعت کا رشتہ ، یہی ان گرفتاران حق کی قربانی کی اصلی قیمت هے جو ملک کو ادا کرنی هے (بحوالہ ذکر آزاد ، ۸۱) ۔ پہلے شمارے میں ایک طویل افتتاحیہ بھی لکھا جس میں

ترک موالات کی تحریک کا پورا فلسفہ بیان کیا اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ جرأت ، استقامت اور عدم تشدد کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے تحریک جاری رکھیں ۔

نئی روشنی الہ آباد

یہ اخبار واحد یار خاں نامی ایک مخلص بزرگ نے نکالا تھا ۔ 'ذکر آزاد' میں لکھا ہے کہ 'نئی روشنی' روزانہ تھا اور اس دور میں بہت اچھا اخبار سمجھا جاتا تھا ۔ خود مولانا بھی اس کے مداح تھے ۔

قاضی عبد الغفار

اردو کے مشہور ادیب قاضی عبد الغفار صاحب میدان صحافت میں ایک عرصے سے داخل تھے ۔ انھوں نے اس زمانے میں کلکتے سے 'جمہور' نکالا جب چودھری غلام حیدر خاں اور مولانا سید حبیب نے وہاں سے اخبار جاری کیے تھے ۔ تحریک خلافت کے دوران میں حکیم اجمل خاں صاحب کی سرپرستی میں دھلی سے 'صباح' جاری ہوا ، جس کی ادارت قاضی صاحب کے سپرد ہوئی ۔ موصوف 'حیات اجمل' میں لکھتے ہیں : ''اسی زمانے میں حکیم صاحب نے دھلی میں ایک روزانہ اخبار جاری کرنے کا انتظام کیا ۔ اس کا نام 'صباح' تھا ۔ اس کی ایک ابتدائی اشاعت میں حکیم صاحب کا ایک پیام شائع ہوا ، جس میں انھوں نے قومی اخباروں کے متعلق حکومت کی سخت گیری کا اس طرح ذکر کیا کہ :

''گو میں ایک عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ دفتری اقتدار کا پنجہ خصوصیت کے ساتھ اسلامی اخباروں پر زیادہ آسانی سے چلایا جاتا ہے لیکن یہ بھی کچھ ایسے آواگون سے واقف ہو گئے ہیں کہ اگر ایک دفعہ ان کی زندگی ختم کر دی جاتی ہے تو پھر دوبارہ بدلے ہوئے روپ میں جلوہ افروز ہو کر اپنے عزم و استقلال کا ثبوت دیے بغیر نہیں رہتے ۔ یادش بہ خیر 'جمہور' نے جب اپنے چہرے پر فنا کی نقاب ڈالی ، تو 'صباح' کی برقع کشائی نے اس کی

تلافی کر دی ، اس لیے مجھے اطمینان ہے کہ اگر 'صباح' نے بھی اپنے برادر مرحوم کا ساتھ دیا تو پھر اسی 'جمہور' کی روح کسی اور روپ میں اپنی رونمائی سے باز نہیں رہے گی ۔''

''ہندوستان میں اسلامی اخبارات کے لیے یہ ایک عجیب زمانہ تھا ۔ کوئی قومی اخبار ایسا نہ تھا ، جس پر حکومت کے دست دراز کی دو چار ضربیں نہ لگی ہوں ۔ روزانہ اور ہفتہ وار پرچوں کی موت و زیست کا ایک ہنگامہ برپا تھا ۔ ایک اخبار بند ہوتا تھا تو اس کی جگہ دو اور نکل آتے تھے ۔ ہر اخبار نویس دو چار مہینے میں ایک دفعہ تو ضرور ہی اپنے اخبار کا نام بدلتا تھا ۔ نہ حکومت اس کو تازیانے مارتے مارتے تھکتی تھی ، نہ وہ آوا گون کے اس تسلسل سے رکتا تھا ۔''

(حیات اجمل ، ۲۲۵ - ۲۲۶)

صحافتی قوانین کے خلاف مہم

ہندوستان کے عوام بہت سے جابرانہ قوانین کے خلاف احتجاج کر رہے تھے ۔ ان میں وہ صحافتی قوانین بھی شامل تھے جنھیں ہنگامی حالات کے بہانے نافذ کر دیا گیا اور اس کے بعد مستقل بنا دیا گیا ۔ ان میں پریس ایکٹ (۱۹۱۰ء) صحافت کو ختم کرنے اور آزادیٔ اظہار و تحریر کو کچلنے کے لیے بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ۔ جب مہاتما گاندھی نے عدم تعاون یا ترک موالات کی تحریک شروع کی ، تو انھوں نے اپنے ساتھیوں اور پیروؤں سے یہ بھی کہا کہ وہ پریس ایکٹ کو عضو معطل بنا کر رکھ دیں ۔ اس کے لیے طریق کار یوں تجویز کیا گیا کہ ستیہ گرہ کے ہر مرکز میں ایک قلمی اخبار جاری کیا جائے جس میں آزادی سے خیالات کا اظہار کیا جائے ۔ اس پر ایڈیٹر کا نام اور پتا ضرور درج ہو اور قارئین سے کہا جائے کہ وہ اس کی نقلیں تیار کر کے دوسرے لوگوں میں تقسیم کریں ۔

صحافتی قوانین کی تنسیخ

جب ایک طرف کانگرس اور خلافت کمیٹی قانون شکنی کی مہم چلا رہی تھیں اور دوسری طرف مونٹیگو چمسفورڈ اصلاحات نافذ ہو رہی تھیں تو حکومت نے سوچا کہ اعتدال پسند لوگوں ہی کا تعاون حاصل کر لیا جائے۔ لیکن یہ لوگ بھی حکومت کے خلاف تھے۔ انھیں ظالمانہ قوانین پر خصوصی اعتراض تھا۔ اس پر انھیں مطمئن کرنے کی غرض سے حکومت نے مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبروں پر مشتمل چند کمیٹیاں بنائیں، جن کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ ایسے قوانین کی جانچ پڑتال کر کے مناسب سفارشات پیش کریں جن سے فرد کی آزادی پر برا اثر پڑتا ہے۔

مارگریٹا بارنس لکھتی ہے: "اس قسم کی ایک کمیٹی ۲۱- مارچ ۱۹۲۱ء کو قائم ہوئی۔ اس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ یہ پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ (۱۸۶۷)، انڈین پریس ایکٹ (۱۹۱۰ء) اور قانون اخبارات (اشتعال جرائم) ۱۹۰۸ء پر غور کرے۔ اس کمیٹی نے متفقہ طور پر سفارش کی کہ مؤخرالذکر دونوں قوانین منسوخ کر دیے جائیں، کیوں کہ یہ ہنگامی اقدامات تھے اور ۱۹۱۰ء کے بعد سیاسی صورت حالات میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اب اخبارات میں شاذ ہی ایسا مواد آتا ہے جس سے قتل و غارت کی تلقین ہوتی ہو، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ چیزیں ان قوانین سے رکی ہیں یا موجودہ حالات میں اس قسم کے جرائم کی روک تھام کے لیے عام قوانین کافی نہیں۔ کمیٹی نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ زیادہ تر گواہوں نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ پریس ایکٹ کے استعمال میں جو سختی برتی گئی، وہ ہندوستانی ملکیت میں شائع ہونے والے اخباروں پر انگریزوں کی ملکیت والے اخباروں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ یہ دلیل دی گئی کہ پریس ایکٹ ریاستی حکمرانوں کی حفاظت کے لیے درکار ہے، کیوں کہ انھیں اندیشہ ہے کہ برطانوی ہند کے اخبار اُن کے علاقوں میں بے چینی پھیلائیں گے۔ اس کے جواب میں

کمیٹی نے کہا کہ اس مقصد کے لیے پریس ایکٹ صرف تین مرتبہ استعمال ہوا۔ اُس نے اِس بات پر بھی زور دیا کہ قانون اخبارات (اشتعال جرائم) ۱۹۰۸ء کے ماتحت پہلے سال نو مقدمے چلائے گئے اور پھر دس سال تک اس قانون کے استعمال کی نوبت ھی نہیں آئی۔ جہاں تک پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس ایکٹ کا تعلق تھا، اس میں کمیٹی نے کچھ ترامیم اس مقصد سے پیش کیں کہ اخبارات کی ذمہ داریوں کو تقویت پہنچائی جائے اور کھلم کھلا تلقین بغاوت کی روک تھام ہو سکے۔ ۱۹۲۲ء میں مرکزی مجلس قانون ساز کا جو اجلاس دھلی میں ہوا، اُس میں قانون اخبارات (اشتعال جرائم) اور پریس ایکٹ دونوں منسوخ ھو گئے۔ اس کے علاوہ تیئیس اور ھنگامی قوانین کی تنسیخ عمل میں آگئی جن میں رولٹ ایکٹ بھی شامل تھا۔

[دی انڈین پریس ۳۴۷-۳۴۸]

مرکزی اسمبلی نے یہ ضروری نہ سمجھا کہ ریاستی حکمرانوں کو برطانوی ھند کی صحافت کے حملوں سے بچانے کے لیے کوئی خاص قانون نافذ کیا جائے۔ اس پر ایوان راج گان کا ایک جلسہ ھوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ اُنھیں بچانے کے لیے کوئی قانون نافذ کیا جائے، کیوں کہ برطانیہ اور ان ریاستوں میں جو سمجھوتے ماضی میں ھوئے تھے اُن کا تقاضا یہی ھے۔ اس پر مرکزی اسمبلی میں قانون تحفظ راج گان پیش ھوا، لیکن مرکزی اسمبلی نے اس پر غور کرنے ھی سے انکار کر دیا۔ اس پر گورنر جنرل نے اپنے خاص اختیارات سے کام لیتے ھوئے اس قانون کو نافذ کر دیا اور اخبارات نے اس پر شدید احتجاج کیا۔

اس دور کی نمایاں خصوصیات

تحریک ترک موالات، تحریک ھجرت، سانحۂ جلیاں والا باغ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات اور ھنگاموں نے رائے عامہ کو ایک انقلابی راستے پر لگا دیا اور صحافت نے عوام کی ترجمانی کے فرائض

سر انجام دیے ۔ اخباروں کی تعداد بڑھ گئی ۔ انھوں نے بے خوف سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں بڑی سے بڑی قربانی سے گریز نہ کیا ۔ اس لیے اس دور کی صحافت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اخبارات نے عوام کے دلوں سے اجنبی راج کا خوف ہمیشہ کے لیے نکال دیا ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبارات کی تعداد بڑھنے کے باوجود سوائے ایک آدھ استثنیٰ کے ، اخبارات کی اشاعتیں بھی بڑھ گئیں اور اس طرح اخبار بینی کا شوق پہلے سے کہیں بڑھ گیا ۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی تو اخبارات میں مقابلے اور مسابقت کا سلسلہ بھی شروع ہوا ۔ ہر اخبار کی کوشش یہ تھی کہ وہ دوسرے کے مقابلے پر زیادہ مقبول ہو ۔ اس کے دو ہی طریقے تھے : اول زیادہ سے زیادہ بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ عوام کے جذبات و احساسات کی عکاسی اور دوم ، تکنیکی اعتبار سے اخبارات کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی ۔ آزادیٔ صحافت کو برقرار رکھنے کے لے اخباروں نے عدیم النظیر قربانیاں دیں اور آخرکار وہ آن صحافتی قوانین کی تنسیخ میں کام یاب ہو گئے جن کے خلاف انھوں نے مسلسل جد و جہد جاری رکھی تھی ۔ اور جہاں تک تکنیکی ترقی کا تعلق ہے ، اس میں بھی جو کچھ ہوا وہ کوئی مؤرخ صحافت نظر انداز نہیں کر سکتا ۔ ایک طرف سیاسی اور صحافتی نظموں کی اشاعت ہونے لگی ۔ بہت سے شعراء نے واقعات حاضرہ پر طبع آزمائی کی ، طنز و مزاح پیدا کیے ، لیکن اس میں مولانا ظفر علی خاں نے جو کمال پیدا کیا اس کی گرد کو بھی کوئی نہ پہنچا ۔ پھر سالک نے 'زمیندار' میں جو مزاحیہ کالم 'افکار و حوادث' مستقل فیچر کی حیثیت سے شروع کیا ، اس کی تقلید سب اخباروں نے کی ۔ 'سیاست' میں 'راز و نیاز' اور 'پرتاپ' میں 'گپ شپ' اور اسی طرح دوسرے اخباروں میں مزاحیہ کالم شروع ہوئے ۔ اس سے ادارتی صفحہ پہلے سے بہتر ہو گیا ، کیوں کہ اس میں سنجیدہ اور مزاحیہ مواد ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو پیش کیا جانے لگا اور اس طرح ادارتی صفحے کے قارئین کی تعداد بڑھ گئی ۔ اور صحافت میں ۲۹ × ۲۲ کی تقطیع کا سلسلہ بھی اسی دور میں شروع ہوا ۔ اس سے ایک تو مواد

میں اضافہ ہوا، دوسرے خبروں کی ترتیب و تزئین کی زیادہ گنجائش پیدا ہوئی - تیسرے اخباروں کی ٹیپ ٹاپ میں ایک شان سی پیدا ہو گئی - افتتاحیہ نگاری کے انداز میں بھی تبدیلی ہوئی - مولانا غلام رسول مہر اور مہاشے کرشن کے آنے سے مدلل اور سنجیدہ افتتاحیہ نگاری کے ایک نئے دبستان کا آغاز ہوا جس نے آگے چل کر زیادہ واضح اور معین صورت اختیار کر لی -

تیسواں باب

دوسری عالمی جنگ سے پہلے سیاست کے نئے رخ

تحریک ترک موالات کے خاتمے سے لے کر برعظیم میں خود مختاری کے قیام اور دوسری عالمیؔ جنگ کے آغاز تک سیاست نے بالکل نئی صورت اختیار کر لی - ہندو مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا - دو قومی نظریے کو فروغ حاصل ہوا - پاکستان کا تخیل ابھرا - کانگرس محض ہندو جماعت بن کر رہ گئی - مسلمانوں کی پرانی سیاسی جماعتیں عوام کی نظروں سے گرگئیں - آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت صوبائی خودمختاری کا دور دورہ ہوا - اس زمانے میں کانگرس نے پوری کوشش کی کہ وہ سول نافرمانی کا حربہ استعمال کرکے مسلمانوں سے بالا بالا انگریز سے معاملہ طے کر لے- اور مسلمانوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے جو مہم چلائی اس نے کانگرس کی کوشش کو مٹی میں ملا دیا - اسی دور میں کانگرس اور مسلم لیگ نے کامل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا-

ترک موالات کی تحریک ختم ہوئی تو کانگرس میں پھوٹ پڑ گئی - برسر اقتدار گروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ قانون ساز کونسلوں میں داخل نہ ہوا جائے - اس کے مقابلے پر 'سوراج گروپ' نے فیصلہ کیا کہ وہ کونسلوں کے انتخابات لڑ کر ان میں داخل ہو اور مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کو ناکام بنائے - اس میں دیش بندھو چترنجن داس، حکیم اجمل خاں اور پنڈت موتی لال نہرو شامل تھے- خلافت کمیٹی بدستور

ترک موالات کی حامی رہی لیکن جب ترکیہ میں کمال اتاترک نے خلافت منسوخ کر دی، تو اس سے خلافت کمیٹی کو شدید صدمہ ہوا اور وہ بھی سوچنے پر مجبور ہوئی کہ کیا کیا جائے۔ ادھر سوامی شردھانند نے جنوری ۲۳ء میں ایک کل ہند جماعت 'بھارت شدھی' کے نام سے قائم کی، جس کا مقصد یہ تھا کہ بر عظیم کے مسلمانوں کو 'شدھ' کیا جائے، یعنی ہندو بنا لیا جائے۔ اور چند ماہ کے اندر اندر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جا بجا تصادم ہوئے۔ پنڈت مالویہ نے 'ہندو سنگٹھن' کی تحریک چلائی، جسے ہندو مہا سبھا نے اپنا لیا۔ اس میں ڈاکٹر مونجے اور لالہ لاجپت رائے بھی شریک ہوگئے۔ اس تحریک کے زیر اہتمام ہندوؤں نے جسمانی ورزش سیکھنے کے لیے کلب اور اکھاڑے بنائے، مہابیر دل اور 'سیوک گارڈ' منظم کیے جس سے فرقہ وار کش مکش اور بھی تیز ہوئی۔ مسلمانوں نے تبلیغ کی تحریک شروع کی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے تنظیم کی تحریک چلائی۔ تبلیغ شدھی کا جواب تھا اور تنظیم سنگٹھن کا۔ اس دوران میں سکھ کش مکش سے الگ رہے۔ انھوں نے گوردوارہ تحریک چلائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ گوردواروں کا انتظام مہنتوں سے چھین کر سکھ قوم کے حوالے کیا جائے۔ سکھوں نے بے نظیر قربانیاں دیں۔ نہ صرف قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں بلکہ جانیں بھی دیں اور آخرکار کام یاب ہوگئے۔ ہندو مسلم فسادات جاری رہے۔ راج پال نامی ایک آریہ سماجی کی کتاب 'رنگیلا رسول' نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایک خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ قاضی عبدالغفار لکھتے ہیں: "۱۹۲۴ء میں صورت حال اتنی خراب ہو چکی تھی کہ اب ملک کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ تھا جہاں یہ فتنہ برپا نہ ہو۔ صوبہ جات متحدہ میں رڑکی، آگرہ، ہاپڑ، جون پور، میرٹھ، مرادآباد، پیلی بھیت، شاہ جہان پور، ہردوئی، کالیسی، الہ آباد اور پنجاب میں جھنگ، گجرات، لاہور، کوہاٹ اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں دہلی، ناگ پور، بھاگل پور، گل برگہ، جبل پور، کلکتہ، مدراس، غرض کہ کوئی گوشہ ایسا باقی نہ تھا جہاں ہندو اور مسلمان صلح پسند ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں" (حیات اجمل صفحہ ۳۰۶)۔

ڈاکٹر امبیدکر کا اندازہ ہے کہ صرف بنگال میں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک ہندو مسلم فسادات میں پینتیس ہزار عورتیں اغوا ہوئیں اور بر سر عام زنا، زندہ جلانے اور قتل و غارت گری کے بے شمار واقعات ہوئے۔ جب کوہاٹ میں فساد ہوا تو مہاتما گاندھی نے ۲۱ دن کا برت بھی رکھا، جس کے بعد ایک صلح کانفرنس بھی ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

یہ فسادات کیوں ہوئے؟ تحریک ترک موالات کے دوران میں جو اتحاد رہا، اس کے بعد وہ کیوں درہم برہم ہوگیا؟ مختلف لوگ اس کے مختلف جواب دیتے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ اجنبی راج ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ پالیسی تو شروع سے قائم تھی، پھر میثاق لکھنؤ کیسے ہوا اور تحریک ترک موالات کے دوران میں حکومت کوشش کے باوجود پھوٹ کیوں نہ ڈال سکی؟ ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ محرم کے کسی ہندو تہوار کے ساتھ یک جا آنے سے جھگڑا ہوگیا۔ ہندوؤں نے مسجدوں کے سامنے باجا بجایا۔ بقرعید پر مسلمانوں نے گائے ذبح کی یا ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خلاف ایسے پمفلٹ چھاپے، جن سے مذہبی عقائد کو ٹھیس لگی۔ یہ تمام باتیں صحیح ہیں، لیکن انہیں ہم ہندو مسلم فساد کی 'فوری' وجوہ قرار دے سکتے ہیں لیکن اصل وجوہ کے لیے ہمیں اس کا معاشی پہلو دیکھنا ہوگا۔ بنگال میں زمین دار زیادہ تر ہندو تھے اور کاشت کار زیادہ تر مسلمان۔ پنجاب میں تقریباً سارے ساہوکار ہندو تھے اور ان کے مقروض افراد کی غالب اکثریت مسلمان تھی۔ اسی طرح تجارت عملاً ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ برعظیم میں مسلمانوں کا جو نیا تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہوا، اس نے دیکھا کہ ہندو نہ صرف تجارت پر چھائے ہوئے ہیں، بلکہ سرکاری دفاتر میں بھی انھی کا طوطی بولتا ہے۔ ہندو اس طبقے کو پیچھے رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس لیے کش مکش کا دروازہ کھلا۔ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ترک موالات کے دوران میں نظم و نسق کا شیرازہ اس درجے بکھر گیا کہ لوگوں کے دلوں میں حکومت کا دبدبہ باقی نہ رہا، اس لیے کھلم

کھلا فساد ہونے لگے ۔ لیکن سب سے قوی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اقتدار کاملاً حاکموں کے ہاتھ میں تھا ، رعایا میں بہت کم جھگڑے ہوتے تھے ۔ جب مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات نے کچھ اقتدار رعایا کو سونپا اور آئندہ کے لیے مزید اختیار کا دروازہ کھل گیا ، تو اکثریت اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی کوشش میں مصروف ہوئی اور اقلیت کو اپنی حفاظت کے اندیشے پیدا ہوئے ۔ گویا ان فسادات کے پس منظر میں سیاسی وجوہ کار فرما تھیں ۔

مسلم قیادت چند سال تو بھول بھلیاں میں رہی اور ان غیر ملکی مسائل میں الجھی رہی جن کا اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ یہ قیادت ان مسائل کے پس پردہ مصالح کو سمجھنے پر قادر تھی ۔ مثلاً کچھ وقت کہاں اتا ترک کے خلاف لے دے میں بسر ہو گیا کہ اس نے خلافت کی پتلی کو کیوں نہ قائم رکھا ۔ جب والئی نجد ابن سعود نے حجاز پر قبضہ کر لیا تو مسلم قیادت کا ایک گروہ ابن سعود کی مخالفت کرنے لگا اور بہت جلد یہ مناقشہ حنفیوں اور وہابیوں کا جھگڑا بن گیا ۔ پھر خلافت کمیٹی کا ایک وفد حجاز گیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ حجاز میں جمہوریہ قائم ہو اور ابن سعود سلطان بن گیا۔ اس پر بھی مسلمانوں کا بہت وقت ضائع ہوا ۔ شام میں فرانسیسیوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو ہندوستان کے مسلمان اس پر مشتعل ہوگئے اور مصر سے مطالبہ کرنے لگے کہ تم شام کی مدد کرو ، حالانکہ مصر خود غلام تھا ۔ مختصر یہ کہ ہندوستان جل رہا تھا ، مسلمان فسادات میں پٹ رہے تھے ، لیکن مسلم قیادت کی توجہ کا مرکز دنیائے اسلام تھی ، اور اس نے جو کچھ کیا وہ نہ ترکیہ کے مفاد میں تھا نہ حجاز کے مفاد میں ۔

مہاتما گاندھی ۱۹۲۴ء میں رہا ہوئے اور چار سال تک عملاً سیاست سے الگ رہے ۔ اس دوران میں وہ اچھوت سدھار کا کام کرتے رہے یا چرخے کا پروگرام چلاتے رہے یا کبھی کبھی اپنے نظریے کے مطابق ہندو مسلم اتحاد کے لیے سعی میں مصروف رہے ۔ اس عرصے میں کانگرس

میں کچھ نئے عناصر داخل ہوئے ۔ ان میں سوشلسٹ بھی تھے اور کمیونسٹ بھی، جو درجۂ نو آبادیات کی جگہ کامل آزادی اور ایک معاشرتی اور معاشی انقلاب کے علم بردار تھے ۔ ادھر یہ بھی محسوس کیا جاتا تھا کہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی مفاہمت ہوجائے ۔ میثاق لکھنؤ مسلمانوں کو منظور نہیں تھا ، کیوں کہ اس کے ماتحت جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں وہ اقلیت بن گئے ، جہاں اقلیت میں تھے وہاں آبادی کے تناسب سے زیادہ حقوق حاصل کرنے کے باوجود اقلیت کی حیثیت سے اوپر نہیں آسکتے تھے اور صوبۂ سرحد اور بلوچستان اصلاحات سے محروم تھے ۔ گویا ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں تھا جہاں اُن کی اکثریت باقی رہی ہو ۔ اُدھر ہندوؤں کو بھی یہ میثاق منظور نہیں تھا ، کیوں کہ وہ مرکز میں مسلمانوں کو تینتیس فی صدی حقوق دینے کے خلاف تھے اور جداگانہ انتخاب بھی انھیں نا پسند تھا ۔ ۱۹۲۸ء میں سر جان سائمن کی صدارت میں ایک برطانوی کمشن ہندوستان آیا ، تاکہ نئی اصلاحات کے بارے میں رائے عامہ کا جائزہ لے کر اپنی سفارشات پیش کرے ۔ اس کے خلاف سارے ہندوستان میں مظاہرے ہوئے ، کیوں کہ ہندوستانیوں کو یہ اعتراض تھا کہ اس کمشن میں سارے ممبر انگریز ہیں ۔ بہر حال مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے اس سے تعاون کیا ۔ ان ہی دنوں وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے ہندوستانیوں کو چیلنج کیا کہ اگر ان میں ہمت ہے تو ساری پارٹیاں متفقہ طور پر ایک آئین کا مسودہ پیش کریں ۔ چناں چہ پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی بنی اور اس نے جو رپورٹ پیش کی ، وہ 'نہرو رپورٹ' کے نام سے مشہور ہوئی اور آل انڈیا مسلم لیگ نے اسے نا منظور کر دیا ، کیوں کہ وہ مسلمانوں کے سیاسی مفاد کے کاملاً منافی تھی ۔ مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں نے سر آغا خاں کی صدارت میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد کی ، جس میں اپنے متحدہ مطالبات پیش کیے ۔ بعد میں مسٹر محمد علی جناح نے بھی ان پر صاد کیا اور یہی مطالبات 'جناح کے چودہ نکات' کے نام سے مشہور ہوئے ۔ ان کا ماحصل یہ تھا کہ ہندوستان میں وفاقی طرز حکومت نافذ

کیا جائے۔ صوبوں کو کامل خود مختاری دی جائے۔ پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت تسلیم کی جائے۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے ایک صوبے کی حیثیت دی جائے۔ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔ جداگانہ طریق انتخاب رائج کیا جائے اور مرکز میں مسلمانوں کو ۳۳ فی صدی حقوق دیے جائیں۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے پانچ صوبے ایسے ہوں جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل ہو اور چوں کہ صوبائی خود مختاری پیش نظر تھی، اس لیے یقین کیا گیا کہ مرکز اتنا مضبوط نہیں ہو گا کہ مسلمانوں کے حقوق سلب کر سکے۔

نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسلمان مجموعی طور پر دو گروہوں میں بٹ گیے: اول، آل انڈیا مسلم لیگ، جو 'جناح کے چودہ نکات' کی حامی تھی۔ دوم، قوم پرست مسلمان جو نہرو رپورٹ کے حامی تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور مجلس احرار اسلام کے رہنما اس گروہ میں شامل تھے۔ یہ سب کانگرس کی تائید و حمایت کرتے تھے۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں مہاتما گاندھی پھر عملی سیاست میں داخل ہوئے، کانگرس کی زمام قیادت سنبھالی اور حکومت کو الٹی میٹم دیا کہ وہ ایک سال کے اندر اندر نہرو رپورٹ قبول کر لے، ورنہ ایک پر امن، عدم تشدد پر مبنی تحریک عدم تعاون شروع کر دی جائے گی۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ اروِن نے اکتوبر ۱۹۲۹ء میں اعلان کیا کہ برطانیہ اس ملک کو مناسب وقت پر درجۂ نو آبادیات عطا کرے گا اور مستقبل کے آئین کے بارے میں صلاح مشورے کے لیے لندن میں ایک گول میز کانفرنس بلائے گا، جس میں ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے مدعو کیے جائیں گے۔ مہاتما گاندھی نے یہ پیش کش قبول نہ کی، کیوں کہ وہ برطانیہ کو سول نا فرمانی سے بلیک میل کر کے نہرو رپورٹ منظور کروانا چاہتے تھے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ یہاں درجۂ نو آبادیات کی جگہ کامل آزادی کانگرس کا نصب العین قرار پایا۔ سول نافرمانی کی تیاری شروع ہو گئی۔ اس کے بعد گاندھی جی نے یہ مطالبات بھی پیش کیے: (۱) کامل امتناع شراب۔ (۲) مالیہ کی شرح نصف کر دی جائے۔ (۳) نمک کا ٹیکس منسوخ

کر دیا جائے - (۴) فوج کے بجٹ میں پچاس فی صد تخفیف کر دی جائے - (۵) سارے سیاسی قیدی رہا کر دیے جائیں - (۶) ساحلی جہاز رانی ہندوستانیوں کے لیے وقف کر دی جائے - لارڈ اروِن نے یہ مطالبات مسترد کر دیے اور غالباً گاندھی جی نے بھی یہ مطالبات سنجیدگی سے نہیں کیے تھے ، کیوں کہ اگر کوئی آزاد حکومت ہند بھی ہوتی ، تو پہلے چار مطالبات کبھی زیر غور بھی نہ لاتی - ۱۲- مارچ، ۱۹۳۰ء کو سول نافرمانی شروع ہو گئی ، جس کا زور تقریباً چھ ماہ تک رہا اور قریب قریب ساٹھ ہزار افراد گرفتار ہوئے ، جن میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی ، کیوں کہ مسلمان من حیث القوم اس سے الگ رہے -

ادھر سول نا فرمانی کی تحریک اپنے آخری دموں پر تھی ، اُدھر برطانیہ کی طرف سے کانگرس کو مصالحت کی پیش کش کے اشارے ہو رہے تھے - ان ہی ایام میں پہلی گول میز کانفرنس (۱۶- نومبر ۱۹۳۰ء تا ۱۹ جنوری ، ۱۹۳۱ء) منعقد ہوئی - اس میں طے پایا کہ مستقبل کے ہندوستان میں ایک وفاقی طرز حکومت قائم ہو گا اور ریاستی حکم رانوں نے بھی اسے قبول کر لیا - اسی دوران میں آل انڈیا مسلم لیگ کا الہ آباد سیشن ہوا ، جس کے صدارتی خطبے میں علامہ اقبال نے اپنی وہ تجویز پیش کی جو بعد میں پاکستان کی تحریک کی اساس بنی - اس خطبے میں مرحوم نے مسلمانوں کے اُس موقف کی تائید کی جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں طے پایا تھا ، لیکن ساتھ ہی یہ رائے ظاہر کی کہ آخرکار قلم رو برطانیہ کے اندر یا باہر شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی ایک قومی ریاست بنانی پڑے گی -

کانگرس سول نا فرمانی کی تحریک میں پٹ کر مصالحت پر تیار ہو گئی اور حکومت نے صرف اتنی بات مانی کہ جن علاقوں میں لوگ بہت غریب تھے ، وہاں نمک کا ٹیکس قدرے گھٹا دیا گیا - سیاسی قیدی رہا ہوئے اور جو آرڈی ننس اس تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے جاری ہوئے تھے ، انھیں واپس لے لیا گیا - اس کے بعد مہاتما گاندھی نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ، جو ۷- ستمبر، ۱۹۳۱ء سے یکم دسمبر، ۱۹۳۱ء تک

جاری رہی ۔ وہاں ہندو مسلم بات چیت ناکام رہی اور حقوق کے بارے میں کوئی تصفیہ نہ ہو سکا ۔ گاندھی جی کو ان کے احباب نے یقین دلایا کہ اگر فرقہ وار حقوق کے مسئلے پر وہ مسٹر رامزے میکڈانلڈ ، وزیر اعظم برطانیہ کی ثالثی قبول کر لیں گے تو فائدے میں رہیں گے ، کیوں کہ اُن کی لیبر پارٹی ہمیشہ سے قوم پرست ہندوستانی تحریک کی ہم درد رہی ہے ۔گاندھی جی نے اس مشورے کو قبول کر لیا ، لیکن جب اگست، ۱۹۳۲ء میں 'کمیونل ایوارڈ' کا اعلان ہوا ، تو اس سے مسلمانوں کو قدرے اطمینان ہوا کہ اُن کے چند مطالبات مانے گیے ہیں ، لیکن گاندھی جی اور عام ہندوؤں کو مایوسی ہوئی ، کیوں کہ اچھوتوں کو الگ نمائندگی مل گئی ۔ اس پر گاندھی جی نے مرن برت رکھا اور اچھوتوں کو دباؤ میں لا کر علیحدہ نمائندگی سے دست بردار کرا دیا ۔

۱۹۳۲ء کے اواخر میں تیسری اور آخری گول میز کانفرنس ہوئی ۔ اُس کے بعد حکومت برطانیہ نے قرطاس ابیض شائع کیا ، جس میں آنے والی اصلاحات کا دھندلا سا خاکہ کھینچا ۔ جائنٹ سیلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی اور آخرکار 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ' ۱۹۳۵ء میں منظور ہوا ۔ سندھ بمبئی سے علیحدہ ہو کر نیا صوبہ بن گیا ۔ صوبہ سرحد کو دوسرے صوبوں کے برابر حقوق حاصل ہوئے ۔ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کو واضح اکثریت تو حاصل نہ ہو سکی ، لیکن مشترکہ نشستوں سمیت ایک نام نہاد اکثریت مل گئی ۔ جداگانہ انتخاب کا اُصول مستقل طور پر مان لیا گیا ۔ غرض 'جناح کے چودہ نکات' میں سے زیادہ تر قبول کر لیے گئے ۔

پچھلے چند سالوں میں کچھ اور تحریکیں بھی اٹھیں ۔ ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے شیخ عبداللہ اور چودھری غلام عباس کی راہ نمائی میں ذمہ دار حکومت کے لیے جدوجہد شروع کی اور اس کی تائید کے لیے مجلس احرار اسلام نے پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک جاری کی ۔ اس کی صورت یہ تھی کہ رضاکاروں کے جتھے کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے اور گرفتار کر لیے جاتے ۔ اس تحریک میں قید ہونے والوں کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی ۔ پھر مسجد شہید گنج کی تحریک اٹھی ۔

مقصد یہ تھا کہ گوردوارہ شہید گنج (لاہور) سے منسلک مسجد وا گزار کرائی جائے - اس تحریک میں احرار نے حصہ نہ لیا اور عوام کی نظروں سے گر گئے - مولانا ظفر علی خاں نے نمایاں حصہ لیا - مجلس اتحاد ملت اسی تحریک سے ابھری ، جس نے سول نافرمانی کی تحریک بھی چلائی - احرار نے بھی سول نافرمانی کا سلسلہ شروع کیا ، لیکن صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سول نافرمانی سے مسجد نہیں مل سکتی - صوبہ سرحد میں عوام کی ایک زبردست تحریک خان عبدالغفار خاں کی راہ نمائی میں شروع ہوئی - اس سے خدائی خدمت گار جماعت اور سرخ پوشوں کی تحریک ابھری - اس معرکے میں سینکڑوں پٹھانوں کو جام شہادت نوش کرنا پڑا - مسلمانوں نے غیر ملکی سیاست میں بھی دل چسپی لی - مسئلۂ فلسطین پر عربوں کے موقف کی بار بار تائید کی - افغانستان میں غازی امان اللہ خاں کے خلاف بچہ سقہ نے جو بغاوت کی ، اس میں یہاں کے مسلمانوں نے امان اللہ خاں کی حمایت کی - جب جرنیل نادر خان نے بچہ سقہ کو مار بھگایا اور خود بادشاہی قبول کی ، تو یہاں مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس پر امان اللہ خان سے غداری کا الزام لگایا اور اس پر اخباروں میں بڑی تو تو میں میں ہوئی -

نئے آئین کے ماتحت انتخابات میں کانگرس نے بمبئی ، مدراس ، سی پی ، یو پی ، بہار ، اوڑیسہ اور صوبہ سرحد میں واضح اکثریت حاصل کر لی - مسلم لیگ کو اقلیتی صوبوں میں نمایاں کام یابی ہوئی ، لیکن اکثریتی صوبوں میں آزاد پارٹیوں نے اکثریت حاصل کر لی - بہر حال جب ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا لکھنؤ سیشن ہوا ، تو پنجاب کے وزیر اعظم سردار سکندر حیات ، بنگال کے وزیر اعظم مسٹر فضل الحق اور آسام کے وزیر اعظم سر سعداللہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اس طرح مسلم لیگ زیادہ مضبوط اور زیادہ مؤثر بن گئی -

اکتیسواں باب

صحافت ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک - ۱

'زمیندار' اور 'ہمدرد'

اس دور میں اردو صحافت نے بہت ترقی کی - دہلی سے 'ہمدرد' کا احیاء ہوا - 'الامان' اور 'وحدت' جاری ہوئے - بمبئی سے 'خلافت' نمودار ہوا - لکھنؤ سے 'حق' اور 'ہمدم' اور 'سرفراز' نکلے - کلکتے سے 'عصر جدید' اور 'ہند' ابھرے اور لاہور سے 'انقلاب' اور چند سال بعد 'احسان' اور 'شہباز' منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے - پرانے اخباروں میں 'زمیندار' اور 'سیاست' نمایاں رہے - ہندو اخباروں میں 'تیج' (دہلی)، 'پرتاپ'، 'ملاپ' اور 'بندے ماترم' زیادہ ہر دل عزیز ہوئے - ان کے ساتھ ہی 'ویر بھارت' بھی جاری ہوا اور بھی کئی اخبار جاری ہوئے اور ان سب نے اپنے اپنے دوائر اثر کے اندر اور اپنے اپنے زاویۂ نگاہ کے مطابق رائے عامہ کی راہ نمائی کا فرض سرانجام دیا -

۱۹۲۷-۲۸ء تک بڑے بڑے قومی مسائل پر اخبارات کا موقف تقریباً ایک ہی رہا، اگرچہ تفاصیل اور جزئیات میں شدید اختلافات رونما ہوئے، جن کے نتیجے میں گالی گلوچ بھی ہوئی - یہ سب اخبار اجنبی راج کے مخالف تھے - سب آزادی چاہتے تھے - مسلمان اخبار دنیائے اسلام کے استخلاص کے لیے بھی کوشاں تھے - ملکی سیاست میں کیفیت یہ تھی کہ کانگرس، خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کی بیک وقت رکنیت ممکن تھی - اگرچہ شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی پیدا کر رکھی تھی، لیکن دونوں قوموں میں ایسے عناصر بھی

موجود تھے جو اتحاد کی سعی کرتے رہے ۔ بہرحال تصفیۂ حقوق کا مسئلہ صحیح معنوں میں ۱۹۲۷ء میں ابھرا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ یہی مسئلہ اخباروں پر حاوی رہا ، تا آں کہ کمیونل ایوارڈ کے اعلان اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نے اسے عارضی طور پر حل کر دیا ۔

اس دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

اول ، ۱۹۲۳ء سے ۲۸—۱۹۲۷ء تک ۔ اس دوران میں ہماری صحافت پر جذبات غالب رہے اور دلیل و منطق کو وہ جگہ نہ ملی جس کی یہ مستحق تھی ۔

دوم ، ۲۸—۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۷ء تک ۔ یہ تصفیۂ حقوق کے لیے جد و جہد کا دور تھا ۔ اس میں بھی صحافت نے جذباتیت دکھائی ، جو قدرتی تھی ، لیکن اس کے دوش بدوش دلیل و منطق کا عنصر بھی نمایاں ہو گیا ۔

ہندو صحافت

پہلے دور میں 'ہمدرد' اور 'زمیندار' ساری اسلامی صحافت پر غالب رہے ۔ دوسرے دور میں 'انقلاب' نے اسلامی صحافت کو بہت متاثر کیا ۔ پہلے دور میں قوم پرستی ، ملت پرستی اور علیحدگی کی سیاست ایک دوسرے سے گڈمڈ رہیں ۔ دوسرے دور میں علیحدگی کی سیاست نمایاں ہو گئی ۔ مسلمانوں میں علیحدگی کی سیاست کو فروغ دینے میں ہندو صحافت کا بڑا ہاتھ تھا ۔ اس پر وہ لوگ چھائے ہوئے تھے جو بد ترین قسم کے فرقہ پرست تھے اور ساتھ ہی قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ لیتے تھے ۔ انھوں نے مسلمانوں کے مطالبات کا مضحکہ اڑایا ۔ ان کے موقف کی مخالفت کی اور اس میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ مسلمان ہر اس بات کو پسند کرنے پر مجبور ہو گئے جس کی ہندو اخبار مخالفت کرتے تھے ۔ ان ہندو اخبارات کا رول بیان کرتے ہوئے سالک رقم طراز ہیں : ''بندے ماترم' کے سوا باقی تمام ہندو روزنامے پرلے درجے کے زہریلے فرقہ پرست تھے اور ہر روز مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے تھے ۔ وہ نام تو کانگریس کا

لیتے تھے ، لیکن حقیقت میں مالوی جی اور شردھانند کا راگ الاپتے تھے اور سنگٹھن اور شدھی کے انتھک مبلغ تھے - اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ پاکستان کے قیام کی بنیاد کب رکھی گئی ، تو میں بلا خوف تردید کہوں گا کہ جس دن 'ملاپ' اور 'پرتاپ' لاهور میں جاری ہوئے ، کیوں کہ یہی وہ پرچے تھے جنھوں نے سب سے پہلے دو قومی نظریہ عملاً پیش کیا اور مسلمانوں کو هندوؤں سے ، هندو اکثریت کی کانگرس سے اور قوم پرستانہ تحریکوں سے ایسا بدگمان کیا کہ اس کے بعد وہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی هندو کانگرسیوں کے خلوص کے قائل نہ ہو سکے -''

(سرگزشت ، صفحہ ۲۰۴)

مسلمان اخبارات کا طرز عمل ابتداء میں خالص تعمیری رہا - 'زمیندار' نے پے در پے مقالے چھاپے کہ اگر شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں اسی طرح چلتی رہیں ، تو اس سے وہ خوش گوار فضا مٹی میں مل جائے گی جو ترک موالات کے دور میں پیدا ہوئی تھی - 'زمیندار' کی تجویز تو یہ تھی کہ ''کانگرس کے هندو اور مسلمان لیڈر خود آگے بڑھیں اور سنگٹھن اور تنظیم کی تحریکیں اپنے هاتھ میں لے لیں تاکہ شر پسند اور فتنہ پرور لوگ قیادت پر قبضہ نہ کرنے پائیں اور ساری قوم صرف قوم پرست لیڈروں سے وابستہ رہے - جب یہ فتنے کا زور گزر جائے گا ، تو یہی لیڈر قوموں کو دوبارہ متحد کر سکیں گے - لیکن کانگرس کے هندو لیڈروں پر خوف اور جمود طاری ہو چکا تھا اور وہ مالوی جی کے هاتھ میں میدان چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے اور هندو اور مسلمان ایک دوسرے کو خون خوار نظروں سے دیکھ رہے تھے -''

(سرگزشت ، ۲۰۱-۲۰۲)

۱۹۲۸ء میں جب تصفیۂ حقوق کی جنگ شروع ہو چکی تھی ، هندوؤں کا نیا اخبار 'ویر بھارت' لاهور سے جاری ہوا - جہاں 'پرتاپ' اور 'ملاپ' آریہ سماجیوں کی نمائندگی کرتے تھے وهاں 'ویر بھارت' سناتن دھرمیوں کے نقطۂ نگاہ کو پیش کرنے کے لیے نکلا - اس کے مالک گوسوامی گنیش دت تھے ، جو خود پنڈت مالویہ کے عقیدت مند

تھے - چناں چہ جب تک مالویہ زندہ رہے ، 'ویر بھارت' آن ھی کی پالیسی پر چلتا رہا - ساتھ ھی دستور کے مطابق کانگرس اور مہا سبھا دونوں کی حمایت کرتا رہا جس کا مطلب تھا ھندو سبھائی زاویۂ نگاہ کی وضاحت اور تائید - اس زمانے میں ھندو سبھائی لیڈر بھائی پرمانند نے 'ھندو' کے نام سے ایک ھفت روزہ جاری کیا جو ۱۹۳۵ء میں روز نامہ ھوا - اس کی اشاعت محدود تھی - خبروں کی ترتیب اور فراھمی کا سلسلہ بھی کم زور تھا ، لیکن اس پرچے کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ بھائی پرمانند اس کے اداریے خود لکھتے اور آن کا انداز بہت مدلل تھا - تقریروں میں اشتعال انگیزی کر جاتے تھے ، لیکن تحریر میں بہت محتاط تھے -

مسلم صحافت

مسلمان اخباروں میں بعض مسائل پر سخت چپقلش پیدا ھوئی - جب ابن سعود نے حجاز پر حملہ کیا اور کچھ قبے اور مزار توڑ ڈالے تو ھندوستان کے قدامت پسند علماء نے اس کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا اور 'سیاست' نے اس کی ترجمانی کرتے ھوئے ابن سعود کی مخالفت شروع کر دی - 'زمیندار' اور 'ھم درد' نے اس معرکے میں ابن سعود کی حمایت کی - آس کے بعد ابن سعود نے اپنا وہ وعدہ توڑ دیا جس میں کہا گیا تھا کہ میں حجاز میں جمہوری انداز کی حکومت قائم کروں گا اور اس کے انتظام و انصرام میں دنیائے اسلام کے نمائندہ عناصر سے مشورہ لوں گا - حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ اگر وہ سلطانی قبول نہ کرتا تو پیچیدگیاں پیدا ھو جاتیں - اس پر مولانا محمد علی بھی ابن سعود کے مخالف ھو گئے اور 'ھم درد' اور 'سیاست' اور کچھ اور اخباروں نے زبردست مہم چلائی - اس کے مقابلے پر 'زمیندار' اور آس کے ھم خیال اخباروں کا موقف یہ تھا کہ ھمیں ایک ایسے شخص کی مخالفت میں تامل کرنا چاھیے، جو برطانوی سامراج کا دشمن ھے اور آس نے برطانوی ایجنٹ شریف حسین کو نکال باھر کیا ھے - دوسرے ھمیں حق نہیں پہنچتا کہ حجاز کی اندرونی سیاست میں دخل دیں - تیسرے ، حجاز میں

ایک مستقل اور دینی حکومت قائم ہو چکی ہے ، جسے تمام ممالک تسلیم کر چکے ہیں ، اس لیے اب شور مچانا بے سود ہے ۔

زمیندار کی سیاسی پالیسی

ملکی سیاست کے سلسلے میں 'زمیندار' کی پالیسی ابتدا میں یہ تھی کہ انڈین نیشنل کانگریس ملک کی متحدہ قومی جماعت ہے ۔ اس کے زیر سایہ اور زیر راہ نمائی ملکی آزادی کے لیے جد و جہد ہو سکتی ہے ۔ مسلمانوں کی قومی جماعتیں بھی ضروری ہیں ، کیوں کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو ۔ حصول آزادی کے لیے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تعین ہو جائے ۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ کانگرس مسلمانوں کے لیے جداگانہ نیابت منظور کر لے ۔ بہر حال ۲۸-۱۹۲۷ء سے 'زمیندار' کی پالیسی کاملاً کانگرسی اور نیشنلسٹ ہو گئی اور جب تصفیۂ حقوق کے لیے مسلمانوں نے مہم شروع کی تو 'زمیندار' نے اس کی مخالفت کی اور علامہ اقبال اور ان کے ساتھیوں کو 'حقوقیے' کہتے ہوئے مطعون کیا ۔ سائمن کمشن کے کامل مقاطعے میں کانگرس کا ساتھ دیا ۔ نہرو رپورٹ کی تائید و حمایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ، حالاں کہ مسلم لیگ کے علاوہ جمعیت العلماء اور خلافت کمیٹی بھی اس کی مخالف تھی ۔ پنجاب کے مسلمانوں نے ایک صوبائی تحریک 'چھپن فی صدی تحریک' کے نام سے شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانان پنجاب کے لیے ۵۶ فی صدی سیاسی حقوق حاصل کیے جائیں ۔ 'زمیندار' نے اس کی بھی مخالفت کی ۔ اس کے بعد جب گاندھی جی نے نہرو رپورٹ منوانے کے لیے سول نافرمانی کی تحریک چلائی ، تو 'زمیندار' اس میں بھی پیش پیش تھا اور اس میں مولانا ظفر علی خان قید بھی ہوئے ۔ مسجد شہید گنج کی تحریک کے دوران میں مولانا نے مجلس اتحاد ملت قائم کی ، جس نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے پر چند امیدوار کھڑے کیے ۔ اسی سال جب مسلم لیگ کا لکھنؤ سیشن ہوا تو مولانا ظفر علی خاں مسلم لیگ میں شامل ہوئے ۔ اس کے

بعد 'زمیندار' نے سوائے چند مختصر وقفوں کے مسلمانوں کے سواد اعظم کا ساتھ دیا ۔

'زمیندار' کی پالیسی اگرچہ نیشنلسٹ اور کانگرسی تھی ، لیکن بعض مرحلے ایسے بھی آئے ، جب اس نے اُس پالیسی سے انحراف کیا ۔ مثلاً جب شدھی اور سنگٹھن کا زور ہوا تو 'زمیندار' نے 'تنظیم' اور 'تبلیغ' کی تحریکوں کو آگے بڑھایا اور ایک تیز نظم چھاپ دی ، جس کا ایک مصرع یہ تھا :

اک مست الست قلندر نے جب کفر کے چیلوں کو دھر رگڑا

اس پر اخبار کے ڈمی ایڈیٹر سید لال شاہ کو ایک سال قید کی سزا ملی ۔ کراچی کانگرس کے اجلاس میں مولانا نے تجویز پیش کی کہ نماز کے لیے جلسہ ملتوی کر دیا جائے ۔ یہ تجویز مسترد ہوئی تو مولانا نے جا بجا کانگرس کی اس حرکت پر نکتہ چینی کی ۔ لاہور میں ہندو مسلم فساد ہوئے تو مسلمانوں کے حق میں پے درپے مضامین درج کیے ۔ چند مرتبہ اخبار ضبط بھی کر لیا گیا ۔

مولانا ظفر علی خاں کو کانگرس کی تحریک سول نافرمانی میں تین سال قید کی سزا ملی تھی ، لیکن گاندھی اروِن سمجھوتے کی رو سے آپ جلد رہا ہو گئے ۔ اُس وقت لاہور میں 'مغل پورہ ایجی ٹیشن' جاری تھی ۔ بات یہ ہوئی کہ مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے پرنسپل وٹیک نے رسول اکرم کے بارے میں دریدہ دھنی کی ۔ اس پر مسلمان مشتعل ہو گئے اور اُنھوں نے کالج کے سامنے پکٹنگ شروع کر دی ۔ 'زمیندار' نے اس تحریک کی حمایت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا ۔ مولانا ظفر علی خاں بھی اس میں شریک ہو گئے ۔ آخر مفاہمت ہو گئی ۔

اس کے فوراً بعد کشمیر کے مسلمانوں پر ڈوگرہ مظالم کے خلاف بہ طور احتجاج مجلس احرار اسلام نے سول نا فرمانی شروع کی ۔ 'زمیندار' نے اس میں بھی رائے عامہ کا ساتھ دیا ۔ اس کی پاداش میں چند پرچے ضبط ہوئے اور بقولِ اشرف عطا پہلے پانچ ہزار کی اور بعد میں دس ہزار

کی ضمانت ضبط ہوئی - پھر مسجد شہید گنج کی تحریک میں 'زمیندار' نے نمایاں حصہ لیا - مولانا ظفر علی خاں ، مولانا اختر علی خاں اور دوسرے راہ نما نظر بند ہو گئے اور 'زمیندار' سے ایک ضمانت بھی طلب ہوئی اور 'زمیندار' کی اشاعت کچھ عرصہ ممنوع رہی -

اکثر حضرات اپنے مضامین میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک بھی 'زمیندار' سے ضمانتیں طلب ہوئیں اور ضبط بھی ہوئیں - یہ غلط ہے ، کیوں کہ اس دوران میں پریس ایکٹ موجود ہی نہیں تھا - اس لیے طلبی و ضبطی ضمانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ، البتہ جب کانگرس نے ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی شروع کی تو پہلے حکومت نے ایک پریس آرڈی ننس جاری کیا اور اس کے بعد پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ نافذ کیا - یہ ۱۹۳۱ء کا ذکر ہے - اس کے ماتحت 'زمیندار' کے خلاف کارروائیاں ہوئیں- مثلاً جنوری ۱۹۳۲ء میں ایک ہزار کی ضمانت طلب ہوئی - اسی سال مارچ میں اتمان زئی میں خان عبدالغفار خاں کا گھر جلا دینے کی غلط خبر چھاپنے پر یہ ضمانت ضبط ہوگئی اور تین ہزار کی مزید ضمانت طلب ہوئی - ۲۱ دسمبر ۳۲ء کو اس میں سے دو ہزار ضبط کر لیے گئے اور تین ہزار کی مزید ضمانت طلب ہوئی - اس حکم کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل مسترد ہوگئی - چناں چہ کچھ مہینے بند رہنے کے بعد ۷ - جولائی ۳۳ء کو ضمانت جمع کرا کے اخبار دوبارہ جاری ہوا -

اس دور میں 'زمیندار' کی اشاعت کا گوشوارہ دل چسپی سے خالی نہیں :

۱۹۲۵ء	ساڑھے تین ہزار
۱۹۲۶ء	چار ہزار
۱۹۲۷ء	پانچ ہزار
۱۹۳۰ء	پانچ ہزار
۱۹۳۱ء	پانچ ہزار
۱۹۳۲ء	ساڑھے تین ہزار
۱۹۳۳ء	تین ہزار دو سو اسی

۱۹۳۴ء	ساڑھے سات ہزار
۱۹۳۵ء	ساڑھے سات ہزار
۱۹۳۶ء	چھ ہزار سات سو
۱۹۳۷ء	چار ہزار

[یہ سرکاری اعداد و شمار ایس۔فیروز کی کتاب 'پریس ان پاکستان' سے لیے گئے]

'زمیندار' کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مولانا ظفر علی خاں کا سیاسی اور طنزیہ کلام چھپتا تھا جس کا تفریحی صحافت اور اردو ادب دونوں میں ایک بلند مقام ہے۔ مولانا سے پہلے شبلی نعمانی اور اکبر الہ آبادی نے بھی سیاسی اور طنزیہ شاعری میں اپنے جوہر دکھائے، لیکن یہ دونوں سیاست کے میدان میں خود کھلاڑی نہیں تھے۔ مولانا ظفر علی خاں بذات خود ساری ہنگامی تحریکوں میں سے گزرے تھے اور چونکہ وہ عملی دنیا میں تھے، اس لیے ان کی شاعری میں جذباتیت بہت تھی۔ مولانا کی طنزیہ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے وزیر آغا لکھتے ہیں: 'روزنامہ زمیندار' کا ایک خوش‌گوار پہلو مولانا ظفر علی خاں کی اس طنزیہ شاعری کا آغاز تھا جس نے اردو شاعری میں نہ صرف امتیازی حیثیت حاصل کی بلکہ جس نے ملک کے سیاسی واقعات و تحریکات پر بھی اپنے اثرات مرتسم کیے۔ مولانا ظفر علی خاں کی طنزیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو ان کے اشعار میں ان کی ہنگامہ خیز زندگی کے اثرات صاف نظر آ جاتے ہیں۔ شاید اسی لیے ان کی طنز بالعموم بلا واسطہ ہے۔ طنز کے نقطۂ نظر سے یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں اوراس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مد مقابل ایک شدیدتر رد عمل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب مولانا ظفر علی خاں وار کرتے وقت جذباتی پیرایۂ اظہار اختیار کرتے ہیں اور بات کرتے کرتے آگ بگولا ہو جاتے ہیں تو ان کی طنز میں ظرافت کے عناصر بالکل دب کر رہ جاتے ہیں۔ ایک آخری نکتہ یہ ہے کہ مولانا کو زبان و بیان پر بڑا عبور حاصل ہے اور وہ ہر واقعے پر

بلا تکلف و اہتمام شعر کہ سکتے ہیں (اردو ادب میں طنز و مزاح، ۳۵۱-۳۷۶)

مولانا کی قومی شاعری اور سیاسی شاعری نے ایک پورے عہد کے دوران میں عوام کے دلوں کو گرمایا اور تڑپایا ہے اور انہیں عمل پر ابھارا ہے ۔ طنزیہ شاعری ان کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ تھا جس سے انھوں نے اپنے سیاسی حریفوں کو ختم کرنے کی کوشش کی ۔ بسا اوقات کامیاب ہوئے اور ایسے وقت بھی آئے کہ ناکام ہوئے ، لیکن سیاسی زندگی میں جیت ہار تو ہوتی ہی رہتی ہے !

'ہمدرد'

مولانا محمد علی جیل سے باہر آئے تو ترک موالات کی بساط الٹ چکی تھی اور حالات نئی کروٹ لے چکے تھے ۔ ایسے میں انھوں نے پھر صحافت کا ڈول ڈالا ۔ ۹ نومبر، ۱۹۲۴ء کو 'ہمدرد' جاری کیا اور اس کے بعد 'کامریڈ' نکالا ۔ لیکن اب 'ہمدرد' میں وہ پہلے کی سی بات نہیں تھی یا پڑھنے والوں کا بھی ذوق بدل چکا تھا ۔ اس سلسلے میں رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں : "وہ (ہمدرد) اپنی سنجیدہ ، متین اور جاذب توجہ روش پر چلتا رہا اور اب چوں کہ پبلک اور زیادہ بدمذاق بنائی جا چکی تھی ، اس لیے وہ 'چاشنی' ڈھونڈتی تھی اور 'چاشنی' یہاں کہاں ؟ 'ہمدرد' کی ناکامی کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ اب اس کے نظریے میں بھی فرق آگیا تھا ، یعنی پہلے وہ اصول صحافت پر عامل تھا اور پورے طور پر ایک اپ ٹوڈیٹ بلند روزنامہ تھا ، لیکن اب محمد علی نے اسے صرف قوم کے مریض غم کا نسخہ بنا دیا جس میں پرہیز کی غیر دل چسپ ہدایتیں تھیں ، تلخ و ترش دواؤں کی فہرستیں تھیں اور ایک ہی طور پر مسلسل علاج کرنے کی کوشش تھی ۔"

'[سیرت محمد علی ، صفحہ ۲۳۹]'

محمد علی کو خود احساس تھا کہ 'ہمدرد' میں کئی چیزوں کی کمی ہے ۔ انھوں نے خود لکھا : "خدا گواہ ہے کہ میں ہرگز اس کا

دعوئی نہیں کرتا کہ 'ہمدرد' میں تمام وہ خوبیاں موجود ہیں جو ایک اخبار کو جائز طریقے پر دل چسپ بنا دیتی ہیں لیکن 'ہمدرد' ان میں سے اکثر سے معریٰ ہے ۔ میں متعدد ان دل چسپیوں کو جانتا ہوں ، جو بالکل جائز بھی ہیں اور اگر سب نہیں تو ان میں سے اکثر سے 'ہمدرد' کو خود اپنے قلم کے ذریعے سے دل چسپ بنا سکتا ہوں ، مگر میرے سامنے جو کام ہے وہ ہر گز مجھے اتنی فرصت نہیں دیتا کہ واعظ و ناصح بھی میں ہی بنوں اور مطرب و ندیم بھی میں ہی اور اتنا سرمایہ نہیں کہ واعظ و ناصح ، مطرب و ندیم سب کو جمع کر سکوں'' (۲۷ - اپریل، ۱۹۲۷ء) ۔ قلت سرمایہ کی شکایت ہمیشہ رہی ۔ جب تک اخبار جاری رہا خسارے پر چلتا رہا ۔ ۱۹۲۶ء میں ساڑھے نو ہزار روپے اور ۱۹۲۷ء میں ساڑھے سولہ ہزار روپے کا خسارہ رہا ۔ مئی ۲۸ء میں آپ علاج کے لیے یورپ گئے ۔ جانے سے پہلے 'ہمدرد' کو بند کرنا چاہتے تھے کہ دو قریبی دوست آڑے آئے ۔ ایک حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی اور دوسرے مولانا ظفرالملک ۔ مولانا عبدالماجد نے وعدہ کیا کہ تمہاری غیرحاضری میں ہم اس اخبار کو جاری رکھنے کی سعی کریں گے ۔ انتظام مولانا ظفرالملک نے سنبھالا اور ادارتی نگرانی مولانا عبدالماجد نے اپنے ذمے لی اور محمد علی کا نام 'ہمدرد' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے پرچے پر آنا بند ہوگیا ۔ ان دونوں حضرات نے بڑی جز رسی سے کام لیا ۔ اخراجات میں کمی کی ، لیکن خسارے میں کمی نہ ہوئی ۔ چنانچہ یورپ سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد علی نے ۱۲ - اپریل ، ۱۹۲۹ء کو اخبار بند کر دیا ۔

'ہمدرد' کے دور اول میں مولانا محمد علی اخبار میں بہت دل چسپی لیتے تھے ، لیکن دور ثانی میں وہ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں میں شمار ہوتے تھے ۔ مصروفیات بڑھ چکی تھیں اور اخبار پر کم توجہ دیتے تھے ۔ اس دور میں وہ نہایت طویل مقالے لکھتے تھے ۔ اتنے طویل ، کہ قارئین کو پڑھنے سے الجھن ہوتی تھی ۔ اور بسا اوقات موضوع سے ہٹ کر طویل بحثوں میں الجھ جاتے تھے ۔ پھر ہر چیز بار بار کھول کھول کر اور غیر ضروری تفصیل سے بیان کرتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ انہیں دن رات عام جلسوں سے خطاب کرنا پڑتا تھا ۔ عام جلسوں میں کیوں کہ ان پڑھ عوام کی اکثریت ہوتی تھی ، اس لیے انہیں ہر چیز تفصیل سے بیان کرنی پڑتی تھی ۔ تقریریں کرتے کرتے انہیں طویل نویسی کی عادت پڑگئی، جو صحافت کی دشمن ہے ۔ خود مولانا ظفر علی خاں بھی اس وجہ سے اول تو اداریے لکھنے کی فرصت نہیں پاتے تھے اور جب لکھتے تھے تو بالا قساط ۔ محمد علی نے اپنی اس عادت کے بارے میں دو ایک بار ذکر کیا ہے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ جو موضوع تفصیل کے محتاج ہیں ، ان پر طویل مقالے لکھنے ضروری ہیں اور میں یہ عادت جاری رکھوں گا ۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ لیڈری کی وجہ سے مجھے یک سوئی میسر نہیں، جس کی صحافی کو ضرورت ہوتی ہے ۔ اگر یک سوئی مل جائے تو میں خیالات کو مجتمع کر کے انہیں مختصر انداز میں پیش کروں ، لیکن مجھے تو دن رات قومی سرگرمیوں سے چھٹکارا نہیں ملتا ، اس لیے جب لکھتا ہوں تو لکھتا چلا جاتا ہوں ۔

اس دور میں محمد علی کے سیاسی نظریات کا بھی ذکر ضروری ہے کیوں کہ ہمدرد نے انھی نظریات کی عکاسی کی ۔ محمد علی پکے کانگرسی تھے ۔ انھوں نے شدھی اور سنگٹھن کی مخالفت کی ، لیکن تبلیغ اور تنظیم کی تحریکوں میں شریک نہ ہوئے ۔ انھوں نے سائمن کمشن کا مقاطعہ کیا ۔ جب دو لیگیں بنیں ، تو انھوں نے جناح لیگ کی تائید و حمایت کی ۔ ایک عرصے تک ان کا عقیدہ یہی رہا کہ بعض شرائط کے ساتھ مخلوط انتخاب قبول کر لیا جائے ، لیکن جب نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی تو محمد علی نے اس کے مضرات کو محسوس کر کے اس کی شدید مخالفت کی اور آپ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے داعیوں میں سے تھے جہاں مسلمانوں نے اپنے قومی مطالبات مرتب کیے ۔ یہیں سے وہ کانگرس سے بیزار ہوئے اور زندگی کے آخری ایام میں مسلمانوں کے قومی مطالبات کو منظور کروانے کی جد و جہد میں مصروف رہے ۔

بتیسواں باب

صحافت، ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک — ۲

'انقلاب' اور اس کا کردار

نہرو رپورٹ کو ختم کرنے اور مسلمانوں میں جداگانہ حقوق کا شعور پیدا کرنے میں جس شدت، تواتر اور تسلسل سے 'انقلاب' نے زور دار مقالے لکھے، اس کی نظیر ہندوستان کا اور کوئی اردو اخبار پیش نہیں کر سکا۔

['اقبال کے آخری دو سال' ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صفحہ - ۲۰۹]

مارچ، ۱۹۲۷ء کا ذکر ہے 'زمیندار' کی مالی حالت خراب تھی۔ ارکان عملہ کی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں۔ جب کارکنوں نے تنخواہیں مانگیں، تو مولانا ظفر علی خاں کرم آباد چلے گئے اور مولانا اختر علی خاں بمبئی کو روانہ ہو گئے۔ اس پر کارکنوں نے ہڑتال کا نوٹس دے دیا اور ہڑتال کے بعد سارا عملہ مستعفی ہو گیا۔ اس عملے کے رہنما مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول مہر تھے۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ ایک نیا روزنامہ جاری کیا جائے اور سرمائے کے لیے بعض احباب سے قرض حسنہ حاصل کر لیا جائے۔ پروفیسر سید عبدالقادر شاہ، حکیم فقیر محمد چشتی، حکیم محمد حسن قرشی، استاد اللہ بخش آرٹسٹ، چودھری محمد حسین اور دوسرے حضرات کی مدد سے سوا تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ ایک ذاتی دوست دیوان آنما نند شرر نے پان سو روپیہ دیا۔ اس طرح پونے چار ہزار روپے کی رقم سے نئے اخبار کے اجراء کا اعلان ہوا۔ علامہ اقبال کے ہاں ایک نشست لگی، وہیں اخبار کا نام 'انقلاب

تجویز ہوا ۔ علامہ نے پہلے شمارے کے پہلے صفحے کے لیے نظم لکھی اور اس میں سرمایہ و محنت کی آویزش کا ذکر کیا ، جس کے نتیجے میں 'انقلاب' نکلا ۔

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب
انقلاب ! انقلاب ! اے انقلاب !

یہ لوگ ۲۱ مارچ ، ۲۷ء کو 'زمیندار' سے نکلے اور ۴ اپریل ، ۲۷ء کو 'انقلاب' پورے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر افق صحافت پر رونق افروز ہو گیا ۔ اس کی پیشانی پر یہ شعر درج تھا :

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

$\frac{۲۲ \times ۲۹}{۲}$ کی تقطیع پر بارہ صفحات پر مشتمل پہلا شمارہ دس ہزار کی تعداد میں چھپا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا ۔ دو دن کے وقفے کے بعد اخبار با قاعدہ جاری ہوا اور ۱۹۴۹ء تک نکلتا رہا ۔ 'افکار و حوادث' کا مزاحیہ کالم بھی 'زمیندار' سے 'انقلاب' میں منتقل ہو گیا ۔ اگر فن صحافت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو 'انقلاب' اس دور کا بہترین اردو روز نامہ تھا ۔ ٹھوس اور مدلل اداریے ، سنجیدہ اور پر از معلومات شذرے ، افکار و حوادث ، اعلیٰ پائے کے مقالے ، بڑے بڑے شعراء کی نظمیں ، دل چسپ حقائق و معلومات، دل چسپ اقتباسات کے عنوانوں سے خصوصی فیچر ، دنیائے اسلام کے جرائد سے اخذ شدہ مقالے اور خبریں ، ملکی اور غیر ملکی خبر رساں اداروں کی سروس ، مقامی خبروں کی رپورٹنگ کا خصوصی اہتمام ، اعلیٰ درجے کی کتابت اور طباعت ۔ غرض کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کی کمی محسوس ہوتی ۔ خبروں کی تزئین و ترتیب مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کے سپرد تھی ، جو اس میدان میں اپنے وسیع تجربے کے ساتھ 'انقلاب' کے لیے ایک قیمتی سرمایہ تھے ۔

مہر و سالک دونوں جوان تھے ، کام کی امنگ تھی اور یہ ایک

بڑی آزمائش بھی تھی ، اس لیے انھوں نے بہت محنت سے کام کیا - کئی خاص نمبر نکالے جن کے مواد کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اخبار کے نمبر نہیں ، عظیم سیاسی ، علمی اور ادبی شاہ کار ہیں - تین سال تک سال نامے بھی نکلے جو $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۴}$ کی تقطیع پر سوا سوا سو صفحے پر مشتمل ہوتے تھے - پہلے سال نامے میں دنیائے اسلام کی تاریخ و سیاست پر ٹھوس مقالے چھاپے گئے اور دوسرا سال نامہ حقیقت میں 'انقلاب' کا انقلاب نمبر تھا ، کیوں کہ اس میں دنیا بھر کے انقلابات کی داستانیں درج تھیں اور سر ورق پر لینن ، ٹراٹسکی ، ڈی ولیرا ، روسو ، والٹیئر وغیرہ کی تصاویر تھیں - ملک کی نام ور علمی اور ادبی شخصیتیں 'انقلاب' میں مضامین دیتی تھیں اور بڑے بڑے شعراء کا کلام چھپتا تھا - 'انقلاب' کے شباب کا دور ۳۷-۱۹۳۶ء کے قریب آ کر ٹھہر گیا - اس کے بعد اخبار کی ترتیب میں وہ چابک دستی باقی نہیں رہی ، جو پہلے دس سال کا طرۂ امتیاز تھی - بہر حال اس کے اداریوں اور افکار و حوادث کی روایات بہ دستور تابندہ اور درخشاں رہیں -

سیاسی پالیسی

مولانا سالک رقم طراز ہیں : ''جب ہم نے 'زمیندار' کو چھوڑا تو پالیسی یہ تھی کہ ہم کانگرسی ہیں اور کانگرس کو ہندوستان کی متحدہ قومی جماعت سمجھتے ہیں - ہندو مسلم اتحاد کے بغیر وطن آزاد نہیں ہو سکتا اور اتحاد کی صورت یہی ہے کہ آئندہ کے لیے مسلمانوں کے حقوق کا تعین ہو جائے تاکہ مسلمان اقلیت مطمئن ہو کر آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں حصہ لے سکے - ہم جداگانہ نیابت کے حامی تھے اور کانگرس سے اس کو منظور کرانا چاہتے تھے - 'انقلاب' میں بھی یہی پالیسی جاری رہی -'' [سرگزشت ، صفحہ ۲۳۶]

''بہرحال تصفیۂ حقوق کے بارے میں کانگرس کی روش میں تبدیلی واقع ہوئی اور اس نے مسلمانوں پر نہرو رپورٹ تھوپنے کی کوشش کی ، تو

'انقلاب' کانگرس سے برسر پیکار ہو گیا ۔ تعلیم یافتہ اور سیاست دان مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کے خلاف منظم مہم کا آغاز کیا ۔ خلافت کمیٹی اور جمعیت العلماء نے بھی مسلم رائے عامہ کا ساتھ دیا ۔ 'انقلاب' اس جہاد میں پیش پیش تھا ۔ یہ دور اس اخبار کی زندگی کا مایۂ ناز دور تھا ، جس میں اس نے بلاخوف لومۃ لائم ہر چیز سے بے نیاز ہو کر ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت و اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے شبانہ روز کام کیا اور اللہ کے فضل سے ملک بھر کے اخباروں نے اس کی راہ نمائی کو قبول کر کے مسلمانوں کو کانگرس سے سخت برگشتہ کر دیا ۔''
[سرگزشت ، صفحہ ۲۵۰]

جب سائمن کمشن ہندوستان آیا ، تو 'انقلاب' اس کے مقاطعے میں پورا ہم نوا نہیں تھا ۔ اس کا موقف یہ تھا کہ ہمیں اس بات پر اعتراض ہے کہ اس کمشن میں ہندوستان کا کوئی نمائندہ شریک نہیں ۔ ہمیں اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ یہ کمشن ہندوستانیوں کے اختلاف رائے سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ۔ ہم مقاطعے کے بھی حامی ہیں ، لیکن شرط یہ ہے کہ کانگرس تصفیۂ حقوق پر راضی ہو جائے ۔ جب تک یہ نہ ہو گا ، متحدہ محاذ نہیں بن سکے گا اور جب تک متحدہ محاذ نہیں بنے گا انگریز ہماری کم زوریوں سے فائدہ اٹھاتا رہے گا ۔

اس زمانے میں آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی ، بلکہ دو متوازی لیگیں بن چکی تھیں ۔ ایک کے صدر مسٹر محمد علی جناح تھے اور سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۔ دوسری کے صدر سر محمد شفیع تھے اور سیکرٹری علامہ اقبال ۔ بنیادی مطالبات میں دونوں لیگیں متفق تھیں ، لیکن اختلاف کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح لیگ نے مخلوط انتخاب قبول کر لیا تھا اور شفیع لیگ جداگانہ انتخاب پر سختی سے قائم تھی ۔ چوں کہ 'انقلاب' علیحدہ نیابت اور جداگانہ انتخاب کا قائل تھا ، اس لیے اس نے شفیع لیگ کی حمایت کی ۔

مسلمانوں کے اور گروہ بھی تھے ، مثلاً مجلس خلافت اور جمعیت العلماء ۔ یہ دونوں بھی نہرو رپورٹ کے مسئلے پر کانگرس سے بدظن تھے ، لیکن

مسلمانوں کا کوئی مرکزی پلیٹ فارم نہیں تھا جہاں سے متحدہ آواز بلند کی جا سکتی - چناں چہ دهلی میں آل پاٹیز مسلم کانفرنس کا انعقاد هوا - اس کی صدارت سر آغا خاں نے کی - اس میں ساری اسلامی جماعتوں کے بیس بیس نمائندے مدعو کیے گئے - ان هی تاریخوں (۳۱ دسمبر ، ۱۹۲۸ء و یکم جنوری ، ۱۹۲۹ء) پر کانگرس نے کلکتے میں ایک آل پارٹیز کنونشن اس مقصد کے لیے بلائی کہ نہرو رپورٹ پر مہر تصدیق ثبت کرائی جائے - مسلمانوں کی ساری جماعتوں نے دهلی کانفرنس میں شرکت کی ، لیکن جناح لیگ نے کلکتہ کنونشن میں شمولیت پسند کی - اسے خیال تھا کہ کانگرس سے اپنے مطالبات منوا لے گی ، لیکن کانگرس نے اسے مایوس کر دیا - ادھر آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں مجلس خلافت ، جمعیت العلماء ، شفیع لیگ اور دوسری اسلامی جماعتوں نے متحدہ مطالبات پیش کر دیے - 'انقلاب' نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے انعقاد میں بھی حصہ لیا اور اس کی حمایت میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا -

دو متوازی لیگوں کو اکٹھا کرنے میں بھی 'انقلاب' نے نمایاں حصہ لیا - علامہ اقبال اور ڈاکٹر کچلو کے درمیان ابتدائی بات چیت مدیران 'انقلاب' هی نے کرائی - آخر دونوں لیگوں کی کونسلوں کا ایک مشترکہ اجلاس دهلی میں هوا - سر محمد شفیع صدارت سے دست بردار هو گئے اور مسٹر جناح واحد اور متحد آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے -

'چھپن فی صدی تحریک' 'انقلاب' کی تخلیق تھی - اس کی وجہ یہ هوئی اقلیتی صوبوں کے راہ نما عام طور پر 'ویٹج' (تناسب آبادی سے زیادہ حقوق) پر زور دیتے تھے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ اس طرح جن صوبوں میں مسلمان معمولی اکثریت میں هیں ، مثلاً پنجاب اور بنگال ، وہ اقلیت بن جاتے هیں - اس کے جواب میں اور پنجاب کے مسلمانوں کو آبادی کے مطابق حقوق دلانے کے لیے 'انقلاب' نے چھپن فی صدی حقوق کی تحریک شروع کی جو بے حد مقبول هوئی اور کچھ عرصہ اس کا خوب چرچا رها -

پشاور کے خونیں هنگامے میں 'انقلاب' نے پٹھانوں کے زاویۂ نگاہ کی ترجمانی میں پے در پے مقالے لکھے اور اس کے بعد پانچ چھ مرتبہ

خان عبدالغفار خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا اور حکومت کو یقین دلانے کی سعی کی کہ موصوف کو کانگرس سے کوئی تعلق نہیں اور جس قسم کی یوتھ لیگیں وہ قائم کر رہے تھے اُن کا مقصد صرف تعلیمی ترقی اور معاشرتی اصلاح تھا۔

کشمیر میں ذمہ دار حکومت کے قیام اور مسلمانوں سے انصاف کی جو تحریک چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ نے شروع کی تھی، اُس کی تائید میں پنجاب سے 'انقلاب' پیش پیش تھا۔ ''ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب، صناع مسلمانوں کی مظلومی اور مقروضی، تبدیلئ مذہب اور ذبح بقر کی پاداش میں ضبطئ جائداد اور دس سال قید کی سزا، عام جبر و تشدد، ناقابل برداشت ٹیکسوں کا بوجھ، غرض کشمیری زندگی کے تمام پہلو بے نقاب کر دیے گئے۔'' (سرگزشت، صفحہ ۲۸۶)۔ 'انقلاب' بہت جلد تحریک کشمیر کا ایک 'سمبل' بن گیا۔ جب مہاراجا نے اس کا داخلہ بند کیا تو ۱۳۔ جولائی ۳۱ء کو خانقاہ معلی سری نگر میں وہ عظیم‌الشان جلسہ ہوا جو بعد میں مظاہرے کی صورت اختیار کرگیا۔ حکومت نے گولی چلائی اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ بندش کے بعد ادارۂ 'انقلاب' نے 'کشمیری مسلمان' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار نکالا۔ اس کی ہزارہا کاپیاں تقسیم ہوتی رہیں۔ ڈیڑھ دو مہینے میں اس کا داخلہ بھی بند ہو گیا تو 'مظلوم کشمیر' کے نام سے ایک اور اخبار جاری کر دیا۔ تین ہفتے بعد اس کا داخلہ بند ہوا تو 'مکتوب کشمیر' کے نام سے پوسٹر چھاپ کر بھیجے۔ کچھ عرصہ بعد 'انقلاب' سے تین ہزار روپے اور اس کے مطبع مسلم پرنٹنگ پریس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے پیش کش کی کہ یہ رقوم ہم دیں گے، لیکن 'انقلاب' نے اعلان کیا کہ ضمانت جمع کرانے سے بہتر ہے کہ اخبار بند کر دیا جائے، کیوں کہ جتنی احتیاط سے ہم کام لیتے ہیں اس سے زیادہ احتیاط ممکن نہیں۔ اس پر ملک فیروز خاں نون کی کوٹھی پر یونینسٹ پارٹی کا اجلاس ہوا جس میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ ملک فیروز خاں، سردار سکندر حیات

(ریونیو ممبر) اور چودھری شہاب‌الدین صدر پنجاب کونسل کی تجویز پر ایک وفد گورنر سے ملا اور اُن پر زور دیا کہ یہ حکم واپس لیا جائے۔ چناں چہ اس سے پہلے کہ دس دن کی مہلت ختم ہوتی، حکومت نے 'انقلاب' کی ضمانت کی رقم گھٹا کر پانچ سو کر دی اور پریس کی ضمانت منسوخ کر دی۔ یہ روپے جمع کرا دیے گئے اور 'انقلاب' برابر جاری رہا۔ کشمیر کی تحریک جاری رہی۔ مجلس احرار نے سول نا فرمانی کی، دوسرے عناصر نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی۔ آخرکار کشمیر میں اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ 'انقلاب' خطبۂ الہ آباد سے پہلے پاکستان کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں اُس نے 'ہندی مسلمانوں کے لیے الگ وطن' کے عنوان سے مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کے مقالات کا ایک سلسلہ چھاپا۔ ۱۹۳۰ء میں اُسی کی تحریک پر علامہ اقبال نے 'اپر انڈیا مسلم کانفرنس' کے انعقاد کا بیڑہ اُٹھایا، جس میں صرف پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے مسلمان رہ نماؤں اور کارکنوں کو شریک ہونا تھا۔ اس سلسلے میں 'انقلاب' میں صفحۂ اول پر ایک چوکھٹا برابر چھپتا رہا جس کا عنوان تھا، ''پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان اسلامی ملک ہیں۔ ان میں اسلام کا علم بلند کرو۔'' خطبۂ الہ آباد کے بعد اس کی جتنی مخالفت ہندو اخباروں نے کی 'انقلاب' نے اُس کا جواب دیا اور بار بار کہا کہ مسلمانوں کی علیحدہ سلطنت قائم ہو کر رہے گی اور اس دور کے آخر میں (قرار داد لاہور کی منظوری سے پہلے) تو 'انقلاب' میں ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی مضمون ایسا آتا تھا جس میں پاکستان کی حمایت کی جاتی تھی اور 'انقلاب' کی یہ روش قیام پاکستان تک جاری رہی۔

اس اخبار کی ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ پنجاب میں بالخصوص اور باقی ہندوستان میں بالعموم جس سرکاری دفتر یا نیم سرکاری ادارے میں مسلمانوں کے حقوق خطرے میں تھے، اُس کا پردہ چاک کرتا رہا۔ پنجاب میں سر منوہر لال کو اس اخبار کے مسلسل مقالوں کی وجہ سے

وزارت تعلیم سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑا ۔ یہ اخبار مسلمان افسروں کا پشت پناہ اور مسلمان ملازمین کا سب سے بڑا سہارا تھا اور یہ جو کچھ لکھتا تھا یا کوئی مراسلہ چھاپتا تھا ، اس میں درج شدہ امور کی صحت کا تیقن کر کے چھاپتا تھا ۔ چناں چہ ان مراسلات اور مقالات کی تردید عموماً ممکن نہیں ہوتی تھی ۔

برعظیم کے نئے دستور کے خد و خال مرتب کرنے کے لیے جو گول میز کانفرنس تین مرتبہ لندن میں ہوئی ، اس کے دوران میں مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ پیش کرنے میں 'انقلاب' نے نمایاں کردار ادا کیا ۔ ایک کانفرنس کے موقع پر غلام رسول مہر خود بھی لندن گئے اور وہاں سے مکاتیب بھیجتے رہے ۔

اگر مورخ کو برعظیم کی سیاسی تاریخ کے دوران میں اس سوال کا جواب دینا ہو کہ مسلمانوں کو کانگرس سے الگ کرنے میں کس اخبار کا سب سے زیادہ دخل ہے تو اس میں یقیناً 'انقلاب' کا نام لیا جائے گا ۔ مسلسل اور مدلل پروپیگنڈے سے اس اخبار نے کانگرس کا طلسم توڑ کر رکھ دیا اور مسلمان من حیثیت القوم اس جماعت سے الگ رہے ۔

صوبائی خود مختاری کے آغاز پر 'انقلاب' نے صوبائی سیاست کے سلسلے میں جو پالیسی اختیار کی ، وہ یہ تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے باوجود پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت واضح نہیں ۔ اگر سارے مسلمان ایک طرف بھی رہیں ، تو اس کے باوجود وہ کوئی پائدار وزارت نہیں بنا سکتے ۔ انہیں کسی نہ کسی غیر مسلم گروہ سے اتحاد کرنا ہی پڑے گا اور یہ گروہ نہ تو کانگرس ہو سکتا ہے ، جس کی پالیسی واضح طور پر مسلمانوں کے خلاف ہے ، نہ شہری ہندوؤں سے تعاون کیا جا سکتا ہے ، جن سے مسلمانوں کا کوئی مفاد مشترک نہیں ۔ ہندوؤں کا صرف ایک ہی گروپ ہے ، یعنی سر چھوٹو رام کا جاٹ گروپ ، جو شہری ہندوؤں اور ساہوکاروں سے اتنا ہی نقصان اٹھا چکا ہے ، جتنا مسلمان دیہاتی اٹھا چکے ہیں ۔ مسلمانوں کی دیہاتی نشستیں اسّی کے قریب تھیں اور شہری چھ سات کے قریب ، اس لیے مسلمانوں کے لیے بہترین

راہ عمل یہ ہے کہ وہ چھوٹو رام کے جاٹ گروپ سے تعاون کریں اور ان دونوں کا ایک ملا جلا گروپ یونینسٹ پارٹی یا اتحاد پارٹی کے نام سے موجود ہے ، اس لیے مسلمانوں کو اس کی تائید کرنی چاہیے ۔ چناں چہ 'انقلاب' نے اتحاد پارٹی کی حمایت بڑے زور شور سے کی اور جب ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا ، تو سردار سکندر حیات (وزیر اعظم پنجاب اور لیڈر اتحاد پارٹی) بھی اس میں شریک ہوئے ۔ سکندر جناح پیکٹ کے مطابق اسمبلی کے تمام مسلم ممبر مسلم لیگ کے ممبر بن گئے ۔ اس طرح پنجاب کے مسلمانوں نے سواد اعظم سے بھی وابستگی جاری رکھی اور صوبے کے اندر اپنے مخصوص سیاسی اور معاشی تقاضوں کی تکمیل کا کام بھی جاری رکھا ۔

'انقلاب' اور فن صحافت

فن صحافت کے مروجہ اصول پر پرکھا جائے ، تو 'انقلاب' اپنے ابتدائی چند سالوں میں برعظیم کا بہترین روز نامہ تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک کو ایک تو فن صحافت میں پوری دست رس حاصل تھی ، دوسرے وہ محنت بھی بہت کرتے تھے ۔ اول الذکر افتتاحیہ لکھتے تھے ، موخر الذکر 'شذرات' اور 'افکار و حوادث' قلم بند کرتے تھے ۔

افتتاحیہ نگاری میں مہر کا اسلوب منفرد تھا ۔ وہ نہ ہنگامہ خیزی کے قائل تھے ، نہ بے جا جوش و خروش پیدا کرنے کے متمنی تھے ۔ اُن کے سامنے چند اعلیٰ مقاصد تھے ، جنھیں بہتر سے بہتر طریقے پر آگے بڑھانا مقصود تھا ۔ مہر منطق اور دلیل کے قائل تھے اور کسی موقف کے حق میں دلائل و براہین کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیتے تھے کہ اس کا جواب دینا آسان نہیں ہوتا تھا ۔ ان کا مطالعہ بے حد گہرا تھا ۔ جب کسی مسئلے پر لکھنا ہوتا ، تو اس کے تمام پہلوؤں پر پورے غور و تفحص سے کام لیتے ، حقایق کی چھان پھٹک کرتے ، تمام معلومات حاصل کرتے اور اس کے بعد اس مسئلے کو اداریے میں پیش کرتے ۔

چوں کہ ان کی سیاست فہمی درجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھی ، اس لیے وہ فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ جاتے ۔ تصفیۂ حقوق کی جنگ ایسی پیچیدہ تھی کہ اس سے صرف مہر جیسا چابک دست مفکر اور افتتاحیہ نگار عہدہ بر آ ہو سکتا تھا ، کیوں کہ یہ حقائق کی جنگ تھی ، اعداد و شمار کی جنگ تھی ۔ اس میں نہ تقریر بازی کام آتی تھی ، نہ خطیبانہ انداز بیان ۔ اس میں سرد منطق کی ضرورت تھی اور مہر نے اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا ایسا مظاہرہ کیا کہ برعظیم کے سب علیحدگی پسند مسلمان اخبار عش عش کر اٹھے اور انھوں نے مسلسل ان کے افتتاحیے نقل کیے۔ بلکہ بار ہا ایسا بھی ہوا کہ جب کوئی مسئلہ اٹھا تو انتظار کیا گیا کہ مہر اپنی رائے کا اظہار کریں تو پھر قلم اٹھایا جائے ۔ اداریہ نگار حقیقت میں اپنے زمانے کا مؤرخ ہوتا ہے اور اسے سلسلۂ واقعات اور واقعات سے ابھرنے والے حقائق اور ان سے اخذ ہونے والے نتائج کا پورا اندازہ کرنا ہوتا ہے ۔ مہر نے ربع صدی سے زیادہ عرصے کی تاریخ اپنے افتتاحیوں میں قلم بند کی اور جب عملی صحافت سے الگ ہوئے تو مؤرخ بن گئے ، جو ان کی زندگی بھر کے کام کا منطقی نتیجہ تھا ۔

مہر کا اسلوب تحریر سلیس اور رواں ہے ۔ اس میں مولانا ظفر علی خاں کی سی خطابت نہیں ۔ زبان ان کی بھی کبھی کبھی مشکل معلوم ہوتی ہے ، لیکن بہر حال مولانا ظفر علی خاں کے مقابلے میں آسان ہے ۔ مہر کے مقالات افتتاحیہ طویل ہوتے تھے ، لیکن کبھی کبھی ، جب موضوع کا تقاضا ایسا ہو—ورنہ وہ اتنے ہی لمبے ہوتے تھے ، جنھیں قاری آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا تھا ۔

'انقلاب' کی دوسری بڑی خصوصیت اس کا مزاحیہ کالم 'افکار و حوادث' تھا جسے بہ قول وزیر آغا مولانا ظفر علی خاں کی طنزیہ شاعری کے بعد ''اردو صحافت میں طنز و مزاح کی شاہ راہ پر دوسرا اہم سنگ میل سمجھنا چاہیے ۔'' اس عنوان سے پہلے پہل مولانا ابوالکلام آزاد نے 'الہلال' میں کبھی کبھی اور 'البلاغ' میں دو مرتبہ ایک کالم لکھا ، جو کبھی مزاحیہ ہوتا تھا اور کبھی سنجیدہ ۔ مولانا سالک نے 'زمیندار' میں کبھی کبھی

اس عنوان سے لکھا اور جیل سے رھائی پر اسے مستقل صورت دے دی۔ یہ کالم اخبار نویسی میں پہلا مستقل روزانہ مزاحیہ فیچر تھا اور اس کے بعد سارے اخباروں نے مزاحیہ فیچر دینا شروع کر دیا۔ 'ملاپ' میں 'غپ شپ'، 'پرتاپ' میں 'گپ شپ' اور 'سیاست' میں 'راز و نیاز'، 'احسان' میں 'مطائبات'۔ غرض ہر جگہ یہ فیچر روزانہ اخبار کے ادارتی صفحے کا ایک ضروری جزو بن گیا۔ 'افکار و حوادث' کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ھیں: ''انقلاب کے دور حیات میں اس کالم نے ملکی اور سیاسی مسائل پر ظریفانہ اظہار خیال کا ایک نہایت اچھا نمونہ پیش کیا۔ ویسے بھی اردو صحافت میں طنز و مزاح کے سلسلے میں مولانا عبدالمجید سالک کو ایک مقام امتیاز حاصل ھے۔ فکاھی کالم سے انھیں ایک فطری مناسبت ھے اور ان کی نگاہ دور بین اشیاء اور واقعات کے مضحک پہلوؤں تک نسبتاً آسانی سے جا پہنچتی ھے۔ چناں چہ دیکھا گیا ھے کہ وہ بالعموم واقعات ھی سے طنز و مزاح کے لیے سامان فراھم کرتے ھیں۔ اس سلسلے میں وہ نہ صرف کسی خاص واقعے کا چھپا ھوا مضحک پہلو ھی دکھاتے ھیں، بلکہ اس کا تقابل ایسے مضحک واقعات یا اشیاء سے بھی کر جاتے ھیں کہ اس کی سنجیدگی بڑی حد تک انحطاط پذیر ھو جاتی ھے ... مولانا عبدالمجید سالک کی طنز بڑی شدید ھے، لیکن اس طنز میں نہ صرف یہ کہ زھرناکی کا عنصر موجود نہیں، بلکہ مزاح کی بھی فراوانی ھے۔ ان کی نگارشات کا مطالعہ کریں تو محسوس ھوتا ھے کہ بنیادی طور پر وہ ایک نہایت سلجھے ھوئے طنز نگار ھیں، لیکن چوں کہ ان کا میدان تنگ و تاز زیادہ تر ھنگامی مسائل تک ھی محدود ھے، للھذا موضوع کی تنگ دامانی نے طنز کی حدود کو پوری طرح پھیلنے کی فرصت نہیں دی۔ پھر بھی وہ بیشتر اوقات سیاسی مسائل سے ھٹ کر سماجی مسائل پر اظہار خیال کرنے لگتے ھیں اور یہاں ان کی نگارشات ادبی مزاح کے مدارج تک جا پہنچتی ھیں۔ اس ضمن میں انھوں نے ادبی بد حواسیاں، مضحکہ خیز شاعری، ضعیف الاعتقادی اور معاشرے کے دوسرے مضحک پہلوؤں پر جو فکاھی کالم لکھے ھیں، وہ ادبی طنز و مزاح کے نقطۂ نظر سے بھی کم اھم نہیں۔''

['اردو ادب میں طنز و مزاح' صفحات ۵۵-۳۵۳]

تینتیسواں باب

صحافت ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک — ۳

'احسان' اور دوسرے اخبار

اس دور کے آخری حصے کا اہم ترین اخبار 'احسان' تھا، جو لاہور سے ایک ناشر ملک نور الٰہی نے جاری کیا۔ یہ اخبار ۱۹۳۴ء میں نکلا اور اسے علامہ اقبال کی سر پرستی اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، مولانا چراغ حسن حسرت، اشتراکی ادیب باری، مولانا انعام اللہ خاں ناصر جیسے نامور صحافیوں کا تعاون حاصل تھا۔ مولانا میکش ترک موالات سے پہلے 'زمیندار' میں کام کرتے تھے۔ ہجرت کی تحریک میں حصہ لیا، پھر 'زمیندار' میں آ گئے۔ 'انقلاب' نکلا تو اس میں نیوز ایڈیٹر بن گئے۔ یہاں سے مستعفی ہوئے تو 'افغانستان' کے نام سے ایک فارسی هفت روزہ جاری کیا اور قانون تعلقات خارجہ کے ماتحت دو سال کے لیے قید ہوگئے۔ پھر مختلف اخباروں میں کام کرنے کے بعد 'احسان' میں آئے۔ 'احسان' کو دو بڑی تحریکوں نے سنبھالا دیا۔ اول مجلس احرار کی وہ تحریک جو احمدیوں کے خلاف شروع ہوئی اور جس نے سارے پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میکش صاحب کا سلسلۂ مقالات ''قادیانیت کے کاسۂ سر پر اسلام کا گرز البرز شکن'' عوام میں بے حد مقبول ہوا۔ دوسرے مسجد شہیدگنج کی واگزاری کی تحریک اٹھی۔ تیسرے اس نے مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ پر ابتدا میں اس گروہ کا ساتھ دیا جو اتحاد پارٹی کا مخالف تھا۔ علامہ اقبال قلمی نام سے اس میں سیاسی مسائل پر نظمیں دیتے رہے اور چراغ حسن حسرت نے 'سند باد جہازی' کے نام سے 'مطائبات' اس زور سے لکھے کہ ہر جگہ ان کا چرچا ہونے لگا۔ ادھر باری مرحوم نے

'گرد و پیش' کے عنوان سے خبروں کا پس منظر دینا شروع کیا ، جو اُس عہد میں ایک نیا فیچر تھا یا کم از کم اس کا لباس نیا تھا ۔ مولانا انعام‌اللہ خان ناصر ہفت روزہ ایڈیشن ترتیب دیتے تھے اور دل چسپی کا پہلو یہ ہے کہ روزانہ اخبار کی پالیسی مسلم لیگ سے ہم آہنگ تھی اور ہفت روزہ ایڈیشن کی پالیسی کانگرس کی پالیسی سے ملتی جلتی تھی اور یہ صورت حالات کئی ماہ تک جاری رہی ۔

مولانا میکش اعلیٰ پائے کے اداریہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے ۔ سیاسی مسائل کو خوب سمجھتے تھے اور لکھنے کا ڈھنگ جانتے تھے ۔ وقتاً فوقتاً کوئی مہم چلا دیتے تھے ، جس سے اداریے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی ۔ اُن میں جرأت اور بےباکی بھی موجود تھی ، ترشی اور تلخی بھی تھی ، دلیل کا عنصر بھی موجود تھا ، سنجیدگی اور توازن کا دامن بھی نہیں چھوڑتے تھے ، اس لیے اداریہ نگاری کے میدان میں نمایاں تھے ۔

حسرت سات سال سے کالم نویسی کرتے چلے آئے تھے ۔ کلکتے کے اخبار 'نئی دنیا' میں کولمبس کے نام سے لکھتے تھے ۔ 'کلکتے کی باتیں' کے عنوان سے ایک اور مزاحیہ فیچر 'کوچہ گرد' کے قلمی نام سے لکھتے تھے۔ پھر 'زمیندار' میں آئے ، 'فکاہات' کا کالم سنبھالا ، اس کے بعد دوسرے اخباروں میں گھومتے رہے اور مزاح نگاری کے سلسلے میں ہر جگہ نام پیدا کیا ، لیکن اُن کے اصل جوہر 'احسان' میں کھلے ۔ ایک تو طبیعت میں طنز و مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا تھا ، دوسرے کلاسیکی ادب کا گہرا مطالعہ تھا ۔ زبان پر ایسا عبور حاصل تھا کہ اس کی نظیر کم ملتی ہے ۔ 'فسانۂ آزاد' سے بے حد متاثر تھے ۔ ان سب عناصر کے امتزاج کا نتیجہ 'مطائبات' تھا ۔ 'مطائبات' میں لطائف بہت کم بیان کرتے تھے ، الفاظ کے اُلٹ پھیر سے قاری کو ہنسنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ بات سے بات نکلتی تھی ۔ چٹکلوں کا ایک دریا تھا جو بہتا چلا جاتا تھا ۔ پھر مختلف علوم کے مبادیات سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اُنھیں یہ فائدہ تھا کہ ان کی اصطلاحات کا اطلاق حالات حاضرہ پر کرتے ۔ مثلاً

کسی سیاسی صورت حالات کو طبی اصطلاحات سے ظاہر کرتے یا سیاست کو پتنگ بازی سے تشبیہ دے کر پتنگ بازی کی اصطلاحات کا انبار جمع کردیتے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں۔ ''یوں تو مولانا چراغ حسن حسرت کی نگارش میں طنز و مزاح کے سارے رنگ ملتے ہیں اور انھوں نے اپنی طنز میں شدت پیدا کرنے کے لیے طنز کے بہت سے حربوں، مثلاً مبالغہ، موازنہ، واقعہ وغیرہ سے بھی کافی کام لیا ہے، لیکن در اصل اُن کی طنز کی اساس لفظی اُلٹ پھیر پر استوار ہے۔ البتہ یہ بات اُن کے حق میں کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے لفظی اُلٹ پھیر کے سلسلے میں تصنع اور آورد کو بہت کم جگہ دی ہے اور بالعموم مزاح پیدا کرنے میں کام یاب رہے ہیں .... چراغ حسن حسرت کی طنز بے محابا ہے اور اُن کے ترکش کے تیر سیاسی زندگی کی ہر ناہمواری کو اپنا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ سیاسی زندگی کے علاوہ انھوں نے معاشرے کے بعض پہلوؤں اور عام زندگی کی کیفیات پر جو مضامین لکھے ہیں وہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں اور اُن میں طنز و مزاح کا خوش گوار امتزاج موجود ہے۔''

[اُردو ادب میں طنز و مزاح، صفحات ۵۸-۳۵۶]

روزنامہ 'احسان' فنی لحاظ سے ایک اعلیٰ اخبار تھا اور یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ وہ برصغیر کا پہلا اُردو اخبار تھا جس نے ٹیلی پرنٹر نصب کرایا، ورنہ دوسرے اُردو اخباروں کو خبر رساں ایجنسیاں دستی خبریں بھیجتی تھیں۔

سیاست

مولانا سید حبیب نے ابن سعود کے مسئلے پر مسلمانوں کے اُس گروہ کا ساتھ دیا جس نے ابن سعود کے خلاف ملک بھر میں زبردست مہم چلائی تھی، اس لیے اسے احناف، صوفیاء اور مشائخ کا تعاون حاصل ہوگیا۔ مولانا سید حبیب صحافی بھی تھے اور قومی کارکن بھی، چناں چہ جب کوئی تحریک اُٹھتی، اُس میں مولانا کا جو کردار ہوتا، اُسی کی عکاسی اُن کے اخبار میں ہوتی۔ مولانا نے علیحدگی پسند سیاست میں

نمایاں حصہ لیا اور خطبۂ الہ آباد سے پہلے لاہور میں علامہ اقبال کی تحریک پر جو اسلامی اجتماع ہوا، اُس میں شریک ہوئے۔ اپر انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے سیکرٹری بنے۔ اُس کے بعد بھی ہر اسلامی تحریک میں شامل رہے۔ کانگرس کی سول نافرمانی کی مخالفت کی۔ مغل پورہ ایجی ٹیشن، تحریک کشمیر، تحریک مسجد شہید گنج وغیرہ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس طرح 'سیاست' مسلم رائے عامہ کا ہم‌نوا رہا۔ تصفیۂ حقوق کے سلسلے میں بھی مسلمانوں نے جو آواز اُٹھائی 'سیاست' نے اُس کے حق میں پے در پے مقالے لکھے۔ 'سیاست' سے بھی وقتاً فوقتاً ضمانتیں طلب ہوئیں۔ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں دو بار ایسے مواقع آئے۔ جب مالی وجوہ کی بناء پر ضمانتیں جمع نہ کرائی جا سکیں اور 'سیاست' کچھ عرصہ بند رہا۔ جب صوبائی خود مختاری کا آغاز ہوا اور سردار سکندر حیات خاں وزیر اعظم بنے، تو سید حبیب اُن سے بھڑ گئے۔ اس میں کسی اُصول کا معاملہ نہیں تھا، ایک ذاتی مسئلہ تھا، جس پر سید حبیب نے 'کاٹھ کا اُلو عرف وزیر اعظم' کے عنوان سے ایک نازیبا سلسلۂ مقالات شروع کیا۔ اس پر حکومت پنجاب نے سات ہزار روپے کی ضمانت طلب کی۔ یہ رقم وہ جمع نہ کرا سکے اور 'سیاست' ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

سید حبیب سے کسی کے ہزار اختلافات ہوں، لیکن ایک بات واضح ہے کہ جب وہ لڑنے پر آتے تھے، تو یہ کبھی نہیں دیکھتے تھے کہ مدمقابل کتنی بڑی شخصیت ہے۔ مصائب آتے تھے، لیکن وہ اپنے راستے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اپنی ہٹ کے پکے تھے۔

'سیاست' صحافتی نقطۂ نگاہ سے ایک معمولی اخبار تھا۔ نہ اداریوں میں جان ہوتی تھی، نہ خبروں کی فراہمی کا معقول بندوبست تھا، نہ ان کی ترتیب میں حسن ہوتا تھا۔ سید حبیب نہ خود ادیب تھے نہ اُن کے اخبار میں کام کرنے والے سوائے نازش رضوی کے کسی خاص ادبی رتبے کے مالک تھے، اس لیے ادبیت بھی عنقا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 'سیاست' کی اشاعت ہمیشہ کم رہی اور اُسے جاری رہنے کے لیے رؤسا اور چھوٹے چھوٹے ریاستی حکم رانوں کے چھوٹے چھوٹے عطیات پر انحصار کرنا پڑا۔

مجلس احرار کے اخبار (لاہور)

تحریک کشمیر کے سلسلے میں مجلس احرار اسلام نے 'احرار' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا - اس کے نگران اعلیٰ چودھری افضل حق مرحوم تھے - آپ سیاسی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے ادیب بھی تھے - ادارت مولانا چراغ حسن حسرت کے سپرد تھی - یہی وہ اخبار ہے جس میں حسرت نے پہلی مرتبہ اداریہ نگاری بھی کی ، ورنہ وہ عام طور پر مزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے - آن کے علاوہ اس اخبار میں علامہ حسین میر کام کرتے تھے - مرحوم اعلیٰ پائے کے نیوز ایڈیٹر اور مزاح نگار تھے - آن کی پیروڈیاں خاص طور پر مقبول تھیں - ادارے کے تیسرے اہم رکن لطیف انور گورداس پوری تھے - اس اخبار سے پہلے دو ہزار کی ضمانت طلب ہوئی ، پھر آسے ضبط کر کے جب حکومت نے چار ہزار کی مزید ضمانت طلب کر لی تو اسے بند کر دیا گیا -

مجلس احرار کا دوسرا اخبار 'مجاہد' تھا - اسے بھی طلبی و ضبطی ضمانت کا شکار ہونا پڑا اور آخرکار بند ہوگیا -

'نیشنل کانگرس' (لاہور)

اس اخبار کو ڈاکٹر ستیہ پال ، صدر پنجاب صوبہ کانگرس کمیٹی نے مشترکہ سرمائے سے جاری کیا - اس کے ادارے میں چراغ حسن حسرت، باری (اشتراکی ادیب) اور حمید نظامی شامل تھے - تینوں نے یکے بعد دیگرے سیاسی اختلاف رائے کی بناء پر استعفیٰ دے دیا - اخبار کی زندگی بے حد مختصر رہی -

'زمزم' (لاہور)

'زمزم' سہ روزہ اخبار تھا - کانگرسی اور نیشنلسٹ مسلم زاویۂ نگاہ کا ترجمان تھا - اس کے پہلے مدیر مولانا نصراللہ خاں عزیز تھے ، جو اس سے پہلے 'مدینہ' (بجنور) میں کام کر چکے تھے - ان کے بعد کچھ عرصے

محمد عثمان فارقلیط ایڈیٹر رہے ۔ اس اخبار کا معیار بلند تھا اور اپنے حلقے میں بہت مقبول تھا ۔

'پاسبان'

لاہور سے 'پاسبان' کے نام سے مولانا نصراللہ خاں عزیز نے ایک روزنامہ جاری کیا ، جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو کانگرسی اور نیشنلسٹ زاویۂ نگاہ سے متعارف کرایا جائے ۔ مولانا اس میں مزاحیہ کالم بھی خود لکھتے تھے ۔ بہر حال یہ اخبار زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکا ۔

متفرق اخبار

اس دور میں لاہور سے کئی روزنامے نکلے ۔ مثلاً ڈاکٹر محمد عالم نے 'تریاق' کے نام سے اینٹی کمیونل لیگ کا روزانہ آرگن جاری کیا ۔ یہ کانگرسی اخبار فن صحافت کے اعتبار سے نہایت معمولی تھا اور جلد ھی بند ھوگیا ۔ ایک اخبار 'انصاف' کے نام سے نکلا ۔ اس کا سائز 'امروز' کی طرح کا تھا اور اس کی ملکیت میں ایڈیٹر سے لے کر چپراسی تک حصہ دار تھے ، لیکن یہ بھی جلد بند ہو گیا ۔ ان کے علاوہ لاہور سے 'مساوات' اور 'جمہور' بھی جاری ہوئے ، لیکن زیادہ دن نہ چلے ۔

دھلی کے اخبار

'ھمدرد' کے اجراء سے تقریباً ایک سال بعد جمعیت العلمائے ھند نے 'الجمعیت' جاری کیا ۔ اس کے پہلے مدیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے ۔ ان کے بعد مولانا محمد عثمان فارقلیط اور پھر ھلال احمد زبیری ادارت کرتے رھے ۔ ابتدا میں اس کی پالیسی وھی تھی جو اس عہد کے عام قوم پرست اخبار کی تھی ۔ اس کے بعد یہ خالص کانگرسی مسلمانوں کا ترجمان بن گیا ۔

دھلی کے ایک کام یاب اخبار نویس مولانا مظہرالدین تھے ۔ کسی زمانے میں 'البلاغ' میں کام کرتے رھے ، پھر دھلی سے 'الامان' کے نام سے ایک

سہ روزہ جاری کیا جو کام یاب رہا ۔ چناں چہ اس کے ساتھ 'وحدت' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کر دیا ۔ ان دونوں اخباروں نے مسلم لیگ کے زاویۂ نگاہ کی ترجمانی میں بہت کام کیا ۔ ۱۹۳۸ء میں کسی نے مولانا مظہرالدین کو قتل کر دیا ۔ مولانا انگریزی سے تو ناواقف تھے ، لیکن عربی زبان پر خوب عبور رکھتے تھے ، اس لیے آپ کے اخباروں میں عربی اخبارات کے تراجم اکثر چھپتے تھے ۔

'ہمدرد' بند ہونے کے بعد اس کے مدیر محمد جعفری صاحب نے 'ملت' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ۔ یہ بھی علیحدگی کی سیاست کا ترجمان تھا ۔

خواجہ حسن نظامی نے کئی اخبار جاری کیے۔ ان میں سے ایک اخبار 'غریبوں کا اخبار' کے نام سے کچھ عرصہ جاری رہا اور اس کی محمد علی کے اخبار 'ہمدرد' سے پیکار رہی ۔ حسن نظامی کا ہفت روزہ 'منادی' عرصۂ دراز تک جاری رہا ۔ اس میں خواجہ صاحب کا روز نامچہ خاص طور پر شوق سے پڑھا جاتا تھا ۔

لکھنؤ کے اخبار

لکھنؤ کا اہم ترین اخبار 'ہمدم' تھا ، جس کی ادارت سید جالب دہلوی کرتے تھے۔ آپ ایک عالم فاضل بزرگ تھے ۔ معلومات کے بحر ذخّار تھے ۔ جس مسئلے پر لکھتے معلومات کا دریا بہا دیتے تھے ۔ مسائل پر متانت سے بحث کرتے تھے ۔ ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ۔ انداز بیان میں اتنی سلاست تھی کہ قاری پر اپنا زاویۂ نگاہ واضح کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتے ۔ 'ہمدم' ابتدائی دور میں ایک آزاد پالیسی کا حامل تھا۔ مسلمانوں کے خصوص مسائل میں بے حد دل چسپی لیتا تھا ، لیکن کسی جماعت سے وابستہ نہیں تھا ۔ بعد میں یہ اخبار بھی مسلمانوں کی علیحدہ سیاست کا علمبردار بن گیا ۔ اسی پالیسی کا حامی ایک اور اخبار 'حق' بھی لکھنو سے نکلتا تھا ۔

انیس احمد عباسی نے 'حقیقت' جاری کیا اور ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی طرف سے ' سر فراز ' کا آغاز ہوا - یہ اخبار کانگرسی سیاست کا ترجمان تھا -

حیدر آباد دکن کا 'پیام'

۱۹۳۶ء میں مشہور صحافی قاضی عبدالغفار نے حیدرہ آباد دکن سے روزنامہ 'پیام' جاری کیا - اس اخبار نے نیشنلسٹ اور کانگریسی زاویۂ نگاہ کو فروغ دیا - اس کا فنی پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے - 'پیام' سے پہلے دکن سے جو اخبار نکلے ، ان کا رنگ ڈھنگ قدیم انداز کا تھا - ' پیام ' نے جدید صحافت کا رنگ اختیار کیا - یہ اخبار اپنی متانت ، نفاست ، ادبیت اور اعلیٰ معیار صحافت کی وجہ سے ہندوستان بھر میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا -

کلکتے کے اخبار

کلکتے کا ایک اہم اخبار 'عصر جدید' تھا جسے مولانا شائق احمد عثمانی نے جاری کیا اور وہی اس کی ادارت کرتے رہے - آپ ادیب نہیں تھے ، صرف اخبار نویس تھے اور اخبار نویسی کا حق خوب ادا کرتے تھے - آپ تمام عمر اسلامی سیاست کے ترجمان رہے - ' عصر جدید' نے بنگالی مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے اور انھیں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے میں نمایاں حصہ لیا اور "ریک پاکستان کے سلسلے میں بھی بڑا کام کیا - اس اخبار کے صفحۂ اول پر اقتباسات دیے جاتے تھے - دوسرے صفحے پر اداریہ ، شذرات اور مزاحیہ کالم ہوتا تھا اور اس کے بعد خبریں دی جاتی تھیں - آہستہ آہستہ اہم خبریں صفحۂ اول پر دی جانے لگیں -

بنگالی مسلمانوں کے مشہور رہنما مولانا محمد اکرم خاں نے 'زمانہ' کے نام سے ایک روز نامہ جاری کیا - یہ بھی مسلمانوں کی علیحدہ سیاست کا عکاس اور ترجمان تھا ، لیکن یہ اخبار زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا -

مولانا محمد اکرم خاں نے دنیائے صحافت میں بڑا نام پیدا کیا ، لیکن بنگالی زبان کی صحافت میں ۔ ان کی اردو صحافت کا دائرہ محدود رہا ۔ آج کل آپ ڈھاکہ کے کثیرالاشاعت بنگالی اخبار ' آزاد ' کے مدیر اعلیٰ ہیں ۔ آپ پاکستان میں مسلم لیگ کے قدیم ترین رہنما ہیں ۔

عبدالرزاق ملیح آبادی اور 'ہند'

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اس عہد کے ایک نامور اخبار نویس تھے اور ان کا روزنامہ ' ہند ' (جس کا نام بعد میں 'ہند جدید ' ہوا اور پھر 'روزانہ ہند') اس دور کا ایک ممتاز اخبار تھا ۔

مولانا ملیح آبادی نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم ندوہ میں پائی ۔ پھر قاہرہ چلے گئے ۔ وہاں مدرسہ دعوت و ارشاد میں داخل ہو گئے ۔ یہ مدرسہ اس زمانے کے مشہور مصری صحافی اور مفکر سید رشید رضا مدیر 'المنار' نے قائم کیا تھا ۔ تین چار سال کے بعد قسطنطنیہ گئے جہاں سے ۱۹۱۸ء میں ہندوستان واپس آئے ۔ قسطنطنیہ سے ایک اخبار 'جہان اسلام' کے نام سے نکلتا تھا ۔ اس کے تین حصے تھے ، اردو ، عربی ، اور ترکی ۔ اردو حصے کی ادارت مولانا کرتے تھے ۔ اسی زمانے سے آپ مولانا آزاد کا ' الہلال ' پڑھتے تھے اور ان سے عقیدت کے جذبات پیدا کر چکے تھے ۔ چنانچہ تقریباً تمام عمر انھیں آزاد کی رفاقت حاصل رہی ۔

ہندوستان آ کر آپ نے ' البیان ' کے نام سے ایک رسالہ ایڈٹ کرنا شروع کیا جو عربی اور اردو میں نکلتا تھا ۔ پہلے اس کے ایڈیٹر مولانا عبداللہ العمادی تھے ، پھر سید سلیمان ندوی ہوئے ۔ اس کے بعد پرچہ بند ہو گیا ۔ ملیح آبادی نے اس کے مالکوں کو آمادہ کیا کہ رسالہ دوبارہ جاری کیا جائے اور خود بلا معاوضہ کام کرتے تھے ۔

۱۹۳۱ء میں مولانا آزاد نے ' پیغام ' جاری کیا تو اس کی ادارت بھی انھی کے سپرد کر دی ۔ خود زیادہ تر دورہ کرتے تھے اور

کبھی کبھار ایک آدھ مضمون لکھ دیتے تھے۔ ادارت کا باقی سارا کام ملیح آبادی کرتے تھے ۔ آپ لکھتے ہیں : ''پیغام کی ایڈیٹری کے یہ دن میرے لیے ایسی خوشی کے دن تھے کہ پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے ۔ اخبار اس قدر مقبول تھا کہ آج بھی جب اخبار بینی عام ہو چکی ہے لوگوں کو آسانی سے یقین نہیں آئے گا ۔ کسی کسی ہفتے تو دس دس ہزار پرچے چھپتے تھے اور دیکھتے دیکھتے بازار میں عنقا ہوجاتے تھے۔ ایک پرچے کی قیمت دو آنے تھی، لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہاکر ایک ایک دو دو روپے میں بیچتے تھے اور گاہک تھے کہ ٹوٹے پڑتے تھے ۔'' [ذکر آزاد ، ۱۰٦]

پرنس آف ویلز کی آمد سے پہلے ' پیغام ' نے اس کے استقبال کے مقاطعے کی تحریک بڑی شد و مد سے چلائی ۔ ایک دن پولیس نے چھاپا مارا۔ آئندہ شمارے کے سارے مضمون اور کاپیاں آٹھا کر لے گئی ۔ اس پر ملیح آبادی نے فیصلہ کیا کہ اس ہفتے آٹھ کی بجائے سولہ صفحات پر مشتمل اخبار نکلے گا ۔ آٹھ لیتھو میں چھپے اور آٹھ ٹائپ میں اور اس طرح حکومت کو شکست دی ۔ آخر آپ گرفتار ہو گئے ۔ اس سے پہلے مولانا آزاد بھی گرفتار ہو چکے تھے ، اس لیے ، پیغام ، بند ہوگیا ۔

رهائی پر آپ نے مولانا آزاد کی سرپرستی میں 'الجامعہ' کے نام سے ایک عربی رسالہ نکالا ۔ یہ ایک انقلابی پرچہ تھا جو اسلامی دنیا میں پہنچا تو بہت چرچا ہوا۔ مکے کا شریف حسین اس کا سخت مخالف تھا اور اس نے اپنے اخبار ' القبلہ ' میں ' الجامعہ ' پر بازاری حملے کیے اور ابوالکلام کو ' ابوالکلاب ' لکھا ۔ جب ابن سعود نے حسین کا تختہ آلٹ دیا تو اس پرچے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ بند کر دیا گیا ۔

۱۹۲۷ء میں مولانا آزاد کی ملکیت میں روزنامہ 'پیام' جاری ہوا ۔ اس کی ادارت بھی ملیح آبادی کے سپرد ہوئی ۔ ان کی معاونت کے لیے نئی روشنی (الہ آباد) کے سابق مدیر واحد یار خاں مقرر ہوئے ۔ یہ اخبار مقبول تو ہوا ، لیکن ایک مہینے کے اندر اندر بند ہو گیا ۔

۱۹۲۷ء ہی میں 'الہلال' کا دوسرا دور شروع ہوا اور چھ مہینے کے اندر اندر ختم ہو گیا ۔ اس میں مولانا آزاد کی معاونت کے لیے صرف اکیلے ملیح آبادی مقرر تھے ۔ یہ پرچہ کچھ ٹائپ میں اور کچھ لیتھو میں چھپتا تھا اور اس میں ملیح آبادی کے چند نہایت اعلیٰ پائے کے تاریخی مقالے چھپے ۔ اس دور میں 'الہلال' کی اشاعت چار ہزار سے اوپر ہو چکی تھی ، لیکن اخراجات زیادہ تھے ، اس لیے پرچہ بند کر دیا گیا ۔

اب مولانا عبدالرزاق بیکار تھے ۔ چناں چہ آپ مصر کے سب سے بڑے تین اخباروں ، 'المقطّم' ، 'الاہرام' اور 'البلاغ' کے نامہ نگار بن گئے اور اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی ۔ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ چھپی ۔ اس کے خلاف مسلمانوں نے زور دار احتجاج کیا ۔ لیکن مولانا آزاد اس کے حامی تھے ، انھوں نے ملیح آبادی کی خدمات حاصل کیں کہ وہ نہرو رپورٹ کی تائید و حمایت میں مختلف اخباروں میں مضامین لکھیں جس کا انھیں معاوضہ دیا جائے گا ۔ چناں چہ انھوں نے 'زمیندار' اور دوسرے اخباروں میں 'نہرو رپورٹ' کی بڑی شد و مد سے تائید کرنی شروع کر دی ۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلم رائے عامہ منظم ہو چکی تھی اور وہ ان مضامین سے متاثر نہ ہوئی ۔

ملیح آبادی کچھ عرصہ 'پشاوریوں کے اخبار' 'پیام' کو اعزازی طور پر ایڈٹ کرتے رہے ۔ پھر روزانہ 'ہند' جاری کیا ۔ کلکتے کا یہ اخبار اردو صحافت میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک تھا (اب اس کے ایڈیٹر ملیح آبادی مرحوم کے فرزند احمد سعید ہیں) ۔ اس کا ہفت روزہ ایڈیشن بھی اعلیٰ پائے کا اخبار تھا ۔ 'ہند' کے مدیر ملیح آبادی بنیادی طور پر کمیونزم کے حامی تھے ۔ وہ مولانا آزاد سے اس لیے تعاون کرتے رہے کہ سامراج دشمنی میں انھیں آزاد سے اتفاق تھا ۔ وہ کانگرس کی حمایت بھی اسی نقطۂ نگاہ سے کرتے تھے ۔ مسلم لیگ کی مخالفت کی وجہ بھی یہی تھی ۔ جب کانگرس کوئی ایسی حرکت کرتی تھی جس کی زد کمیونسٹ عناصر پر پڑتی تھی تو مولانا کانگرس کی بھی مخالفت کرتے تھے ۔ بین الاقوامی سیاست میں وہ روس کی حمایت کرتے تھے اور سامراج

گی مخالفت - لیکن آن کا 'کمیونزم' مروجہ اور مسلمہ کمیونزم سے قدرے مختلف تھا کیوں کہ وہ اسلام پر بھی پورا ایمان رکھتے تھے -

ملیح آبادی اچھے اداریہ نگار تھے - تحریر میں ایک شگفتگی اور بے ساختگی تھی ، کوئی تکلف نہیں تھا ، اس لیے آپ کی تحریریں دلچسپ بھی تھیں اور پرتاثیر بھی - آپ اپنی رائے کے پکے تھے اور جب لکھتے تھے دل سے لکھتے تھے - مصالح اور تکلفات کی دیواریں آپ کے راستے میں کبھی حائل نہ ہوئیں - یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات حکومت نے 'ہند' کے خلاف کارروائی کی ، لیکن آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی -

آپ نے 'اُجالا' کے نام سے بھی ایک سیاسی ہفت روزہ نکالا ، جو کام یاب رہا - موصوف انگریزی نہیں جانتے تھے ، لیکن عربی پر کامل عبور حاصل تھا اور دنیائے عرب کے اخبارات اور ادب سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے تھے - عربی اخبارات سے اکثر مضامین ترجمہ کر کے اپنے اخباروں میں چھاپتے تھے -

آپ ادیب ، مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے - تصانیف کے نام یہ ھیں : رحلت مصطفیٰ ، محمد صلعم ، فتوح الشام ، صراط مستقیم ، وحی محمدی ، شہید کربلا ، شہادت حسین ، حسین و یزید ، رحلت خلفائے راشدین ، بیان القرآن ، العلم و العلماء ، نہج البلاغہ ، سراپائے حبیب ، گم راہ صوفی ، کرامات ، ذکر آزاد ، آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ، منتخب افسانے ، آپ بیتی ، کمال اتاترک ، راسپوٹین ، سلطانی محلوں کے راز ، ترکی افسانے ، انسانیت موت کے دروازے پر ، سیف بن ذی یزن ، محبت ، بلتا زار ، ابن سراج ، سلاطین کی داستان محبت ، ابن سراج وغیرہ -

بمبئی میں 'خلافت' اور اُس کے ہم عصر

بمبئی اُردو صحافت کا ایک نہایت اہم مرکز تھا - یہاں کا سب سے اہم اخبار 'خلافت' تھا جو مولانا شوکت علی نے آل انڈیا خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام جاری کیا - اُس کے پہلے مدیر عبدالغنی چودھری تھے -

اس کے بعد علی بہادر خاں آئے۔ آخری دور میں رئیس احمد جعفری ادارت پر فائز رہے۔ اس اخبار نے ترک موالات کی تحریک کو آگے بڑھانے اور آزادیٔ وطن کو نزدیک لانے کے لیے بیش بہا خدمات سر انجام دیں۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو 'خلافت' نے بڑے زور شور سے اس کی حمایت کی۔

کچھ عرصہ بعد علی بہادر خاں نے 'ہلال' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ میں یہ بھی 'خلافت' کا ہم پلہ تھا۔ اس نے بھی مسلم لیگ کی حمایت اختیار کی۔ ایک اور روزنامہ 'اجمل' کے نام سے جاری تھا جو کانگریسی زاویۂ نگاہ کی ترجمانی کرتا تھا۔

بمبئی کے اردو اخباروں کی ایک خصوصیت انہیں برعظیم کے باقی اخباروں سے ممیز کرتی تھی۔ ان کا سائز آج کے 'امروز' کے برابر تھا۔ $\frac{۲۲ \times ۲۹}{۲}$ پر کوئی اخبار نہیں نکلتا تھا۔

ہفت روزہ اخبار

اس دور میں اچھے اچھے ہفت روزہ جرائد نکلے جن میں سر فہرست دہلی کا 'ریاست' تھا۔ اس کے مدیر اور مالک دیوان سنگھ مفتون تھے۔ جن کی تصنیف 'ناقابل فراموش' اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس اخبار کا مقصد یہ تھا کہ دیسی ریاستوں میں جو بد عنوانیاں ہوتی ہیں اور عوام پر جو ظلم ہوتے ہیں، ان کا پردہ چاک کیا جائے۔ بڑے بڑے ریاستی حکم رانوں نے اس پر مقدمے چلائے، اخبار کو بند کرانے کی سعی کی، لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی اور 'ریاست' جاری رہا۔ فنی لحاظ سے 'ریاست' اس دور کا بہترین ہفت روزہ تھا، بالخصوص ابتدائی چند سالوں میں۔ یہ $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۴}$ سائز پر نکلتا تھا۔ اعلیٰ درجے کا سفید کاغذ لگایا جاتا تھا۔ کتابت اور طباعت بہترین تھی۔ سر ورق آرٹ پیپر کا ہوتا تھا۔ اندر آرٹ پیپر کے آٹھ صفحات میں حالات حاضرہ سے تعلق

رکھنے والی تصاویر درج ہوتی تھیں ۔ مضامین میں تنوع خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ سارا پرچہ پڑھنے کے قابل ہوتا تھا ۔ اُس زمانے میں اسے 'السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا' کے مقابلے کا اُردو اخبار سمجھا جاتا تھا ۔ آہستہ آہستہ مالی حالت بگڑنے لگی تو اخبار کے رنگ روپ میں بھی فرق آنے لگا اور آخرکار تقسیم سے کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا ۔

لاہور میں چند سال دو ہفت روزوں کا طوطی بولتا رہا ۔ اول 'پیسہ اخبار' دوم 'انتخاب لاجواب' ۔ اول‌الذکر سیاسی اور سنجیدہ اخبار تھا اور 'انتخاب لاجواب' لندن کے اُس زمانے کے 'ٹٹ بٹس' کے نمونے پر نکلتا تھا ۔ سرورق کے بعد پہلے صفحے پر 'خوش باش دمے کہ زندگانی اینست' کے عنوان سے لطائف درج ہوتے تھے ۔ اس کے بعد دل چسپ حقائق و معلومات کے صفحات آتے تھے ۔ یورپی جرائد سے مختلف قسم کی دل چسپ خبریں اور مضامین ترجمہ کیے جاتے تھے ۔ اس اخبار کو چھوٹے بڑے سب ہی دل چسپی سے پڑھتے تھے ۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ اخبار منشی محبوب عالم صاحب کی نگرانی میں چھپتے تھے اور وہی مالک تھے ۔

۱۹۳۵ء میں مولانا چراغ حسن حسرت نے 'شیرازہ' جاری کیا ۔ یہ ایک مزاحیہ اخبار تھا ، لیکن 'اودھ پنچ' اور اس کے ہم عصروں سے بالکل مختلف تھا ۔ اس میں علم و ادب کی چاشنی کے ساتھ ساتھ ہلکے پھلکے مزاحیہ مضامین چھپتے تھے ۔ لکھنے والوں میں عبدالمجید سالک ، بشیر احمد ہاشمی ، محمد فاضل ، ضمیر جعفری ، عطاءاللہ سجاد ، حاجی لق لق ، باری ، رشید اختر ندوی ، بزمی انصاری وغیرہ شامل تھے ۔ چار پانچ سال کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا ۔

ایک اور قابل ذکر ہفت روزہ 'خیام' تھا جس کے ایڈیٹر شبلی بی کام تھے ۔ یہ سیاسی ، علمی اور ادبی ہفت روزہ تھا ۔ 'حاصل مطالعہ' کے عنوان سے شبلی کا کالم بیش قیمت معلومات پر مشتمل ہوتا تھا ۔

آخر میں ایک چھوٹے سے ، لیکن نہایت اہم ہفت روزہ کا ذکر

ضروری ہے۔ اس کا نام پہلے 'سچ' تھا، پھر 'صدق' ہوا اور کچھ عرصہ بعد دوبارہ جاری ہوا تو 'صدق جدید' کے نام سے مشہور ہوا، اور آج تک جاری ہے۔ اس کے مدیر برعظیم کے نامور عالم مولانا عبدالماجد دریابادی ہیں۔ اس اخبار میں دینی اور معاشرتی مسائل پر اعلیٰ پائے کے مضمون چھپتے ہیں اور اس کا سب سے بڑا سرمایہ 'سچی باتیں' کے عنوان سے ایک، مستقل کالم ہے جو اردو کالم نگاری میں ایک منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ اس کی ہر دل عزیزی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آج بھی پاکستان کے کئی اچھے اخبار اسے مستقل طور پر نقل کرتے ہیں۔ اس کالم میں مولانا عبدالماجد ایسی خبریں درج کرتے ہیں جن کو پیش کرنے سے اسلامی اقدار کی برتری ظاہر ہو یا قارئین کو عبرت دلائی جا سکے۔ ان خبروں پر مولانا کا تبصرہ مختصر، لیکن بے حد مؤثر ہوتا ہے۔ اُن کی نثر میں غضب کی روانی اور تاثیر اور سلاست پائی جاتی ہے۔

چونتیسواں باب

صحافت ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۷ء تک - ۲

نمایاں نقوش

میدان صحافت کے پرانے کھلاڑی آہستہ آہستہ پس منظر میں چلے گئے ۔ ابوالکلام آزاد نے 'الہلال' جاری کیا ، لیکن چھ مہینے کے بعد بند کر دیا اور وہ صرف سیاست کے ہو رہے ۔ مولانا ظفر علی خاں جلسوں میں گرجتے رہے ، 'زمیندار' میں اپنی صحافتی شاعری کے جوہر دکھاتے رہے ، لیکن اداریے بہت کم لکھے ۔ محمد علی سیاست و صحافت میں بہ یک وقت مصروف رہے ، لیکن پانچ سال کے اندر اندر 'ہمدرد' کی بساط الٹ گئی اور کچھ دیر بعد وہ خود بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔

نئے کھلاڑی داخل ہوئے ۔ ان میں بیشتر علم و ادب، شعر و سخن اور صحافت ، تینوں کے رسیا تھے ، لیکن بہت کم ایسے تھے ، جنھیں عملی سیاست سے بھی دل چسپی ہو ۔ قاضی عبدالغفار ، عبدالرزاق ملیح آبادی ، غلام رسول مہر ، عبدالمجید سالک ، مرتضیٰ احمد خاں میکش ، چراغ حسن حسرت ، نصراللہ خاں عزیز ، حاجی لق لق ، مہاشے کرشن ، خوش حال چند خورسند ، گوری شنکر ساگر ، نانک چند ناز ، میلا رام وفا نے اپنے لیے صرف صحافت پسند کی ۔ مولانا اختر علی خاں ، سید حبیب اور اظہر امرتسری نے کبھی کبھی سیاست میں بھی دخل دیا اور بھائی پرمانند ، گوسوامی گنیش دت اور دیش بندھو گپتا صحافت کے مقابلے پر سیاست میں زیادہ نمایاں تھے ۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحافت کا معیار بہتر ہو گیا ۔ اداریوں میں واقعات کی تحلیل بہتر طریقے سے ہونے لگی ۔ جذباتیت اگرچہ طوفانی سیاست کی وجہ سے قائم رہی ، لیکن اس میں قدرے کمی ہوئی اور منطق اور دلیل کا استعمال بڑھنے لگا ۔ بالخصوص اس دور میں ، جب مسلمانوں نے تصفیۂ حقوق کی جنگ شروع کی ۔ فریقین نے صرف لفظی ھی نہیں ، اعداد و شمار کی جنگ بھی لڑی اور اس طرح فن اداریہ نگاری میں ایک نکھار پیدا ہوا ۔ اس کے دوش بدوش کالم نویسی نے ترقی کی ۔ مزاحیہ کالم ادارتی صفحے کا جزو لاینفک بن گیا ۔ مسلمان اخباروں میں زیادہ تر مزاحیہ کالم میں ادب کی چاشنی نمایاں تھی اور ہندو اخباروں کے کالم اس سے محروم تھے ، لیکن دل چسپی اور شگفتگی ان میں بھی موجود تھی ۔ سیاسی شاعری اور صحافتی شاعری میں اگرچہ ممتاز حیثیت مولانا ظفرعلی خاں ھی کو حاصل رھی ، لیکن دوسروں نے بھی خاصی طبع آزمائی کی اور یہ بھی ہماری صحافت کا ایک ضروری جزو بن گئی ۔

اس دور میں گروھی صحافت کو خوب عروج حاصل ہوا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیاسی مسائل پر ہندؤوں اور مسلمانوں میں کش مکش زبردست رھی اور دونوں طرف کا پریس بہت مضبوط تھا ۔ ہندو اخبارات زیادہ تر کانگرس اور ہندو سبھا ، دونوں کے مؤید تھے ۔ مسلمان اخباروں میں دو گروہ تھے : اول ، وہ جس نے نیشنلسٹ زاویۂ نگاہ کو آگے بڑھانے کی سعی کی ۔ دوم ، وہ جس نے مسلمانوں کی علیحدہ سیاست کو فروغ دیا ۔ ان دونوں کی قوت قریب قریب برابر تھی ۔ شدھی اور سنگٹھن کے زمانے میں تلخی اور اشتعال انگیزی زیادہ ہو گئی ، لیکن اس کے بعد اس کی شدت میں کچھ کمی ہو گئی ۔

گزشتہ دور میں جب کوئی اردو اخبار خبر رساں اداروں کی سروس لیتا تھا ، تو اسے بڑی بات سمجھا جاتا تھا ، لیکن اس دور میں حالات اتنے بدل گئے کہ نیوز سروس لینا ھر اچھے اخبار کے لیے ضروری ہوگیا ۔ بلکہ ایسے اخبار بھی موجود تھے ، جو سارے خبر رساں اداروں کی سروس لیتے تھے ۔ اردو اخباروں میں مسابقت نے انھیں خبروں کی فراھمی کے

سلسلے میں زیادہ سے زیادہ اہتمام پر مجبور کر دیا ۔ بہت سے اخباروں نے ٹیلی پرنٹر بھی نصب کرا لیے ۔ خصوصی نامہ نگار مقرر کیے اور 'سکوپ' (ایسی نمایاں اور اہم خبر کی اشاعت ، جو نہ کسی خبر رساں ادارے نے حاصل کی ہو ، نہ کسی دوسرے اخبار نے) جیتنے کا ذوق پیدا ہوا ۔ بہت سے اخباروں نے غیر ملکی اخباروں سے خاص خاص خبریں اخذ کر کے چھاپنی شروع کیں ۔ خبروں کی فراہمی میں دوڑ نے سنسنی خیزی کو جنم دیا اور اس ضمن میں ہندو اخباروں ، بالخصوص 'پرتاپ' اور 'ملاپ' نے نام پیدا کیا ۔

اخبارات کی تقطیع کا موضوع بھی دل چسپی سے خالی نہیں ۔ مسلمان اخباروں کی تقطیع $\frac{۲۹\times۲۲}{۲}$ یا $\frac{۳۰\times۲۰}{۲}$ ہوتی تھی ، اور صفحات کی تعداد چھ سے آٹھ تک ہوتی تھی ۔ اس کے مقابلے پر ہندو اخبارات کی تقطیع اس کی نصف ہوتی تھی اور صفحات کی تعداد سولہ یا اس سے بھی زیادہ ۔ ہندو اخبارات امریکہ کے Tabloid Press کی طرح ہوتے تھے ۔ چھوٹی تقطیع ، خبروں میں سنسنی خیزی اور عوام کے ذوق کی آسودگی کے لیے سستی قسم کا ہلکا پھلکا دل چسپ مواد ، اس قسم کی صحافت کے اجزاء ہوتے ہیں ۔ ہندو اخباروں کی زبان سادہ بلکہ بسا اوقات غلط بھی ہوتی تھی ، لیکن تجارتی لحاظ سے یہ ایک خوبی تھی ، کیوں کہ یہ عوام کی سمجھ میں آجاتی تھی ۔ عام شماروں میں تصویر چھاپنے کا رواج نہیں تھا ، لیکن لیتھو سے چھاپے ہوئے بھدے سے شخصیتی سکیچ ان اخباروں میں اکثر آتے تھے اور عوام اسی کو پسند کر لیتے تھے ۔ ہندو اخباروں کی پشت پر سرمایہ بھی زیادہ تھا ۔ اشتہاری ایجنسیوں پر ہندو چھائے ہوئے تھے ، اس لیے ہندو اخباروں کو زیادہ اشتہار ملتے تھے ۔ ان تمام عناصر نے مل کر ہندو اخباروں کی اشاعت بڑھانے میں مدد دی اور اُن کی معاشی حیثیت کو مضبوط کر دیا ۔

مسلمان اخباروں کی معاشی حالت اچھی نہیں رہی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی پشت پر سرمایہ نہ ہونے کے برابر تھا ۔ اُن کی زبان مشکل تھی ۔ علمی اور ادبی اعتبار سے پایہ بلند تھا ۔ بہت کم مسلمان اخبار

خبروں کی پیش کش میں سنسنی خیزی سے کام لیتے تھے - مالی کم زوری کی وجہ سے خبروں کے سارے ذرائع کو بروئے کار لانے سے عاجز تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی اشاعت کم رہی - بعض تحریکوں میں اشاعتیں بڑھیں ، لیکن اشتہاری ایجنسیوں کے متعصب ہندو کارکنوں نے اُنھیں زیادہ اشتہار ملنے نہ دیے - اس طرح اُن کی مالی حالت کم زور ہی رہی -

اس دور میں کچھ اچھے ہفت روزہ جرائد نکلے ، جن میں 'ریاست' ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مواد ، دونوں کے لحاظ سے بہترین اخبار تھا - روزانہ اخبار سنڈے ایڈیشن چھاپتے تھے - ان میں ادبی ، علمی ، تاریخی اور سیاسی مضامین چھاپے جاتے تھے - نظمیں اور غزلیں بھی دی جاتی تھیں اور ان کے سرورق آرٹ پیپر کے ہوتے تھے ، جن کے اندرونی صفحات پر خبروں سے تعلق رکھنے والی تصاویر دی جاتی تھیں - سہ روزہ صحافت کا ذوق بھی اسی دور کی پیداوار ہے - 'الامان' ، 'مدینہ' ، 'الجمعیت' اور 'زمزم' سب اچھے اخبار تھے -

صفحۂ اول پر خبریں دینے کا رواج بھی اسی زمانے میں ہوا ، ورنہ عام طور پر مضامین درج کیے جاتے تھے - سرخیوں کا سائز بھی بڑھا - دو کالمی ، سہ کالمی ، بلکہ پورے پورے صفحے کی سرخیاں بھی دی جانے لگیں - میک اپ کا انداز پہلے دور کے مقابلے پر کہیں بہتر ہوگیا ، جس سے خبریں پڑھنے میں سہولت ہوگئی ، کیوں کہ قارئین ایک ہی نظر میں سرخیوں سے موٹی موٹی خبروں کا جائزہ لے سکتے تھے -

اُردو ٹائپ کی ترویج کے سلسلے میں یہ دور پہلے دور کے مقابلے پر کم اہمیت کا حامل تھا - مولانا ابوالکلام آزاد نے دوبارہ 'الہلال' نکالا تو اس کے چند صفحے ٹائپ میں اور باقی لیتھو میں چھپتے تھے - اُنھوں نے ٹائپ کے بارے میں ایک استصواب آراء بھی کیا اور سوال نامے میں پوچھا کہ آپ لیتھو کی طباعت پسند کرتے ہیں یا ٹائپ کی - اگر ٹائپ کی طباعت پسند کرتے ہیں ، تو بتائیے کہ نسخ ٹائپ پسند کرتے ہیں یا نستعلیق یا ان دونوں کے درمیان 'اُردو ٹائپ' کے حق میں ہیں - جوابات

کا گوشوارہ یہ ہے :

لیتھو طباعت کے حق میں	۳۲۰
لیتھو اور نسخ ٹائپ ، دونوں کے حق میں	۸۰۲
اُردو ٹائپ کے حق میں	۵۳۵
نسخ یا عربی ٹائپ کے حق میں	۲۵۵
نستعلیق ٹائپ کے حق میں	۱۹۰
میزان	۲۱۰۲

۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو 'الہلال' بند ہوگیا اور قارئین کی رائے ٹائپ کے حق میں ہونے کے باوجود کسی نے اس طرف توجہ نہ کی ۔ چند سال بعد لاہور سے ایک ہفت روزہ 'دور جدید' نکلا ۔ اس کے چند صفحے نستعلیق ٹائپ میں چھپتے تھے ، لیکن یہ بہت موٹا ٹائپ تھا ، اس لیے مواد بہت کم آتا تھا ۔ سال دو سال میں یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور سارے برعظیم میں سوائے دو سہ ماہی مجلوں کے ٹائپ اور کہیں استعمال نہیں ہوتا تھا ۔ ایک رسالہ 'اُردو' تھا ، دوسرا 'ہندوستانی' ۔ اول الذکر انجمن ترقی اُردو کے زیر اہتمام چھپتا تھا ، دوسرا ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے نکالتی تھی ۔

مختصر طور پر اس دور کی خصوصیات یہ تھیں :

۱ - ایسی شخصیتیں میدان صحافت میں داخل ہوئیں ، جو عملی سیاست سے الگ تھلگ رہنا مناسب سمجھتی تھیں ۔
۲ - اداریہ نویسی کے فن نے ترقی کی ۔
۳ - مزاحیہ کالم نویسی عروج کو پہنچی ۔
۴ - خبروں کی فراہمی ، ترتیب اور تزئین کا زیادہ اہتمام ہوا ۔
۵ - 'پاپولر' صحافت کو فروغ حاصل ہوا ۔
۶ - مالی اعتبار سے مسلمان اخبار کم زور اور ہندو اخبار مضبوط رہے ۔
۷ - ہفت روزہ اور سہ روزہ صحافت کا ذوق کچھ بڑھا ۔
۸ - ٹائپ کے استعمال کے سلسلے میں کوئی سنجیدہ کوشش نہ ہوئی ۔

پینتیسواں باب

صحافت ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک - ۱

سیاسی پس منظر

یہ دور قومی اور بین الاقوامی، دونوں لحاظ سے برعظیم کی حالیہ تاریخ کا سب سے زیادہ بحرانی دور تھا - ادھر عالمی جنگ چھڑی ہوئی تھی - ادھر برعظیم میں تین بڑی قوتیں ایک دوسری سے برسرپیکار تھیں - تینوں کو یہ امر تسلیم تھا کہ جنگ کے بعد سیاسی آزادی کا دور آئے گا، لیکن اس آزادی کے بارے میں تینوں کا تصور مختلف تھا - جنگ کے خاتمے پر سارے ایشیا میں اجنبی راج کے خلاف جو لہر اٹھی، ہندوستان بھی اس سے متاثر تھا - انگریز نے محسوس کر لیا کہ اب اسے بوریا بستر گول کرنا ہوگا - کانگرس ایسی آزادی چاہتی تھی - جس کے بعد اقتدار ہندو سرمایہ داری کے ہاتھ منتقل ہو جائے - مسلم لیگ پاکستان کا قیام چاہتی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ اسی دور میں پاکستان کی تحریک اٹھی اور اس نے مسلمانوں کے عوامی مزاج کو ایسا متاثر کیا کہ ہر مسلمان اسی کا نام لینے لگا، اور آخر کار پاکستان قائم ہو گیا -

جب نئی اصلاحات کے نفاذ پر سات صوبوں میں کانگرس نے زمام اقتدار سنبھالی تو عام خیال یہ تھا کہ کانگرس لیگ کولیشن وزارتیں بنیں گی، کیوں کہ ان صوبوں کی مسلم نشستوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ کے ہاتھ آ گئی تھی - لیکن کانگرس نے مسلمانوں کے اصلی نمائندوں کی جگہ غیر نمائندہ کانگرسی مسلمانوں کو وزارت میں شامل

گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے بے انصافیاں ہونے لگیں اور مسلم لیگ نے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا ، اور مسلمان عوام کو بھی یقین آگیا کہ اب ہندوؤں سے یا کانگرس سے انصاف کی کوئی توقع نہیں ۔ اس کا منطقی نتیجہ 'قرار داد لاہور' تھی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب مسلمان برعظیم کی تقسیم چاہتے ہیں ۔

جنگی مساعی میں تعاون کا مسئلہ اٹھا تو کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے حکومت سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ، لیکن جہاں کانگرس کا عدم تعاون مکمل تھا ، وہاں مسلم لیگ کا عدم تعاون عملی نہیں، نظری تھا ۔ مسلم لیگی وزارتیں قائم رہیں اور جنگی مساعی میں ہمہ تن مصروف رہیں ۔ مسلم لیگ کے ارکان انفرادی طور پر جنگی مساعی میں حصہ لیتے رہے ، لیکن اجتماعی طور پر مسلم لیگ اس سے الگ رہی ۔ مسلم لیگ کے اس تعمیری انداز فکر کی وجہ یہ تھی کہ اس کے یہ دو مطالبات عملاً قبول کر لیے گئے تھے کہ مسلمان فوجیوں کو اسلامی ممالک کی آزادی کو سلب کرنے میں استعمال نہ کیا جائے اور قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کا وہ حصہ نافذ نہ کیا جائے جس کے ماتحت ایک فیڈرل نظام قائم ہونا تھا ۔ کانگرس نے ۱۹۴۰ء میں جنگی مساعی کے خلاف انفرادی ستیہ گرہ کی مہم جاری کی ، اور دو سال بعد ' ہندوستان ' چھوڑ جاؤ ' کی زبردست تحریک چلائی جس میں لوگوں نے عدم تشدد چھوڑ کر قتل وغارت اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کر دیا اور سارے کانگرسی لیڈر گرفتار ہو گئے ۔

۱۹۴۲ء میں برطانیہ نے سر سٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا ۔ موصوف نے یہ تجویز پیش کی کہ مرکزی حکومت میں کانگرس اور لیگ کے نمائندے شامل کیے جائیں ، لیکن دفاع کی ذمہ داری وائسرائے پر رہے ۔ جنگ کے بعد ایک آئین ساز اسمبلی بنائی جائے ، اور اگر کچھ صوبے چاہیں تو انڈین یونین سے الگ ہو کر اپنی فیڈریشن بنا لیں ۔ کانگرس نے اسے مسترد کر دیا ، کیوں کہ اول ، ذمہ داری کا انتقال فوری طور پر نہیں

ہوگا۔ دوم، اس سے ملک کی وحدت کے تصور پر ضرب کاری لگے گی۔ مسلم لیگ نے بھی اسے مسترد کیا، لیکن اس بناء پر کہ پاکستان کا مطالبہ واضح طور پر نہیں مانا گیا۔ جب کرپس کا مشن ناکام ہوا تو کانگرس نے 'ہندوستان چھوڑ جاؤ' کی متشدد تحریک جاری کی اور مسلم لیگ نے اسے اس بات سے تعبیر کیا کہ کانگرس برطانیہ کو اپنے مطالبات لیگ سے بالا بالا ماننے پر مجبور کرنے کے لیے قوت کا استعمال کر رہی ہے۔

کانگرس کے ایک قابل رہ نما مسٹر سی۔ راج گوپال اچاریہ (جو مدراس کے وزیر اعظم بھی رہے تھے) نے یہ تجویز پیش کی کہ تقسیم کا اصول مان لیا جائے اور صوبوں میں کانگرس لیگ کولیشن وزارتیں بنائی جائیں، لیکن کانگرس نے یہ تجویز نہ مانی۔ مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان مذاکرات ہوئے، لیکن فریقین کے نصب العین ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے کہ سمجھوتہ ناممکن تھا، اس لیے یہ مذاکرات ناکام رہے۔

جنگ کے بعد صوبائی اسمبلیوں کے نئے انتخابات ہوئے۔ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی کل چارسو پچانوے نشستیں تھیں، ان میں سے چارسو چھیالیس لیگ نے جیت لیں۔ لیگ کو صرف صوبہ سرحد میں شکست ہوئی، کیوں کہ وہاں ابھی تک سرخپوشوں کا بڑا زور تھا۔ مرکزی اسمبلی کی ساری مسلم نشستیں لیگ کے قبضے میں آ گئیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے، اور مسلمانوں کا نصب العین پاکستان ہے اور وہ اس سے کم چیز پر راضی نہیں ہوں گے۔

مارچ، ۱۹۴۶ء میں حکومت برطانیہ نے ایک وزارتی مشن ہندوستان بھیجا۔ اس کے جو تین ممبر تھے: اول لارڈ پیتھک لارنس، دوم سرسٹیفورڈ کرپس۔ سوم مسٹر اے۔ وی۔ الیگزانڈر۔ اس کے فرائض یہ تھے کہ دستور سازی کا طریقہ وضع کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے کا حصول ہو۔ ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے اور ایسی ایگزکٹو

کونسل بنائی جائے جسے ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کا اعتماد حاصل ہو۔ سیاسی رہ نماؤں سے مشورے کے بعد وزارتی مشن نے اپنی تجاویز پیش کیں جو مختصراً یہ تھیں :-

۱۔ 'انڈین یونین' کی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب اس طرح ہو کہ صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان اور غیر مسلم ممبر ہر دس لاکھ کی آبادی کے لیے ایک ایک ممبر الگ الگ منتخب کریں۔

۲۔ یونین صرف امور خارجہ، دفاع اور مواصلات کی ذمہ دار ہو۔

۳۔ ابتدائی اجلاس کے بعد دستور ساز اسمبلی تین فریقوں میں بٹ جائے۔

الف ۔ مدراس، بمبئی، یو پی، بہار، اوڑیسہ، سی پی۔

ب ۔ پنجاب، سرحد اور سندھ۔

ج ۔ بنگال و آسام۔

ہر فریق کی اسمبلی یہ فیصلہ کرے کہ وہ صوبائی حکومتوں کے کون سے اختیارات فریق کی حکومت کو سونپ سکے گی۔

۴۔ انڈین یونین اور فریقوں کے دستور میں تبدیلی کے لیے دس سال بعد کوئی صوبہ تجویز پیش کر سکے گا۔

۵۔ دیسی ریاستوں پر برطانوی سیادت ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد انڈین یونین اور ریاستیں باھمی تعلق پیدا کر سکیں گی۔

۶۔ اس دوران میں نظم و نسق چلانے کے لیے وائسرائے ایک عارضی حکومت بنائے گا، جس میں بڑی پارٹیوں کے نمائندے لیے جائیں گے۔

جب مسلم لیگ کو وائسرائے نے یقین دلا دیا کہ خواہ کوئی پارٹی ان تجاویز کو قبول کرے یا نہ کرے، حکومت انھیں عملی جامہ پہنا دے گی، تو لیگ نے ان تجاویز پر صاد کر دیا، کیوں کہ اُس کے نزدیک آخر کار

وہ وقت آ جائے گا، جب مکمل پاکستان مل سکے گا ۔ کانگرس نے تجاویز تو منظور کر لیں، لیکن عارضی حکومت میں شرکت سے انکار کر دیا ۔ اس پر وائسرائے نے لیگ سے کیا ہوا وعدہ توڑ کر افسروں پر مشتمل عارضی حکومت بنا لی ۔ مسلم لیگ نے مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر تجاویز مسترد کر دیں :

۱- وائسرائے نے عارضی حکومت کے بارے میں اپنا وعدہ توڑ دیا ۔

۲- وائسرائے نے کہا تھا کہ عارضی حکومت میں پانچ کانگرسی، پانچ مسلم لیگی اور دو دوسرے وزیر ہوں گے اور بعد میں اسے بدل کر 'چھ کانگرسی، پانچ مسلم لیگی اور تین دوسرے' کر دیا ۔

۳- کانگرس کی بد نیتی پنڈت نہرو کے اس بیان سے واضح ہو گئی کہ غالباً گروپنگ (اسمبلی کی تین فریقوں میں تقسیم) نہیں ہو گی ۔

استرداد کے ساتھ ہی لیگ نے حصول پاکستان کے لیے 'راست اقدام' کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی تمام خطاب یافتہ حضرات سے اپیل کی کہ وہ اپنے خطابات واپس کر دیں ۔ یہ دیکھ کر کانگرس عارضی حکومت کی تشکیل پر راضی ہو گئی اور ایک خالص کانگرسی عارضی حکومت بن گئی ۔ اس پر سارے ہندوستان میں فساد ہونے لگے ۔ کلکتے میں چار ہزار افراد مارے گئے ۔ بہار میں پانچ ہزار جانیں ضائع ہو گئیں اور مشرق بنگال میں پچاس ہزار افراد بے خانماں ہو گئے ۔ اس پر اکتوبر ، ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے مرکزی حکومت میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی ۔ نواب زادہ لیاقت علی کے علاوہ تین اور مسلمان اور ایک اچھوت وزیر نامزد کئے گئے ، لیکن لیگ نے دستور ساز اسمبلی کا مقاطعہ جاری رکھا اور دستور ساز اسمبلی گروپنگ کا خیال کیے بغیر متحدہ ہندوستان کا دستور بنانے لگی ۔ بہرحال کانگرس اور حکومت برطانیہ دونوں جانتی تھیں کہ یہ دستور مسلم اکثریت کے صوبوں پر ٹھونسنا ممکن نہیں ہوگا ۔

۲۰ فروری ، ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم برطانیہ **مسٹر ایٹلی نے ایک**

اہم اعلان جاری کیا کہ برطانیہ جون ۱۹۴۸ء تک برطانوی ہند کو کامل حکومت خود اختیاری منتقل کر دے گا۔ اگر کوئی نمائندہ مرکزی حکومت ہوگی، تو اختیارات اسے منتقل کیے جائیں گے ورنہ صوبہ جات کو یا اس سلسلے میں کوئی اور مناسب طریقہ وضع کر لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے بنا دیا۔

مونٹ بیٹن ایک عجیب صورت حال سے دو چار تھا۔ مرکزی حکومت کے وزیر دو برابر دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے اور تعطل کا سماں طاری تھا۔ پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے شہری آزادیوں کے تحفظ کے لیے سول نا فرمانی جاری کر رکھی تھی جس سے پنجاب میں یونینسٹ کانگرس وزارت اور سرحد کی کانگرسی وزارت کا ناطقہ بند تھا۔ برطانوی فوج ہندوستان خالی کر چکی تھی۔ ہندوستانی فوج انتشار کی کیفیت میں تھی۔ سول سروس سیاسی کش مکش سے متاثر تھی اور سارے ملک میں فساد ہو رہے تھے۔

۳ جون، ۱۹۴۷ء کو مونٹ بیٹن نے اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس کے نمایاں نقوش یہ تھے:

۱۔ حکومت تقسیم کے اصول سے اتفاق کرتی ہے، اور وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اختیارات دونوں وارث حکومتوں کے سپرد کر دے گی۔ دونوں کو درجۂ نو آبادیات حاصل ہوگا اور دونوں کو اختیار ہوگا کہ برطانوی کامن ویلتھ سے علیحدہ ہو جائیں۔

۲۔ پنجاب و بنگال کی اسمبلیوں میں مسلم و غیر مسلم اکثریت کے اضلاع کے نمائندوں سے الگ الگ پوچھا جائے گا کہ وہ انڈین یونین میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔

۳۔ سندھ اسمبلی مجموعی حیثیت سے اکثریت رائے کے ساتھ اس کا فیصلہ کرے گی۔

۴۔ صوبۂ سرحد اور آسام کے ضلع سلہٹ میں بالغوں کے حق

رائے دہی کے اصول پر عام رائے شماری ہو گی ۔

۵۔ بلوچستان نمائندہ اداروں کے ایک مشترکہ اجلاس میں اپنا طرز عمل واضح کرے گا ۔

۶۔ ایک سرحدی کمشن نام زد کیا جائے گا ، جس میں دو مسلمان ہوں گے ، دو غیر مسلم ، اور صدارت پر ایک انگریز کو نام زد کیا جائے گا ۔ یہ کمشن بنگال و پنجاب کی تقسیم کے سلسلے میں آخری سرحدات کا فیصلہ کرے گا ۔

جہاں جہاں رائے شماری ہوئی ، نتیجہ پاکستان کے حق میں نکلا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان اور ہندوستان آزاد ہوگئے۔ دو تین دن کے بعد سرحدی کمشن کے صدر سر ریڈ کاف نے جو ثالثی فیصلہ دیا ، اس کی رو سے مشرقی پنجاب کی سات مسلم اکثریتی تحصیلیں ہندوستان میں شامل کر دی گئیں ۔

چھتیسواں باب

صحافت ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک ــــ ۲

نئے اخبار

بر عظیم میں لیگ اور کانگرس کے درمیان جو جنگ ہو رہی تھی اُس سے عوام بے حد متاثر تھے اور ان کے ذوق کی آسودگی کے لیے کئی نئے اخبار جاری ہوئے ۔ ان میں ایسے اخبار بھی تھے جو کھلم کھلا سیاسی پارٹیوں کے آرگن تھے اور ایسے بھی تھے جو آزاد پالیسی کے حامل تھے ، لیکن ہر اخبار کا رجحان بالکل واضح تھا اور وہ کسی نہ کسی سیاسی جماعت کا حامی تھا ۔ مسلمان اخباروں کی غالب اکثریت پاکستان کی حامی تھی ۔ ہندو اخبار سب کے سب ، اکھنڈ بھارت کے علم بردار تھے اور ان میں شدید کش مکش جاری رہی ۔ اس دور کی صحافت کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں پہلے نئے اخبارات کا ذکر کرنا ہوگا ، پھر پرانے اخبارات کے کردار کا مطالعہ کرنا ہوگا ، اور اُس کے بعد دیکھنا ہوگا کہ تقسیم کے وقت صحافت پر کیا گزری ۔

لاہور

'احسان' کو جاری ہوئے چار پانچ سال ہوئے تھے کہ اس میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی ۔ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ، مولانا چراغ حسن حسرت ، باری علیگ اور اشرف عطاء اختلاف رائے کی بناء پر

'احسان' سے الگ ہوگئے۔ یہ پالیسی کا اختلاف نہیں تھا ۔ ان حضرات کا بیان تھا کہ اخبار کے مالک نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ جب اخبار کو منافع ہوگا تو اُنھیں بھی حصہ ملے گا ۔ مالک اخبار کا بیان تھا کہ ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا ۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ 'احسان' کی ادارت پر مولانا وقار انبالوی فائز ہو گئے اور میکش اور اُن کے ساتھیوں نے 'شہباز' کے نام سے ایک اور روزنامہ جاری کر دیا ۔ مولانا وقار انبالوی ایک مشاق اور چابک دست صحافی تھے ۔ (اور ہیں) کافی عرصہ ہندو اخباروں میں کام کرتے رہے اور وہیں صحافت کی تربیت پائی ۔ آپ اداریہ نگاری ، مزاحیہ کالم نویسی ، سیاسی اور طنزیہ شاعری ، بلکہ خبروں کی ترتیب و تزئین اور عام مقالہ نگاری سب ہی میں دسترس رکھتے تھے ، اس لیے اُنھوں نے 'احسان' کی ہر دل عزیزی میں کوئی خاص فرق نہ آنے دیا ۔

'شہباز' اُس دور میں صحافت کا ایک اچھا نمونہ تھا ۔ بڑی محنت سے مرتب کیا جاتا تھا اور اس کی اشاعت بھی ایک مناسب حد تک پہنچ چکی تھی کہ خاکساروں کے ساتھ اس کا تصادم ہو گیا اور علامہ عنایت اللہ المشرقی نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ 'شہباز' کی اشاعت گھٹانے کی جد و جہد کریں ۔ چوں کہ خاکسار تحریک خاصی منظم تھی ، اس لیے 'شہباز' کا مقاطعہ بہت کام یاب ہوا اور اس کی اشاعت کم ہو گئی ۔ مولانا میکش کے ذرائع محدود تھے ، اس لیے وہ مزید سرمایہ لگانے سے معذور تھے ، چناں چہ اُنھوں نے یہ پرچہ سید امجد علی شاہ صاحب کے ہاتھ بیچ دیا جو یونینسٹ پارٹی کے سیکرٹری تھے۔ کچھ دیر تک تو کام ٹھیک چلتا رہا ۔ اتنے میں سردار شوکت حیات خاں کو گورنر نے ملک خضر حیات ٹوانہ وزیر اعظم پنجاب کے مشورے کے ساتھ وزارت سے برطرف کردیا ۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ سردار موصوف مسلم لیگ کے حامی تھے اور اس پر میکش صاحب نے 'شہباز' میں ایک اداریہ لکھا جس میں شوکت حیات کی برطرفی کی مذمت کی ۔ سید امجد علی کو یہ گوارا نہ ہوا اور مولانا میکش کو اپنے ساتھیوں سمیت 'شہباز' سے مستعفی ہونا پڑا اور وقار انبالوی ایڈیٹر مقرر ہوئے ۔ اس زمانے کے

کارکن صحافیوں کی وضع داری ملاحظہ ہو کہ دس دن تک کسی کارکن صحافی نے 'شہباز' کا رخ نہ کیا اور وقار انبالوی سارا اخبار اکیلے ایڈٹ کرتے رہے ۔ کچھ عرصہ بعد عملہ مل گیا ، لیکن 'شہباز' اپنی پرانی ہر دل عزیزی سے محروم ہو گیا ۔ وقار انبالوی کے بعد ابو سعید بزمی مدیر بنے ۔ وہ اچھے قابل صحافی تھے ۔ ' مدینہ ' (بجنور) میں کام کرچکے تھے ، لیکن کانگرسی ذہن کے مالک تھے ، چناں چہ ' شہباز ' کی پالیسی کچھ نیشنلسٹ اور زیادہ تر یونینسٹ ہوگئی ، اور جب عالمی جنگ کے بعد انتخابات ہوئے تو اس نے مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی اور جو جو جماعتیں لیگ کی مخالف تھیں ، اُن کی شد و مد سے تائید کی ۔ تقسیم سے کچھ عرصہ پہلے یہ مسلم عوام کی نظروں سے اتنا گر چکا تھا کہ خود سید امجد علی بھی اس سے بیزار تھے ، چناں چہ اُنھوں نے یہ اخبار 'احسان' کے مالک ملک نور الٰہی صاحب کے ہاتھ بیچ دیا ۔

۱۹۴۲ء میں 'پربھات' جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر لالہ نانک چند ناز تھے ۔ اس سے پہلے مختلف اخباروں میں کام کر چکے تھے اور 'پاپولر جرنلزم' میں اُن کا نام خاصا اہم تھا ۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات اداریوں میں غلط معلومات پیش کرتے تھے اور اُن کی شاعری کا اکثر مضحکہ اُڑایا جاتا تھا ۔ 'پربھات' کا ٹھاٹھ باٹھ دوسرے ہندو اخباروں کے برابر تھا اور یہ بہت جلد مقبول ہوگیا ۔ اس کی پالیسی دوسرے ہندو جرائد کی طرح تھی ، یعنی ہندو مفاد کی نگہ بانی اور کانگرس کی حمایت — اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کام کرنے والے سارے کارکن صحافی اس کے مالک تھے ۔

سکھوں کا کوئی اُردو روزنامہ موجود نہیں تھا ، اس لیے اکالی دل نے 'اجیت' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا ۔ اس کے ایڈیٹر سردار سادھو سنگھ ہمدرد تھے اور ادارے میں باری علیگ بھی شامل تھے ۔ اس دور کے آخر میں آل انڈیا جاٹ مہا سبھا نے 'رہبر ہند' کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ۔ یہ اتحاد پارٹی کا حامی تھا ۔ ایک اور اخبار 'آزاد' کے نام سے مجلس احرار اسلام نے جاری کیا ۔

تین سرکاری اخبار بھی نکلے ۔ ان میں ایک 'جنگ' تھا جس کی اشاعت پچاس ہزار تھی اور مفت تقسیم کیا جاتا تھا ۔ اس میں عالمی جنگ کے بارے میں خبریں اور پروپیگنڈے کا مواد چھپتا تھا ۔ اس کے ایڈیٹر ملک یوسف العزیز تھے دوسرا ہفت روزہ 'پنچایت' تھا جس کی اشاعت چھ اور سات ہزار کے درمیان تھی ۔ اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا چراغ حسن حسرت تھے ، پھر باری علیگ آئے اور اُن کے بعد اس کی ادارت عبدالسلام خورشید کے سپرد ہوئی ۔ تیسرا اخبار ہفت روزہ 'ہمارا پنجاب' تھا ۔ اس کا پرچہ کسی کو بھی مفت نہیں ملتا تھا ، لیکن مواد اور تصاویر کی کشش کی بنا پر اس کی اشاعت بیس ہزار تک جا پہنچی ، اس کے مدیر اعلیٰ باری علیگ اور مدیران معاون شمس العلماء تاجور نجیب آبادی ، عبدالسلام خورشید اور صادق قریشی تھے ۔

پشاور

۱۹۴۴ء میں سرحد کے مشہور لیگی رہنما سردار اورنگ زیب خاں نے روزنامہ 'ملت' جاری کیا ۔ ادارت کے لیے مشہور مصنف مولانا رشید اختر ندوی کی خدمات حاصل کی گئیں ۔ ڈیڑھ سال تک اخبار جاری رہا ۔ اس کے بعد مالک و مدیر میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور یہی اس اخبار کے لیے جان لیوا ثابت ہوا ۔ اس دور میں روزنامہ 'سرحد' کی ادارت پر رحیم بخش غزنوی فائز رہے ۔ دوست محمد اثر نے روزنامہ ' آزادی ' جاری کیا ۔ رضا ہمدانی اور فارغ بخاری نے ہفت روزہ 'شباب' جاری کیا ۔ قاضی عبدالحلیم اثر نے 'انصاف' نکالا ۔ میر عبدالصمد کا ہفت روزہ 'دوسرا سرحد' ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی کا ترجمان تھا ۔ ضیاء جعفری اور جمیل راز بنگش کا 'تعمیرنو' ہفت روزہ صحافت کا ایک اچھا نمونہ تھا ۔ ان کے علاوہ پشاور سے 'پیغام' ، 'پیغام جنگ' 'حریت' ، 'شمشیر سرحد' ، ' ڈیلی نیوز ' ، 'شیرسرحد' ، 'اخوت' ، کے نام سے اخبار جاری ہوئے ، نیز کوہاٹ اور ڈیرہ اسماعیل خان اور بعض دوسرے مقامات سے بھی چھوٹے چھوٹے اخبار نکلے ۔

بلوچستان

بلوچستان میں دو اخبار خصوصی اہمیت کے حامل تھے ۔ ایک 'استقلال' جسے 'سرحدی گاندھی' خان عبدالصمد خاں اچک زئی کی سرپرستی حاصل تھی ۔ اس کے پہلے مدیر اللہ بخش سلیم تھے ۔ اس اخبار نے شدت کے ساتھ تحریک پاکستان کی مخالفت کی ۔ اس کے مقابلے پر بلوچستان صوبہ مسلم لیگ کے صدر قاضی محمدعیسیٰ نے 'الاسلام' نکالا ۔ اس کے مدیر مولانا عبدالکریم تھے ۔ اس اخبار نے تحریک پاکستان کی ترجمانی کے فرائض ادا کیے ۔ ایک اور اخبار 'پاسبان' کے نام سے نکلا ۔ یہ کانگرس کا حامی تھا ۔ عالمی جنگ کے بعد 'بلوچستان سماچار' اور 'صداقت' کے نام سے دو ہندو اخبار جاری ہوئے ۔ ۱۹۳۶ء میں غازی فضل احمد نے 'جمہور' جاری کیا جو پاکستان کا حامی تھا ۔ لیکن آخری سالوں کا اہم ترین ہفت روزہ 'تنظیم' تھا ۔ اس کے مالک میر جعفر خاں جمالی تھے اور ایڈیٹر نسیم حجازی ، جو بعد میں 'تعمیر' (راولپنڈی) اور پھر 'کوہستان' کے مدیر بنے ۔ اس اخبار نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کی ۔

لکھنؤ

اس شہر کی صحافت میں اہم ترین اضافہ 'قومی آواز' کا تھا ۔ یہ شان دار اخبار پنڈت جواہر لال نہرو کی سرپرستی میں نکلا ۔ حیات اللہ انصاری اس کے ایڈیٹر تھے ۔ اخبار کی پالیسی نیشنلسٹ کانگرسی تھی ، لیکن اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے برعظیم میں پہلی مرتبہ اردو صحافت کو خبروں کی ترتیب و تزئین کے نئے اور جدید انداز سے متعارف کرایا ۔ اسی نے بعض خبریں چوکھٹے میں نسخ حروف میں دیں ۔ خبروں کے تعارفی جملے جلی اور کھلے کھلے حروف میں دے ۔ اور نئی تکنیک کے مطابق خبروں کو ان کی نسبتی اہمیت کے مطابق جگہ دی ۔

'قومی آواز' کے ساتھ ہی ایک روزنامہ 'تنویر' کے نام سے نکلا

جس کے مالک اور نگران چودھری خلیق الزمان تھے جو مسلم لیگ کے مشہور رہ نما ھیں - اس اخبار کی پالیسی مسلم لیگ کے حق میں تھی -

بمبئی

بمبئی سے ۱۹۳۹ء میں دو روز نامے جاری ہوئے - اول 'ھندوستان ڈیلی' جس کے مالک غلام محمد خان اور ایڈیٹر رضا سعید تھے - دوسرا اخبار 'انقلاب جدید' تھا - اس کی ادارت عبدالحمید انصاری کے سپرد تھی -

دوران جنگ میں کمیونسٹ پارٹی نے 'قومی جنگ' نکالا، جس کا نام جنگ کے بعد 'نیا زمانہ' رکھ دیا گیا - اس کے مدیر سجاد ظہیر تھے - میک اپ کے لحاظ سے یہ اخبار خصوصی اھمیت کا حامل تھا -

پٹنہ

اس شہر سے درجنوں اخبار جاری ہوئے - ایک کا نام 'صدائے عام' تھا جسے نذیر حیدر نے نکالا - روزنامہ 'ساتھی' کی بنیاد سہیل عظیم آبادی نے رکھی - وھی پہلے ڈھائی سال تک اس کی ادارت کرتے رہے- اس کے بعد اسے ایک صاحب غلام سرور نامی نے خرید لیا - یہ اخبار غلام سرور اور ولایت علی شاہ کی ادارت میں اب بھی نکل رہا ہے -

دھلی

دھلی سے آل انڈیا مسلم لیگ نے 'منشور' کے نام سے اپنا روزنامہ جاری کیا - اس کے مدیر سید حسن ریاض تھے، اور یہ تکنیکی اعتبار سے اچھا اخبار تھا - یاد رہے کہ تقسیم سے چند سال پہلے قایداعظم نے اسلامی صحافت کو مضبوط بنانے کے لیے کچھ سرمایہ فراھم کیا تھا، جس کی مدد سے 'ڈان' جاری ہوا- اسی سرمائے سے 'منشور' نکالا گیا تھا -

عالمی جنگ کے دوران میں دو اھم اخبار جاری ہوئے -ایک 'جنگ' دوسرا 'انجام' - 'جنگ' کے بانی اور مالک خلیل الرحمان تھے اور 'انجام' کے مسٹر عمر فاروق - یہ دونوں اخبار بہت جلد مقبول ہوگئے -

سینتیسواں باب

صحافت ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک --- ۳

'نوائے وقت'

'نوائے وقت' کے بانی جناب حمید نظامی تھے۔ موصوف نے ۱۹۳۴ء میں لاہور کے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ لکھنے پڑھنے سے دل چسپی تھی۔ پہلے کالج کے رسالے 'کریسنٹ' میں مزاحیہ اور سنجیدہ مضامین لکھتے رہے، پھر اسی مجلے کی ادارت پر فائز ہوئے۔ آپ ایک نمایاں مقرر بھی تھے۔ کئی آل انڈیا مباحثوں میں شرکت کی۔ کالج یونین کے سیکرٹری بنے۔ ۱۹۳۸ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ پھر ایف۔ سی کالج سے انگریزی کا ایم اے کیا۔ اس دوران میں صحافتی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہے۔ چناں چہ ایک سیاسی ماہ نامے 'ساربان' کے مدیر معاون بھی رہے۔ تھوڑی دیر ڈاکٹر ستیہ پال کے اخبار 'نیشنل کانگرس' میں کام کیا، لیکن سیاسی عقائد کے لحاظ سے اسے اپنے مزاج کے مطابق نہ پایا اور اس سے مستعفی ہو گئے۔

طالب علمی کے زمانے میں مسلم لیگ کی سیاست سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں جب پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم ہوئی، تو آپ اس کے بانیوں میں سے تھے اور چند ماہ اس کی صدارت پر فائز رہے۔ اس دوران میں دوسرے رفقائے کار کی معیت میں بعض شہروں کا دورہ کیا اور وہاں پبلک جلسوں سے خطاب کیا۔ پھر آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ سیشن میں شرکت کی جہاں مسلم لیگ کے بڑے بڑے رہ نماؤں سے رابطہ پیدا کیا۔ اسی سال کے آخر میں (۱۹۳۷ء) کلکتے گئے اور آل انڈیا

مسلم سٹوڈینٹس کانفرنس میں مسٹر انوار الحق کی معیت میں پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کی نمائندگی کی - ۱۹۳۸ء کے آغاز میں بعض ذاتی وجوہ کی بناء پر اس جماعت سے الگ ہو گئے - پھر کچھ طالب علمی کی مصروفیات تھیں ، کچھ لکھنے پڑھنے کا شغل رہا - مزاح نگاری سے دل چسپی تھی اس لیے لی کاک کے بعض مضامین کا ترجمہ کیا - نیز کچھ افسانے بھی ترجمہ کیے ، جو 'ھمایوں' میں چھپتے رہے -

جناب حمید نظامی مسلم لیگ کے ان کارکنوں میں شامل تھے ، جو لیڈروں کی سستی اور پست ھمتی سے نالاں تھے - ۱۹۴۰ء میں آن کی زندگی کا ایک نیا موڑ آیا اور ۲۳-مارچ ۱۹۴۰ء کو آپ نے 'نوائے وقت' کے نام سے ایک چھوٹا سا پندرہ روزہ اخبار جاری کیا - اس کی تقطیع $\frac{22 \times 18}{4}$ تھی اور صفحات کی تعداد صرف چھ تھی - اس اخبار میں آن کے ساتھ ڈاکٹر جہاں بھٹہ ، ڈاکٹر شبر حسن اور ڈاکٹر محمد باقر بھی شریک تھے - یہ سب حضرات ھر مہینے تھوڑے روپے ڈال کر اخبار کا خرچ پورا کرتے تھے ، لیکن اصل ادارت نظامی مرحوم ھی کے ھاتھ میں تھی - صفحۂ اول پر ایک مستقل عنوان 'سخن ھائے گفتنی' تھا جسے حمید نظامی 'غریب شہر' کے قلمی نام سے لکھتے تھے - اس عنوان کے تحت حالات حاضرہ پر چھوٹے چھوٹے شذرے دے جاتے تھے - اندر کے صفحات میں ایک اور مستقل عنوان 'جاتی کیا سوچتی ھے ؟'' خصوصی دل چسپی کا حامل تھا - اس میں ھندو اخباروں کی تحریروں اور ھندو رہ نماؤں کی تقریروں سے ایسے مختصر اقتباسات درج ھوتے تھے جن سے ظاھر ھوتا تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے بارے میں ھندوؤں کے عزائم کیا ھیں - عام مضامین بھی شائع کیے جاتے تھے ، لیکن سب سیاسی موضوعات پر ھوتے تھے -

'نوائے وقت' کی ادارت ایک جز وقتی کام تھا اور اس سے مالی فائدہ نہ مقصود تھا ، نہ ممکن تھا ، اس لیے نظامی مرحوم نے پہلے ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا میں تین مہینے رپورٹنگ کی تربیت حاصل کی - پھر

مسلمانوں کی نئی خبر رساں ایجنسی 'اورینٹ پریس آف انڈیا' کی لاہور برانچ کے مینجر مقرر ہوئے ۔ اس دوران میں 'نوائے وقت' بھی جاری رہا ۔ جب اس اخبار کے پاؤں کچھ جم گئے ، تو ۱۵-نومبر ۱۹۴۲ء کو اسے پندرہ روزہ سے ہفت روزہ بنا دیا گیا اور تقطیع $\frac{۲۹ \times ۲۲}{۲}$ ہو گئی ۔ صفحات کی تعداد کبھی آٹھ اور کبھی بارہ بھی ہوتی تھی ۔ اب تجارتی لحاظ سے یہ اخبار قدرے کام یاب ہو گیا ، لیکن ابھی تک اس کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ نظامی صاحب اسی کے ہو رہتے ، اس لیے اورینٹ پریس سے رابطہ قائم رہا ۔

۲۲-جولائی ۱۹۴۴ء کو 'نوائے وقت' روز نامے کی حیثیت سے نکلنے لگا ۔ اس وقت عالمی جنگ جاری تھی ۔ کاغذ کی قلت کی وجہ سے نئے ڈیکلریشن شاذ ہی ملتے تھے ۔ ان دنوں میاں مشتاق احمد گورمانی مرکزی حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے ۔ اُن کی مدد سے اخبار نکالنے کی اجازت مل گئی ، لیکن حکومت کی لگائی ہوئی پابندیوں کی وجہ سے مقررہ قیمت میں چھ صفحے سے زیادہ نہیں دیے جاسکتے تھے ، اس لیے 'نوائے وقت' کو زیادہ مقابلے کا سامنا نہ کرنا پڑا اور زیادہ سرمایہ بھی نہ لگا ۔ روزنامے کے اجراء کے وقت اخبار کی ملکیت دو حضرات کے ہاتھ میں آئی ، اول حمید نظامی ، دوم مسٹر حامد محمود ۔ اول الذکر نے ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں ، مؤخرالذکر نے کاروباری فرائض اپنے ہاتھ میں لیے اور دونوں کی مشترکہ محنت اور رفاقت اور دوستوں کے تعاون سے 'نوائے وقت' عروس کامیابی سے ہم کنار ہوا ۔ اخبار کی نوک پلک سنوارنے میں میاں محمد شفیع نے بھی حصہ لیا ۔ بنگال کے مشہور سیاسی کارکن راغب احسن مسلسل مضامین لکھتے رہے ۔ مشہور مصور شیخ احمد کچھ عرصہ کارٹون بناتے رہے ۔ مسلم لیگ کے جو لیڈر ملک خضر حیات کی پالیسی سے نالاں تھے وہ بھی 'نوائے وقت' کی پشت پر تھے اور عوام میں لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت بھی 'نوائے وقت کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوئی ۔

'نوائے وقت' بہت جلد اپنے مقامی مسلم معاصرین سے زیادہ

نمایاں ہو گیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ 'شہباز' تو کاملاً اتحاد پارٹی کا آرگن تھا - 'انقلاب' اتحاد پارٹی کی حمایت تو کرتا تھا، لیکن آل انڈیا مسائل میں لیگ کی کامل تائید و حمایت کی پالیسی پر کاربند تھا - 'زمیندار' اور 'احسان' کا انداز بھی تقریباً یہی تھا - میدان میں کوئی ایسا اخبار موجود نہیں تھا جو کسی نہ کسی رنگ میں صوبائی وزارت سے متاثر نہ ہو - ایسے میں 'نوائے وقت' وہ اخبار تھا جو اتحاد پارٹی کا پورا مخالف تھا اور صوبائی اور آل انڈیا، دونوں دوائر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ترجمان تھا - لیگ عوامی تحریک بن چکی تھی اور 'نوائے وقت' اس عوامی تحریک کا سب سے بڑا عکاس اور ترجمان تھا - پھر ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات آئے - 'شہباز' نے زمیندارہ لیگ (اتحاد پارٹی) کی پوری حمایت کی - 'انقلاب' نے زمیندارہ لیگ کی نہ حمایت کی نہ مخالفت - 'زمیندار'، 'احسان' اور 'نوائے وقت' نے مسلم لیگ کی پوری تائید کی، لیکن عوام کو 'نوائے وقت' کی تائید پر زیادہ اعتماد تھا - اس کے بعد پبلک سیفٹی ایکٹ کے خلاف لیگ نے سول نا فرمانی شروع کی، تو اس میں 'نوائے وقت' پیش پیش تھا - اس لیے 'نوائے وقت' عوام کا محبوب اخبار بن گیا -

جب نئے انتخابات کے بعد ملک خضر حیات ٹوانہ نے مسلم رائے عامہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے سات آٹھ ساتھیوں کو لے کر کانگرس پارٹی اور دوسرے تمام غیر مسلم عناصر کے ساتھ مل کر وزارت بنائی تو 'نوائے وقت' نے قدرتی طور پر اس کی مخالفت میں آواز بلند کی - ۹ مارچ ۴۶ء کو 'یوم غداران اسلام' منایا گیا - لاہور میں مسلمانوں کے ایک پر امن جلوس پر کسی ہندو نے ایک اینٹ گرائی، جس سے عبدالمالک نامی ایک مسلمان نوجوان شہید ہو گیا - ۱۲ - مارچ کے پرچے میں 'نوائے وقت' نے مالک شہید پر ایک نظم اور ایک مضمون درج کیا - اس پر حکومت نے اس اخبار سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی، جو جمع کرا دی گئی -

تکنیکی اعتبار سے 'نوائے وقت' ایک اعلیٰ پائے کا اخبار تھا۔ اس کے اداریوں کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ مختصر ہوتے تھے اور مدلل بھی۔ خبر رساں اداروں کی پوری سروس لیتا تھا۔ نامہ نگار بھی متعدد تھے۔ خبروں کی ترتیب و تزئین کا اہتمام بھی اچھا تھا۔ غرض ہر لحاظ سے ایک مکمل اخبار تھا۔

اڑتیسواں باب

صحافت ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک -- ۴

صحافت اور برعظیم کی تقسیم

برعظیم کی تقسیم میں آردو صحافت نے نمایاں حصہ لیا، بالخصوص ہندو صحافت نے! یہ بیان بہ‌ظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے جسے کوئی صحافتی مورخ نہیں جھٹلا سکتا - جب ۱۹۲۸ء میں 'ہندی مسلمانوں کے لیے الگ وطن' کے عنوان سے 'انقلاب' نے ایک سلسلۂ مقالات چھاپا، تو ہندو اخبار پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئے - جب ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبۂ الہ‌آباد میں علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ پیش کیا، تو ہندو اخباروں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا شروع کر دیا - ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جب مفاہمت کی گفتگو شروع ہوئی، ہندو اخباروں نے اسے تارپیڈو کردیا - چودھری رحمت علی نے ۱۹۳۳ء میں لفظ 'پاکستان' وضع کیا تو ہندو اخبارات نے مسلمانوں کے مطالبۂ حقوق کو 'پاکستانی' ذہنیت سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کو یقین دلادیا کہ 'پاکستان' بہت اچھی چیز ہے - ۱۹۳۸ء سے 'انقلاب' اور 'احسان' نے 'پاکستان' کے حق میں مسلسل مقالے چھاپنے شروع کیے - اس سے ہندو اخبار اور بپھر گئے - وہ جوں جوں پاکستان کے خلاف زہر فشانی کرتے تھے مسلمانوں کی رائے عامہ اس کے حق میں ہوتی چلی جاتی تھی - تا آں کہ ۱۹۴۰ میں قرارداد لاہور

منظور ہوئی ۔ مسلم لیگ نے اسے پاکستان کا نام نہ دیا اور کافی عرصہ قائد اعظم 'قرارداد لاہور' کا ذکر کرتے رہے ۔ انھوں نے 'پاکستان' کا لفظ استعمال نہ کیا لیکن ہندو اخبارات نے اس لفظ کو اتنا اچھالا کہ قائداعظم نے یہی نام اپنا یا ۔ اگر ہندو صحافت پاکستان کا نام نہ اچھالتی اور اگر وہ قومی زاویۂ نگاہ سے سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرتی ، تو شاید پاکستان اتنی جلد نہ بنتا ، لیکن اس کے منفی اور زہریلے پروپیگنڈے نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا کہ اکثریت سے فائدے یا انصاف کی توقع ممکن نہیں اور ان کا راستہ معین ہو گیا ۔

مسلمان اخباروں کے دو گروہ تھے ، ایک نیشنلسٹ زاویہ نگاہ کا حامی ، دوسرا مسلم لیگ کا مؤید ۔ مؤخرالذکر کے اخباروں میں کچھ اختلافات بھی تھے جو زیادہ تر لیگ کی صوبائی قیادت سے تعلق رکھتے تھے ، لیکن جہاں تک بر عظیم کے مسلمانوں کے سیاسی نصب‌العین کا تعلق تھا ، سب متفق‌الرائے تھے ۔ اس دور میں نیشنلسٹ گروہ کے مسلمان اخباروں کا دائرۂ اثر اتنا محدود ہو کر رہ گیا کہ انھیں کوئی بھی نہیں پوچھتا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کانگرس مسلمانوں کے مطالبات کو قبول کرنے پر کبھی راضی نہ ہوئی ۔ کانگرس اصلاً ہندو جماعت تھی - دوسری وجہ یہ تھی کہ ہندو اخبار مسلمانوں کے جذبات مسلسل مجروح کرتے رہے ۔ ان حالات میں مسلمان ، نیشنلسٹ گروہ کے اخباروں کی بات سننے کے روادار نہیں تھے ۔ اب رائے عامہ کی ترجمانی صرف علیحدگی پسند ، بلکہ پاکستان پسند اخبار ھی کرتے تھے ، اور بلا شبہ ان اخباروں نے بڑی دلیری اور ھمت سے کام لیا اور اس طرح پاکستان کو خیال سے حقیقت میں بدل لیا ۔

ہندو اور مسلمان اخباروں کی کش مکش تیز ہوئی تو فریقین کی طرف سے انتہا پسندی کے مظاہرے بھی ہوئے ۔ قدرتی طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باھمی تعلقات زیادہ کشیدہ ھو گئے اور برعظیم کے طول و عرض میں فسادات ہونے لگے اور ان میں لاکھوں جانوں کا ضیاع ھوا ۔

قیام پاکستان سے چند روز پہلے اخباروں کی نقل مکانی شروع ہوئی ۔ لاہور میں 'پرتاپ' 'ملاپ' اور 'ویر بھارت' نے ہندوستان جانے کا اعلان کر دیا ۔ 'پربھات' نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ لاہور سے نکلتا رہے گا اور مغربی پاکستان کے ہندوؤں کے حقوق کی نگہ داشت کرے گا ، لیکن ہندو آبادی کی نقل مکانی اس وسیع پیمانے پر ہوئی کہ 'پربھات' کو بھی جانا پڑا ۔ دہلی میں 'منشور' بند ہو گیا ، 'جنگ' اور 'انجام' کراچی آ گیے ۔ کلکتے کے 'عصر جدید' نے بھی کراچی کو مرکز بنایا ۔ اس نقل مکانی سے دوسری زبانوں کے اخبار بھی متاثر ہوئے ۔ 'ڈان' (دہلی) کراچی آ گیا ۔ 'مارننگ نیوز' (کلکتہ) ڈھاکے منتقل ہو گیا ۔ 'ٹریبون' (لاہور) انبالے چلا گیا ۔ لاہور سے نکلنے والے ہندی اور سکھوں کے پنجابی اخبار بھی مشرقی پنجاب چلے گئے ۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور سیاسی خلفشار کا دور تھا ، اس لیے اردو صحافت کی تکنیکی ترقی محدود رہی ۔ اگر کچھ ترقی ہوئی تو وہ پنجاب اور لکھنؤ کے اخباروں تک محدود تھی ۔ اس سلسلے میں نمایاں امور یہ ہیں :

۱ ۔ عالمی جنگ کے دوران میں تمام ہندو اخباروں نے اپنی تقطیع دوگنا کردی ، یعنی اپنے مسلمان ہم عصروں کی تقطیع کے برابر ۔ مقصد یہ تھا کہ خبروں کی پیش کش نمایاں طریقے پر ہو سکے اور اس مقصد میں یہ اخبار کامیاب رہے ۔

۲ ۔ عالمی جنگ کی وجہ سے خبروں کے ذرائع میں خاصا اضافہ ہوا اور آخری سالوں میں رائیٹر کے علاوہ ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ اور یونائیٹڈ پریس آف امریکہ نے بھی اپنے دفاتر کھول لیے اور اردو اخبار ان کی سروس بھی لینے لگے ۔

۳ ۔ اخبارات کے ذریعے سے بین الاقوامی معلومات کی نشرواشاعت زیادہ منظم طریقے پر ہوئی اور اخبارات نے خبروں کا پس منظر بیان کرنے میں خاص اہتمام سے کام لیا ۔

۴ - سنڈے ایڈیشنوں کا مواد حالات حاضرہ کے سلسلے میں بہتر ہو گیا ، اور جنگی تصاویر بھی چھپنے لگیں -

۵ - عام شماروں میں تصاویر تو نہیں چھپتی تھیں ، لیکن رہ نماؤں کے خاکے خاصی تعداد میں چھپتے تھے اور ، محاذ جنگ کی صورت حال کی وضاحت کے لیے نقشے اکثر چھاپے جاتے تھے -

۶ - کارٹونوں کی اشاعت پہلے کم تھی ، اس دور میں زیادہ ہو گئی -

۷ - گروہی صحافت (پارٹی پریس) کو اس دور میں فروغ ملا - انڈین نیشنل کانگرس ، آل انڈیا مسلم لیگ ، آل انڈیا ہندو مہا سبھا ، مجلس احرار اسلام ، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا ، ریڈیکل ڈیمو کریٹک پارٹی ، اکالی دل ، تحریک خاکساران ، آل انڈیا جاٹ مہا سبھا، اتحاد پارٹی نے اپنے اپنے خاص اخبار جاری کیے ، لیکن تقسیم ہوتے ہی ان میں سے اکثر بند ہو گئے -

۸ - اخبارات میں فیچروں کا اضافہ ہوا ، اور معلومات کی فراہمی میں زیادہ تنوع نظر آنے لگا -

۹ - خبروں کی میک اپ میں 'قومی آواز' نے طرح نو کی بنیاد ڈالی - اس کی میک اپ کا انداز سنجیدہ تھا - لاہور کے اخباروں میں پورے صفحے کی سرخی دینے کا رواج عام ہو گیا - ہندو اخباروں کا پہلا صفحہ اپنے مسلمان ہم عصروں کے مقابلے پر زیادہ بارونق ہوتا تھا ، لیکن اس میں سنسنی خیزی کا عنصر زیادہ تھا - سنسنی خیزی میں دہلی کے اخبار بھی پیش پیش تھے -

انتالیسواں باب

قوانین صحافت ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک

ترکِ موالات کی تحریک کے بعد 'شدھی' اور 'سنگٹھن' اور 'تنظیم و تبلیغ' کی تحریکوں کے طفیل ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات اتنے کشیدہ ہو گئے تھے کہ فریقین ایک دوسرے کے مذہبی عقاید کی تضحیک پر اتر آئے اور اس طرح ایک دوسرے کی مذہبی دل آزاری کا ایک مکروہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس میں 'اولیت کا شرف' ایک ہندو مصنف راج پال کو حاصل ہوا جس نے 'رنگیلا رسول' کے نام سے ایک نہایت اشتعال انگیز کتاب لکھی۔ اس کے خلاف دفعہ ۱۵۳ - الف کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا اور ڈیڑھ سال قید کی سزا دی گئی۔ اس نے سیشن کورٹ میں اپیل کی تو یہ سزا گھٹ کر چھ مہینے رہ گئی اور جب اپیل ہائی کورٹ میں پہنچی تو چیف جسٹس سر شادی لال نے اس بناء پر اسے بری کر دیا کہ اس پر دفعہ ۱۵۳ - الف عاید نہیں ہوتی۔ اس قسم کا ایک اور مقدمہ ایک اخبار 'ورتمان' کے خلاف چلایا گیا اور اس کے ایڈیٹر کو سزا ہو گئی اور ایک مختلف ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس قسم کے کیس پر دفعہ ۱۵۳ - الف عاید ہوتی ہے۔ چوں کہ دو ہائی کورٹوں نے ایک ہی مسئلے پر مختلف فیصلے دیے، اس لیے مرکزی اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ قانون کو واضح بنانے کے لیے متعلقہ دفعہ کے الفاظ کی ترتیب دوبارہ کی جائے۔ چناں چہ اس سلسلے میں ایک بل منظور ہوا جس میں صاف صاف لکھا گیا کہ جو شخص زبانی یا تحریری طور پر

کسی فرقے کے مذہبی عقاید کی توہین کرے گا اسے دو سال تک قید کی سزا ، جرمانے کے ساتھ یا بلا جرمانہ دی جا سکے گی - یاد رہے کہ یہ ترمیم اصلاً مسلمانوں کے مطالبے پر کی گئی - یہاں یہ بیان کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ایک انیس سالہ نوجوان علم الدین نے راج پال کو قتل کر دیا اور عدالت میں بیان دیا کہ میں نے اسے توہین رسول کے جرم میں سزا دی ہے -

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ۱۹۱۰ء کا پریس ایکٹ ۱۹۲۲ء میں منسوخ کر دیا گیا تھا - ۱۹۳۱ء میں جب کانگرس کی تحریک سول نافرمانی نے زور پکڑا ، تو اس قانون کا احیاء کیا گیا - پہلے اسے آرڈی ننس کی صورت میں نافذ کیا گیا اور اس کے ماتحت ایک سو انتالیس اخباروں کے خلاف کارروائی ہوئی - ان میں سے ایک سو تیس اخباروں نے ضمانتیں جمع کرا دیں، جن کی مجموعی رقم ڈھائی لاکھ روپے کے قریب بنتی تھی - نو اخباروں نے ضمانتیں جمع کرانے سے بہتر یہی سمجھا کہ بند ہو جائیں - جب دہشت انگیزوں کی سرگرمیاں بڑھیں اور اخبار بعض دہشت انگیزوں کو ہیرو بنانے لگے ، تو 'پریس ایمر جنسی پاورز ایکٹ' نافذ ہوا جس کے ماتحت ایک ہزار روپے سے دس ہزار روپے تک کی ضمانت طلب اورضبط کی جا سکتی تھی - اس قانون کو پہلے ایک سال کے لیے نافذ کیا گیا، لیکن اس کے بعد تجدید ہوتی رہی - ہندوستان میں یہ ۱۹۴۸ء میں منسوخ ہوا اور پاکستان میں ۱۹۶۱ء میں — بے شمار اردو اخباروں کے خلاف کارروائی ہوئی ، جن میں سے بعض کا ذکر ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں - ابتداء میں پریس ایکٹ صرف کسی متشدد حرکت کی انگیخت پر لاگو ہوتا تھا ، لیکن ۱۹۳۲ء میں کریمنل لاء امنڈمنٹ ایکٹ نافذ ہوا جسے 'کالا قانون' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا - اس قانون کے ماتحت جرائم کی ایک طویل فہرست مرتب کی گئی اور ان سب کی بناء پر ضمانتیں طلب اور ضبط کی جانے لگیں -

۱۹۳۲ء میں قانون تعلقات خارجہ نافذ ہوا ، جس کا مقصد یہ تھا کہ جن حکومتوں سے ملک معظم کی حکومت کے دوستانہ تعلقات ہیں ان کے

خلاف پروپیگنڈے کو روکا جائے ۔ اسی قانون کے ماتحت مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش اور مولانا سید حبیب کو قید کاٹنی پڑی ۔ ان دونوں نے اپنے اپنے اخبار میں افغانستان کے خلاف لکھا تھا ۔

دو سال بعد قانون تحفظ ریاست ہائے ہند نافذ کیا گیا ۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دیسی ریاستوں کو اخبارات کی نکتہ چینی کا ہدف ہونے سے بچایا جائے ۔

جب دوسری عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو 'قانون تحفظ ہند' نافذ ہوگیا ، جس کے ماتحت حکومت کو اختیار حاصل ہوا کہ وہ بعض معاملات کے سلسلے میں اخبارات پر سنسر لگا دے ۔ اس بارے میں سزائے قید کی حد پانچ سال تک مقرر ہوئی ۔ قانون اسرار سرکاری میں ترمیم کی گئی، جس کی رو سے دشمن کے لیے مفید معلومات کی اشاعت پر عمر قید ، بلکہ سزائے موت بھی دی جا سکتی تھی ۔ پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ کا دائرہ بھی وسیع تر کر دیا گیا ۔ ۱۹۴۰ء میں گاندھی جی نے جنگی مساعی کے خلاف انفرادی ستیہ گرہ شروع کیا تو حکومت ہند نے ایک خاص اعلان کے ذریعے جنگی مساعی کی مخالفت یا اس کے بارے میں کسی خبر کی اشاعت ممنوع قرار دے دی ۔ اس پر حکومت اور آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرز کانفرنس کے درمیان گفت و شنید کے بعد طے پایا کہ حکومت اپنا اعلان واپس لے لے ، تمام صوبوں اور مرکز میں پریس ایڈوائزر مقرر کرے اور اخباروں کے مدیر ان تمام خبروں کی اشاعت کے بارے میں پریس ایڈوائزر سے مشورہ کر لیا کریں جو ڈیفنس آف انڈیا رولز کی زد میں آتی ہوں ۔ لیکن یہ انتظام اخبارات کے لیے مفید ثابت نہ ہوا ۔ پریس ایڈوائزروں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ۔ بعض خبروں کی اشاعت ایک صوبے میں جائز اور دوسرے میں ناجائز قرار پاتی ۔ مستند اور صحیح خبروں کی بھی قطع و برید اتنی ہوتی کہ ان کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ۔ یہی نہیں ، اخباروں کو یہ بھی بتایا جانے لگا کہ فلاں خبر کہاں ، کس قسم کے عنوان کے تحت اور کس ٹائپ میں چھاپی جائے ۔ سیاسی خبریں تو در کنار، سرکاری حکام پر عام نکتہ چینی بھی جنگی مفاد کے منافی قرار دی گئی ۔

جب اگست ۱۹۴۲ء میں کانگرس نے ' ہندوستان چھوڑ جاؤ ' کی تحریک شروع کی تو حکومت نے اخباروں کو حکم دیا کہ اس تحریک کے بارے میں کوئی ایسی خبر نہ چھاپی جائے جو مندرجہ ذیل ذرائع سے نہ آئی ہو :

۱ - سرکاری ذرائع

۲ - ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا ، یونائٹڈ پریس آف انڈیا یا اوریئنٹ پریس آف انڈیا -

۳ - اخبار کا ایسا باقاعدہ ملازم نامہ نگار ، جس کا نام اپنے ضلع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس رجسٹر ہو چکا ہو -

چوں کہ خبر رساں ایجنسیوں پر پہلے ہی سنسر تھا ، اس لیے خبروں کی فراہمی کے آزاد ذرائع بالکل مسدود ہوگئے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ سائیکلو سٹائل پر چھپے ہوئے آزاد اور خفیہ اخبار جاری ہو گئے -

جنگ کے خاتمے کے کچھ عرصہ بعد یہ سارے ہنگامی قوانین منسوخ ہو گئے - لیکن اب ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی ، اس لیے ۱۹۴۷ء کے آغاز میں سنٹرل پریس سپیشل پاورز ایکٹ نافذ ہوا - اس کے علاوہ ہر صوبے میں پبلک سیفٹی قوانین جاری ہوئے - پنجاب میں اس کے خلاف مسلم لیگ نے وسیع پیمانے پر سول نافرمانی کی تحریک چلائی اور اس دوران میں سائیکلو سٹائل پر خفیہ اخبار بھی چھاپے گئے -

چالیسواں باب

علمی و ادبی صحافت کی ایک جھلک

علمی و ادبی صحافت کا آغاز ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے ہوا اور مختلف قسم کے کئی رسالے جاری ہوئے - ان میں خالص ادبی رسالے تو 'گل دستے' ہی تھے ، باقی رسالوں میں علمی و ادبی ، دونوں قسم کا مواد شائع ہوتا تھا - انقلاب کے دوران میں یہ سب رسالے بند ہو گئے - پھر سر سید احمد خاں نے 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا ، جو علم و ادب ، تعلیم و تدریس ، مذہب میں تجدد اور اصلاح معاشرہ کے فروغ کا علم بردار تھا - اسی سے اردو ادب میں ہلکے پھلکے مضامین لکھنے کی ابتدا ہوئی - انیسویں صدی ہی میں مولانا عبدالحلیم شرر نے ماہنامہ 'دل گداز' جاری کیا جس میں ایک طرف تاریخی مضامین چھپتے تھے ، دوسری طرف ادبی مقالے شائع ہوتے تھے - نیز ایک ناول بھی بالاقساط دیا جاتا تھا - اسی صدی میں گل دستوں کا بھی خوب رواج ہوا -

انیسویں صدی پلٹنے کو تھی کہ شیخ عبدالقادر مرحوم کی ادارت میں لاہور سے 'مخزن' جاری ہوا - یہ محض ایک رسالہ ہی نہیں ، بلکہ ایک تحریک کی حیثیت رکھتا تھا کہ اردو ادب کو نئی اصناف سے آشنا کیا جائے - نثر اور شاعری میں نئے تجربے کیے جائیں اور مغربی ادب کے شہ پارے اردو میں منتقل کیے جائیں - اس تحریک کی بدولت انگریزی تعلیم یافتہ طبقے نے اردو ادب میں دل چسپی لی اور

یہی تحریک اُردو ادب کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوئی ۔ 'مخزن' کا ایک ہم عصر رسالہ اُردوئے معلیٰ تھا ، جس کے بانی اور مدیر مولانا حسرت موہانی تھے ۔ اس رسالے کا مزاج سیاسی بھی تھا اور ادبی بھی ۔ ہر شمارے میں ایک دو سیاسی مضمون چھپتے تھے ، دو ایک مقالے اُردو ادب کی تاریخ پر ہوتے تھے اور آخر میں غزلیات درج ہوتی تھیں ۔ سید اکبر شاہ نجیب آبادی نے 'عبرت' نکالا جو اصلاً تاریخی مجلہ تھا ۔ منشی محمد دین فوق نے 'کشمیری میگزین' جاری کیا، جس کا رنگ ڈھنگ 'تہذیب الاخلاق' سے ملتا جلتا تھا ۔ مولانا ظفر علی خاں نے پہلے 'دکن ریویو' اور پھر 'پنجاب ریویو' جاری کیا ۔ یہ دونوں رسالے تحریر و ترتیب کے اعلیٰ نمونے تھے ۔

اسی دور میں چار اہم علمی رسائل معرض وجود میں آئے :

۱ ۔ 'الناظر' جسے مولانا ظفرالملک علوی نے لکھنؤ سے جاری کیا ۔ یہ کلاسیکی ادب کا علم بردار تھا ، لیکن سیاسی اور معلوماتی مضامین بھی پیش کرتا تھا ۔

۲ ۔ 'زمانہ' جسے منشی دیا نرائن نگم نے نکالا ۔ یہ بھی خالص ادبی رسالہ نہیں تھا ۔ جہاں ادبی مضامین دیے جاتے تھے وہاں سیاسی اور دوسرے معلوماتی مقالے بھی درج کیے جاتے تھے ۔

۳ ۔ 'معارف' جو سید سلیمان ندوی کی ادارت میں اعظم گڑھ سے جاری ہوا ۔ اس میں ادب کا حصہ کم تھا اور فلسفہ ، تاریخ اور عمرانیات پر مواد غالب تھا ۔

۴ ۔ 'جامعہ' جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام دھلی سے نکلتا تھا ۔ اس میں بھی ادب کم تھا اور علم السیاست ، فلسفہ ، بین الاقوامی سیاست اور تاریخ کا عنصر نمایاں تھا ۔

مؤخرالذکر تین رسائل کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان میں عصر حاضر کی علمی اور تہذیبی خبریں بالالتزام چھپتی تھیں اور تمام

آردو مطبوعات پر مفصل تبصرے دیے جاتے تھے۔

نسوانی صحافت کا آغاز مولوی سید محمد کے 'اخبارالنساء' سے ہوا، لیکن اصل کام دو رسالوں نے کیا؛ اول، 'تہذیب‌النسواں' جس کے بانی مولوی سید ممتاز علی مرحوم تھے۔ دوم، 'عصمت' جس کی بنیاد مولانا راشدالخیری نے رکھی۔ ان دو رسالوں نے نسوانی دنیا میں صالح اقدار کو رواج دینے میں جو عظیم‌الشان خدمات سر انجام دیں آنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں اداروں کے ساتھ کتب خانے بھی وابستہ تھے اور آنھوں نے عورتوں کے لیے مفید ادب پیدا کیا۔

بچوں کے رسالوں کا آغاز 'پھول' سے ہوا جس کے سرپرست مولوی ممتاز علی مرحوم تھے۔ اردو کے بہت سے ادیبوں نے اپنے بچپن میں اس رسالے سے بہت کچھ سیکھا۔ پھر مولانا تاجور نجیب آبادی کا 'پریم' جاری ہوا۔ رگھو ناتھ سہائے نے 'نونہال' نکالا اور پھر بچوں کے رسالوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

آونچے پائے کے اہل دانش کے لیے انجمن ترقی آردو کا رسالہ 'آردو' جاری ہوا۔ اس میں صرف تاریخ ادب آردو پر تحقیقی مقالے شائع ہوتے ہیں۔ اگرچہ آردو ادب کی رفتار سے آگاہ رہنے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری رہا ہے، لیکن دوسرے علوم پر مضامین کی اشاعت کے لیے اس مجلے نے غالباً کچھ نہ کیا۔ انجمن ترقی آردو نے رسالہ 'سائنس' جاری کیا، لیکن اس کی زندگی مختصر رہی۔ الہ آباد سے ہندوستانی اکیڈیمی نے 'ہندوستانی' کے نام سے ایک علمی مجلہ جاری کیا جس کا انداز 'آردو' سے ملتا جلتا تھا۔

پھر 'ہر دل عزیز' ادبی رسائل کا دور شروع ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبدالمجید سالک نے 'فانوس خیال' جاری کیا، جو چند ماہ بعد بند ہو گیا۔ میاں بشیر احمد نے اعلیٰ پائے کا رسالہ 'ہمایوں' جاری کیا۔ اس میں علاوہ ادبی مواد کے حالات حاضرہ پر چند مختصر، لیکن ٹھوس شذرات درج کیے جاتے تھے۔ نیز مہینے بھر کی خبروں کا خلاصہ

بھی دیا جاتا تھا ۔ سید امتیاز علی تاج کا 'کہکشاں' ادبی صحافت کا اعلیٰ نمونہ تھا، لیکن اس کی زندگی بہت مختصر رہی۔ حکیم احمد شجاع نے 'ھزار داستان' جاری کیا، جو مواد اور ظاہری ٹیپ ٹاپ دونوں اعتبار سے خوب صورت تھا ۔ حکیم یوسف حسن کا رسالہ 'نیرنگ خیال' اپنے دور کے بہترین ادبی، علمی، تاریخی اور تہذیبی مقالات کا مخزن تھا، اور اس کے شان دار سال نامے اس عہد کی ادبی روایات کے بہترین علم بردار تھے ۔ یہی کچھ حافظ محمد عالم کے رسالے 'عالمگیر' کے بارے میں کہا جا سکتا ھے، اگرچہ اس کا پایہ 'نیرنگ خیال' سے کچھ کم تھا ۔

'ادبی دنیا' کے بانی مولانا تاجور نجیب آبادی تھے ۔ ان کے بعد منصور احمد مدیر بنے اور پھر مولانا صلاح الدین احمد کی ادارت میں اس کا وہ تاب ناک دور شروع ھوا جو ربع صدی سے جاری ھے ۔ اس رسالے کی بڑی تقطیع، اعلیٰ کاغذ، اور اعلیٰ کتابت و طباعت نیز بلند ادبی معیار نے اسے اپنے ھم عصروں میں ممتاز ترین جگہ عطا کی ۔ اس کے بھی ابتدائی دور میں ادبی مواد کے ساتھ ساتھ علوم حاضرہ پر مقالے درج ھوتے تھے اور اس کی خصوصیت یہ بھی رھی ھے کہ یہ اپنے ھم عصر ادبی رسائل کے منتخب مضامین چھاپتا تھا ۔ مولانا نیاز فتح پوری کے 'نگار' اور شاھد احمد دھلوی کے 'ساقی' نے بھی خدمت ادب میں نمایاں حصہ لیا ۔ اختر شیرانی نے پہلے 'خیالستان' اور پھر 'رومان' جاری کیا ۔ ان دونوں رسالوں میں ھلکا پھلکا ادب پیش کیا جاتا تھا ۔ پشاور سے ایک نہایت اچھا رسالہ 'ادیب' کے نام سے نکلا جس کے مالک آغا جی ۔ اے ۔ گل تھے، جو آج کل مشہور فلم ساز ھیں اور سردار علی احسن نے لاھور سے 'فانوس' جاری کیا ۔

پچیس تیس برس کا ذکر ھے کہ 'کارواں' کے نام سے ایک سالانہ مجلہ نکلا ۔ اس کا ایک شمارہ مجید ملک نے اور ایک ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے مرتب کیا ۔ اس کی گٹ اپ شان دار تھی اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ادب کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ پر مقالات بھی پیش کیے گئے ۔ تقسیم سے چند سال پہلے مجید الملکی نے 'نرگس' کے نام سے جو رسالہ

جاری کیا وہ بھی فنون لطیفہ پر مضامین کے سلسلے میں خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔

جب ترقی پسند تحریک ابھری تو اس کے بطن سے 'نیا ادب' 'ادب لطیف' اور 'سویرا' نے جنم لیا۔ یہ تینوں رسالے ادب کی نئی قدروں کے علم بردار تھے اور ان کے ذریعے سے تنقید کی نئی راہیں معین ہوئیں۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اردو رسالوں کا آغاز علمی صحافت کے طور پر ہوا، تاکہ قارئین مختلف دوائر علمی میں نئی تبدیلیوں سے آگاہ ہوں۔ پھر اردو رسالے علم و ادب کا امتزاج پیش کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ علمی حصہ کم ہوتا گیا اور اردو ادب نمایاں ہو گیا۔ ادبی دائرے میں ہمارے رسالوں نے جو ترقی کی ہے وہ بہت عظیم الشان ہے، لیکن علمی مواد سے جو اغماض برتا گیا ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

اکتالیسواں باب

خبر رساں اداروں کا تاریخی جائزہ

خبر رساں اداروں کا آغاز تو حقیقت میں اسی وقت ہوگیا تھا جب ایشیائی حکم رانوں نے اپنی مملکتوں کے گوشے گوشے میں وقائع نگار مقرر کیے اور ان کی وساطت سے وہ تمام خبروں سے مطلع ہونے لگے۔ لیکن ان اداروں کے جدید تصور کا ماخذ ڈھونڈنا ہو تو ہمیں چودھویں صدی میں تجارت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ یورپ کے بڑے بڑے تجارتی اداروں کی ان کوششوں کا ذکر کرنا ہوگا جن سے کام لے کر انھوں نے مختلف مقامات سے خبریں حاصل کرنے کے لیے امداد باہمی کے اصول پر ادارے قائم کیے۔ تین سو سال بعد فرانک فرٹ، وی آنا، پیرس اور لندن کے مشہور تجارتی ادارے 'راتھس چائیلڈز' نے خبروں کی بہم رسانی کے لیے پیغام بر کبوتروں کو استعمال کیا۔ اسی ذریعے سے انھیں واٹرلو میں ولنگٹن کی شان دار فتح کی خبر سب سے پہلے ملی، اور اس سے انھوں نے نفع بھی کمایا۔

یورپ میں پہلی خبر رساں ایجنسی 'اژانس ہافاس' تھی، جو ایک پرتگیزی تاجر نے ۱۸۳۶ء میں پیرس کے مقام پر قائم کی۔ دس سال کے اندر اندر ایجنسی کے بانی ہافاس نے اپنے دفاتر نہ صرف برسیلز، میڈرڈ، روم اور وی آنا میں، بلکہ امریکہ میں بھی قائم کر لیے۔ یہ ایجنسی دوسری عالمی جنگ کے خاتمے تک قائم رہی۔ اس کے بعد اس کا نیا نام 'اژانس فرانس پریس' قرار پایا۔

هافاس کا ایک جرمن ملازم بیرن پال جولیئس رائٹر تھا - اُسے ایک ترکیب سوجھی جس نے اسے شہرت دوام بخش دی - اس نے سوچا فرانس کا تار برقی کا نظام برسلز میں ختم ہو جاتا ہے اور جرمنی کا نظام آخن سے شروع ہوتا ہے - برسلز سے جو خبریں جرمن تاجروں کو درکار ہوتی ہیں، وہ آہستہ رو گاڑیوں کے ذریعے سے موصول ہوتی ہیں، کیوں نہ اس تیس میل کے خلا کو کبوتروں کی سروس سے پورا کیا جائے، تاکہ فرانس کے نرخ بہت جلد جرمن تاجروں کو مل جائیں - جب اس میں کام یابی ہوئی تو اسے ایک یورپی خبر رساں ادارے کی تشکیل کا خیال ستانے لگا - لیکن فرانس میں ہافاس کا سکہ چلتا تھا اور جرمنی میں اسی قسم کا ایک ادارہ ایک جرمن ولف نامی نے ولف بیورو کے نام سے قائم کر رکھا تھا، اس لیے اس نے برطانوی شہریت اختیار کر کے لندن میں ۱۸۴۹ء میں اپنا دفتر کھول لیا - ۱۸۵۸ء تک اس نے برطانوی اخبارات کو اپنی سروس لینے پر آمادہ کر لیا - اگلے سال اس نے ہافاس اور ولف سے معاہدہ کیا کہ وہ آپس میں خبروں کا تبادلہ کریں گے - ہافاس اور ولف نے یورپ کو آپس میں بانٹ لیا اور رائٹر کو قلمرو برطانیہ اور باقی دنیا میں خبریں جمع کرنے کا اختیار دیا - آپس میں طے پایا کہ ولف اور ہافاس رائٹر کو یورپ کی خبریں دیں گے اور اس کے تبادلے میں قلمرو برطانیہ اور باقی دنیا کی خبریں اس سے لے لیں گے - اس طرح ہر فریق اپنے اپنے علاقے میں اخباروں کو ساری دنیا کی خبریں مہیا کر سکے گا - اس طرح بین‌الاقوامی خبروں کا حصول ممکن ہوا -

برعظیم میں سب سے پہلے ۱۸۶۰ء میں بمبئی ٹائمز نے رائٹر کی سروس لی - پہلے ڈاک کے ذریعے سے اور پھر تار کے ذریعے - آہستہ آہستہ دوسرے اینگلو انڈین اخبارات بھی گاہک بنے - ۱۹۰۰ء میں کلکتے کے اخبار 'بنگالی' نے سروس لی - یہ ہندوستانی ملکیت میں نکلنے والا پہلا اخبار تھا جس نے اس ادارے سے خبریں حاصل کیں - اردو اخباروں میں سب سے پہلے 'زمیندار' نے ۱۹۱۱ء میں اور اس کے بعد 'ہمدرد' نے ۱۹۱۳ء میں رائٹر کی خدمات حاصل کیں -

ھندوستان میں پہلی قومی خبر رساں ایجنسی ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا [ا — پ - ا] تھی۔ یہ ۱۹۰۵ء میں یوں قائم ہوئی کہ 'انگلش مین' 'سٹیٹسمین' اور 'انڈین ڈیلی نیوز' کے شملے میں مقیم نامہ نگاروں نے باھمی اتحاد سے ایک ادارہ ' ایسوشی ایٹڈ پریس ' بنا لیا ۔ اس کے مقابلے پر دو دیسی نامہ نگاروں کے - سی - رائے اور یو - این - سین نے 'پریس بیورو' کے نام سے الگ ادارہ قائم کر لیا ۔ کچھ عرصہ بعد دونوں ادارے ایک ھو گئے اور رائٹر نے اس کے حصے خرید کر اسے اپنے آپ سے ملحق کر لیا ۔

جب ایسوشی ایٹڈ پریس نے اپنے پاؤں پھیلائے اور ھندوستان بھر میں دفاتر قائم کر لیے اور حکومت سے بھی امداد لینی شروع کر دی ، تو قوم پرست عناصر کو اکثر اس سے شکایت ھوئی کہ یہ ایجنسی بہت ' حکومت زدہ ' ھے ، اس لیے ' فری پریس آف انڈیا ' کے نام سے ایک قومی خبر رساں ایجنسی بنائی گئی جس کے منیجنگ ایڈیٹر سدانند تھے ۔ یہ ادارہ کام یاب ثابت ھوا اور اس نے اپنے آپ کو ایک عالمی خبر رساں ادارہ بنا لیا اور غیر ممالک کی ایجنسیوں سے خبروں کا تبادلہ کرنے لگا ۔ بہرحال پھر حالات بدلے اور ۱۹۳۵ء میں 'فری پریس آف انڈیا' بند ھوگیا ۔ اتنے میں ایک اور نئی قومی خبر رساں ایجنسی 'یونائٹڈ پریس آف انڈیا' قائم ھو گئی ، لیکن اسے کوئی خاص کامیابی نصیب نہ ھوئی ۔ مسلمانوں کو ان ایجنسیوں سے یہ شکایت تھی کہ ان پر ھندو غالب ھیں اور وہ مسلم زاویۂ نگاہ کی اشاعت میں حائل ھیں ۔ چناں چہ غالباً ۱۹۴۰ء میں پٹنے میں مسٹر سید محمد نے ' اورینٹ پریس آف انڈیا ' کے نام سے ایک مسلم خبر رساں ایجنسی قائم کر لی ۔ یہ تقسیم تک قائم رھی اور اس نے اپنے محدود ذرائع کے باوجود مسلم مفاد کو تقویت پہنچائی ۔

بیالیسواں باب

برعظیم کے بڑے بڑے انگریزی اخبار

تقسیم سے پہلے برعظیم کے بڑے بڑے انگریزی اخبار یہ تھے: 'سٹیٹسمین'، 'ٹائمز آف انڈیا'، 'امرت بازار پترکا'، 'ھندو'، 'ٹریبیون' 'ھندوستان ٹائمز' اور 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' ۔ آخری سالوں میں 'ڈان' اور 'پاکستان ٹائمز' جاری ھوئے ۔ ان نو اخبارات کا مختصر حال الگ الگ بیان کیا جاتا ھے ۔

'سٹیٹسمین'

اس اخبار کی تاریخ کا آغاز ۱۸۱۸ء میں ھوا جب اس کے مورث اعلیٰ 'فرینڈ آف انڈیا' نے مسیحی مشنریوں کی سرپرستی میں اپنی زندگی سیرام پور (مغربی بنگال) میں شروع کی ۔ یہ ھفت روزہ مسلسل جاری رھا ۔ ۱۸۷۲ء میں ایک اخبار نویس رابرٹ نائیٹ نے کلکتے سے 'انڈین اکانومسٹ' کے نام سے ایک ماھانہ رسالہ جاری کیا ۔ اس کی آرزو تھی کہ انگریزی زبان کا ایک اعلیٰ پائے کا روز نامہ جاری کرے اور 'فرینڈ آف انڈیا' کو اس میں مدغم کر دے ۔ جب دو ڈھائی سال تک اسے اس میں کامیابی نصیب نہ ھوئی تو اس نے اپنے ذاتی اور چوبیس تاجروں کے سرمائے سے جنوری ۱۸۷۵ء میں کلکتے سے 'سٹیٹسمین' جاری کر لیا ۔ دو مہینے بعد وہ 'فرینڈ آف انڈیا' خریدنے میں کام یاب ھو گیا، لیکن اسے نئے اخبار میں مدغم کرنے کی بجائے پہلے الگ ھفت روزے کے طور پر جاری رکھا ۔ کچھ عرصہ بعد ادغام ھوگیا ۔

اُس نے پالیسی کا اعلان یہی کیا کہ میں 'فرینڈ آف انڈیا' کی روایات کو آگے بڑھانے کی سعی کروں گا ۔ دوسرے انگریزی اخباروں کی قیمت چار آنے فی پرچہ تھی ، لیکن 'سٹیٹسمین' ایک آنہ فی پرچہ بکتا تھا ، اس لیے اس اخبار نے بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی اور چوں کہ رابرٹ نائیٹ ایک بے باک صحافی تھا ، اس لیے پرچے کا وقار بھی بلند ہوا ۔ اس وقت سے یہ پرچہ باقاعدہ جاری ہے اور دھلی سے اب بھی نکلتا ہے ۔

'سٹیٹسمین' ایشیا کے چند گنے چنے انگریزی اخباروں میں شمار ہوتا ہے اور اسے بے حد وقیع سمجھا جاتا ہے ۔

'ٹائمز آف انڈیا'

۱۸۶۱ء کا ذکر ہے کہ بمبئی کے قدیم ترین اخبار 'بمبئی ٹائمز' اور تین دوسرے اخباروں ۔۔ 'کوریئر' ، سٹینڈرڈ' اور 'ٹیلی گراف' نے اپنی اپنی انفرادی حیثیت کو ایک نئے اخبار میں جذب کر دیا ۔ اس نئے اخبار کا نام 'ٹائمز آف انڈیا' قرار پایا ۔ رابرٹ نائیٹ اس سے بھی وابستہ تھا ، بلکہ اُس نے اس اخبار کی بنیاد رکھنے میں بہت حصہ لیا ۔ بہر حال چند سال بعد جب دوسرے حصہ داروں سے اختلافات پیدا ہوئے تو اپنے حصے بیچ ڈالے ۔ صدی کے آخر میں اسی ادارے کے زیر اہتمام 'السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا' کے نام سے ھندوستان میں انگریزی زبان کا پہلا باتصویر ھفت روزہ جاری ھوا جو ھفت روزہ صحافتی تکنیک کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے ۔ 'ٹائمز آف انڈیا' اپنی مستند خبروں اور متوازن اداریوں کی بناء پر اپنے ھم عصر 'سٹیٹسمین' کے برابر وقار کا حامل ھے ۔ تقسیم سے کچھ عرصہ پیشتر اس کی ملکیت دیسی ھاتھوں میں آ گئی ۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کے بعد اس کا معیار پہلے کی طرح بلند نہیں رھا ۔

'سول اینڈ ملٹری گزٹ'

'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کی ذات میں بھی کئی دوسرے اخباروں

کی شخصیتیں گم ہیں - ان میں ایک اخبار 'دی مفصلائیٹ' ہے جو ۱۸۴۵ء میں آگرے سے نکلا - دوسرا 'لاہور کرانیکل' جو ۱۸۴۹ء میں لاہور سے جاری ہوا - تیسرا 'انڈین پبلک اوپی نیئن' جو ۱۸۶۶ء میں اسی شہر سے نکلا - خود 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' نے پہلے ۱۸۷۲ء میں شملے میں جنم لیا اور ۱۸۷۶ء میں لاہور منتقل ہو کر روزنامے کی صورت اختیار کی - ۱۹۳۳ء تک اس کی ملکیت ایک کمپنی کے ہاتھ میں رہی جس کے اہتمام میں الہ آباد سے 'پاؤنیر' جاری تھا - اس کے بعد مشہور ہندو سرمایہ دار سیٹھ ڈالمیا نے اس کے بیش تر حصے خرید لیے- سول دو مرتبہ کراچی سے بھی نکلا - دونوں بار کراچی ایڈیشن بند کرنا پڑا -

'سول' کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ پچھلی صدی میں اس کے سٹاف میں انگریزی کا وہ مایۂ ناز ادیب بھی شامل تھا جس کا نام رڈیارڈ کپلنگ تھا اور جس کی ادبی تخلیقات آج بھی دنیا بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں -

'امرت بازار پترکا'

جیسور (مشرقی پاکستان) میں ایک گاؤں امرت بازار کے نام سے مشہور ہے - ۱۸۶۸ء میں وہاں سے ایک شخص سشر کمار گھوش نے 'امرت بازار پترکا' کے نام سے ایک ننھا منا سا پندرہ روزہ بنگالی اخبار نکالا ، جو ایک ایسے پریس میں چھپتا تھا جسے گھوش نے بتیس روپے میں خریدا تھا - ۱۸۷۲ء میں یہ اخبار کلکتے آ گیا - اس وقت اس کا ایک حصہ بنگالی میں تھا اور ایک انگریزی میں - یہ اخبار حکومت پر سخت نکتہ چینی کرتا تھا اور جب ۱۸۷۸ء میں ورنیکلر پریس ایکٹ نافذ ہوا تو اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس اخبار کو کچلا جائے ، لیکن ایکٹ نافذ ہوتے ہی یہ اخبار انگریزی میں نکلنے لگا اور اس طرح قانون کی زد میں آنے سے بچ گیا - اس وقت سے یہ اخبار برابر جاری ہے - اس نے حکومت کے خلاف جد و جہد میں بڑی بڑی قربانیاں دیں ، لیکن مٹایا نہ جا سکا -

'ٹریبیون'

مشہور کانگرسی رہنما سریندرناتھ بینرجی کے مشورے سے پنجاب کے نامی گرامی مخیر بزرگ سردار دیال سنگھ مجیٹھیا نے ۱۸۸۱ء میں لاہور سے 'ٹریبیون' جاری کیا ۔ اُس وقت یہ ہفت روزہ تھا ۔ پانچ سال بعد سہ روزہ ہوگیا اور صدی کے آخر میں ہفتے میں تین مرتبہ نکلنے لگا ۔ ۱۹۰۶ء میں یہ روزنامہ بن گیا ۔ اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام نکلتا تھا ۔ گویا جتنا منافع حاصل ہوتا تھا وہ کاروبار پر لگا دیا جاتا تھا ۔ یہ اخبار مسلسل کانگرس اور ہندو نیشنلسٹ زاویۂ نگاہ کا پرچار کرتا رہا اور ۱۹۴۷ء تک لاہور میں 'سول' کے مقابلے کا اخبار رہا ، اگرچہ فن صحافت کی رو سے 'سول' اس سے بدرجہ ہا بہتر تھا ۔

'ہندو'

۱۸۷۸ھ کا ذکر ہے مدراس میں کوئی ایسا انگریزی اخبار نہیں تھا جو دیسی ملکیت میں ہو ۔ دو سکول ماسٹروں اور لاء کالج کے تین طلبہ نے آپس میں مل کر اس خلاء کو پورا کیا اور 'ہندو' کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کر لیا ۔ تھوڑے عرصے بعد یہ ہفتے میں تین بار نکلنے لگا اور ۱۸۸۹ء میں روزنامہ بن گیا ۔ آہستہ آہستہ یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا اور اس صدی میں خبروں کی بہم رسانی کے اعلیٰ انتظام اور اچھے اداریوں اور قوم پرست پالیسی کی بناء پر ہندوستان کے چوٹی کے انگریزی اخباروں میں شمار ہونے لگا ۔

'ہندوستان ٹائمز'

یہ اخبار ۱۹۲۳ء میں دهلی سے اُن کانگرسیوں نے نکالا جنھوں نے سوراجیہ پارٹی بنا رکھی تھی اور جن کی پالیسی یہ تھی کہ بجائے سول نافرمانی کے کونسلوں کے اندر جا کر آئین کو تباہ کیا جائے ۔

اس کے پہلے ایڈیٹر سردار کے۔ ایم۔ پانیکار تھے۔ یہ اخبار مسلسل کانگرس کی تائید و حمایت کرتا رہا۔ اب بھی اس کی پالیسی یہی ہے۔ اس کے نام ور ایڈیٹروں میں مسٹر دیوداس گاندھی بھی شامل رہے ہیں جو مہاتما گاندھی کے فرزند تھے۔

'ڈان'

یہ اخبار قائد اعظم کی نگرانی میں ۱۹۴۲ء میں دہلی سے نکلا۔ اس کی ملکیت ایک ٹرسٹ کے سپرد تھی جس کے نمایاں ترین رکن قاید اعظم تھے۔ 'ڈان' کے پہلے ایڈیٹر ہندوستان کے مشہور فری لانس صحافی پوتھن جوزف تھے۔ اُن کے بعد مسٹر الطاف حسین نے ادارت سنبھالی۔ 'ڈان' مسلم لیگ کی پالیسی کا ترجمان تھا اور اس نے یہ خدمت بدرجۂ احسن سر انجام دی۔ ۱۹۴۷ء میں جب فسادات ہوئے، تو ہندوؤں نے اس کا پریس جلا دیا اور اس طرح 'ڈان' (دہلی) کی زندگی ختم ہو گئی اور پھر یہ کراچی سے نکلنے لگا۔

'پاکستان ٹائمز'

یہ اخبار ۴- فروری ۱۹۴۷ء کو لاهور سے جاری هوا۔ اُس وقت پنجاب کے مسلمان شہری آزادیوں کے حصول کے لیے سول نافرمانی کی یک زبردست تحریک چلا رہے تھے۔ چوں کہ یہ 'سول' کے پریس میں چھپتا تھا، اس لیے اس کی صورت شکل بالکل 'سول' سے ملتی جاتی تھی۔ دو سال بعد یہ اپنے پریس میں گیا اور وهیں سے اس کی بڑی تقطیع کا آغاز هوا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر ڈسمنڈ ینگ تھے۔ اُن کے بعد فیض احمد فیض مقرر هوئے۔ اس اخبار نے اپنے ابتدائی دور میں مسلم لیگ کی ترجمانی کے فرائض بڑی بے باکی سے سر انجام دیے۔

تینتالیسواں باب

تقسیم کے بعد پاکستان میں صحافت

نیا وطن ، نئے اخبار

۱۴- اگست ۱۹۴۷ء کو افق خاور پر ایک نئی مملکت طلوع ہوئی - جہاں یہ دوسرے امور میں بے سرو سامان تھی ، وہاں صحافت کے سلسلے میں بھی تہی دامن تھی - مشرقی پاکستان میں نہ کوئی روز نامہ تھا نہ کوئی اچھا ہفت روزہ - کراچی میں تین انگریزی اخبار موجود تھے - 'سندھ آبزرور'، 'ڈیلی گزٹ' اور 'کراچی ڈیلی' - یہ تینوں غیر مسلم ملکیت میں تھے - اور ہندوؤں کی نقل مکانی کے بعد عملاً دم توڑ رہے تھے - سندھی زبان کا اخبار 'الوحید' البتہ زندہ اور سرگرم تھا - جہاں تک اردو صحافت کا تعلق تھا ، یہ کراچی میں نہ ہونے کے برابر تھی - پشاور میں 'خیبر میل' کے نام سے انگریزی زبان کا ایک نحیف اور بے اثر روز نامہ جاری تھا - اردو زبان میں 'الفلاح'، 'الجمعیت اور سرحد' کے نام سے روز نامے موجود تھے ، لیکن نہ یہ باقاعدہ نکلتے تھے اور نہ خبروں کی فراہمی ، ترتیب اور اداریوں کے لحاظ سے ان کی کوئی خاص اہمیت تھی - راولپنڈی سے کوئی قابل ذکر اخبار نہیں نکلتا تھا - لائل پور سے دو اردو روز نامے 'سعادت' اور 'ڈیلی بزنس رپورٹ' جاری تھے - ملتان اور حیدرآباد سے کوئی روز نامہ نہیں نکلتا تھا - لے دے کر لاہور ہی صحافت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں سے بے شمار غیر مسلم اخبار نقل مکانی کرگئے - ان میں نمایاں اخبار یہ تھے:

'ٹریبیون'، 'پرتاپ'، 'ملاپ'، 'ویر بھارت'، 'بندے ماترم'، 'پربھات'، 'جے ہند' اور 'اجیت'۔ اب میدان میں صرف 'سول اینڈ ملٹری گزٹ'، 'پاکستان ٹائمز'، 'زمیندار'، 'انقلاب'، 'احسان'، 'شہباز'، اور 'نوائے وقت' باقی رہ گئے۔

پاکستان نے صحافت میں جو ترقی کی، وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ اس میں ایک تو ان اخباروں کا ہاتھ ہے، جو ہندوستان سے یہاں آگئے اور دوسرے وہ اخبار، جو یہاں کے لوگوں نے جاری کئے۔ آج یہ صورت ہے کہ مغربی پاکستان میں لاہور، کراچی، ملتان، حیدر آباد، لائل پور راولپنڈی اور پشاور اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ اور چاٹگام صحافت کے اہم مرکز بن چکے ہیں۔

مشرقی پاکستان

مشرقی پاکستان میں بہت جلد صحافت نے اپنے پاؤں جما لیے۔ 'مارننگ نیوز'، جو ۱۹۴۲ء سے کلکتے سے نکل رہا تھا، ڈھاکے آگیا، اور آج کل کراچی اور ڈھاکے سے بہ یک وقت نکلتا ہے۔ بنگال کے ایک سیاستدان مسٹر حمیدالحق چودھری نے 'الہلال' کے نام سے ایک کمپنی بنائی، جس کے زیر اہتمام 'پاکستان آبزرور' کے نام سے اعلیٰ پائے کا ایک انگریزی روزنامہ جاری ہوا۔ نیز 'چترالی' کے نام سے ایک فلمی ہفت روزہ شروع ہوا جس کی اشاعت بہت وسیع ہے۔ بنگالی روز ناموں میں سب سے نمایاں 'آزاد' ہے اور یہی سب سے زیادہ اشاعت کا مالک ہے۔ یہ اخبار ۱۹۳۶ء میں مولانا محمد اکرم خاں نے کلکتے سے جاری کیا تھا۔ آج بھی وہ اس کے مدیر اعلیٰ ہیں، لیکن اصل ادارت دوسروں کے سپرد ہے۔ اس اخبار نے بنگال کے مسلمانوں میں نظریۂ پاکستان کو فروغ دینے کے لیے جو خدمات سر انجام دیں، وہ نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ بنگالی زبان کا دوسرا بڑا روز نامہ 'سنگ باد' ہے۔ یہ پہلے ۱۹۴۷ء میں 'زندگی' کے نام سے نکلا۔ جب وہ بند ہو گیا، تو پھر نئے روپ میں نمودار ہوا اور خاصا کام یاب رہا تیسرا اہم بنگالی روزنامہ 'اتفاق' ہے جسے عوامی لیگ کے رہ نماؤں نے جاری کیا تھا اور یہ اسی جماعت کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مشرقی پاکستان میں اردو صحافت کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صوبے کے اصل باشندوں میں بہت کم اردو جانتے ہیں۔ جب مہاجرین آئے تو اردو سمجھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد بڑھی۔ ۱۹۴۸ء کے آغاز میں ڈاکٹر عندلیب شادانی، قمراحمدعثمانی اور وحید قیصر ندوی نے 'مشرقی پاکستان' کے نام سے ایک سہ‌روزہ اردو اخبار جاری کیا، لیکن اس کی زندگی مختصر رہی، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ارکان ادارہ میں پھوٹ پڑگئی۔ اسی سال روزنامہ 'پاسبان' جاری ہوا اور جاری ہے۔ یہ اخبار اگرچہ 'مکمل اخبار' قرار نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ اس کا حجم کم، کتابت معمولی اور چھپائی گوارا ہے۔ ذرائع محدود ہیں اور خبریں کم دی جاتی ہیں، لیکن اس کی یہ اہمیت کیا کم ہے کہ یہ ڈھاکے میں قیام پاکستان کے بعد عملاً اردو صحافت کا نقیب اول تھا۔ ایک اور ضمیمہ نما اردو روزنامہ 'انگارہ' نکلا، لیکن کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا، کچھ اور اخبار بھی جاری ہوتے رہے۔ ۱۹۵۸ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مشرقی پاکستان میں انگریزی کے تین، بنگالی کے دس اور اردو کے تین روزنامے موجود تھے۔

کراچی

تقسیم سے پہلے کراچی کی آبادی بہت کم تھی اور اردو جاننے والوں کی تعداد تو آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ تقسیم کے بعد مہاجرین کا ایسا زبردست سیلاب آیا کہ اس شہر کا حلیہ بدل گیا اور اسی نے اس شہر کو صحافت کا ایک بہت بڑا مرکز بنا دیا۔ پرانے انگریزی اخباروں میں 'کراچی ڈیلی' بند ہو گیا، 'ڈیلی گزٹ' کچھ عرصہ 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کے کراچی ایڈیشن کا روپ لے کر نکلا، لیکن آخرکار اسے بھی بند ہونا پڑا۔ 'سندھ آبزرور' کی ملکیت مسٹر ایم۔ اے۔ کھوڑو کے ہاتھ آئی اور پیرعلی محمد راشدی اس کے ایڈیٹر بنے، لیکن یہ اخبار بھی پٹ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ 'ڈان' نکل آیا تھا اور وہ مسلم لیگی اور پاکستانی روایات کا حامل تھا۔ نیز پاکستان ہیرلڈ پبلی کیشنز لمیٹڈ کے زبردست سرمائے نے اسے حیات تازہ بخشی۔ اسی کمپنی نے 'ڈان' کا ایک

اُردو ایڈیشن ٹائپ میں نکالا ، لیکن وہ مقبول نہ ہوا ۔ گجراتی ایڈیشن نے البتہ ترقی کی ۔ اسی کمپنی کے زیراہتمام 'ایوننگ سٹار' کے نام سے شام کا انگریزی اخبار جاری ہے ۔ نیز 'السٹریٹڈ ویکلی آف پاکستان' بھی اسی زنجیرے کا رکن ہے ۔ پھر ڈھاکے کا 'مارننگ نیوز' یہاں سے نکلنے لگا ۔ مسٹر زیڈ ۔ اے ۔ سلہری نے پہلے 'ایوننگ ٹائمز' نکالا ، پھر اسے 'ٹائمز آف کراچی' کا روپ دیا ، اور ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے انگریزی روزنامے نکلے ۔

اُردو صحافت میں 'جنگ' کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ یہ دہلی سے نکلتا تھا ، اگست ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچا اور بہت جلد کراچی کا سب سے زیادہ کثیرالاشاعت اخبار بن گیا ، اور یہ امتیاز اسے اب تک حاصل ہے ، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پاکستان بھر میں کسی دوسرے اخبار کی اتنی اشاعت نہیں ۔ اس کے مالک میر خلیل الرحمان اور مدیر سید محمد تقی ہیں ۔ اس میں خبریں سنسنی خیز انداز میں دی جاتی ہیں ۔ تصاویر پیش کرنے میں پیش پیش ہے ۔ عام دل چسپی کے فیچر چھاپتا ہے ۔ اس کے مزاحیہ کالم عام پسند ہوتے ہیں ۔ پہلے مجید لاہوری لکھتے تھے ۔ پھر ابراہیم جلیس اور شوکت تھانوی[1] لکھنے لگے ۔ ۱۹۶۳ء میں شوکت تھانوی انتقال کر گئے ۔ 'جنگ' عوام کی رائے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور انھی کی رائے کا ترجمان اور عکاس ہے ۔ جب 'جنگ' آیا تو اس کے ساتھ ہی اس کا دہلی کا پرانا حریف 'انجام' بھی آ پہنچا ۔ 'انجام' دہلی میں 'جنگ' سے زیادہ مقبول تھا ، لیکن کراچی میں اس کی مقبولیت 'جنگ' کے مقابلے پر کم ہے ۔ لیکن پھر بھی یہ کثیرالاشاعت اخبار ہے اور اس کی پالیسی اور رنگ روپ 'جنگ' سے مختلف نہیں ہیں ، 'انجام' کا ایک ایڈیشن پشاور سے بھی نکلتا ہے اور 'جنگ' کا راولپنڈی سے ۔

'جنگ' اور 'انجام' کے علاوہ کراچی سے کئی اور اردو روزنامے جاری ہیں ، جن میں 'نئی روشنی' ، 'انقلاب' اور 'مسلمان' نمایاں ہیں ۔ گجراتی زبان کے دو روزنامے جاری ہیں ۔ ایک 'ڈان' کا گجراتی ایڈیشن ، دوسرا 'ملت' جس کے مالک و مدیر مسٹر فخر ماتری ہیں ۔ 'ملت' اشاعتی

اور کاروباری لحاظ سے خاصا کام یاب اخبار ہے - مسٹر فخر ماتری کا ایک انگریزی اخبار 'لیڈر' شام کے وقت نکلتا ہے اور ایک اعلیٰ پائے کا اردو روز نامہ 'حریت' جاری ہے - سندھی زبان کے اخباروں میں 'مہران' اچھے پائے کا روز نامہ سمجھا جاتا ہے - ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق کراچی سے کل اٹھائیس روز نامے نکلتے ہیں - ان میں چھ انگریزی کے ، سولہ اردو کے ، تین گجراتی کے اور تین سندھی کے ہیں -

حیدر آباد اور دوسرے مرکز

حیدر آباد بھی قیام پاکستان کے بعد اخباری مرکز بنا - یہاں ۱۹۶۲ء میں پہلا انگریزی روز نامہ 'انڈس ٹائمز' کے نام سے نکلا - اس کے مدیر مسٹر عبدالمجید اس سے پہلے لاہور کے 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کے ایڈیٹر تھے - 'پاسبان' اردو میں نکلتا ہے اور سندھی کے دو روز نامے نمایاں ہیں - اول ، 'عبرت' جس کے مالک قاضی محمد اکبر (سابق وزیر تعلیم ، سندھ) ہیں - اس اخبار کی اشاعت خاصی ہے - دوم ، 'ہلال پاکستان' - یہ بھی ایک اچھا روز نامہ ہے اور اس کا ایک ایڈیشن سکھر سے بھی جاری ہے - سکھر بہ ذات خود ایک اخباری مرکز بن گیا ہے - وہاں سے 'ہلال پاکستان' کے علاوہ ایک روز نامہ 'کلیم' نکلتا ہے ، جو پہلے ہفتہ وار تھا - کوئٹے سے روز نامہ 'زمانہ' جاری ہے - بہاول پور کے سہ روزوں میں ولی اللہ اوحد کا 'کائنات' اور ملک حیات ترین کا 'رہبر' نمایاں ہیں - اس کے علاوہ 'مغربی پاکستان' کے نام سے ایک روز نامہ جاری ہے - جو 'مغربی پاکستان' (لاہور) ہی کا ایک ایڈیشن ہے -

لاہور

لاہور پاکستان کے علاقوں کا قدیم ترین اخباری مرکز ہے - تقسیم کے بعد یہاں انگریزی زبان کے دو روز نامے رہ گئے ، ایک 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' ، دوسرا 'پاکستان ٹائمز' - اول‌الذکر کی ملکیت سیٹھ ڈالمیا کے ہاتھ میں تھی ، کچھ عرصہ بعد بغیر کسی رقم کی ادائیگی کے یہ ملکیت خواجہ نذیر احمد کے نام منتقل ہوگئی - خواجہ صاحب کے دور

میں اس اخبار کا معیار روز بہ روز گرتا چلا گیا اور اس کی اشاعت بھی بہت کم ہوگئی - ان سے یہ پرچہ مشہور صنعت کار نصیر احمد شیخ نے خرید لیا - پہلے کلاڈ سکاٹ اور پھر عبدالمجید اس کے ایڈیٹر رہے - پھر مسٹر حامد محمود (سابق مینجنگ ڈائریکٹر نوائے وقت لمیٹڈ) اس کے مینجنگ ایڈیٹر بنے - اور عبدالحمید شیخ ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہوئے کچھ عرصہ بعد انتظام بدل گیا - اور پاکستان ٹائمز کے مسٹر زہیر صدیقی اس کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے اور اشاعت میں اضافہ ہوا -

'سول' کے زوال سے 'پاکستان ٹائمز' کو فائدہ ہوا اور اس کی اشاعت بہت بڑھ گئی - آج کل پاکستان کے انگریزی اخباروں میں اسی کی اشاعت سب سے زیادہ ہے - یہ اخبار پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کی ملکیت ہے - اس میں پہلے میاں افتخارالدین مرحوم حصوں کی غالب اکثریت کے مالک تھے - اس لیے وہی اس کی پالیسی چلاتے تھے - مارشل لاء کے بعد ایک خاص آرڈی ننس کے ذریعے سے حکومت نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا - میاں افتخار الدین کے حصے نیلام کر دیے گئے اور پانچ حضرات نے یہ حصے خرید لیے - اُن سے بعد میں چودھری ظہور الٰہی ممبر نیشنل اسمبلی نے حصے خرید لئے - مارشل لاء کے آرڈی ننس کے بعد اس کے ایڈیٹر مسٹر مظہر علی خاں مستعفی ہوگئے، اُن کی جگہ مسٹر احمد علی خاں مقرر ہوئے اور چیف ایڈیٹر کے عہدے پر مسٹر محمد سرفراز فائز ہوئے - موصوف کے دور میں اخبار کی اشاعت بہت بڑھ گئی، جب یہ اخبار حکومت کے انتظام سے نکل کر آزاد ہوا تو مسٹر زیڈ - اے - سلہری اس کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے جو اس سے پہلے 'ایوننگ ٹائمز' (کراچی) 'ٹائمز آف کراچی' اور 'ایوننگ ٹائمز' (لاہور) کے ایڈیٹر رہے تھے - چند ماہ بعد مسٹر سلہری مستعفی ہوئے اور خواجہ محمد آصف اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے اور عملۂ ادارت میں کچھ اور تبدیلیاں بھی ہوئیں ●

تقسیم کے بعد صرف پانچ اُردو اخبار رہ گئے - 'زمیندار'، 'نوائے وقت'، 'احسان'، 'شہباز' اور 'انقلاب' - ان میں 'زمیندار' سب سے کثیرالاشاعت تھا اور اس کی یہ حیثیت ۱۹۵۳ء تک رہی - 'نوائے وقت' اشاعت میں اس سے کم تھا، لیکن یہ بڑا صاحب اقتدار اور با اثر اخبار تھا - 'احسان' کی اشاعت درمیانہ درجے کی تھی - لیکن اپنی

غیر ہر دل عزیز پالیسی کی وجہ سے ایسا گرا کہ پھر نہ سنبھلا اور اب محض 'ڈمی' کے طور پر جاری ھے - 'شہباز' کی اشاعت بہت کم تھی، چناں چہ اس کے مالک ملک نور الٰہی اسے پشاور لے گئے - 'انقلاب' کی اشاعت ڈھائی تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی، اس نے 'اپوزیشن' کی صورت اختیار کی، لیکن حالات نامساعد تھے - حکومت مغربی پنجاب نے اس کے اشتہار بند کر دیے، بلکہ کاغذ کا کوٹا بھی بند کردیا - حکومت سرحد نے قیوم وزارت پر نکتہ چینی کی وجہ سے سرحد میں اس کا داخلہ بند کر دیا - اُدھر ھندوستان نے بھی اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا - ایک طرف یہ مصائب تھے، دوسری طرف سرمائے کی کمی تھی - نتیجہ یہ ھوا کہ نومبر ۱۹۴۹ء میں بائیس سال کی زندگی کے بعد یہ اخبار بند ھوگیا -

پاکستان بنتے ھی لاھور میں ضمیموں کی وباء شروع ھوئی - جس کے پاس پچاس ساٹھ روپے ھوتے تھے، وہ ایک ضمیمہ نکال لیتا تھا، جس میں چند جھوٹی سچی سنسنی خیز خبریں، دو ایک سستے سے اشتہار اور ایک آدھ لچر سا افتتاحیہ ھوتا اور بس - مہاجر آ رھے تھے اور ان کی دل خراش داستانیں سننے کو ھر شخص کا جی چاھتا تھا اور ان اخباروں نے جھوٹی سچی داستانیں چھاپیں اور اشاعتیں بڑھا لیں - لیکن ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی بے شمار لوگوں نے ضمیمے نکال لیے اور مقابلہ اتنا سخت ھوا کہ تقریباً سب ختم ھو گئے -

کئی نئے اخبار وجود میں آئے، مثلاً 'آغاز'، جسے ملک احسان الٰہی نے شروع کیا - 'طاقت' جس کے مالک علی محمد برق تھے - وقار انبالوی نے 'سفینہ' جاری کیا - شریف حسین سہروردی نے بڑی سج دھج سے 'مغربی پاکستان' نکالا - احرار کے اخبار 'آزاد' کا احیاء ھوا - جماعت اسلامی کی طرف سے 'قاصد' اور 'تسنیم' نکلے - 'نوائے پاکستان' معرض وجود میں آیا - روزنامہ 'خاتون' برعظیم میں عورتوں کا واحد روزنامہ تھا جس کی ادارت مشہور قومی کارکن فاطمہ بیگم (دختر منشی محبوب عالم پیسہ اخبار والے) کرتی تھیں - 'آغاز' اور 'طاقت' اور 'نوائے پاکستان'

بند ہو گئے - مؤخرالذکر کے مدیر مولانا مرتضیٰ احمد خاں تھے - 'مغربی پاکستان' ایم شفاعت نے خرید لیا - اب لاہور اور بہاول پور سے بیک وقت نکلتا ہے - اس کی بھی ادارت کچھ عرصہ مولانا مرتضیٰ احمد کے ھاتھ میں رہی - 'آزاد' کی ادارت پہلے شورش کاشمیری کے سپرد تھی، اب شیخ حسام الدین اس کے ایڈیٹر ہیں - 'قاصد' اور 'تسنیم' بھی بند ہیں - ان کے مدیر مولانا نصر اللہ خاں عزیز تھے - کچھ عرصہ بعد لاہور سے 'ھلال پاکستان' مسٹر محمد سلیم کی ادارت میں جاری ھوا - یہ لاہور اور سرگودھا سے بیک وقت شائع ھوتا ہے - جن دنوں 'سول' خواجہ نذیر احمد کی ملکیت میں تھا، اس کے اہتمام میں 'ملت' کے نام سے ایک روزنامہ نکلا جس کے ایڈیٹر شبلی بی کام تھے - اس اخبار کی دو بڑی خصوصیات تھیں - اول، یہ قسمت علمی و ادبی 'آف سیٹ' پر چھاپتا تھا - دوسرے، اس نے اخباری تصاویر کو مستقل فیچر بنایا - لیکن یہ اخبار کچھ عرصہ بعد بند ھو گیا - 'آفاق' کا آغاز بھی بڑی دھوم دھام سے ھوا - مولانا محمد سرور، میاں محمد شفیع، حبیب اللہ اوج، ظہور عالم شہید اور دوسرے اچھے صحافی اس کے عملۂ ادارت میں تھے - ابتداء میں اس کی اشاعت دس ہزار سے تجاوز کر گئی اور پھر جلد ھی کم ھو گئی - اس اخبار کو میاں ممتاز دولتانہ کی سر پرستی حاصل تھی - جب یہ سرپرستی ختم ھوگئی، تو مشہور صنعت کار مسٹر سعید سہگل نے اخبار خرید لیا - میر نور احمد صاحب کو مینجنگ ایڈیٹر اور مولانا غلام رسول مہر کو ایڈیٹر مقرر کیا، لیکن مولانا مہر جلد ھی الگ ھو گئے - کچھ عرصہ بعد مسٹر سعید سہگل اس پرچے سے تنگ آ گئے - انھوں نے اپنے حصے کارکن صحافیوں کے سپرد کر دیے - ادھر میر نور احمد صاحب نے اپنے حصے مسٹر ریاض قرشی کے ھاتھ بیچ دیے - نئے حصہ داروں اور پرانے حصہ داروں میں کش مکش نے پرچہ عارضی طور پر بند کر دیا - اس کے بعد مسٹر ریاض قرشی کے حصے مشہور سیاسی کارکن راؤ مہروز اختر نے لے لیے، لیکن پرچے کی مالی حالت سقیم رہی - یہ لائل پور اور لاہور سے بیک وقت نکلتا تھا، پھر لائل پور کا ایڈیشن بند ھو گیا - اب صرف لاہور سے نکلتا ہے -

لاهور کے نئے اور اہم اخبارات میں 'امروز' کا نام سر فہرست ہے۔ یہ اخبار پروگریسو پیپرز لیمٹڈ نے مولانا چراغ حسن حسرت کی ادارت میں نکالا۔ مولانا محمد سرور اور ایوب کرمانی ان کے معاون تھے۔ ان تین حضرات کے علاوہ 'امروز' کے تمام کارکن صحافی تعلیم یافتہ نوجوان، لیکن نو مشق صحافی تھے۔ انھیں حسرت کی تربیت میسر آئی اور حسرت جدید انداز صحافت کے علمبر دار تھے۔ چنانچہ یہ اخبار ظاہری ٹیپ ٹاپ کے لحاظ سے ایک واقعی نیا اور مختلف اخبار معلوم ہوتا تھا۔ ایک عرصے تک اشاعت محدود رہی۔ 'پاکستان ٹائمز' کی اشاعتی مشینری کی مدد کے باوجود اشاعت بڑھنے نہ پائی۔ غالباً چھ ہزار سے کبھی متجاوز نہ ہوئی۔ اس کے بعد حسرت صاحب نے استعفیٰ دیا، سرور صاحب پہلے نکل چکے تھے، اب جناب احمد ندیم قاسمی ایڈیٹر بنے۔ اتنے میں ختم نبوت کی تحریک اٹھی 'زمیندار' حکماً بند کردیا گیا اور 'امروز' نے علمائے کرام کی تصاویر چھاپ کر اور ان کی خبروں کو خصوصی اہمیت دے کر 'زمیندار' کی اشاعت حاصل کرلی۔ یہیں سے اس کی وسیع اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب پروگریسو پیپرز پر حکومت نے قبضہ کر لیا تو احمد ندیم قاسمی مستعفی ہو گئے اور مدیر معاون ظہیر بابر اس کے مدیر بن گئے۔ یہ ملتان اور لاہور سے بیک وقت جاری ہے۔ کراچی سے بھی نکلتا تھا۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں کراچی کا ایڈیشن بند ہو گیا۔

لاہور کی صحافت میں 'کوہستان' کے اجراء اور نشو و ارتقاء نے تمام ہم عصر اخباروں کو متأثر کیا ہے۔ یہ اخبار پہلے راولپنڈی سے جاری ہوا، پھر اس کا لاہور ایڈیشن نکلنے لگا۔ اس کے بعد ملتان ایڈیشن جاری ہوا، لیکن پرچے کی اصل ترتیب لاہور ہی میں ہوتی ہے۔ اس کے مدیر مشہور ناول نگار اور اخبار نویس جناب نسیم حجازی ہیں۔ آپ نے ابتداء شاعری سے کی پھر اسے چھوڑ کر ناول نویسی اختیار کی اور بے شمار ایسے ناول لکھے جن کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ صحافت کا آغاز کوئٹے سے کیا پھر روز نامہ 'تعمیر' (راولپنڈی) کی ادارت کرتے رہے۔ وہاں سے مستعفی ہو کر 'کوہستان' جاری کیا۔ 'کوہستان' پاپولر جرنلزم (ہردلعزیز صحافت) کا ایک نمونہ ہے، اور

اس کی دیکھا دیکھی دوسرے اخباروں نے بھی یہی رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ 'کوہستان' 'جنگ' کے بعد مغربی پاکستان کا سب سے زیادہ کثیرالاشاعت اردو اخبار بن چکا ہے ۔

لاہور کے ہفت روزہ اخباروں کا ذکر بھی ضروری ہے - ان میں 'لیل و نہار' ، 'چٹان' ، 'اقدام' 'لاہور' اور 'قندیل' نمایاں ہیں 'لیل و نہار' پروگریسو پیپرز کا اخبار ہے ۔ اس کے پہلے مدیر سبط حسن تھے، پھر ظہیر بابر آئے اور اب صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ہیں ۔ یہ سارے کا سارا 'آف سیٹ' پر چھپتا ہے ۔ نیم ادبی نیم سیاسی ، ثقافتی اور کسی قدر فلمی ہفت روزہ ہے اور صورت شکل امریکہ کے رسالے 'ٹائم' سے ملتی جلتی ہے ۔ چٹان کے مدیر آغا شورش کاشمیری ہیں جو اعلیٰ پائے کے عوامی مقرر ، شاعر اور نثار اور صحافی ہیں ۔ آن کی تحریروں میں ایک خاص قسم کی ترشی اور شوخی نے قارئین کا ایک ایسا حلقہ پیدا کر لیا ہے جو آن کے نام پر 'چٹان' کا گرویدہ ہے ۔ یوں بھی 'چٹان' ایک اچھا ہفت روزہ ہے ۔ سیاست اور ادب نمایاں ہیں ، ویسے دوسرے موضوعات پر بھی مضامین چھپتے رہتے ہیں ۔ 'اقدام' کو میاں شفیع اور ممتاز احمدخان ایڈٹ کرتے ہیں ۔ اس کی بڑی خصوصیت م ۔ ش کی ڈائری ہے جسے لوگ شوق سے پڑھتے ہیں ۔ اس کا غالب حصہ سیاسی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے ۔ 'لاہور' کے مدیر ثاقب زیروی ہیں ۔ وہ ایک اچھے شاعر اور چابک دست صحافی ہیں ، اور اچھا پرچہ مرتب کرلیتے ہیں۔ 'قندیل' کی ادارت شیر محمد اختر اور شرق بن شایق کے سپرد ہے ۔ عموماً نئے لکھنے والوں کے مضامین چھاپتا ہے ، اور سکولوں اور کالجوں کے طلبہ اور طالبات اور دوسرے عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اپنے تنوع اور پاکیزہ مواد کی بناء پر نہایت اچھا اخبار ہے ۔

ملتان

'شمس' کے نام سے ایک روزنامہ عرصے تک جاری رہا ۔ لیکن یہ شہر اخباری مرکز اس وقت بنا جب تقریباً ایک ہی وقت میں

'نوائے وقت'، 'امروز' اور 'کوہستان' نے یہاں سے بھی اپنے ایڈیشن نکالنے شروع کئے۔

راولپنڈی

راولپنڈی میں باقاعدہ روزانہ صحافت کا آغاز 'تعمیر' سے ہوا جو قومی کتب خانہ (لاہور) نے جاری کیا۔ اس کے پہلے مدیر نسیم حجازی تھے اور دوسرے محمد فاضل۔ موخرالذکر اس سے پہلے 'پھول' اور 'شیرازہ' میں کام کر چکے تھے۔ اس کے بعد مشہور مزاحیہ شاعر ضمیر جعفری نے 'باد شمال' نکالا، لیکن یہ چند ماہ بعد بند ہو گیا۔ پھر 'کوہستان' نکلا۔ 'زمیندار' نے اپنا راولپنڈی ایڈیشن جاری کیا جو چند ماہ بعد بند ہو گیا۔ 'نوائے وقت' بھی راولپنڈی سے جاری ہے۔ ایک مقامی روز نامہ 'تاجر' کے نام سے نکلتا ہے۔ 'ناقوس' بھی جاری ہوا۔ 'لاہور' سے بھی نکلنے لگا اور پھر بند ہوگیا۔ جب راولپنڈی میں پاکستان کا عارضی دارالحکومت بنا، 'پاکستان ٹائمز' یہاں سے بھی نکلنا شروع ہوگیا اور 'جنگ' (کراچی) کا ایک ایڈیشن راولپنڈی سے جاری ہو گیا۔ ان اخباروں کے علاوہ ایک اور روز نامہ 'ہلال' بھی موجود ہے۔ یہ پاکستانی فوجیوں کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے ایڈیٹر مشہور اردو افسانہ نگار آغا بابر بٹالوی ہیں۔ مسٹر اکرام قمر ان کی معاونت کرتے ہیں۔

لائل پور اور سرگودھا

لائل پور سے پانچ روز نامے جاری ہیں — 'عوام' خلیق قریشی کی ادارت میں نکلتا ہے۔ 'سعادت' کے مدیر ناسخ سیفی ہیں۔ یہ پرانا اخبار ہے اور کچھ عرصہ ملتان سے بھی جاری رہا۔ 'غریب' خاص طور پر ہردلعزیز اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر ریاست علی آزاد ہیں۔ لاہور کا 'آفاق' بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ 'نوائے وقت' کچھ عرصہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ لائل پور کے ایک روزنامے 'ڈیلی بزنس رپورٹ' کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ پاکستان کا واحد تجارتی روز نامہ ہے

اور نہایت کامیاب ہے ۔ اس کے مدیر جناب شاہ محمد عزیز ہیں ۔ ۱۹۶۳ء میں اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی نکلنے لگا ۔

لائل پور سے 'وفاق' کے نام سے ایک اچھا ہفت روزہ جاری ہے ۔ اس کا ایک روزانہ ایڈیشن سرگودھے سے نکلتا ہے ۔ نیز سرگودھے سے 'ہلال پاکستان' (لاہور) کا بھی ایک ایڈیشن جاری ہے ۔ ربوے سے احمدیوں کا آرگن 'الفضل' جاری ہے جو پہلے قادیان سے اور پھر لاہور سے نکلتا تھا ۔

پشاور

پشاور سے ایک انگریزی روز نامہ 'خیبر میل' کے نام سے جاری ہے ، لیکن اس کی اشاعت محدود ہے ۔ اردو روزناموں میں 'شہباز'، 'بانگ حرم' اور 'انجام' نمایاں ہیں ۔ 'شہباز' کے مدیر شریف فاروق تھے ، جو بعد میں 'نوائے وقت' کے لندنی نامہ نگار بن گئے ۔ ان کے بعد اس کی ادارت مسٹر مقبول الٰہی بارایٹ لاء کے سپرد ہوئی ۔ 'بانگ حرم' کے مالک ماسٹر خان گل اور مدیر مولانا محمد سرور تھے، ایک سال بعد سرور صاحب مستعفی ہو گئے ۔ اور 'انجام' حقیقت میں کراچی کے 'انجام' کا پشاور ایڈیشن ہے ۔ ان کے علاوہ 'الفلاح' ، 'ترجمان افغان' اور 'ہمارا پاکستان' عرصے سے جاری ہیں ، لیکن انھیں وہ ساز و سامان حاصل نہیں جو ان کے ہم عصروں کو حاصل ہیں ۔

چوالیسواں باب

تقسیم کے بعد، پاکستان میں صحافت ــ ۲

اردو صحافت کے فنی پہلو

اگرچہ پاکستان کی قومی زبانیں دو ہیں، یعنی اردو اور بنگالی، لیکن چالو زبانیں تین ہیں، یعنی اردو، بنگالی اور انگریزی - ان تینوں زبانوں میں بہت سے اخبار جاری ہیں، لیکن اردو اخبارات کی کل اشاعت بنگالی اور انگریزی کے مقابلے پر کہیں زیادہ ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی اور اردو صحافت کی جڑیں اس ملک میں پہلے سے مضبوط تھیں، اور بنگالی صحافت کا اصل مرکز کلکتہ تھا اور مشرقی پاکستان میں بنگالی کی روزانہ صحافت کی عمر پندرہ برس سے زیادہ نہیں -

فنی اعتبار سے اردو اخباروں نے پاکستان میں بہت ترقی کی ہے - اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

۱ - خبروں کی بہم رسانی کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے - تمام اچھے اخبار زیادہ سے زیادہ ملکی اور غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کی سروس لے رہے ہیں اور ہر اخبار کے دفتر میں ٹیلی پرنٹر نصب ہیں - اردو اخباروں کو اس بات کا کامل احساس ہے کہ اُن کے قارئین ایسی خبریں بھی پڑھنا چاہتے ہیں جو ایجنسیوں کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں - چناں چہ ہر اخبار کے چند مقامی نامہ نگار اور فیچرنگار ضرور ہوتے ہیں-

بڑے بڑے شہروں اور بعض حالات میں غیر ممالک میں بھی نامہ نگار مقرر ہیں ۔ اضلاعی نامہ نگاروں کو اب اکثر اخبار معاوضہ دیتے ہیں ۔ غرض جہاں تک خبروں کا تعلق ہے اردو اخبار ان کی فراہمی کے لیے ہر ممکن سعی کرتے ہیں ۔

۲ ۔ تقسیم سے پہلے اردو اخباروں کی 'میک اپ' اچھی نہیں ہوتی تھی ۔ تقسیم کے بعد اس میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں ۔ کراچی کے اخباروں نے دھلوی صحافت کا انداز اختیار کیا اور لاہور کے اخباروں نے 'امروز' کے زیر اثر جدید 'میک اپ' کے اصول اپنا لیے ۔ اس کے بعد 'کوھستان' نے 'میک اپ' کا ایک نیا 'پاپولر' رنگ پیش کیا اور اب لاہور کے سب اخبار اس سے متاثر نظر آتے ہیں ۔

۳ ۔ تقسیم سے پہلے اردو اخباروں کے اداریوں کے موضوعات اکثر و بیشتر سیاسی ہوتے تھے ۔ اب ان میں تنوع پیدا ہو گیا ہے اور معاشی اور معاشرتی اور ثقافتی مسائل پر بھی اداریے لکھے جاتے ہیں ۔ اداریہ نگاری میں ترقی اور تنزل دونوں کے آثار ملتے ہیں ۔ ترقی اس لحاظ سے کہ موضوعات متنوع ہو گئے ہیں اور اداریے مختصر لکھے جاتے ہیں ۔ اور تنزل اس لحاظ سے ، کہ سوائے چند مستثنیات کے اداریے پر مغز نہیں ہوتے ۔

۴ ۔ تقسیم سے پہلے اردو صحافت پر ایسے اخبار نویس چھائے ہوئے تھے جو بہ یک وقت ادیب اور صحافی تھے ، اس لیے صحت زبان کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی ۔ اب صحافیوں کی غالب تعداد ایسے افراد پر مشتمل ہے جو ادیب نہیں صرف اخبار نویس ہیں ۔ اس سے فن صحافت کو فائدہ پہنچا ہے ، لیکن صحت زبان کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے ۔

۵ ۔ اخبارات قارئین کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بننے کی سعی کرتے ہیں اور ان کے مختلف حلقوں کے ذوق کو آسودہ کرتے ہیں ۔ چناں چہ مختلف مسائل پر فیچر چھاپتے ہیں ۔ بچوں ، عورتوں ، طلبہ ، دیہاتیوں ، فلم پسندوں ، ثقافت کے دل دادوں اور دین سے خصوصی دل چسپی

رکھنے والوں کے لیے مستقل عنوان دیے جاتے ہیں ، جن کے تحت مفید معلومات اور دل چسپ مواد مہیا کیا جاتا ہے ۔

۶ ۔ خاص نمبر پہلے بھی چھپتے تھے ، لیکن تقسیم کے بعد خاص نمبروں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے ۔ نیز اہم واقعات اور حالات نیز خاص صنعتوں کی طرف لوگوں کی توجہ دلانے کے لیے 'سپلی منٹ' دیے جاتے ہیں ۔

۷ ۔ تقسیم سے پہلے آردو اخبار کھیلوں اور تجارت کی خبریں بہت کم دیتے تھے ، اب ان دونوں قسم کی خبروں کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے ۔

۸ ۔ مزاحیہ کالم نویسی کی رسم جاری ہے اور بعض کالم نگار اچھا لکھتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ڈائری نما فیچر چھپتے ہیں جن میں کچھ ادارتی جھلک موجود ہے اور کچھ مزاح کی چاشنی ملتی ہے ۔

۹ ۔ اخباری تصاویر ـــــ یعنی وہ تصویریں جو متعلقہ خبروں کے ساتھ چھپیں ـــ تقسیم سے پہلے نہیں ہوتی تھیں ، اب بہت بڑے پیمانے پر دی جاتی ہیں ۔ اس سے اخباروں کی دل چسپی تو بڑھی ہے ، لیکن پڑھنے کے قابل مواد میں کمی واقع ہوئی ہے ۔

۱۰ ۔ آردو صحافت کے طریق طباعت میں انقلاب آ گیا ہے ۔ لیتھو کو خیرباد کہہ کر 'آف سیٹ' کو اپنایا جا رہا ہے ۔ اس سلسلے میں دو طریقے مقبول ہیں ، 'وین ڈائیک' اور 'آف سیٹ' 'امروز' اور 'جنگ' نے 'شہ رنگ آف سیٹ روٹری' مشینیں نصب کر لی ہیں ۔ یہ مشین ایک گھنٹے میں بیس ہزار کاپیاں چھاپ دیتی ہے ۔ یہ رفتار ہمارے ہاں مروج انگریزی چھپائی کی روٹری مشینوں سے بہت زیادہ ہے ۔ پہلے آردو اخبار صبح ایک بجے تک آنے والی خبریں دے سکتے تھے ، اب چار بجے تک آنے والی خبریں شامل کر سکتے ہیں ۔ پہلے دو دو صفحے کی ایک ایک کاپی الگ الگ چھپتی تھی ، اب سارا اخبار بیک وقت چھپتا ہے ۔ پہلے تصاویر دینے کے لیے دوھری چھپائی کرنی پڑتی تھی جس میں بہت دیر

لگتی تھی ، اب 'آف سیٹ' کی وجہ سے تصاویر اور مواد بیک وقت چھپتا ہے اور رنگین چھپائی بھی ممکن ہے ۔

سر سید ، ابوالکلام آزاد اور محمد علی کا خیال یہ تھا کہ اردو صحافت صرف ٹائپ کی چھپائی اختیار کر کے ترقی کر سکتی ہے اور نسخ ٹائپ چوں کہ آسانی سے پڑھا نہیں جا سکتا ، اس لیے اس سلسلے میں جو مساعی ہوئیں وہ ناکام رہیں ۔ اب اردو صحافت میں ٹائپ کی چھپائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، کیوں کہ 'آف سیٹ' نے سارے مسائل حل کر دیے ہیں ۔

۱۱ ۔ اردو اخباروں کی اشاعتوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے ، اور یہ اضافہ جاری ہے ۔ اخراجات بڑھ گئے ہیں ۔ ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہو چکا ہے ، اس لیے اب انفرادی ملکیت میں کسی روزنامے کا اجراء عملاً ناممکن ہو گیا ہے ۔ اخبارات انفرادی ملکیت سے نکل کر جائینٹ سٹاک کمپنیوں کی ملکیت میں آ رہے ہیں ، مثلاً مطبوعات 'نوائے وقت' پروگریسو پیپرز ۔ آفاق ، سول ، کوہستان وغیرہ ۔

۱۲ ۔ صحافتی اجرتی بورڈ کے ایوارڈ نے اردو اخباروں میں کام کرنے والے صحافیوں کو انگریزی صحافیوں کے برابر حیثیت دلا دی ہے ۔ اگر اس ایوارڈ پر پورا عمل ہو جائے تو اگرچہ اردو اخباروں کی تعداد گھٹ جائے گی ، لیکن صحافیوں کا مجموعی طور پر بھلا ضرور ہوگا اور زیادہ سے زیادہ قابل لوگ اس پیشے میں داخل ہوں گے ۔

۱۳ ۔ اخبارات کے 'زنجیرے' (Chains) معرض وجود میں آرہے ہیں مثلاً 'پاکستان ٹائمز' (لاہور و راولپنڈی) ، 'امروز' (لاہور و ملتان) 'لیل و نہار' اور 'سپورٹس ٹائمز' ایک ہی کمپنی کی ملکیت میں ہیں ۔ 'نوائے وقت' (لاہور ، ملتان ، پنڈی) اور 'قندیل' کا الگ زنجیرہ ہے ۔ 'کوہستان' (لاہور ، پنڈی ، ملتان) بھی زنجیرے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ 'جنگ' کراچی اور پنڈی سے اور 'انجام' کراچی اور پشاور سے نکلتے ہیں ۔ اسی طرح اور بھی کئی زنجیرے ہیں ۔ انگریزی اخباروں کے زنجیرے

میں 'ڈان' کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

۱۴ - پاکستان میں صنعت و حرفت کی ترقی نے اشتہارات کے لیے راستہ کھول دیا ہے ، چنانچہ اخباروں کو پہلے سے زیادہ اشتہار ملتے ہیں ، اور اشتہاروں سے آمدنی کسی اخبار کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جوں جوں اشاعتیں بڑھیں گی اشتہار بڑھیں گے اور اس سے صرف اخباروں کو نہیں ، تجارت اور صنعت کو بھی فروغ حاصل ہوگا ۔

۱۵ - اخباروں میں باہمی مقابلہ بے حد شدید ہے ۔ اس سے صحافت کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور نقصان بھی ۔ اشاعت کی دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے اخبارات اپنے آپ کو بہتر بنانے کی سعی تو کرتے ہی ہیں ، لیکن بعض اوقات سنسنی خیزی اور جرائم کی خبروں کی اشاعت میں بھی ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جس کا مجموعی اثر اچھا نہیں ہوتا ۔

اردو کے اخباروں میں اسی قسم کا مقابلہ جاری ہے ، جو اس صدی کے پہلے ربع میں لندن کے قومی اخباروں میں ہوا تھا ۔ وہاں نتیجہ یہ ہوا کہ اخبارات دو حصوں میں بٹ گئے ، 'پروقار' اخبار اور 'ہر دلعزیز' اخبار، یا خواص پسند اخبار اور عوام پسند اخبار ۔ خواص پسند اخباروں کی اشاعتیں محدود ہیں کیوں کہ ان کا معیار اعلیٰ ہے ۔ وہ سنجیدگی پسند کرتے ہیں اور انھیں تعلیم یافتہ ، ہوش مند اور ذہین طبقہ پڑھتا ہے اور ظاہر ہے ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی ہے ۔ بہر حال ان کی قوت خرید زیادہ ہوتی ہے ، اس لیے اشتہاروں کے معاملے میں یہ اخبار گھاٹے میں نہیں رہتے ۔ ان کے مقابلے پر ''عوام پسند'' اخبار ہیں— ان کا معیار عام پسند ہوتا ہے ۔ انھیں سنجیدگی سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہوتا اور یہ خبریں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ نیم پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں آجائیں اور انھیں لطف آئے ۔ تصاویر زیادہ دیتے ہیں اور غیر ملکی خبریں 'پاپولر' انداز میں اور اختصار سے دیتے ہیں ۔ نیز بڑی بڑی سرخیاں دیتے ہیں ۔ ان اخباروں کی اشاعتیں تیس اور پچاس لاکھ کے درمیان ہوتی ہیں ۔ ان کے قارئین کی قوت خرید کم ہوتی ہے ، لیکن چوں کہ اشاعتیں زیادہ ہوتی

ہیں اس لیے اشتہار بہت آتے ہیں ۔ پاکستان کے اردو اخباروں کو اس کسوٹی پر جانچیے تو معلوم ہوگا کہ یہاں نہ تو کوئی اخبار ایسا ہے جسے کاملاً 'خواص پسند' کہا جا سکے، نہ ایسا ہے جسے کاملاً 'عوام پسند' کا نام دیا جا سکے ، لیکن رجحان واضح ہے ۔ بعض اخباروں کا معیار 'خواص پسند' صحافت کے قریب ہے اور بعض اخبارات کا 'عوام پسند' صحافت کے نزدیک ۔

۱۶ ۔ اردو اخباروں کی ایک بڑی مشکل ایسی ہے جو انہیں انگریزی اخبارات کے مقابلے پر آنے میں ایک عرصے تک روکے رکھے گی اور وہ ہے اردو اخباروں میں جگہ کی قلت ۔ انگریزی اخبار زیادہ صفحے دیتے ہیں ، اس لیے زیادہ مواد پیش کرسکتے ہیں ۔ اردو اخباروں کے صفحات کم ہوتے ہیں ، اس لیے قدرتی طور پر انگریزی اخبار کے برابر مواد نہیں دیا جا سکتا ۔ لیکن جوں جوں اخباروں کا مقابلہ بڑھےگا اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگے گا اور صنعت و حرفت کی ترقی سے زیادہ اشتہار حاصل ہوں گے یہ مشکل بھی دور ہوتی چلی جائے گی ۔ 'حریت' ، 'جنگ' اور 'کوھستان' نے بارہ صفحات دینے کی ابتداء کردی ہے ۔

۱۷ ۔ اردو اخبار نویسوں کی ایک دقت یہ ہے کہ انہیں فن صحافت میں دسترس کے ساتھ ساتھ فن ترجمہ میں بھی مہارت کی ضرورت ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری خبر رساں ایجنسیاں اپنی خبریں انگریزی میں مہیا کرتی ہیں ۔ دنیائے عرب اور ایران میں غیر ملکی اور ملکی ، دونوں خبر رساں ادارے مقامی زبان میں ٹیلی پرنٹر پر خبریں مہیا کرتے ہیں ، جب تک یہ سلسلہ پاکستان میں جاری نہ ہوگا اردو اخباروں کی ترقی کے راستے میں ایک دیوار کھڑی رہے گی ۔ 'اردو پریس سروس' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے جو اردو میں خبریں مہیا کرتا ہے اور ٹیلی پرنٹر نصب کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے ، لیکن مسئلے کا حل یہ نہیں کہ اردو میں خبریں مہیا کرنے کے لیے ایک الگ ایجنسی قائم ہو جائے ، اس کے لیے ضروری ہے کہ ساری قومی اور بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیاں ، جو پاکستان میں کام کرتی ہیں ، اپنی خبریں اردو اخباروں کو اردو میں ٹیلی پرنٹر پر مہیا کریں ، اور اس کے راستے میں کوئی بڑی تکنیکی مشکل حائل نہیں ۔

اردو رسائل

تقسیم کے بعد احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کی ادارت میں 'نقوش' نکلا، جو ترقی پسند تحریک کا ترجمان تھا - اس میں ادبی شہپاروں کے ساتھ ساتھ نیم سیاسی مواد بھی دیا جاتا تھا - اس کے بعد اس کی ادارت جناب محمد طفیل نے سنبھال لی اور یہ ایک خالص ادبی رسالہ بن گیا - 'ادب لطیف' کو ۱۹۲۶ء تک مشہور ڈراما نگار اور ادیب مرزا ادیب مرتب کرتے رہے اور اس کے بعد پاکستان رائٹرز گلڈ کے رسالہ 'قلم کار' کے مدیر بن گئے - 'ادبی دنیا' بحرانی دور میں سے گزر کر سہ ماہی مجلہ بن گیا اور ادارۂ تحریر میں مولانا صلاح الدین احمد کے ساتھ وزیر آغا بھی شامل ہوگئے جو نقاد اور مزاح نگار ہیں - 'ساقی' دہلی سے کراچی آ پہنچا اور حسب سابق شاہد احمد دہلوی اس کے ایڈیٹر رہے - سرکاری ماہنامے 'ماہ نو' کا اجراء بھی ادبی صحافت کے لیے مفید رہا - اس کی ادارت محمد رفیق خاور کے سپرد ہے جو تنقید کے میدان میں نام پا چکے ہیں - پشاور سے 'سنگ میل' کے نام سے ایک اچھا رسالہ کافی عرصہ جاری رہا - فارغ بخاری اور رضا ہمدانی اس کے مدیر تھے - ممتاز شیریں نے کراچی سے 'نیا دور' نکالا - 'ہمایوں' بند ہوگیا - پاکستان رائٹرز گلڈ نے کراچی سے 'ہم قلم' نکالا، مجلس ترقی' ادب نے عابد علی عابد کی ادارت میں 'صحیفہ' جاری کیا - احمد ندیم قاسمی اور حکیم اشعر نے 'فنون' جاری کیا اور اشفاق احمد نے 'داستان گو' - ان کے علاوہ اور کئی رسالے بھی جاری ہیں -

کیا ہمارے آج کے ادبی رسالے قارئین کی ضرورت پوری کر رہے ہیں؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے - پچھلے پچاس سال میں مختلف علوم نے بے پناہ ترقی کی ہے - تاریخ، معاشیات، نفسیات، عمرانیات اور علم السیاست کا دائرہ اتنا وسیع ہو رہا ہے اور اس میں اتنی نئی چیزیں پیدا ہو رہی ہیں جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا - زمان و مکان کی قیود عملاً ختم ہو چکی ہیں - دوسری عالمی جنگ اور اس کے بعد مجلس اقوام کے قیام، بے شمار قوموں کی آزادی، کئی علاقوں میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف عوام کی بغاوت اور دو عالم گیر اصولوں کے درمیان کشمکش نے ان معلومات کا دائرہ بے حد وسیع کر دیا ہے جو آج کے

تعلیم یافتہ طبقے کو مطلوب ہیں فنون لطیفہ کی طرف آئیے تو اس میں بھی بہت ترقی ہوئی ہے ۔ خود پاکستان میں اس کے گہرے اثرات ہمارے سامنے ہیں ۔ آج سے پچیس تیس برس پہلے مصوروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، آج سینکڑوں مصور پیدا ہو چکے ہیں اور آئے دن ان کی تخلیقات کی نمائشیں ہوتی رہتی ہیں ۔ سنگ تراشی کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دی جا رہی ہے ۔ فن تعمیر بالکل بدل چکا ہے ۔ رقص و موسیقی کی درس گاہیں کھل گئی ہیں ۔ ہر تیسرے دن کوئی نہ کوئی ثقافتی مجلس برپا ہوتی ہے ۔ فلمی صنعت مقبول ہو رہی ہے اور تھیٹر کا احیاء ہو رہا ہے ۔ اس پس منظر کی روشنی میں آج کے رسائل دیکھیے گا تو یوں محسوس ہو گا جیسے دنیا جہاں کھڑی تھی وہیں بے حس و حرکت کھڑی ہے ۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مختلف علوم و فنون کے بارے میں مخصوص رسائل نکلنے چاہئیں ۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر موجودہ ادبی رسائل بحرانی دور میں سے گزر رہے ہیں تو مخصوص دل چسپی کے رسائل کتنے دن چلیں گے؟ اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ ہمارے رسائل ادب کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ اور علوم حاضرہ پر بھی توجہ دیں ۔ اس سے ان کی یکسانیت ختم ہو گی ، تنوع پیدا ہوگا ، اور جب ہم رسائل کے توسط سے اپنے قارئین کے ذہن و فکر کی مختلف ضروریات پوری کریں گے تو ان کی اشاعت بڑھے گی اور قارئین سے رابطہ بھی گہرا ہو جائے گا ۔

رسائل کی دنیا میں تین نئے تجربے اس قابل ہیں کہ ان کا خصوصیت سے ذکر کیا جائے ۔ پہلا تجربہ 'نقوش' کے خاص نمبروں کا ہے ۔ اس رسالے نے شخصیات نمبر ، طنز و مزاح نمبر ، افسانہ نمبر ، دہ سالہ نمبر ، مکاتیب نمبر اور لاہور نمبر شائع کر کے بیش قیمت مواد پیش کیا ہے ۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ 'نقوش' نے اپنے لیے ایک مقام پیدا کر لیا ہے اور اس کی اشاعت بھی اچھی ہے ۔ دوسرے تجربے کا سہرا ہمارے واجب الاحترام بزرگ اور اردو کے بہت بڑے خدمت گزار مولانا صلاح الدین احمد اور ان کے رفیق کار ڈاکٹر وزیر آغا کے سر ہے ۔ انھوں نے تین سو

صفحے کا ضخیم مجلہ صرف ایک روپے میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ 'ادبی دنیا' کی اشاعت کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے اور کوئی عجب نہیں کہ دو تین سال کے اندر اندر پچیس ہزار تک پہنچ جائے اور اسے اتنے اشتہار ملنے لگیں کہ نہ صرف اپنا خرچ نکال لے بلکہ منافع بھی دے۔ تیسرا تجربہ لاہور کے ایک چھوٹے سے رسالے 'اردو ڈائی جسٹ' کا ہے۔ یہ ان 'ڈائی جسٹ' رسالوں کی طرح نہیں جو دوسرے رسالوں سے مضامین اور افسانے تمام و کمال نقل کر لیتے ہیں۔ اس کا ادارۂ تحریر بڑی محنت سے مختلف النوع انگریزی، عربی اور اردو رسائل سے مضامین اخذ کر کے انھیں اپنی زبان میں پیش کرتا ہے اور موضوعات کے اعتبار سے بھی بہت متنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خاصی اشاعت بنا لی ہے۔

ان تجربات سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنے رسائل میں کوئی نئی بات پیدا کریں تو عوام میں اس کا خیر مقدم ہوگا۔ ہماری کوششیں رائگاں نہیں جائیں گی اور ہمارے رسالے اتنے کامیاب ہوں گے کہ انھیں کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا پڑے گا۔

پینتالیسواں باب

تقسیم کے بعد، پاکستان میں صحافت — ۳

آزادی صحافت

آزادیٔ صحافت کا مطلب یہ ہے کہ صحافت کہاں تک آزاد ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ:

۱ - حکومت نے صحافت پر کون کون سی قانونی پابندیاں لگائیں؟

۲ - ان پابندیوں کے استعمال میں اعتدال برتا گیا یا نہیں؟

۳ - حکومت نے اخبارات کی رائے کو متاثر کرنے کے لیے ان پر دباؤ کے کون کون سے طریقے اختیار کیے۔

۴ - حکومت کے علاوہ دوسرے عناصر نے آزادیٔ صحافت کو محدود کرنے کے لیے کیا کچھ کیا؟

یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آج کی دنیا میں کہیں بھی صحافت کو مادر پدر آزادی حاصل نہیں۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ پابندیاں عاید ہیں اور انھی کی بدولت معاشرے کا نظم و ضبط قائم ہے، اور مہذب دنیا میں چند پابندیاں تو بہر حال قبول کرنا ہوتی ہیں، اور آزادیٔ صحافت کا بڑے سے بڑا علمبردار ان پر معترض نہیں ہو سکتا۔ اعتراض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پابندیاں بعض مناسب حدود سے متجاوز ہو جائیں یا انتظامیہ ان قانونی پابندیوں کا سہارا لے کر کسی خاص سیاسی گروہ کی رائے کو کچلنے کے درپے ہوتی ہے اور اس طرح قانون کا قدرے غلط استعمال ہوتا ہے۔

پاکستان میں آزادیٔ صحافت کا مفصل جائزہ لینا تو اس کتاب میں ممکن نہیں ، لیکن اس سلسلے میں چند موٹی موٹی باتیں سامنے لائی جا سکتی ہیں ۔ اس سلسلے میں ہم تین ادوار کا مطالعہ کریں گے :

(الف) قیام پاکستان سے اکتوبر ۱۹۵۸ء کے انقلاب تک ۔

(ب) مارشل لاء کے دوران میں ۔

(ج) مارشل لاء کے بعد ۔

قیام پاکستان سے اکتوبر ۱۹۵۸ء تک

پاکستان میں جو صوبائی اور مرکزی ہنگامی قوانین نافذ تھے ، وہ مستقل حیثیت اختیار کر گئے ۔ انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ (زیورخ) کے ایک جائزے کے مطابق ان قوانین کا خلاصہ یہ ہے :

(الف) کون سی بات اور کون سی تحریر پاکستان کے دفاع اور سلامتی اور غیر ممالک سے اس کے تعلقات کے منافی ہے ؟ یہ فیصلہ کرنا حکومت کے ہاتھ میں ہے ۔

(ب) حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ خلاف ورزی قانون کے مرتکب اخبار کی کوئی اشاعت ضبط کرنے کا حکم دے ، دفتر کی تلاشی کرائے ، عارضی طور پر کسی اخبار کی اشاعت بند کر دے یا اس پر سنسر شپ عاید کر دے ۔

(ج) حکومت مجاز ہے کہ کسی اخبار کے ایڈیٹر کو اپنے ذرائع معلومات افشاء کرنے پر مجبور کرے ۔

(د) سماعت کے ایک مرحلے کے سوا ملزم کو نہ اپیل کا حق ہے ، نہ اسے ضمانت پر رہا کیا جا سکتا ہے ۔

ان قوانین کے ماتحت کئی اخبارات کے خلاف کارروائی ہوئی ، جن میں سے چند کیس یہ ہیں :-

۱ - ۱۹۵۰ء میں 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' نے ایک خبر چھاپی کہ حکومت پاکستان تقسیم کشمیر پر راضی ہو گئی ہے ۔ اس نے

اس کی فوراً تردید کر دی اور معافی بھی مانگی ۔ لیکن حکومت نے پبلک سیفٹی ایکٹ کے ماتحت اس اخبار کو تین ماہ کے لیے بند کر دیا ۔

۲ - ڈھاکے کے 'پاکستان آبزرور' نے فروری ۱۹۵۲ء میں وزیراعظم پاکستان پر سخت نکتہ چینی کی ۔ حکومت نے اسے امن عامہ کے منافی حرکت قرار دے کر صوبائی سیفٹی ایکٹ کے ماتحت ایڈیٹر ، ایک مالک اور پرنٹر کو گرفتار کر لیا ۔ عدالت میں ضمانت کی درخواست پیش ہوئی تو حکومت نے اس کی مخالفت کی ۔ کچھ دن بعد وہ ضمانت پر رہا ہو گئے ، تو حکومت نے اس الزام میں انھیں پکڑ لیا کہ انھوں نے ایک حریف اخبار کے دفاتر کو آگ لگانے کی کوشش کی ۔ یہ مقدمہ ایک سال تک چلتا رہا ۔ آخر ۱۹۵۳ء میں عدالت نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا ۔ اس دوران میں اخبار نہ چھپ سکا ۔ ڈیڑھ سو کارکن بے کار ہوئے اور ناشرین کو تین لاکھ روپے کا نقصان ہؤا ۔

۳ - دولتانہ وزارت کے عہد میں 'نوائے وقت' پر ابتلاء آئی ۔ ایک معمولی تکنیکی غلطی کی بناء پر اپریل ۱۹۵۱ء میں اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا اور اس کا الاٹ شدہ پریس سربہ مہر کر دیا گیا ۔ اس پر مطبوعات نوائے وقت نے 'جہاد' جاری کیا ، لیکن پریس کو مجبور کیا گیا کہ وہ یہ اخبار چھاپنے سے انکار کر دے ، چنانچہ اخبار بند ہو گیا ۔ اس کے بعد 'نوائے پاکستان' جاری کیا گیا اور بڑی مشکل سے اصل ڈیکلریشن حاصل ہوا ۔ اس دوران میں اخبار کو خاصا مالی نقصان اٹھانا پڑا ۔

۴ - کراچی کے 'ایوننگ ٹائمز' کے مدیر مسٹر زیڈ-اے سلہری اور ان کے رفقاء کو ایک مضمون اور ایک کارٹون چھاپنے پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۵ - ۱۳۴ کے ماتحت گرفتار

کر لیا گیا ۔ چار مہینے بعد سندھ چیف کورٹ نے فیصلہ دیا کہ ملزم بے قصور ہیں ۔

۵ ۔ لاہور کے دو ہفت روزہ جرائد 'چٹان' اور 'ایشیا' کے درمیان ایک کشمکش نے نا شائستہ صورت اختیار کر لی ۔ حکومت چاہتی تو محض انتباہ سے یہ صورت حالات ختم کر سکتی تھی لیکن اس نے دونوں اخباروں کو ایک ایک سال کے لیے بند کر دیا ۔

۶ ۔ ختم نبوت کی تحریک میں عوام کو اشتعال دلانے کے الزام میں 'زمیندار' ، 'الفضل' ، 'آزاد' ، 'تسنیم' ، اور 'تعمیر' (راولپنڈی) کو ایک ایک سال کے لیے بند کر دیا گیا ۔

۷ ۔ ۵۳ - ۱۹۵۲ء میں پچاس اخباروں اور رسالوں کو قابل اعتراض مواد کی اشاعت پر وارننگ دی گئی ۔ تین اخباروں کے کارکنوں کے خلاف مقدمے چلے ۔ ایک اخبار کے کارکن اپیل پر بری ہو گئے ۔

۸ ۔ ۵۷-۱۹۵۶ء میں انتالیس اخباروں اور رسالوں کو ڈیکلریشن دیتے وقت ضمانتیں جمع کرانی پڑیں ۔ اس کا دل چسپ پہلو یہ ہے کہ بعض نہایت بے ضرر رسائل کے نام بھی اس فہرست میں شامل ہیں ۔ مثلاً فلم سروس ، بار بر ، آرٹ اینڈ لائف ٹریول سکوپ وغیرہ جن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی قابل اعتراض مواد چھاپیں گے

یہ محض چند مثالیں ہیں ؛ ورنہ بے شمار اخباروں اور رسالوں کے خلاف کارروائی ہوئی اور بعض اوقات مقصد صرف یہ تھا کہ برسر اقتدار وزارت اپنے سیاسی مخالفوں کو کچلنا چاہتی تھی ۔

حکومت نے دوسرے طریقوں پر عمل کر کے بھی اخبارات کی آزادیٔ رائے کو سلب کرنے کی کوشش کی ۔ مثلاً دولتانہ وزارت کے عہد میں

چند اخبارات کی 'اجتماعی سالانہ خریداری' پر دو لاکھ روپے سے زیادہ رقم صرف ہوئی۔ مختلف اخباروں کو جو رقوم ملیں ان کا گوشوارہ ملاحظہ ہو:-

جون ۱۹۵۱ء: کل رقم پچاس ہزار روپے

['آفاق' بیالیس ہزار روپے۔ 'زمیندار' آٹھ ہزار روپے]

دسمبر ۱۹۵۱ء: اڑتالیس ہزار روپے

['احسان' اٹھارہ ہزار، 'آفاق' اٹھارہ ہزار 'زمیندار' پانچ ہزار، مغربی 'پاکستان' سات ہزار روپے]

جون، ۵۲ء: ایک لاکھ دو ہزار روپے۔

('زمیندار' دس ہزار، 'آفاق' چالیس ہزار، 'احسان' چالیس ہزار، 'مغربی پاکستان'، پانچ ہزار، 'زمیندار' سات ہزار۔)

دسمبر، ۵۲ء: صرف 'مغربی پاکستان' کو تین ہزار روپے۔

ان رقوم کی ادائیگی کا مقصد واضح تھا کہ وزارت ان اخبارات کی رائے کو متاثر کرنا چاہتی تھی۔

جن دنوں کاغذ کی قلت تھی اور نیوز پرنٹ 'کوٹہ وار' تقسیم کیا جاتا تھا تو حکومت مغربی پنجاب اُن اخباروں کو اکثر کوٹہ نہیں دیتی تھی جو اُس کی پالیسی سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے اخباروں کو کاغذ خریدنے کے لیے بلیک مارکیٹ میں جانا پڑتا تھا اور اس طرح اُن کا کاغذ کا خرچ تقریباً دوگنا ہو جاتا تھا۔ ایسے اخباروں میں 'انقلاب' بھی شامل تھا جو نومبر ۴۹ء میں بند ہوا۔

اخبارات کی رائے کو متاثر کرنے کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اُنھیں مخالفت کی صورت میں سرکاری اشتہار نہیں دیے جاتے تھے۔ ابتدا میں 'انقلاب' اور بعض دوسرے اخبار اس طریقے کا شکار ہوئے۔ اس سلسلے میں دو اور بڑی مثالیں ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں 'پاکستان آبزرور' نے حکومت کی مذمت کی کہ اُس نے پاؤنڈ سٹرلنگ کی قیمت گھٹتے ہی

روپے کی قیمت کیوں نہ گھٹائی - اس پر کئی مہینے تک اس اخبار پر سرکاری اشتہاروں کا دروازہ بند رہا - نومبر ۱۹۵۳ء میں جب 'ڈان' نے مسٹر لیاقت علی کے قاتلوں کا سراغ لگانے کی مہم بڑے زور شور سے شروع کی اور اس وقت کے وزیر داخلہ کے خلاف نکتہ چینی میں خاصی زیادتی بھی کی تو حکومت نے نہ صرف سرکاری اشتہار بند کرائے بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ سرکاری دفاتر میں 'ڈان' نہیں خریدا جائے گا - کچھ عرصہ بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا - ۱۹۵۵ء میں کچھ اور رسالوں اور اخباروں کے خلاف اسی قسم کی کارروائی ہوئی -

مارشل لاء کے دور میں

جب مارشل لاء نافذ ہوا تو مارشل لاء کے بعض ایسے ریگولیشن تھے، جو اخبارات سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، اور جیسا کہ ہر مارشل لاء نظام کا خاصا ہوتا ہے یہ ریگولیشن خاصے سخت تھے، لیکن اس دور کے بارے میں چند باتیں واضح ہیں:

اول: حکومت نے کوشش کی کہ اخبارات کے خلاف کم از کم کارروائی ہو - لاہور کا اخبار 'ہلال پاکستان' جب ایک عرصے تک نکتہ چینی کرتا رہا تو اس کے مدیر مسٹر محمد سلیم گرفتار ہوئے - انھیں چھ ماہ قید کی سزا کا حکم سنایا گیا لیکن ڈیڑھ ماہ کے بعد رہا کر دیا گیا - بہاولپور کے اخبار 'کائنات' کے مدیر ولی اللہ اوحد کو نو ماہ قید سخت کا حکم سنایا گیا، لیکن بہت پہلے رہا کر دیا گیا - اسی قسم کی چند مثالیں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں -

دوم: کئی اخبار مارشل لاء کے نظام حکومت پر نکتہ چینی کرتے رہے، لیکن ان سے تعرض نہیں کیا گیا -

سوم: اخباروں نے بھی اپنی طرف سے پوری احتیاط کی، اور اس طرح یہ دور گزر گیا - اور ان پر کوئی خاص ابتلاء نہ آئی -

چہارم : سرکاری اشتہارات کی تقسیم میں سیاسی مصلحتیں حائل نہ ہوئیں ۔ یہ اشتہار اشاعت کی بناء پر تقسیم ہوتے رہے ۔

پنجم : حکومت نے ایک آرڈی ننس نافذ کر کے میاں افتخارالدین مرحوم کو پروگریسو پیپرز لمیٹڈ میں اپنے حصوں کی ملکیت سے بے دخل کر دیا ، اور یہ حصے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیے ۔ حکومت نے الزام لگایا کہ میاں افتخارالدین کے عمل دخل کی وجہ سے اس کمپنی کے اخبار غیر ملکی مفاد کے تابع ہو گئے تھے ۔

ششم : حکومت نے صحافت کی مجموعی بہبود کے لیے بعض اہم قدم اٹھائے ، مثلاً :—

(الف) پریس کمیشن کی رپورٹ چھپی ، جس میں صحافت کو بہتر بنانے کے لیے مفید سفارشات پیش کی گئیں ۔

(ب) اجرتی بورڈ قائم کیا گیا ، اور اس نے جو فیصلہ دیا اس نے اردو اور انگریزی اخباروں میں کام کرنے والے صحافیوں کی تنخواہیں اور الاؤنس ایک جیسے مقرر کر دیے ، اور ویسے بھی اخبار نویسوں کی تنخواہوں کا معیار بڑھا دیا گیا ۔ ان اصلاحات کا پورا اثر محسوس ہونے میں ذرا دیر لگے گی ۔

(ج) مختلف پرانے صحافتی قوانین کو منسوخ کر کے اُن کی جگہ 'پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس' نافذ کیا ۔ اس میں بعض امور میں سختی پیدا کی گئی ، لیکن چند اچھی باتیں بھی پیدا کی گئیں ۔ مثلاً طلبیٔ ضمانت سے پہلے انتظامیہ کو ایک سیشن جج کا مشورہ لینا پڑے گا ۔ اور اُس کے بعد اپیل کا حق بھی دیا گیا ۔ نیز کارکن صحافیوں کو غیر ذمہ دار مالکوں سے بچانے کے لیے فیصلہ ہوا کہ صرف اُن لوگوں کو اخبار

جاری کرنے کی اجازت دی جائے گی جن کی مالی حالت مضبوط ہو گی ۔

اگرچہ مارشل لاء کوئی مستحسن چیز نہیں لیکن یہ امر واضح ہے کہ مارشل لاء کے نظام حکومت کے ماتحت مجموعی طور پر اخباروں کا بھلا ہوا ۔

مارشل لاء کے بعد

مارشل لاء کے خاتمے سے ۱۴ - اگست ۱۹۶۲ء تک کسی اخبار کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی ، اور اشتہارات کے بارے میں سرکاری پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ، حالانکہ مارشل لاء اٹھتے ہی اخباروں کا لب و لہجہ خاصا ترش ہو گیا ہے ۔

ماخذ

۱ - صحافت پر کتب اور مقالے -

۲ - اخبارات کے فائل -

۳ - عمومی کتب اور مقالے -

نوٹ : پہلے باب میں جو معلومات پیش کی گئی ہیں ، اُن کے ماخذ کی فہرست بے حد طویل ہے - چونکہ وہ مصنف کی کتاب 'نیوز لیٹرز ان دی اوریئنٹ' مطبوعہ ھالینڈ میں شامل ہے ، اس لیے وہ فہرست یہاں دینے کی بجائے صرف اپنی کتاب کا نام دے دیا گیا ہے -

صحافت پر کتب اور مقالے

1. Margarits Barns : The Indian Press : London, 1940.
2. J. Natarajan : History of Indian Journalism : New Delhi, 1955.
4. Mrinal Kanti Bose : The Press and Its Problems : Calcutta, 1945.
5. Abdus Salam Khurshid : Newsletters in the Orient : Assen (Holland), 1956.
6. Abdus Salam Khurshid : Press in Muslim World : Lahore, 1954.
7. S. M. A. Feroze : Press in Pakistan : Lahore, 1957.
8. Majeed Nizami : The Press in Pakistan : Lahore, 1958.
9. E. G. Prowne : The Press and Poetry of Modern Persia : Cambridge, 1914.
10. R. Dhara : Journalism for the Indian Working Journalist : Calcutta, 1945.
11. Wickham Steed : The Press : London, 1938.
12. Report of the Press Commission : Karachi, 1959.
13. Report of the Indian Press Commission : New Delhi, 1954.
14. S. C. Sanial : The History of Press in India--Bengal : Calcutta Review, 1907.

15. S. C. Sanial : The History of Press in India —Bombay . Calcutta Review, 1909.

16. S. C. Sanial : The History of Press in India— Manuscript Newspapers : Calcutta Review, 1911.

17. Bool Chand : Urdu Journalism in the Puujab : Journal of the P. U. Historical Society : April, 1933.

18. Anwarullah Qureshi : History of Urdu Journalism in Punjab Till 1887 : MSS with Punjab University Library : Lahore, 1957.

19. Sheo Narayan : The Koh-i-Noor of 1851 : P. U. Historical Society Journal, Vol. IV., 1916.

20. Abdus Salam Khurshid : Press in Pakistan : Report of a Public Opinion Poll : Lahore, 1954.

21. Punjab Government Newspapers List, 1897.

۲۲ - امداد صابری : تاریخ صحافت آردو : دہلی ، ۱۹۵۳ء -

۲۳ - عتیق صدیقی : ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں : دہلی ، ۱۹۵۷ء -

۲۴ - بدر شکیب : آردو صحافت : کراچی ، ۱۹۵۲ء -

۲۵ - رحم علی الہاشمی : فن صحافت ؛ دہلی ، ۱۹۴۳ء -

۲۶ - عبدالسلام خورشید : آردو صحافت میں ٹائپ کا مسئلہ : لاہور ، ۱۹۵۹ء -

۲۷ - عبدالسلام خورشید : دنیائے اسلام کی صحافت ؛ لاہور ، ۱۹۵۴ء -

۲۸ - عبدالسلام خورشید : اردو صحافت میں سرسید کا کردار : لاہور ، ۱۹۵۷ء -

۲۹ - سید محمد اشرف نقوی : سوانح عمری اخبارات حصہ اول ، اختر شہنشاہی : لکھنؤ ، ۱۸۸۸ء -

۳۰ - پنڈت برج موہن دتاتریا کیفی : 'اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار' مطبوعہ 'اردو' ، اپریل ، ۱۹۳۵ء -

۳۱ - عبدالرزاق راشد : 'آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار' : 'اردو' اکتوبر ، ۱۹۳۵ء -

۳۲ - ڈاکٹر محمد عبدالحق : 'انیسویں صدی میں مدراس کے اردو اخبار' : 'اردو' ، جنوری ، ۱۹۴۱ ء -

۳۳ - نادم سیتا پوری : 'کیا اودھ پنچ اردو کا پہلا مزاحیہ اخبار تھا ؟ ' : 'حمایت اسلام' ، ۲۸ - نومبر ۱۹۵۸ء -

۳۴ - حبیب اللہ اوج : 'دکن کی قدیم و جدید صحافت' - (مسودہ)

۳۵ - اختر حسن : 'حیدر آباد کی اردو صحافت کے سو سال' : 'سیاست' ، حیدر آباد دکن ، ۱۵ - اگست ، ۱۹۵۹ء -

۳۶ - کریم بخش خالد : سندھی صحافت : کراچی ، ۱۹۵۴ء -

۳۷ - فارغ بخاری : سرحد میں صحافت : مطبوعہ 'امروز' -

۳۸ - قدوس صہبائی : صوبۂ سرحد کی صحافت کی رفتار ترقی : 'کاروان سرحد' - پشاور ، آزادی نمبر ، ۱۹۵۳ء -

۳۹ - نا معلوم ' بلوچستان کی صحافت' : 'اتحاد' ، کوئٹہ ، ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء -

۴۰ - اختر واحد قاضی : 'بلوچستان کی صحافت': 'تعمیر بلوچستان' مورخہ ۱۵ - فروری ۱۹۵۷ء -

۴۱ - اختر واحد قاضی : 'کوئٹہ و قلات ڈویژن کی صحافت پر ایک نظر' - مسودہ -

۴۲ - 'زمیندار' گولڈن جوبلی نمبر ، ۱۹۵۳ء -

۴۳ - عبدالسلام خورشید : 'لاھور میں آردو صحافت' : 'نقوش' ، لاھور نمبر ، ۱۹۶۲ء -

۴۴ - محمد اسماعیل پانی پتی : 'لاھور کا پہلا روزانہ اخبار' : 'امروز' ، ۱۴ - مارچ ۱۹۵۸ء -

۴۵ - عبدالسلام خورشید : 'پچیس سال پہلے ، احسان کا پہلا دور' : 'احسان' ، ۲۰ - نومبر ۱۹۶۰ -

۴۶ - عبدالسلام خورشید : 'رئیس الاحرار محمد علی اور دو قومی نظریہ' : 'نوائے وقت' ، ۴ - جنوری ۱۹۵۸ء -

۴۷ - عبدالسلام خورشید : 'مولانا محمد علی کا نظریۂ صحافت' : 'امروز' ، ۵ - جنوری ۱۹۵۸ء -

۴۸ - عبدالسلام خورشید : 'پاکستان میں آردو صحافت' : 'ادب لطیف' آردو نمبر ، ۱۹۵۵ء -

۴۹ - عبدالسلام خورشید : 'بربادیوں کے مشورے ، اخباروں میں' : 'خیال' ۱۸۵۷ء نمبر - جون ۱۹۵۷ء -

۵۰ - عبدالسلام خورشید : '۱۸۵۷ء میں صحافت کا کردار' : 'لیل و نہار' ، ۱۲ مئی ، ۱۹۵۷ء -

۵۱ - عبدالسلام خورشید : 'دھلی آردو اخبار کے مدیر کی شہادت' : 'فطرت' آزادی نمبر ، ۱۹۵۷ -

۵۲ - عبدالسلام خورشید : 'پاکستان کا اولین علمی ماہ نامہ' : 'قومی زبان' کراچی ، ۱۶ - جولائی ۱۹۵۸ء -

۵۳ - عبدالسلام خورشید : 'مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافتی زندگی ، الہلال سے پہلے' : 'قومی زبان' کراچی - یکم ستمبر ، ۱۵ - ستمبر ، ۱۹۵۸ء -

۵۴ - عبدالسلام خورشید : 'بہادر شاہ کے عہد کے رسالے اور اخبار' : 'آزاد کشمیر' راولپنڈی ، ۱۷ - مئی ۱۹۵۷ء -

۵۵ - عبدالسلام خورشید : 'اسی برس پہلے الہ آباد کے دو اردو اخبار' : 'امروز' ، ۱۷ - مارچ ۱۹۵۷ء -

۵۶ - عبدالسلام خورشید : 'اسی برس پہلے اسلامی سیاست کا رخ' : 'امروز' ، ۲۳ - مارچ ۱۹۵۷ء -

۵۷ - عبدالسلام خورشید : شرر کا صحافتی کار نامہ : 'امروز' ، ۳ - مارچ ۱۹۵۷ء -

۵۸ - عبدالسلام خورشید : 'مرزا غالب کا ذکر اخباروں میں' : 'تعمیر' ، راولپنڈی ، آزادی نمبر ، ۱۹۵۳ء -

۵۹ - عبدالسلام خورشید : 'کوہ نور ۱۸۵۶ء میں' : 'نئی قدریں' حیدر آباد - سال نامہ ، ۱۹۵۷ء -

۶۰ - عبدالسلام خورشید : پنجابی اخبار نویسی دی کہانی : 'پنجابی' لاہور - جولائی ، ۱۹۵۷ء

۶۱ - عبدالسلام خورشید : 'مٹیا برج کی کہانی ، آودھ اخبار کی زبانی' : 'امروز' -

۶۲ - عبدالسلام خورشید : 'صحافت ، گیت سے سونو راما تک' : 'لیل و نہار' ، ۱۴ - جون ۱۹۵۹ء -

۶۳ - عبدالسلام خورشید : 'اضلاعی اخبارات کا مستقبل' : 'استقلال' لاہور - ۱۵ - اپریل ۱۹۵۸ء -

۶۴ - غلام حیدر خاں : 'مولانا ظفر علی خاں کی صحافت' : (مسودہ)

۶۵ - ماہ نامہ 'ادیب' ، پشاور ، جالب نمبر - ۱۹۳۰ء

اخبارات کے فائل

1. India Gazette : 1780.
2. Calcutta Chronicle : 1790.
3. Calcutta Monthly Journal : 1822.
4. Bengal Hurkaru and Chronicle : 1834.
5. Friend of India, Seerampore : 1845.
6. Lahore Chronicle, : 1857.
7. The Punjabee : 1857.

۸ - 'کوہ نور' ، ۱۸۵۶ء -

۹ - 'خورشید پنجاب' ، ۱۸۵۶ء -

۱۰ - 'کشف الاخبار' ، بمبئی ، ۱۸۶۱ء -

۱۱ - 'رسالہ انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب' ۱۸۶۷ء -

۱۲ - 'اخبار انجمن پنجاب' لاہور ، ۷۹-۱۸۷۵ء -

۱۳ - 'تہذیب الاخلاق' ، ۷۱-۱۸۷۰ء -

۱۴ - 'اخبار سائنٹفک سوسائٹی' - علی گڑھ ، ۷۶-۱۸۷۵ء -

۱۵ - 'اودھ اخبار'، لکھنؤ - ۱۸۸۰ء -

۱۶ - 'مہذب' ، لکھنؤ - ۱۸۹۰ء -

۱۷ - 'قیصر الاخبار ہند' ۔ الہ آباد - ۱۸۷۷ء -

۱۸ - 'احسن الاخبار' الہ آباد - ۱۸۷۸ء

۱۹ - 'رہبر ہند' ، لاہور - ۱۸۹۵ء -

۲۰ - 'رسالہ' انجمن مفید عام قصور - ۱۸۷۵ء -

۲۱ - 'الہلال' کلکتہ - ۱۴-۱۹۱۲ء -

۲۲ - 'الہلال' کلکتہ - ۱۹۲۷ء -

۲۳ - البلاغ، کلکتہ - ۱۹۱۵-۱۶ء -

۲۴ - الطاف حسین حالی : حیات جاوید -

۲۵ - 'انقلاب' لاہور - ۱۹۲۷-۳۹ء -

۲۶ - 'اردوئے معلیٰ' علی گڑھ - ۱۹۰۷-۱۱ء -

۲۷ - 'اخبار عام'، لاہور - ۱۸۸۳ء -

عمومی کتب اور مقالے

1. Encyclopaedia Brittanica : relevent portions.
2. Ross Wilson : Some Historical Gleanings from Old Mission Records : P. U. H. S. Journal, Lahore, December, 1933.
3. Garcin de Tassy : Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie, Vol. I, II and III: Paris, 1870, 1870, 1871).
4. Syed Muhammad Latif : History of Lahore : Lahore, 1892.
5. Public Proceedings, 1829, 1830, 1835.
6. Garcin de Tassy : The Opening Lectures on the Hindustani Course of Study from 1850 to 1869, Urdu translation entitled "Khutbat-i-Garcin de Tassy" : Aurangabad, 1935.
7. Punjab Mutiny Report.
8. P. E. Roberts : History of British India : Oxford, 1952.
9. Trial of Bahadur Shah (Selections from the Records of the Government of the Punjab and Its Dependencies) : New Series, Vol. VII., 1870.
10. T. Walter Wallbank : A Short History of India and Pakistan : New York, 1958.
11. Richard Symonds : The Making of Pakistan : London, 1949.
12. Gazetteer of the Lahore District 1893-94.
13. Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Poets and Writers : Lahore, 1947.

14. Abdullah Yusuf Ali : A Cultural History of India during the British Period : Bombay.

۱۵ - الطاف حسین حالی ; حیات جاوید -

۱۶ - کلیات نثر غالب -

۱۷ - 'نقوش' ، شخصیات نمبر - ۱۹۵۵ء -

۱۸ - 'نقوش' ، لاہور نمبر ، ۱۹۶۲ء -

۱۹ - 'نقوش' ، طنز و مزاح نمبر ، ۱۹۵۹ء -

۲۰ - ڈاکٹر وزیر آغا : 'اردو ادب میں طنز و مزاح' : لاہور ، ۱۹۵۸ء -

۲۱ - انتخاب اودھ پنچ - لکھنؤ -

۲۲ - مضامین چکبست -

۲۳ - آغا محمد باقر : تاریخ نظم و نثر اردو : لاہور ، ۱۹۵۰ء -

۲۴ - 'آدبائے اردو' - لاہور ، ۱۹۵۳ء -

۲۵ - مولانا عبدالحق : مرحوم دہلی کالج - لاہور ، ۱۹۴۰ء -

۲۶ - جہاں بانو آرا بیگم نقوی : محمد حسین آزاد - حیدرآباد دکن ۱۹۴۱ء

۲۷ - آغا شورش کاشمیری : 'ظفر علی خان' : لاہور ، ۱۹۵۷ء -

۲۸ - قاضی عبدالغفار : حیات اجمل : علی گڑھ ، ۱۹۵۰ء -

۲۹ - عبدالمجید سالک : سرگزشت : لاہور ، ۱۹۵۵ء -

۳۰ - عبدالمجید سالک : یاران کہن : لاہور ، ۱۹۵۵ء -

۳۱ - عبدالرزاق ملیح آبادی : آزاد کی کہانی ، خود آزاد کی زبانی : کلکتہ ، ۱۹۵۸ -

۳۲ - عبدالرزاق ملیح آبادی : ذکر آزاد : کلکتہ ، ۱۹۶۰ء -

۳۳ - محمد سرور : مضامین محمد علی حصہ اول : دہلی ، ۱۹۳۸ء -

۳۴ - محمد سرور : مضامین محمد علی حصہ دوم : دہلی ، ۱۹۴۰ء -
۳۵ - رئیس احمد جعفری : مقالات محمد علی (دونوں حصص) :
حیدر آباد ، تاریخ نہ معلوم -
۳۶ - رئیس احمد جعفری : سیرت محمد علی : دہلی ، ۱۹۳۲ء -
۳۷ - عبدالماجد دریا بادی : محمد علی کی ڈائری -
۳۸ - غلام رسول مہر : نقش آزاد : لاہور ، ۱۹۵۸ء -
۳۹ دلی کالج میگزین - قدیم دلی کالج نمبر ، ۱۹۳۵ء -
۴۰ - رام بابو سکسینہ : تاریخ ادب اردو : لکھنؤ ، ۱۹۲۹ء -

اشاریہ

ب

پ

ڈ

ذ

ر

ز

س

ص

ض

ط

غ

ف

ق

ک

گ

ل

ہ

و

ی

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱	۱۳	نتا	نتائج
۱۹	۱۸	میر حسن	مثنوی میر حسن
۲۴	۸	اندرونی	اندرون
۲۷	۱۱	وران هیسٹنگز	وارن هیسٹنگز
۳۵	۵	ارود	اردو
۴۴	۱۹	رنگ و ڈهنگ	رنگ ڈهنگ
۴۵	٦	کاپ کنس	هاپ کنس
۴٦	۱۸	رجندر ناتھ سیل	رجندر ناتھ سین
٦۷	۲۲	پکڑ	جکڑ
۲۸۵	۲	لبستان	لعبتان
۲۸۵	۱۳	شاهی	یہ لفظ حذف کر دیں
۲۹۵	٦	نیو گزٹ	میو گزٹ
۳۰۸	۳، ۱۰	کلندر رام	مکند رام
۳۳٦	آخری سطر	کو، 'گاٹومارو'	'کوما گاٹو مارو'
۳۷٦	دوسرا ذیلی عنوان	الصمباح	المصباح